جون 2015
چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب
ماہنامہ
ڈائجسٹ
کراچی
PDFBOOKSFREE.PK
www.pdfbooksfree.pk

چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب

ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ کراچی

جلد نمبر 16 شمارہ نمبر 9 جون 2015ء

ای میل ایڈریس: Dardigest01@gmail.com

منیجنگ ایڈیٹر خالد علی

چیف ایڈیٹر آصف حسن

ایڈیٹر شاہد علی

سب ایڈیٹر محمد ذیشان

قیمت -/60 روپے

سالانہ قیمت -/1000 روپے

ماہی رائٹر کے خیالات سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ ڈر ڈائجسٹ میں چھپنے والی تمام کہانیاں فرضی ہوتی ہیں کسی کی ذات یا شخصیت سے مماثلت اتفاقیہ ہو سکتی ہے

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کئے جاتے ہیں۔ ادارہ اس معاملے میں کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

www.pdfbooksfree.pk

خواتین کی بہترین کہانیوں کا انتخاب

ماہنامہ
صائمہ
کراچی

اپنے وقت کی مایہ ناز، اور مشہور و معروف رائٹر۔ ''اے آر خاتون'' کا دلوں میں اتر جانے والا اور دماغ سے محو نہ ہونے والا چاہت کا ریکارڈ توڑتا ناول ''شمع'' جون 2015 سے ماہنامہ صائمہ میں ہر ماہ ضرور پڑھیں۔

ماہنامہ صائمہ میں آپ بھی اپنی رومانوی کہانیاں، افسانے، غزلیں، شاعری، بیوٹی ٹپس، کھانا پکانے کے طریقے، مشکلات کا حل، اور گھریلو ٹوٹکے وغیرہ شائع کروا سکتی ہیں۔ آپ اپنی کاوشیں ارسال کریں تا کہ ماہنامہ صائمہ میں آپ کے نام سے آپ کی کاوشیں جلوہ گر ہو سکیں۔

کہانیاں ارسال کرنے کے لیے ہمارا پتا ہے۔

ماہنامہ
صائمہ
نورانی آرکیڈ۔ میزانائن فلور رتن تلاؤ نمبر ۳، کراچی

رابطے کے لئے:۔
021-32711915
021-32744391

www.pdfbooksfree.pk

طاہرہ آصف 16
آتما کا انتظار
کیا یہ حقیقت ہے کہ مرنے والے مرنے کے بعد بھی پسند ناپسند کے پابند ہوتے ہیں

طارق محمود 37
ناشکرا
زیادہ اور زیادہ کے طلبگار لوگوں کے لئے بہت ہی قابل غور اور سبق آموز انمٹ کہانی

مدثر بخاری 45
شیطانی سحر
رات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی خوفناک دہشت ناک ڈراؤنی کہانی

اے وحید 52
رولوکا
وہ واقعی پراسرار قوتوں کا مالک تھا اُس کی حیرت انگیز اور جادوئی کرشمہ سازیاں آپ کو دنگ کر دیں گی

بشرا بلوچ جسکانی 77
دوسری مخلوقات
حیرت کے سمندر میں غوطہ زن حقیقت سے روشناس کرتی عجیب وغریب روداد

سیدہ عطیہ زاہرہ 83
چمکدار آنکھیں
انسان حوصلہ اور ہمت پر قابو رکھے تو فاتح کہلاتا ہے۔ کہانی پڑھ کر دیکھیں حقیقت سامنے آجائیگی

ایس امتیاز احمد 87
آسیبی گھر
رگوں میں دوڑتے لہو کو منجمد کرتی برسوں دماغ سے محو نہ ہونے والی لرزیدہ لرزیدہ، خونی کہانی

ناصر محمود فرہاد 93
بوگی مین
تجسس اور سسپنس سے بھرپور دل کو دہلاتا اور خوف وہراس میں مبتلا کرتا حقیقی شاخسانہ

ایم اے راحت 102
زندہ صدیاں
سوچ کے نئے دریچے کھولتی اپنی نوعیت کی بے مثال، لاجواب اور دلفریب کہانی

ایڈیٹر و پبلشر آصف علی نے سٹی پریس تالپور روڈ کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

www.pdfbooksfree.pk

127 ضرغام محمود
خونی مخلوق
ایک خونی مخلوق کی لرزہ خیز داستان حیرت جو کہ پڑھنے والوں کو تھرا کر رکھ دے گا

131 فلک زاہد
خبیث روح
زندگی کا طور طریقہ عادت و اطوار، کیا مرنے کے بعد بھی برقرار رہتا ہے، کہانی پڑھ کر دیکھیں

139 رضوان علی سومرو
خونی کہانی
ایک قتل کا عجیب و غریب داستان حیرت جسے پڑھنے والے ورطہ حیرت میں پڑ جائیں گے

152 ملک ایس اے کاوش
بوسیدہ ڈائری
کرب و اذیت سے دوچار فگار خوش دل فگار جسم کے رونگٹے کھڑے کرتی حیرت انگیز کہانی

175 ساجدہ راجہ
انوکھی دوستی
ایک ماورائی مخلوق کا حیرت میں ڈالتا شاخسانہ جو کہ پڑھنے والوں کو ورطہ حیرت میں ڈالے گا

182 ایم الیاس
عشق ناگن
یہ دنیا رہے نہ رہے لیکن کہانی محبت کی زندہ رہے گی۔ انہی الفاظ کو حاطہ کرتی دلگداز کہانی

207 ساحل دعا بخاری
انتہائی قدم
جنات کی شرانگیزی کی حقیقت پر مبنی دل دہلاتی اور دل کو موسوی تحیر انگیز کہانی

218 ادارہ
قوس قزح
قارئین کے بھیجے گئے اشعار جنہیں قارئین بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں.....

224 وجیہہ سحر
خناس
اچھی کہانیوں کے متلاشی قارئین کے لئے حیرت انگیز خوفناک حیرت ناک حقیقی کہانی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ ڈائجسٹ نورانی آرکیڈ نیو اردو بازار کراچی: 32744391

www.pdfbooksfree.pk

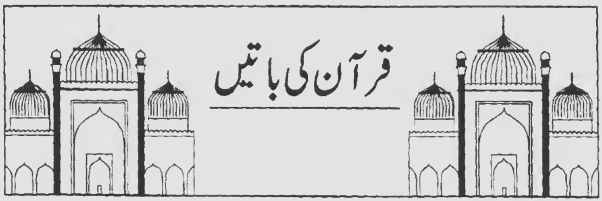

☆ مگر وہ گھاٹی پر سے ہو کر نہ گزرا اور تم کیا سمجھے کہ گھاٹی کیا ہے کسی کی گردن کا چھڑانا یا بھوک کے دن کھانا کھلانا یتیم رشتہ دار کو یا فقیر مسکین کو۔ (سورۃ بلد 90 آیت 11 سے 16)

☆ بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے یہ وہی بدبخت ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کے لئے لوگوں کو ترغیب نہیں دیتا۔ (سورۃ ماعون 107 سے 1 سے 3)

☆ اور رشتہ داروں و مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ۔ (سورۃ بنی اسرائیل 17 آیت 26)

☆ اور تمہارے گردونواح کے بعض بدو منافق ہیں اور بعض مدینہ والے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں تم ان کو نہیں جانتے ہم جانتے ہیں ہم ان کو دو ہرا عذاب دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ (سورۃ توبہ 9 آیت 101)

☆ اور تم سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ تمسخر ہوتے رہے ہیں۔ سو جو لوگ ان میں سے تمسخر کیا کرتے تھے، ان کو تمسخر کی سزا نے آگھیرا۔ (سورۃ انعام 6 آیت 10)

☆ انہوں نے اپنے علما اور مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا اللہ بنا لیا حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اللہ واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔ (سورۃ توبہ 9 آیت 31)

☆ تو جب کوئی رسول تمہارے پاس ایسی باتیں لے کر آئے جن کو تمہارا جی نہیں چاہتا تھا تو ہم سرکش ہو جاتے رہے اور ایک گروہ انبیاء کو تو جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے اور کہتے ہیں ہمارے دل پردے میں ہیں، نہیں بلکہ اللہ نے ان کو کفر کے سبب ان پر لعنت کر رکھی ہے۔ پس یہ تھوڑے ہی پر ایمان لاتے ہیں۔ (سورۃ بقرہ 2 آیت 87 سے 88)

☆ جس دن بہت سے منہ سفید ہونگے اور بہت سے سیاہ، تو جن لوگوں کے منہ سیاہ ہونگے ان سے اللہ فرمائے گا کہ کیا تم ایمان لا کر کافر ہو گئے تھے سو اب اس کفر کے بدلے عذاب کے مزے چکھو۔ (سورۃ آل عمران 3 آیت 106)

☆ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے تو پھر جائے اللہ اور بہت سے لوگ پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا جو مومنوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہوں گے جو اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اللہ بڑی کشائش والا اور جاننے والا ہے۔ (سورۃ مائدہ 5 آیت 54)

☆ جو شخص اعمال کرے گا، مرد ہو یا عورت، اور وہ مومن بھی ہوگا تو ہم اس کو دنیا میں پاک اور آرام کی زندگی سے زندہ

www.pdfbooksfree.pk

رکھیں گے اور آخرت میں ان کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے۔ (سورۃ نحل 16 آیت 97)

☆ جولوگ کافر ہیں اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے اور مسجد محترم سے جسے ہم نے لوگوں کے لئے یکساں عبادت گاہ بنایا ہے، روکتے ہیں خواہ وہ وہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنے والے اور جو اس میں شرارت سے کجروی اور کفر کرنا چاہے اس کو ہم درد دینے والے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ (سورۃ حج 22 آیت 25)

☆ کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اس حکم پر چلتا ہوں جو مجھے اللہ کی طرف سے آتا ہے کہہ دو کہ بھلا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہوتے ہیں؟ تو پھر تم غور کیوں نہیں کرتے۔ (سورۃ انعام 6 آیت 50)

☆ وہ ذات پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام یعنی خانہ کعبہ سے مسجد اقصیٰ یعنی (دور کی مسجد) تک جس کے گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں، لے گیا تاکہ ہم اسے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں بے شک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل 17 آیت 1)

☆ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے اس قابل ہے کہ اس میں جایا اور نماز پڑھا یا کرو اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے بھلا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اس کی رضامندی پر رکھی وہ اچھا ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گر جانے والی کھائی کے کنارے پر رکھی کہ وہ اس کو دوزخ کی آگ میں لے گری اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (سورۃ توبہ 9 آیت 108 ۔ سے 109)

☆ مومنوں! جب کفار کی کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ مراد حاصل کرو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم پر چلو اور آپس میں جھگڑا نہ کرنا کہ ایسا کرو گے تو تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا اور صبر سے کام لو کہ اللہ صبر کرنے والوں کا مددگار ہے۔ (سورۃ انفال 8 آیت 45 سے 46)

☆ جولوگ کافر ہیں انہیں تم نصیحت کرو یا نہ کرو ان کے لئے برابر ہے۔ وہ ایمان نہیں لانے کے اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا رکھی ہے۔ اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب تیار ہے۔ (سورۃ بقرہ 2 آیت 6 سے 7)

☆ اے پیغمبر میرے مومن بندوں سے کہہ دو کہ نماز پڑھا کریں اور اس دن کے آنے سے پیشتر جس میں نہ اعمال کا سودا ہوگا اور نہ دوستی کام آئے گی، ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے در پردہ اور ظاہر خرچ کرتے رہیں۔ (سورۃ ابراہیم 14 آیت 31)

☆ جولوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پھر جو عہد کو توڑے تو عہد توڑنے کا نقصان اسی کو ہے۔ اور جو اس بات کو جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے۔ پورا کرے تو وہ اسے عنقریب اجر عظیم دے گا۔ (سورۃ فتح 48 آیت 10)

☆ اور ہم نے انسان کو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے۔ (سورۃ حجر 15 آیت 26)

(کتاب کا نام ''قرآن مجید کے روشن موتی'' بشکریہ شمع بک ایجنسی کراچی)

www.pdfbooksfree.pk

خطوط

قارئین کرام! السلام علیکم، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہم پر اپنی کرم نوازی کرتے ہوئے ہمیں ایک اور موقع فراہم کر رہا ہے کہ ہم رمضان المبارک کی نیکیاں سیکھیں، کیونکہ رمضان کی ساری نیکیاں کئی گنا بڑھ جاتی ہیں جس کا ہم شمار نہیں کر سکتے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر کس قدر مہربان ہے جو کہ پل پل ہم لوگوں پر رحم و کرم کرتا رہتا ہے اور ایک ہم ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی اور رحم و کرم کو بالائے طارق رکھتے ہوئے احکام خداوندی بھلا دیتے ہیں۔ جبکہ احکام خداوندی صرف اور صرف ہمارے فائدے کے لئے ہے۔ اور ہم دنیاداری میں لگ جاتے ہیں، مال و دولت اور شہرت کے پیچھے لگ کر انسانیت کی دھجیاں بکھیر دیتے ہیں، یہاں تک کہ رمضان کے مہینے میں بھی ہم لوگ اپنی خواہشات اور ضرورتوں کی تکمیل کے لئے تگ و دو میں سرگرداں رہتے ہیں۔ نام و نمود اور خودنمائی کے چکر میں بھاگتے رہتے ہیں۔ تاجر حضرات اپنی چیزوں کی قیمتیں بڑھا کر زیادہ منافع حاصل کرنے لگتے ہیں اور خاص طور پر پھل فروٹ فروخت کرنے والے آگے ہی آگے رہتے ہیں۔ ان اشیاء کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگتی ہیں جو کہ ہر کسی کی پہنچ سے باہر نکل جاتی ہیں۔ بہت سے بیچارے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اپنے معصوم بچوں کی خواہش بھی پوری نہیں کر پاتے اس لئے کہ فروٹ خریدنے کے لئے ان کے پاس زیادہ پیسے نہیں ہوتے لہٰذا معصوم بچے دل مسوس کر رہ جاتے ہیں اور والدین یاس و محرومی سے ہاتھ ملتے ہیں، یہی نہیں بلکہ تمام اشیاء کی قیمتیں آسمان پر چڑھا دی جاتی ہیں۔ کاش! کہ ہم پاکستانی ان باتوں پر بغور سوچیں تو ہمارا معاشرہ بھی خوشیوں کا گہوارہ بن جائے اور کیوں کوئی بھی معصوم بچہ اپنی خواہش اور خوشیوں کے پیش نظر دل مسوس کر نہ رہ جائے۔ ویسے بھی ہمیں اپنے پاس پڑوس اور خاندان میں موجود مالی حالات سے جو کمزور ہیں ان کی مدد کرنی چاہئے اور یہی احکام خداوندی بھی ہے۔ قارئین! چند باتیں ایک دوست کے توسط سے مجھ تک پہنچی ہیں جو کہ آپ کی خدمت میں پیش ہیں۔ پڑھیں اور غور کریں..... ''میں بھی کتنا عجیب ہوں نا۔ صحت یاب ہوں تو ''اللہ'' کو بھول جاتا ہوں... مصروف ہوں تو ''نماز'' بھول جاتا ہوں..... برائی کروں تو ''انجام'' بھول جاتا ہوں..... دیکھوں تو ''حیا'' بھول جاتا ہوں.... کھاتا ہوں تو ''بسم اللہ'' بھول جاتا ہوں... کھالوں تو ''الحمدللہ'' بھول جاتا ہوں... کسی سے ملوں تو ''سلام'' بھول جاتا ہوں... سوتے ہوئے ''توبہ'' بھول جاتا ہوں..... غصے میں ہوں تو ''برداشت'' بھول جاتا ہوں سفر پر جاؤں تو ''دعا'' بھول جاتا ہوں..... اور کیا شان ہے میرے ''اللہ'' کی۔ وہ پھر بھی نوازتا ہے وہ نہیں بھولتا..... سبحان اللہ۔'' قارئین کرام یہ چند باتیں ہر فرد کے لئے غور طلب ہیں۔ ان کے متعلق ہمیں ضرور غور کرنا چاہئے۔

دعا گو: خالد علی (مینجنگ ایڈیٹر)

فلک زاہد لاہور سے، ڈر کے تمام پڑھنے اور لکھنے والوں کو چاہتوں بھرا سلام، ڈر کی رنگا رنگ محفل مجھے ایک بار پھر کھینچ لائی ہے۔ سب سے پہلے تو میں ایس حبیب خان صاحبہ سے کہنا چاہوں گی کہ میں صاحب نہیں صاحبہ ہوں۔ آپ بلا جھجک مجھ سے دوستی بھی کر سکتی ہیں۔ میری گزارش قبول کرنے کا بہت شکریہ۔ آپ کی کہانی ''غلط فہمی'' زبردست رہی۔ ضرغام محمود صاحب اس بار ٹاپ پر رہے۔ آپ کی کہانیاں ''ہتھیارا، موت کا سامنا، نشان عبرت اور موت کے شکنجے میں'' اے ون تحریریں تھیں۔ اب بات کرتے ہیں ایسے رائٹر کی جن کی کہانیوں میں ہمیشہ کچھ نیا اور منفرد پڑھنے کو ملتا ہے وہ ہیں ہم سب کی پسند ایس امتیاز احمد بلاشبہ آپ کا شمار اعلیٰ رائٹروں میں ہوتا ہے۔ ''آسیبی کتاب، پراسرار جزیرہ اور عجیب مخلوق'' ایک بار پھر سب پر بازی لے گئیں۔ آپ کے جیسی انگلش کہانیاں کوئی نہیں لکھ سکتا ویلڈن، بھائی عثمان غنی کی کہانیاں ''مسکراہٹ اور خواہش ناتمام'' لاجواب تھیں۔ ویری گڈ، عطیہ زاہرہ صاحبہ بھی اس دفعہ خوب رہیں۔ ''ابلتا لہو اور حویلی کا راز'' اچھی تحریریں تھیں۔ ''خون کی پیاس اور موت کا سودا'' رضوان علی سومرو اچھی کہانیاں شاباش، جبکہ کفن آپی بلقیس خان بلاعنوان عامر ملک، دہقان نوعمران قریشی صاحب کی لاجواب کہانیاں تھیں، بھائی ناصر محمود فرہاد کیا آپ میری گزارش پر انگلش کہانی لکھیں گے؟؟ آپ کی کہانی قبر کی چوری کی میں اب تک گرویدہ ہوں۔ میں شدت سے انتظار کر رہی ہوں کہ ڈر میں میری کہانی کب شائع ہوگی۔

☆☆ فلک صاحبہ: خوش ہو جائیں آپ کی خبیث روح شامل اشاعت ہے۔ اس کہانی پر غور کیجئے گا تاکہ آئندہ لکھنے میں آسانی ہو، گڑیا ابھی پڑھی نہیں۔ خط ہر ماہ ضرور لکھا کریں۔ تجزیہ کے ساتھ۔

www.pdfbooksfree.pk

رضیہ عارف کراچی سے، السلام علیکم! مئی 2015ء کا ڈر ڈائجسٹ دلکش ٹائٹل کے ساتھ ہاتھوں میں آیا اور پھر میرا دل باغ باغ ہو کر بلیوں اچھلنے لگا، سچی بات ہے کہ آج کل ڈر کا ٹائٹل اپنی مثال آپ ہو رہا ہے، اور ہاں یاد آیا سب سے پہلے تو معذرت خواہ ہوں، اس لئے کہ ایک طول عرصہ تک میں ڈر کی محفل سے غیر حاضر رہی، وجہ یہ کہ میں کراچی سے باہر گئی تھی، مگر ڈر سے انسیت ایسی ہے کہ وہاں بھی ڈر ڈائجسٹ ہر ماہ پڑھتی رہی، ویسے تو تمام رائٹر بڑی تگ و دو اور دلی لگن کے ساتھ اپنی اپنی کہانیاں لکھ رہے ہیں، ایس امتیاز احمد صاحب ہر ماہ قلبی لگاؤ کے ساتھ اچھی اچھی دل موہ لینے والی کہانیاں، ہم پڑھنے والوں کے عین ذوق و شوق کے مطابق بھیج رہے ہیں۔ سو ویری ویری تھینکس امتیاز صاحب، مدثر بخاری بھی کئی ماہ سے ریگولر پیش پیش ہیں۔ طاہرہ آصف چند ماہ پہلے ڈر میں جلوہ گر ہوئی ہیں اور میں دلی طور پر کہہ رہی ہو کہ "طاہرہ آصف آئیں اور چھا گئیں۔" سیدہ عطیہ زاہرہ جواب نہیں آپ کا آپ کی محنت یقیناً بہت جلد رنگ لائے گی اور ویسے بھی آپ آج کل کئی پرچوں میں نظر آ رہی ہیں، ساحل دعا بخاری آپ کسی تعریف کی محتاج نہیں جو بھی لکھتی ہیں بڑی چاؤ اور لگن سے لکھتی ہیں مگر ریگولر میں نہ جانے کیوں وقفہ آ رہا ہے۔ عمران قریشی نجانے کیوں اپنے چاہنے والوں کی دل شکنی کرتے نظر آ رہے ہیں۔ عمران صاحب پلیز آپ کے بھی کچھ فین ہیں ان کا خیال رکھا کریں۔ ناصر محمود فرہاد اور عامر ملک صاحب لگتا ہے آپ سب کی مصروفیات کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی ہیں۔ پلیز! دوسروں کی خوشیوں کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ ایس حبیب خان لکھتی ہیں اور بہت اچھا لکھتی ہیں مگر وقفہ برائے..... ایس حبیب صاحبہ غور کریں اور پلیز ریگولر ہو جائیں۔ شگفتہ ارم درانی جی نئی ذمہ داریاں آپ نے سنبھال لیں، پیا گھر سدھار گئیں امید ہے اپنے چاہنے والوں کے لئے بھی تھوڑا سا وقت نکال لیا کریں، عین نوازش ہوگی، میں قسط وار کہانیاں تو میں دل پر ہاتھ رکھ کر کہہ رہی ہوں کہ..... رولوکا کا جواب نہیں، ہر قسط میں نیا پن، ہر قسط میں حالات واقعات نئے اور یہی وجہ ہے کہ رولوکا عروج پر ہے۔ اور میں اے وحید صاحب کو رولوکا کی کامیابی پر مبارکباد دیتی ہوں۔ عشق ناگن کے ساتھ واقعی عشق والا چکر چل گیا ہے کیونکہ عشق میں پڑنے والا اپنے آپ سے بھی چلا جاتا ہے۔ خناس بس سو سو، ایک عورت کو عامل کامل بنا دیا گیا جبکہ ایک عورت عمل کے میدان میں اتنا آگے نہیں بڑھ پاتی، ایم اے راحت لکھتے ہیں اور بہت خوب لکھتے ہیں مگر نہ جانے زندہ صدیاں کس طرح لکھ رہے ہیں اور اپنے پڑھنے والوں کو کہاں تک مطمئن کر رہے ہیں۔ یہ تو وہ خود ہی جانتے ہیں، تو میں یہ کہوں گی کہ راحت صاحب سکندر اعظم اور دیگر کی تاریخ نہیں بلکہ ڈر ڈائجسٹ ہارر پرچہ ہے اور پڑھنے والے ڈر کو خریدتے ہیں کہ ہارر کہانیاں اس میں ہوں گی نا کہ تاریخ..... خیر اس کے علاوہ وہ سارے رائٹر بھی بہت خوب لکھ رہے ہیں اور لکھتے رہیں گے، میں دعا گو ہوں کہ ہمارا ڈر شب و روز ترقی کرتا رہے۔ آمین۔

☆☆ رضیہ صاحبہ: دلی تجزیہ کے لئے بہت بہت شکریہ اور اب قوی امید ہے کہ آپ بھی ہر ماہ قلبی خلوص نامہ ضرور ارسال کرتی رہیں گی، دیکھئے آئندہ ماہ بھی خط لکھنا بھولئے گا نہیں۔ Thanks۔

نین تارا عنایت اللہ کراچی سے، السلام علیکم، اپریل کا ڈر ڈائجسٹ میرے سامنے ہے اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے اور ہر ماہ ایک سے بڑھ کر ایک کہانی ہوتی ہے۔ آج کل خواتین رائٹر میرے خیال میں آگے ہیں۔ اس لئے میں کافی عرصے سے سوچ رہی تھی کہ میں بھی کوئی تحریر ارسال کروں پھر اسی سوچ کے تحت ایک کہانی "سزائے حویلی" ارسال کر رہی ہوں، کافی امید ہے کہ ضرور شائع ہوگی اور قارئین کو بھی بہت پسند آئے گی۔ شب و روز ڈر ڈائجسٹ کی ترقی کے لئے دعا گو ہوں۔

☆☆ نین تارا صاحبہ: ڈر ڈائجسٹ میں خوش آمدید، آپ نے کہانی بھیجی دو صفحات کی، یہ تو ڈر کا ایک صفحہ بھی نہیں بنے گا، کہانی کم از کم دس بارہ صفحات پر مشتمل بھیجیں۔ خیر آئندہ ماہ بھی آپ کی تحریر کا شدت سے انتظار رہے گا۔

مریم شاہ بخاری سرگودھا سے، السلام علیکم، اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ تمام لوگوں کے کے آلام و مصائب دور ہوں..... اور کامیابیاں سب کے قدم چومیں۔ ماہ اپریل کا شمارہ پڑھا۔ بہت پسند آیا۔ "ڈر ڈائجسٹ" کے سرورق کی تو کیا بات ہے، ہر بار نیا اور منفرد نظر آتا ہے۔ مجھے تو خاص طور پر اس ماہ ٹائٹل بہت بھایا۔ اپنا خط اور نظم شمارے میں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اور دل بے حد ممنون ہے۔ حوصلہ افزائی کا بے حد شکریہ، امید ہے کہانی بھی جلد شمارے میں جگہ بنائے گی۔ اب ذرا کہانیوں کی بات ہو جائے تو سب سے پہلے باری آتی ہے طاہرہ آصف کی تحریر جادوئی چکر کی..... کہانی تو اچھی تھی مگر تشنہ..... یعنی کہانی مزید آگے بڑھ سکتی تھی۔ چلئے خیر..... ہر ایک کا اپنا انداز ہوتا ہے..... میں نے تو بس جو محسوس کیا لکھ دیا۔ بلقیس خان کی کہانی "جیت" اچھی تھی۔ "شیطانی محلول" مدثر بخاری کی بہتر تحریر تھی۔ "جنات سے دوستی" نارمل اسٹوری رہی۔ "پراسرار حویلی" خلیل جبار، "ابدی زندگی" ضرغام محمود، "خواہش ناتمام" عثمان غنی کی تحاریر اچھی رہیں۔ "غیبی محافظ" اوسط

www.pdfbooksfree.pk

درجے کی کہانی رہی۔ ''عجیب مخلوق'' بھی درمیانے درجے کی کہانی رہی۔ خونی حویلی، کاشف عبیدہ کاش کی اچھی تھی، جسے پڑھتے ہوئے واقعی ڈر محسوس ہوا۔ ''رقص اجل'' آخری صفحات کی زینت رہی۔ شہزادہ چاند زیب صاحب نے بہت خوب صورت لکھا اور آخر میں پیغام بھی دیا۔ ویری گڈ ''رولو کا'' سلسلے وار کہانی میں جو چیر، پھاڑ اور شیر والا قصہ بیان کیا گیا بچپن میں بہت بار سنا تھا لیکن اتنے خوب صورت اور پیارے انداز میں پہلی مرتبہ پڑھا اور بہت اچھا لگا۔ واقعی اگر ہر شخص اپنے آپ کو سنوارے اور اپنا محاسبہ کرے تو دنیا جنت بن جائے۔ ''زندہ صدیاں'' دل کو بھا گئیں، ٹھن گپتی کے واقعات اچھے لگے۔ دو پریمیوں کی یہ داستان ہمیشہ یاد رہے گی۔ ''عشق ناگن'' بھی خوب صورت انداز میں آگے بڑھ رہی ہے۔ قوس قزح کے کم سے کم دو صفحات اور بڑھا دیں۔ باقی سب اچھا ہے۔ اللہ سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین۔ ثم آمین۔

☆☆مریم صلیبہ: وقت آنے پر آپ کی کہانی بھی شامل اشاعت ہوگی۔ آئندہ کاغذ کو کاٹ کر کہانی لکھا کریں کیونکہ اس طرح تحریر زیادہ آگے پیچھے ہوجاتی ہے۔ امید ہے غور کریں گی۔

مدثر بخاری شہر سلطان سے، آداب عرض! خیریت مسنون! امید ہے دوست احباب ٹھیک ٹھاک اور خوش وخرم ہونگے۔ دعا ہے کہ سب خوش وخرم رہیں۔ آمین۔ مئی کا نیا شمارہ 12 اپریل کی شام موصول ہوا۔ جامنی آنکھوں والی حسینہ کے سفید بال خاصے پرکشش تھے۔ گویا ہمیشہ کی طرح کمال کا ٹائٹل رہا، ویری نائس۔ قرآن کی باتیں دل کو منور کردینے والی ہوتی ہیں۔ بے شک قرآن ہدایت کا راستہ ہے۔ اللہ ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ خطوط میں پہلا خط رنجیدہ کرگیا، عباسلیہ کے والد صاحب کی وفات کا افسوس ہوا، ہم ان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ ناصر صاحب اپنی طویل غیر حاضری کے بعد واپس آئے۔ ویلکم، آپ کی کہانیاں اچھے موضوعات پر ہوتی ہیں۔ ایس امتیاز احمد ایک مرتبہ پھر مکمل تجزیہ لکھنا بھول گئے خیر آگے دیکھتے ہیں رانا حبیب الرحمٰن اور شوکت علی بلوچ جیسی سے ذرکی محفل میں حاضر ہوئے۔ ویلکم..... یہ ذرکی ترقی اور چاہت کا راز ہے اور واضح ثبوت ہے۔ کہانیوں کی طرف آئیں تو معیار اونچا نظر آیا۔ ضرغام محمود کی زہریلی حسینہ نے بہت متاثر کیا۔ خوفناک انجام رہا۔ گڈ۔ احسان سحر کی دلہن کی روح اچھی تھی۔ ریگولر لکھیں تو مزہ آجائے۔ موت کا تحفہ میری تحریر..... آپ کے اوپر چھوڑی۔ سکتے کی موت، ایس امتیاز کا منفرد انداز زبردست رہا۔ اس ماہ کی ٹاپ کہانی عشق کے اسرار، واہ کیا تحریر تھی۔ ذرکی ترقی کے لئے شب و روز دعا گو ہوں۔

☆☆مدثر صاحب: خلوص نامہ پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، آپ کا بہت بہت شکریہ کہ ہر ماہ کہانی بھیج رہے ہیں اور قوی امید ہے کہ یہ دلی لگاؤ آئندہ بھی قائم رہے گا۔ آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ کا انتظار رہے گا۔

شرف الدین جیلانی نڈوالہ یار سے، محترم خالد بھائی امید ہے ہم سب کی طرح اللہ رب العزت کی نعمتوں کا شکریہ ادا کررہے ہوں گے۔ مئی کا شمارہ وقت پر مل گیا۔ ٹائٹل کے بارے میں بے اختیار جی چاہتا ہے کہ..... قرآن کی ایمان افروز باتوں کے بعد خطوط میں عباسلیہ اسلم کا خط پڑھ کر زخم تازہ ہوگئے۔ 2015 مبارک نہ آیا ابتدائی اموات کا سلسلہ جاری ہے جو حکم اللہ تعالیٰ کا..... ذرکی پوری فیملی صبا کے غم میں برابر شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور اہل خانہ کو صبر وجمیل عطا فرمائے۔ (آمین) چھوٹی کہانی لکھنے والے رائٹروں کی کہانیوں میں نکھار آتا جارہا ہے۔ ایم الیاس اور ایم اے راحت صاحب سے گزارش ہے کہانی آگے بڑھائیں جیسا کہ رولو کا کی ہر قسط آگے بڑھتی ہے وجیہہ سحر کی خناس پچھمی قسط بھی ٹھیک تھی۔ شہزادہ چاند زیب کے بارے میں بلقیس خان کا اعتراض غلط ہے۔ چاند زر کے معیار پر لکھ رہے ہیں، خاتون رائٹرز کو رومان بنانے کی کوشش کررہی ہیں۔

☆☆شرف الدین صاحب: ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر اور تمام اہل خانہ پر اپنا فضل وکرم رکھے، خوشیوں سے نوازے تاکہ ہر ماہ خوش دلی کے ساتھ خلوص نامہ ارسال کرتے رہیں گے۔ شکریہ۔

محسن عزیز حلیم کوٹھا کلاں سے، السلام علیکم! امید ہے ذر سے تعلق رکھنے والے تمام خواتین وحضرات خیریت سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سب کو خوش رکھے۔ آمین۔ مئی کا شمارہ اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ میرے ہاتھوں میں ہے اور سرورق پر ایک خوب صورت حسینہ براجمان ہے۔ خیر قرآن کی باتیں جو کہ ہم سب کے لئے مشعل راہ ہیں خطوط کی محفل میں اپنا خط دیکھ کر دلی مسرت ہوئی۔ خطوط میں رانا حبیب الرحمٰن، شوکت علی بلوچ، تابرز نوید، عباسلمہ اسلم، وجیہہ سحر، بلقیس، مجمد اسلم جاوید کے خطوط پسند آئے۔ کہانیوں پر نظر ڈالی تو قسط وار اسٹوریوں میں سب سے بہترین..... خناس ہے۔ ویری بیسٹ وجیہہ سحر نے ایک ایک لفظ سوچ سوچ کر لکھا ہے۔ عشق ناگن کو بلاوجہ طول دیا جارہا ہے۔ لیکن ہے بہت ہی اچھی زندہ صدیاں سو سو ہے، رولو کا بھی گڈ ہے۔ باقی کہانیوں میں مجھے سب سے زیادہ ایس

www.pdfbooksfree.pk

حبیب خان کی منگنی پیاس اچھی لگی۔ عطیہ زاہرہ کی عشق کے اسرار بہت ہی عجیب قسم کی کہانی تھی۔ خیر اب اجازت دیں، دعا گو ہوں کہ ڈر ڈائجسٹ خوب ترقی کرے۔

☆☆ محسن صاحب: خلوص نامہ بھیجنے اور کہانیوں کی تعریف کیلئے شکریہ، امید ہے آئندہ ماہ بھی قلمی لگاؤ سے لکھا تجزیہ ضرور ارسال کریں گے۔

محمد اسلم جاوید فیصل آباد سے، السلام علیکم! خیر وعافیت اور نیک دعاؤں کے ساتھ حاضر ہوں، شدید پریشانی اور گرمی میں شہر گیا، بک اسٹال پر پہنچا تو سمی کے پرچے سے ملاقات ہوگئی۔ سرورق دل کو اچھا لگا۔ اندر جھانکا تو خوب صورت تحریروں سے ملاقات ہوگئی، ویسے ڈر ڈائجسٹ کے سارے سلسلے اپنی اپنی جگہ پر بہتر تھے۔ خدا دوشعر شائع کرنے کا شکریہ، مگر غزل والی بات ادھوری رہ گئی، اس بار آپ نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا، میں آپ کو الزام کیا دیتا خود ہی شرمندہ سا ہوگیا۔ غزلوں والے کالم میں آپ خود غور سے دیکھیں تو آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا۔ ڈر ایرچے پر نظر ثانی کرلیا کریں تو اچھا ہوگا، شاید آپ کی وفا میں کمی ہوگئی ہے۔ ہم خلوص اور محبت سے اتنی دور سے آپ کو خط تحریر کرتے ہیں، شاید آپ ہماری محبت کا اندازہ نہیں لگا سکتے، خط سے آدھی ملاقات ہو جاتی ہے، مقرر تاریخ پر ڈر ڈائجسٹ کا بڑی بے تابی سے انتظار ہوتا ہے۔ اس کا اپنا الگ معیار ہے تیری نگاہوں میں چاہتوں کے گلاب مہکتے رہیں، پیار کی راہوں میں سدا روشنیوں کے چراغ جلتے رہیں۔ یوں لگتا کہ آپ کی محبت میں کمی رہ گئی۔

☆☆ اسلم صاحب: محبت میں کمی نہیں ہوئی اور نہ ہی آئندہ ایسا ہوگا، یہ اپنائیت والی بات ہے کہ شکوہ شکایت بھی اپنوں سے کرتے ہیں اور آپ کو پینی ٹینشن ہو اس کے لئے معذرت..... یہ دنیا ہے نذر ہے۔ کہانی محبت کی زندہ رہے گی۔

محمد قاسم رحمان ہری پور سے، السلام علیکم! ڈر سے میں دو ماہ غیر حاضر کیا رہا کہ سارے دوست مجھے بھول ہی گئے، خیر کوئی بات نہیں۔ ایڈیٹر انکل! پلیز! پلیز! اس مرتبہ میرا خط پورا شائع کیجئے گا، کیوں کہ یہ خط جون میں شائع ہوگا اور جون میں ڈر سے وابستہ ہوئے مجھے ایک سال گزر جائے گا۔ سمی کا ڈر ملا۔ ٹائٹل اس مرتبہ بالکل فوٹو کا نہیں تھا۔ نئے لوگوں کو ڈر میں خوش آمدید، طاہرہ آصف بہت خوب لکھ رہی ہیں، ویلڈن، عطیہ زاہرہ اور ساحل دعا بخاری کو غیر حاضر پا کر دل افسردہ ہوا۔ پلیز آپ ریگولر لکھا کریں۔ ساحل دعا بخاری ابھی اک رات باقی ہے۔ بہت زبردست کہانی تھی۔ سکندر حبیب بھی واپس آگئے، کہانی بہت اچھی تھی۔ مدثر بخاری کی شیطانی محلول نے بھی بہت متاثر کیا، آپ نے پچھلی مرتبہ کہا تھا کہ میری کہانیاں بہت چھوٹی ہوتی ہیں۔ اس مرتبہ پہلے کی نسبت ذرا طویل کہانی ''کالی طاقتوں کا انتظار'' بھجوا رہا ہوں، پلیز اس کو بھی ردی کی نوکری کی نذر نہ کیجئے گا۔ مہربانی ہوگی۔ ''مدد'' سمی کیا ناقابل اشاعت ہے۔'' جواب ضرور دیجئے گا۔ ڈر کی ترقی کے لئے شب و روز دعا گو۔

☆☆ محمد قاسم صاحب: لیجئے پورا خط شائع ہوگیا۔ خوش ہو جائیں، آپ کی کہانی ''بنام روح کی مدد'' اگلے ماہ ضرور شائع ہوگی کیونکہ ہو چکی ہے۔ کوشش کریں کہ ہر ماہ حاضر ہوا کریں۔ Thanks۔

حسنین حیدر شاہین لالیاں سے، السلام علیکم! امید کرتا ہوں کہ ڈر ڈائجسٹ اپنی منزل پر گامزن ہوگا۔ سمی کا ٹائٹل 22 اپریل کو ملا۔ واہ کیا بات تھی۔ ڈر کی۔ ڈر ڈائجسٹ نے ماریکٹ پر جیسے ہلا بول دیا ہو۔ خیر اپنا خط دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ لیکن اپنی کہانی ادھورا انتقام نہ پا کر خوشی ہی ادھوری رہ گئی۔ خیر چھوڑیں۔ قرآن کی باتوں میں بہت سبق تھا۔ کہانیوں میں آپی ساجدہ راجپوت کی کہانی آدم خور پودے نے تو ڈر ڈائجسٹ کی محفل ہی لوٹ لی۔ ویسے ساحل دعا بخاری کی خاموشی نے بھی دھوم مچادی۔ منگنی پیاس، عشق کے اسرار، روح کا انتقام، خناس، زہریلی حسینہ وغیرہ نے تو جیسے ڈر ڈائجسٹ کو چار چاند لگا دیئے ہوں۔ آپی بلقیس خان غائب تھیں۔ لیکن ڈر ڈائجسٹ اپنی پوری تاثیر کے ساتھ موجود تھا۔ کچھ لائنوں کو اپنی تھوڑی سی اصلاح کرنی پڑے گی۔ کیونکہ اصلاح سے ہی تو کامیابیاں ملتی ہیں۔ ادھورا انتقام کا شدت سے انتظار کروں گا۔ پلیز، میری کہانی اصلاح شدہ ہے کیونکہ ایک مصنف میرے رشتہ دار ہیں۔ ان کو کہانی پڑھا کر ارسال کرتا ہوں۔ سو اپنے ادھورے انتقام کا انتظار رہے گا۔ الذہ میرے ڈر ڈائجسٹ کو بلندیوں کے دہانے تک پہنچائے۔ آمین۔

☆☆ حسنین صاحب: ادھورا انتقام اگلے ماہ ضرور جلوہ گر ہوگی، کہانی کمپوز ہو چکی ہے اور آپ آئندہ ہار کہانیاں ہی لکھئے گا، ویسے نوازش نامہ کا آئندہ ماہ بھی شدت سے انتظار رہے گا۔

طارق محمود کامران کلاں سے، السلام علیکم! امید ہے سب خیریت سے ہوں گے۔ اپریل کا رسالہ بہت ہی اچھا لگا۔ اس کا ٹائٹل بہت ہی خوب صورت تھا۔ کہانیاں سب ہی اچھی تھیں۔ قسط وار سلسلے اچھے جا رہے ہیں۔ پہلی کہانی طاہرہ آصف صاحبہ کی بہت ہی اچھی

www.pdfbooksfree.pk

لگی۔ ایس امتیاز احمد صاحب کی کہانی انوکھی اور دلچسپ لگی باقی رائٹرز بھی اچھا لکھ رہے ہیں۔ مئی کا رسالہ ابھی تک نہیں ملا اور اپنی کہانی کا انتظار ہے۔ ایک کہانی اور دو غزلیں بھیج رہا ہوں، پلیز اگر اچھی لگے تو قریبی شمارے میں شائع کر کے شکریہ کا موقع دیجئے گا۔ شکریہ۔

☆☆ طارق صاحب: خوش ہو جائیں، آپ کی ''ناشکرا'' شائع ہو گئی اور آئندہ ماہ تجزیہ بھیجنا بھولئے گا نہیں۔ Thanks۔

ایس امتیاز احمد کراچی سے، السلام علیکم! امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا جون 2015ء کا خوب صورت شمارہ آنے کو منتظر ہے۔ میٹر ہم بھیج چکے ہیں۔ امید ہے مل گیا ہوگا۔ مزید ایڈوانس میں بھی میٹر حاضر خدمت ہے۔ غزل اور دیگر تحریریں بھی ارسال ہیں۔ پلیز قریبی اشاعت میں جگہ دے کر مشکور فرمائیں، تمام اسٹاف کو اور دیگر تمام خوب صورت لکھنے والے رائٹر اور تمام خوب صورت پڑھنے والے دو یورز کو دعا سلام۔

☆☆ امتیاز صاحب: بہت خوب آپ نے لکھا ہے کہ دیگر تحریریں ارسال ہیں۔ مگر تحریروں میں مکمل قلبی لگاؤ سے لکھا ہوا تجزیہ غائب!! امید ہے دل پر ہاتھ رکھ کر ضرور غور فرمائیں گے۔ Thanks۔

شاھد رفیق سھو کبیر والا سے، ماہ مئی کا شمارہ بہت جلدی مل گیا، قران کی باتیں پڑھیں، اس سے ایمان تازہ ہو گیا۔ کہانیوں میں موت کا بدلہ مریم فاطمہ بہت اچھی اسٹوری تھی۔ عشق کے اسرار سیدہ عطیہ زاہرہ، آدم خور پودے ساجدہ راجہ، روح کا انتقام ان سب کی اسٹوریاں بہت اچھی تھیں۔ خطوط میں صبا محمد اسلم کے والد کا بہت دکھ ہوا یہ سب اللہ کا کام ہے ان کو کون ٹال سکتا ہے۔ ہماری دعا ہے اللہ ان کو جنت میں جگہ دے۔ آمین۔ بلقیس خان کا اچھا تبصرہ تھا۔ محمد اسلم جاوید فیصل آباد، ایم نادر شاہ، محمد ابو ہریرہ بلوچ ان سب کے خط بہت اچھے تھے، قوس قزح میں بلقیس خان، محمد اسلم جاوید، رانا حبیب رحمان ان کے شعر بہت اچھے تھے۔ غزلوں میں مریم شاہ بخاری، بلقیس خان، وجیہہ سحر انہوں نے میدان مار لیا۔

☆☆ شاہد صاحب: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ بھیجنے کے لئے ڈھیروں شکریہ قبول کریں۔ خط لکھنا بھولئے گا نہیں۔

تارز نوید کراچی سے، السلام علیکم! امید ہے ڈر ڈائجسٹ کا تمام اسٹاف خیریت سے ہوگا۔ سب سے پہلے ڈر ڈائجسٹ کا شکریہ کہ ڈر ڈائجسٹ نے اپنے قیمتی صفحات میں میرا خط شامل کیا بہت زیادہ خوشی ہوئی، کہانی نہ چھپ سکی، پر کوئی بات نہیں، مئی کے ڈر ڈائجسٹ میں تمام کہانیاں اچھی تھیں، سلسلہ وار کہانیوں کی تو کیا ہی بات ہے وجیہہ سحر کی خناس اچھی کہانی لگی۔ رولوکا، عشق ناگن اچھی جا رہی ہیں۔ خط شائع کرنے کا شکریہ کراچی کے حالات میں ہماری ڈیوٹی کافی سخت ہوتی ہے۔ فراغت کے لمحات ملتے ہی ڈر ڈائجسٹ پڑھنا شروع کر دیتا ہوں۔ کیا ڈر ڈائجسٹ میں صرف پراسرار کہانیاں ہی چھپ سکتی ہیں۔

☆☆ تارز صاحب: آپ کا بہت بہت شکریہ کہ سخت ڈیوٹی کے باوجود آپ ڈر ڈائجسٹ پڑھنے اور خط لکھنے کے لئے وقت نکال لیتے ہیں۔ ڈر ڈائجسٹ میں زیادہ تر ہارر کہانیاں چھپتی ہیں۔ کوشش جاری رکھیں آپ کی کہانی بھی وقت آنے پر ضرور چھپے گی۔

محمد ابو ھریرہ بلوچ بہاولنگر سے، سب کی خیر و عافیت کا طالب ہوں، مئی 2015ء کا ڈر اپنی تمام تر رعنائیوں اور دلفریب ٹائٹل کے ساتھ میرے سامنے جلوہ گر ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میرے بی اے کے امتحان عافیت سے گزر گئے۔ بڑے سچ کہتے ہیں کہ امتحان کسی بھی قسم کا ہو امتحان ہی ہوتا ہے۔ آپ کی ہدایت کے مطابق ایک لائن چھوڑ کر صفحے کے دونوں طرف ایک کہانی لکھ رہا ہوں۔ مکمل ہوتے ہی آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔ انشاء اللہ۔ آپ نے میری کہانی ''غیبی مدد'' کے بارے میں کچھ نہیں بتایا کہ وہ قابل اشاعت ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو پلیز شائع کر کے منون کریں اور گر قابل اشاعت نہیں تو وجہ بتلائیں۔ اب بات کرتے ہیں مئی کے ڈائجسٹ پر تو جناب سب سے پہلے خطوط کی محفل میں حاضری ہوئی تو جی صبا محمد اسلم کے والد کے بارے میں جان کر افسوس ہوا۔ خدا ان کی مغفرت کرے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ کہانیوں میں سب سے پہلے ایس امتیاز احمد صاحب کی کاوش 'سکتے کی موت' پڑھی اچھوتی دلفریب کہانی تھی۔ اس کے بعد سیدہ عطیہ زاہرہ صاحبہ کی 'عشق کے اسرار' ساحل دعا بخاری کی 'خاموشی' مریم بخاری کی موت کا بدلہ بھی زبردست کہانیاں تھیں۔ ضرغام محمود صاحب کی زہریلی حسینہ بھی کمال کی اسٹوری تھی۔ قسط وار کہانیوں میں وجیہہ سحر صاحبہ کی خناس، ایم الیاس صاحب کی عشق ناگن، اے وحید صاحب کی رولوکا، ایم اے راحت صاحب کی زندہ صدیاں بھی خوب جا رہی ہیں۔ قوس قزح بھی ہر ماہ کی طرح لاجواب تھی۔ رسالہ کی ترقی کے لئے ہر وقت دعا گو ہوں۔

www.pdfbooksfree.pk

☆☆ ابو ہریرہ صاحب: آپ کی ایک کہانی اصلاح کے بعد شائع ہوگئی، اب کوئی اور کہانی ارسال کریں۔ امید ہے غور فرمائیں گے اور جلد از جلد نئی کہانی بھیج دیں گے۔

منعم اصغر ڈیرہ غازی خان سے، قابل احترام اور بے حد عزیز ایڈیٹر صاحب السلام علیکم! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ ڈرڈائجسٹ کو میں دو سال سے پڑھتا ہوں، اس ڈر کی وجہ سے کہ کہیں خط اور تحریر ردی کی نوکری کی نذر ہو گئے تو؟ کبھی ہمت ہی نہ ہوئی لکھنے کی مگر اب مزید خاموش نہیں رہ سکتے، خط پڑھتے ہی بے اختیار دل میں خواہش ابھرتی تھی کہ میں بھی اپنے عزیزوں کی محفل میں شامل ہوں۔ اس لئے آج خط لکھ رہا ہوں، یہ صرف آپ کی بے پناہ محبت اور حوصلہ افزائی کی وجہ سے ہوا ہے۔ ہر خط کے نیچے لکھا جواب اس قدر مٹھاس ہوتا ہے کہ دل میں آپ کی عزت مزید بڑھ جاتی ہے کہ آپ خط اور کہانی لکھنے والے کو Thanks کہتے ہیں، میں نے آج تک ایسا نہیں دیکھا۔ خیر سنہ 2015 کا شمارہ 26 اپریل کو مل گیا۔ ٹائٹل ہمیشہ کی طرح خوب صورت تھا۔ سب سے پہلے خط پڑھا اور صبا محمد اسلم بہن کے والد کے لئے دعائے مغفرت کی سب کے خط ہی زبردست تھے اور کہانیاں اس سے زبردست۔ زہریلی حسینہ نے شروع سے آخر تک اپنے حصار میں جکڑے رکھا واہ ضرغام بھائی مزہ آ گیا۔ اس کے بعد دلہن کی روح، موت کا تحفہ، موت کا بدلہ، سکتے کی موت، خوف کا شکار، ناگ منکا، منگنی پیاس، روح کا انتقام غرض ہر تحریر ہی دلچسپ تھی، میں ایسی تحریروں سے ڈرتا کم اور انجوائے زیادہ کرتا ہوں، مجھے مختصر کہانیوں سے زیادہ سلسلے وار کہانیاں پسند ہیں اور یہاں تو چار چار سلسلے وار ہیں۔ مزہ آ گیا۔ رولو کا، زندہ صدیاں، عشق ناگن اور خناس بہت خوب صورت کہانیاں ہیں۔ میں شاید انہیں کبھی نہ بھلا پاؤں۔ غرض ہر کہانی اپنی مثال آپ ہے۔

☆☆ منعم صاحب: ڈرڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، چلئے خوش ہو جائیے کہ خط شائع ہو گیا، جناب ہمارے دفتر میں ردی کی نوکری نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر ایک کی تحریر شائع ہوتی ہے۔ سب کو موقع ملتا ہے۔ اگر تحریر اچھی ہو تو، آپ کی تحریر "بھینے نہیں دوں گی" ابھی پڑھی نہیں۔ اچھی ہو گی تو ضرور شائع ہو گی۔ خیر آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ کا انتظار رہے گا۔ شکریہ۔

قدیر رانا راولپنڈی سے، السلام علیکم! آپ کی خیریت کا طالب ہوں، غزلوں کی اشاعت پر تہہ دل سے شکر گزار ہوں، امید ہے کہ تعاون کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ ایک غزل ارسال ہے۔ اگلے ماہ پرچے میں جگہ دے کر مشکور فرمائیں۔ آخر میں تمام جاننے والوں کو سلام کہہ دیں۔

☆☆ قدیر صاحب: جس خلوص سے آپ ہر ماہ غزل ارسال کرتے ہیں بہت بڑی بات ہے اور اس کے لئے بہت بہت شکریہ اپنے استاد کی طبیعت کا ضرور لکھئے گا، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں کامل صحت عطا کرے۔

طارق عزیز کوٹھا کلاں سے، السلام علیکم! کے بعد عرض ہے کہ ذر کے تمام اسٹاف اور ڈر پڑھنے والے سدا خوش رہیں۔ ہمیں آپ سے بہت شکوہ ہے کہ ہم نے ایک کہانی پوسٹ کی تھی "پراسرار موت" لیکن آپ نے کوئی توجہ نہیں کی، سب لوگوں کی کہانی شائع آپ کر دیتے ہیں لیکن ہماری کہانی شائع نہیں ہوئی، کوئی خطا ہو گئی ہے تو بتا دیں، ہم سودی بول دیتے ہیں۔ پلیز! ہماری کہانی ضرور شائع کریں، آپ کی بہت مہربانی ہو گی۔

☆☆ طارق صاحب: آپ سے کوئی خطا نہیں ہوئی اور سودی بولنے کی بھی ضرورت نہیں۔ آپ نے ایک بھیجی تو یہ ضروری نہیں کہ وہ کہانی قابل اشاعت ہو، جناب لکھتے لکھتے آدمی لکھاری بن جاتا ہے۔ کہانی پڑھیں اور پھر لکھیں اور بار بار لکھیں تو آپ کی کہانی بھی ضرور شائع ہو گی۔

ساحل ابڑو ڈیرہ اللہ یار سے، السلام علیکم! کے بعد عرض ہے کہ ڈرڈائجسٹ کی محفل میں پہلی مرتبہ لکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ جو گزشتہ کئی مہینوں سے ڈرڈائجسٹ عامر ملک راولپنڈی سے بذریعہ رجسٹری بھیجتا رہتا ہے۔ کیونکہ ہمارے شہر میں یہ پرچہ نہیں ملتا ہے۔ عامر ملک صاحب کا حکم میرے لئے استاد کا درجہ رکھتا ہے۔ میں اپنی طرف سے بھرپور ادبی کوشش کروں گا کہ ڈرڈائجسٹ اپنے شہر ڈیرہ اللہ یار میں بھی ایجنسی پر سیل ہو۔ ذر مجھے بہترین ادبی جریدہ لگا، جس کی تمام کہانیاں خوفناک دل ہلانے والی اور سبق آموز معاشرے کی عکاسی لگیں۔ میں اس بات پر حیران ہوں کہ ایسا پرچہ پہلے میری نظروں سے کیوں نہیں گزرا، خیر اس بات کا ثبوت ہے ہمارا صوبہ بلوچستان جو کئی سالوں سے پسماندہ ہے اسلئے ہم اچھی اچھی کتابوں سے محروم ہیں۔ آپ کی خدمت میں ایک چھوٹی سی تحریر "اماس کی رات" ارسال کر رہا ہوں۔ ضرور شائع کرنا۔

☆☆ ساحل صاحب: ڈرڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، عامر صاحب بھی بہت اچھے دماغ کے مالک ہیں، یقیناً ان کی سرپرستی میں آپ کامیاب ضرور ہوں گے۔ ویسے نوازش نامہ کا آئندہ ماہ بھی انتظار رہے گا۔ شکریہ۔

☆☆

www.pdfbooksfree.pk

آتما کا انتظار

طاہرہ آصف-ساہیوال

صدی پر صدی گزرتی رہی اور مرنے والی کسی کے انتظار میں سرگرداں رہی اور پل پل اس کی راہ تکتی رہی اور پھر آخر کار اس نے اپنی مراد پالی، جب اس کی نظر مطلوبہ ہستی پر پڑی تو اس نے.....

کیا یہ حقیقت ہے کہ مرنے والے مرنے کے بعد بھی پسند ناپسند کے پابند ہوتے ہیں

راجا سورج مل دیوان خانے میں چند خاص مصاحبوں کے ہمراہ بیٹھے تھے، بظاہر بہت پرسکون نظر آرہے تھے۔ مگر اندرون دل ہیجان بپا تھا کیونکہ کچھ دیر قبل کنیز بتا گئی تھی کہ ''رانی کو تکلیف ہو رہی تھی اور محل کی شاہی دائیاں فوراً آ کر مصروف کار ہو گئی ہیں۔''

وہ پہلی بار باپ نہیں بن رہے تھے کہ اتنا خوش ہوتے مگر بیٹی کی آرزو پے چینی میں بدل گئی تھی ان کے پانچ بیٹے تھے ان کی رانی شیلا کماری اپنے اتنے بیٹے اوپر نیچے ہونے پر پھولے نا سماتی تھی مگر کیا کیجئے راجا صاحب کے دل کا کہ جو تین بیٹوں کے بعد سے بیٹی کے لئے مچل رہا تھا رانی خالص ہندوانہ سوچ کے مطابق بیٹی کی کچھ خاص آرزومند نہ تھی بلکہ سرے سے خواہش نہیں تھی جبکہ راجا تو بیٹی کے لئے ایک اور شادی رچانے کی سوچ رہے تھے۔ چھٹی بار رانی امید سے ہوئی تو راجا نے کہہ دیا کہ ''اب بھی بیٹا ہوا تو وہ ایک اور شادی کریں گے۔''

بیٹی کے حصول کے لئے رانی نے بہت دلائل دیئے ہر زاویے سے سمجھایا کہ بیٹی نہیں ہوتی تو اچھا ہی ہے پہلے ناز و نعم سے پرورش کرو پھر لاکھوں کا جہیز اور ہاتھی گھوڑے دو اور ساری عمر سمدھیوں کے آگے ہاتھ باندھے رکھو لیکن راجا نے بحث نہیں کی اور بات ختم کردی۔ رانی نے جواب افتاد سر پر آتے دیکھی تو لگی ہاتھ پیر مارنے، پہلے تو دائیوں سے بیٹی کے لئے تدابیر پوچھیں، مندروں میں جا کر پراتھنائیں کیں، پنڈتوں اور سادھوؤں کی جھولیاں زر و جواہر سے بھریں اور پوجا پاٹ سے دن پورے کرنے لگی۔

آخر وہ گھڑی بھی آ گئی جس کا راجا کو انتظار تھا۔ راجا اپنے ملاقاتیوں کو جلدی جلدی رخصت کر کے اپنی ماں کے پاس چلا آیا جو بہو کے کمرے کے باہر ڈیرا ڈالے بیٹھی مالا جپ رہی تھی زچہ بچہ کی خیریت کے لئے ساتھ ہی وہ کنیزوں کو مختلف ہدایات بھی دیتی جا رہی تھی۔

راجا آ کر ماں کے پہلو سے لگ کر بیٹھ گیا ماں بیٹے کی لگی کو سمجھتی تھی اس نے کہا۔ ''گھبراؤ نہیں خوشی کی خبر آیا ہی چاہتی ہے۔''

پھر نومولود کے رونے کی آواز سنائی دی اور وہ بے قرار ہو کر کھڑا ہو گیا پھر اپنی بے چینی پر جھینپ کر خود ہی بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد ایک دایہ نے آ کر خبر دی کہ بچی ہوئی ہے مگر اس کے لہجے سے کوئی جوش نہیں ٹپکا مگر راجا بچی کے لفظ سے آگے دھیان ہی نہ دے سکا۔ اس اطلاع کے کچھ دیر بعد دایہ بچی کو نہلا دھلا کر اچھے کپڑے پہنا کر لے آئی جبکہ رانی کی دیکھ بھال تا حال جاری تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk

راجا بچی آتا دیکھ کر فوراً کھڑا ہو گیا اور خود آگے بڑھ کر جھپٹنے کے انداز سے بچی جھپٹ لی۔ مگر نومولود پر نگاہ پڑتے ہی وہ اپنی جگہ سن ہو گیا کیونکہ بچی انتہائی بدصورت تھی۔ بے حد سیاہ رنگت اور معمولی خدوخال پہلے تو وہ صدمے کی سی کیفیت میں رہا پھر جیسے سنبھل گیا اس نے بچی کا بوسہ لیا اور سینے سے لگایا۔ پھر سونے کے سکے اس پر سے وار کر سب ملازمین کو دیئے اور بچی ماں کی آغوش میں ڈال دی۔

بوڑھی رادھا پوتی کو دیکھ کر ڈھے سی گئی۔ اس کے بانچوں پوتے ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ مگر یہ بچی تو نجانے کس پر گئی تھی کہ اتنی بدصورت۔ لیکن وہ جہاندیدہ اور سمجھدار عورت تھیں، بیٹے کی دل شکنی منظور نہ تھی اور سونو را خوشی منانے کا حکم دیا اور بچی کو دایہ کے سپرد کر دیا۔

راجا کے دل کی حالت بھی ایسی تھی کہ اپنی خواہش اتنی بری طرح سے پوری ہونے کا گمان بھی نہ تھا اور بیٹی کی جانب دل مائل بھی تھا۔ خیر انہوں نے اپنی اکلوتی راج کماری کا استقبال شاندار طریقے سے کیا، رانی نے بھی جب حالت سنبھلنے پر بیٹی کو دیکھا تو دل پکڑ کر رہ گئی، یہ سب اس کی اپنی کرنی کا پھل تھا اگر وہ صرف اوپر والے پر بھروسہ رکھتی اور دعا ہی کرتی رہتی تو ایسا نہ ہوتا اس نے سوتن سے بچنے کے لئے حمل کے دوران دائیوں اور سادھوؤں کے بتانے پر الٹے سیدھے محلول پیئے جن کے بداثرات بچی پر آئے اور وہ ایسی کریہہ الصورت پیدا ہوئی مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ نئی آنے والی بہن کو دیکھنے پانچوں بھائی آئے مگر انہوں نے محض شاہی آداب کا خیال کرتے ہوئے بہن کو پیار کیا مگر پسند کسی نے نہیں کیا۔

راجا سورج مل وقتی طور پر تو نجور ہوئے پھر آہستہ آہستہ بیٹی کی محبت میں اس کی صورت پس منظر میں چلی گئی اور صرف باپ بیٹی کا رشتہ رہ گیا، رانی تو پہلے ہی بیٹی کی آرزومند نہیں تھی اب بالکل اپنے بیٹوں کی ہی ہو کر رہ گئی اب صرف دادی اور باپ کے وجود سے محبت ملتی۔

راجا نے اپنی بیٹی کا نام موہنی رکھا۔ وقت کا کام ہے گزرنا اور وقت گزرتا رہا، ننھی موہنی آٹھ برس کی ہو گئی۔ اس کی تعلیم و تربیت کا آغاز ہو چکا تھا۔ راجا نے ہر علم اور فن کے اساتذہ مقرر کر رکھے تھے۔ وہ بیٹوں سے بھی زیادہ اس کی تربیت پر توجہ دے رہا تھا۔ اس کے پس پشت اس کی کم صورتی تھی۔ جسے وہ اس کے کمالات سے چھپانا چاہتا تھا اس کی عمر کی لڑکیاں محل بلائی جاتیں جو آ کر اس سے کھیلتیں مگر وہ محسوس کرنے لگ گئی تھی کہ وہ باقیوں سے مختلف ہے، کہ ماں اور بھائی کبھی بھی اس پر توجہ نہ دیتے، نہ ہی محل آنے والی بچیاں اسے بہت قریب کرتیں، بس راجا کے حکم پر آتیں، کھیل کود ہوتا کھایا پیا اور واپس۔

بھلا ہو دادی کا جس نے ماں کی کمی پوری کر رکھی تھی اور خود راجا جو موہنی کو حد سے زیادہ چاہتا۔ اس نے اپنی بیٹی کو ہمیشہ یہی سبق دیا کہ وہ اپنی صورت کی کمی اپنی تعلیم نہر اور ذہانت سے پوری کرے تاکہ وہ اپنی عقل اور دانائی کی بدولت، کئی صورت والوں سے ممتاز نظر آئے اور یہ بات، کم عمر موہنی نے سمجھ بھی لی۔ اب اس نے اسی کو دلچسپی بنا لیا کیونکہ جب اردگرد کے ماحول سے ثانوی رویہ ملے تو انسان کی ترجیحات اور کسی جانب ڈھل جاتی ہیں یہی عمل موہنی کرنے لگی ماں اور بھائیوں سے مایوس ہو کر وہ باپ کے بتائے راستے پر چل نکلی، اس وقت اس روش نے راجا کو بہت مطمئن کر دیا تھا۔

زمانہ کے رائج علوم اس نے تیزی سے سیکھنے شروع کر دیئے، دوسری جانب جنگی اور عسکری تربیت میں بھی وہ پیچھے نہ رہی وہ اپنے اساتذہ سے ایسے ایسے سوال کرتی اور ایسے نکات پر بحث کرتی کہ انہیں اپنا علم کم پڑتا محسوس ہوتا، وہ اپنے بڑے بھائیوں کے برابر آنے لگی تھی۔ اس کا بھائی جو سب سے بڑا اور موہنی سے بارہ برس بڑا تھا۔ وہ بائیس برس کا ہوا تو راجا نے اسے پوری فوج کا سالار مقرر کر دیا اور اس سے دو برس چھوٹا بھائی اپنے ملک کی دور دراز صوبے کا حاکم بنا دیا جو راجا کے دارالحکومت سے بہت دور تھا اور وہاں کے انتظامی امور

www.pdfbooksfree.pk

میں مشکل پیش آ رہی تھی اس سے قبل کہ وہاں بغاوت جنم لیتی اس نے اپنے دوسرے بیٹے سریش کو وہاں بھیج دیا۔

رانی اب اٹھتے بیٹھتے راجا کو بیٹوں کے فائدے گنواتی اور بے جا فخر کرتی جبکہ حقیقت یہ تھی کہ بے شک بڑے بیٹے کو سالار بنایا تھا۔ مگر یہ صرف ذمہ داری ڈالنے اور تجربہ کار بنانے کے لئے کیا اس کے ساتھ دو اہم ماہر بھی تھے جو ہر قدم پر اس کو فوج کے انتظامی امور اور جنگ کی حکمت عملی سکھاتے، دوسری جانب ہریش کے ساتھ بھی ایسے افراد بھیجے جو قدم قدم پر اسے ملک گیری کے طریقے بتاتے۔ باقی کے تین شہزادے تعلیم و تربیت کے مراحل میں تھے، رانی دن رات اپنے بیٹوں کی سیوہ میں لگی رہتی۔ اسے یہی فکر رہتی کہ یہ بھی بڑے ہوں اور راجا کے دست بازو بنیں، ان کی شادیاں بھی وہاں ہوں، جہاں سے بہوؤں کے ساتھ جاگیریں بھی آئیں۔

مونی کی قریبی سہیلیوں میں سے کوئی سہیلی نہ بن سکی مگر ایک لڑکی رجنی راجا کے شاہی پنڈت نارائن کی بیٹی البتہ سہیلی ضرور بن گئی۔ دوست بننے کے لئے کسی قدر کا مشترک ہونا ضروری ہے ان دونوں میں مشترک بات یہ تھی کہ وہ بھی معمولی شکل و صورت کی تھی لیکن مزاج بہت چلبلا اور شوخ وہ اپنی کم صورتی کو خاطر میں نہ لاتی بلکہ ہر وقت کھانے پینے، بننے سنورنے اور شرارت کے موڈ میں رہتی جبکہ مونی اپنی صورت اور رنگت کو روگ سمجھتی تھی وہ کسی حد تک اس بات میں حق بجانب تھی کیونکہ اسے رانی یعنی ماں اور بھائیوں نے نظر انداز کیا تھا۔ دوسرا وہ ایک ذی مرتبہ شخصیت تھی مگر آگے چل کر اس کے ظاہر کی بنیاد پر اس کو اچھا بر نہیں مل سکتا تھا یہ بھی وہ بچی سے لڑکپن کی عمر کو جا رہی تھی اس کے شعور میں بہت سی باتوں کا اضافہ ہو رہا تھا۔

رجنی کبھی سنجیدہ نہ ہوتی اور نہ ہی مونی کو سنجیدہ رہنے دیتی، اسے تعلیم اور دیگر چیزوں میں دلچسپی بالکل نہیں تھی اور نہ ہی مستقبل کا فکر، وہ جتنا وقت مونی کے ساتھ ہوتی اسے کوئی بات سوچنے کا موقع نہ دیتی کوئی نہ کوئی مستی یا شرارت اس کے دماغ میں ہر وقت تیار رہتی کہ وہ اپنے ساتھ مونی کو بھی لگائے رکھتی وہ خود بھی رجنی کی سنگت کو پسند کرتی اب جیسے جیسے وہ بڑی ہو رہی تھیں ویسے ویسے ہی دیگر لڑکیوں کی ضرورت ختم ہوتی جا رہی تھی۔

یہاں تک کہ چودہ برس کی عمر میں آ کر اس نے راجا سے باقی لڑکیوں کو محل بلانے سے قطعی منع کر دیا کیونکہ اب اسے ضرورت تھی نہ چاہت، کیونکہ رجنی ہی دوست کے خانے کو پر کرنے کے لئے کافی تھی۔

محل کی مرکزی عمارت سے کچھ دور ذیلی رہائش گاہیں بھی تھیں جن میں خاص خاص افراد کی رہائش تھی جن کی حکومتی اور محلاتی معاملات میں ضرورت رہتی تھی ان ہی میں شاہی پنڈت کا گھرانہ بھی شامل تھا اس لئے رجنی کو محل آنے جانے میں وقت اور فاصلے کی آزادی تھی۔ اتنا ضرور تھا کہ وہ راجگاری کی تعلیمی اور عسکری سرگرمیوں میں حائل نہ ہوتی۔

بہرحال دونوں کا تعلق باحسن و خوبی چل رہا تھا۔ مونی کو ان دنوں مذہب اور اس سے منسلک رسوم و عقائد میں بہت دلچسپی ہو رہی تھی وہ فارغ اوقات میں خود پنڈت نارائن کے گھر جا کر ان سے سوالات اور بحث کرتی۔

پنڈت نارائن کوئی عام سا پجاری نہ تھا بلکہ بہت سی غیر فطری طاقتوں کا مالک اور جادو منتروں کا بہت بڑا عالم تھا اسی وجہ سے وہ شاہی پنڈت یعنی راج پروہت کے عہدے پر تھا۔ جس کی وجہ سے راجا اکثر اس کی رائے کو حرف آخر کا درجہ دیتا۔ دربار میں اس کا اثر و رسوخ بھی باقیوں سے زیادہ تھا۔ پانچوں راج کماروں اور مونی سب کی رسمی مذہبی تعلیم کا ذمہ بھی پنڈت جی کو ملا تھا۔ باقی سب نے تو ان کے سکھائے پر اکتفا کیا مگر مونی رسمی تعلیم تک محدود نہ رہی بلکہ وہ پنڈت جی کے ذاتی کمالات اور جادو منتر کی باریکیوں تک جانے لگی تھی۔

پنڈت جی بھی یہ سب فراخ دلی سے اس لئے بتا دیتے کہ وہ ایک نرم و نازک شہزادی صرف اپنے علم

www.pdfbooksfree.pk

میں اضافہ ہی کرسکتی ہے۔ عملی طور پر اس کٹھن چاپ یا چلے نہیں کرسکتی سوا گر اس طرح سے اس کی تسلی ہوتی ہے تو ایسے ہی سہی۔ اس طرح گزرتے وقت کے ساتھ وہ جوان ہونے لگی اور اس کے جوہر بھی سامنے آنے لگے ان دنوں اس کی توجہ کا مرکز جنگی تربیت تھا کہ ابھی وہ کوئی کارنامہ تو انجام نہیں دینا چاہتی تھی بلکہ فی الوقت فنون حرب پر عبور حاصل ہونا باقی تھا۔

وہ سولہ برس کی عمر کو آ گئی تو پہلا سانحہ دادی کے دنیا سے جانے کا ہوا۔ رادھا دیوی بغیر کسی لمبی چوڑی بیماری کے دنیا سے سدھار گئیں، باقیوں کے لئے ایک کوئی عظیم سانحہ نہیں تھا مگر مونی کی زندگی میں ماں کا خانہ خالی ہوگیا، بہت دن تک وہ ساری سرگرمیاں موقوف کئے رہی پھر راجا صاحب اور خود پنڈت جی رجنی سب کے سمجھانے پر معمول پر آنے لگی۔

پھر اس سوگواری کو رانی نے اس طرح ختم کرنے کا سوچا کہ دوسرے نمبر والے کمار کی شادی رکھ لی، منگنی تو سال بھر پہلے رادھا دیوی اپنی پسند سے کر گئی تھیں جبکہ بڑے کمار کی شادی کو دو برس ہو چکے تھے سو اس نے مناسب خیال کیا اور شادی کی تقریبات کا آغاز ہوگیا مہینہ بھر شادی کا ہنگامہ برپا رہا پھر حسب معمول کے مطابق اپنے اپنے مشاغل میں لگ گئے۔

ان ہی دنوں پنڈت جی نے راجا سے چھ ماہ کے لئے رخصت چاہی کیونکہ وہ کسی خاص تپسیا کے لئے چھ ماہ کے لئے پہاڑوں پر جانا چاہتے تھے۔ اس چلے سے ان کے اختیارات میں اضافہ متوقع تھا۔

راجا صاحب اگرچہ پنڈت جی کے بغیر خود کو ادھورا تصور کرتے تھے مگر وہ ان کے معمولات میں حائل نہ ہو سکے تھے، سو اجازت مرحمت کردی۔

پنڈت نارائن داس کا بیٹا باپ کے ساتھ رہ کر بہت کامل ہو چکا تھا انہوں نے اپنی غیر موجودگی میں اسے اپنا قائم مقام مقرر کردیا تاکہ ان کی غیر حاضری میں مذہبی سرگرمیوں میں تعطل نہ آئے۔ پنڈت جی چلے گئے تو مونی اور بھی اداس ہوگئی۔

ان ہی دنوں راجا کو خبر ملی کہ اس کی ریاست سے کافی دور چند رنیوں کے علاقہ کا حکمران اندرون خانہ چند اور چھوٹی ریاستوں کے سربراہوں سے مل کر ان کے خلاف جارحیت کا ارادہ کر رہا ہے۔ دوم یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اس کے پاس بہت نادر جواہرات کا خزانہ ہے جو کہ ہندوستان میں بہت کم امراء اور حکمرانوں کے پاس ہونگے ان تمام باتوں نے اسے از خود کوئی کارروائی کے لئے مجبور کردیا۔ اس نے بڑے بیٹے ارون اور دیگر مشیروں سے مشورہ کر کے ان پر خاموشی سے حملہ کرنے کی حکمت عملی تیار کرلی اور پھر وقت مقررہ پر پورے لاؤ لشکر سے ایسے حملہ کیا کہ انہیں سنبھلنے اور کھل کر مدافعت کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ اور مختصر سی لڑائی کے بعد مخالفین نے ان کی اطاعت قبول کرلی۔

راجا سورج مل نے اپنے خاص نمائندوں کو وہاں کا والی مقرر کیا اور وہ نادر و نایاب خزانہ طلب کیا جو بادشاہ کی ملکیت تھا۔ انہوں نے اپنی جان بخشی کے عوض وہ راجا کے حوالے کیا اور راجا کامیاب لوٹا۔ یہ ایک ایسی مہم تھی جس کی کامیابی نے ان کی ریاست کے استحکام میں اضافہ کیا تھا، ساتھ ہی ایک علاقہ اور ان کے تسلط میں آ گیا۔ راجا نے محل آنے اور تمام ضروری امور سے فراغت کے بعد خزانے کا معائنہ کیا تو جواہرات کو دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ واقعی بہت قیمتی خزانہ تھا۔ مونی بھی باپ کی کامیابی کی خبر سن چکی تھی اور مل کر مبارکباد دینا چاہتی تھی۔

جس لمحے راجا اس سرگرمی میں مشغول تھا مونی ان کے کمرے میں آئی پہلے تو راجا کو کامیابی کی مبارکباد دی پھر مہم کا حال پوچھنے لگی آخر میں راجا نے حاصل ہونے والا خزانہ بھی دکھایا مونی یہ جواہرات دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور اٹھا اٹھا کر ہر ایک چیز دیکھنے لگی، راجا اب خزانے کے بجائے بیٹی کے آبنوسی چہرے پر آنے والی خوشی دیکھ رہا تھا اسے اس وقت اپنی بیٹی کے چہرے پر چھائی دھنک بہت بھائی، انہوں نے کہا۔ ”میری جان تمہیں یہ سب بہت پسند آیا ہے۔“

www.pdfbooksfree.pk

مونی نے جواب دیا۔ ''پتا جی اس سے اچھا اور کیا ہوسکتا ہے مجھے یہ سب واقعی اچھے لگے اور یہ بھی کہ اب آپ ان کے مالک ہیں۔''

راجا نے کہا۔ ''نہیں اب اس کی مالک میری بیٹی بنے گی اگر یہ سب میری بیٹی کو پسند ہے تو یہ سب کا سب میں تمہیں دیتا ہوں۔''

مونی خوشی سے پاگل ہوگئی، بے شک باپ اسے دل و جان سے چاہتا تھا مگر اتنی بڑی فیاضی..... وہ باپ کے گلے سے لگ گئی راجا نے ماں کے مرنے کے بعد اب جا کر کہیں بیٹی کے چہرے پر رونق دیکھی تو نہال ہوگیا، اس نے بیٹی سے سرگوشی میں کہا کہ ''یہ سب جلدی سے اپنے کمرے میں لے جاؤ ایسا نہ ہو کہ تمہاری ماں کو خبر ہو، تو اپنے پتروں کے لئے واپس لے لے گی، راجا خوب ہنسا اور کہا۔ ''میرا وعدہ ہے تم سے کہ آئندہ جب بھی مجھے ایسی مایا ملے گی تو ساری نہ سہی مگر تمہارا حصہ الگ سے ہوا کرے گا میں اپنی زندگی میں تمہارے جتنے شبق پورے کرلوں وہی تمہارا حصہ ہے ورنہ تمہاری ماں سے کسی اچھائی کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ تمہارے لئے کچھ کرے گی۔''

مونی نے باپ کا شکریہ ادا کیا اور کسی نوکر کو بلائے بغیر وہ بھاری صندوق خود اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آئی۔ اب تک مونی نے دولت کا مزہ ایسے براہ راست نہیں چکھا تھا مگر اچانک ملنے والی اس مایا نے اس کی بے کیف زندگی میں ایک ہلچل پیدا کردی، ہر رات سونے سے قبل وہ انہیں دیکھتی تو اسے ایک انوکھی سرشاری کا احساس ہوتا ساتھ ہی ان میں اضافے کی ہوس بیدار ہوتی۔

خیر راجا صاحب کو اپنی اکلوتی راج کماری کی خوشی کا سبب معلوم ہوگیا تھا اب ان کی خود بھی یہی کوشش ہوتی کہ جب بھی کہیں سے مال غنیمت یا تحائف کی صورت میں جواہر دستیاب ہوتے وہ پہلی فرصت اس کا ایک حصہ مونی کو دیتے اور باقی شیلا کماری کے کھاتے میں چلا جاتا، اس ڈیل کو باپ بیٹی نے پوشیدہ رکھا ہوا تھا کہ رانی یا راج کماری کے بھائی اس پر اعتراض نہ کردیں۔

چھ ماہ کا عرصہ گزر گیا تو راجا کو پنڈت جی کا انتظار رہنے لگ گیا کہ وہ کب پدھارتے ہیں مونی کی بے تکلفی صرف رنجی اور نارائن داس کی ذات کی حد تک تھی اس لئے وہ بھی ان کی واپسی کی منتظر تھی تاکہ اس کی جانکاری کا رکا ہوا سلسلہ بحال ہوجائے بلکہ دل ہی دل میں وہ عملی تجربات کا بھی ٹھان چکی تھی اس کی ترجیحات اور پسند باقی لوگوں سے مختلف تھیں۔

آتی جوانی نے اسے رنگ و بو اور جنس مخالف کی جانب مائل کرنے کے بجائے سرگرم اور عملی کوششوں کی طرف مائل کردیا تھا اسے جنگ کا میدان اور درباری معاملات میں دلچسپی تھی ساتھ ہی پنڈت جی کی جادو منتر اور آتماؤں کی دنیا بھی پراسرار اور پرکشش لگتی۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کے اندر کی عورت بھی پوری رعنائی سے موجود تھی مگر اسے ابھی ابھرنے کا موقع نہ مل سکا تھا۔

مونی نے پنڈت جی کے جانے کے بعد تمام تر توجہ عسکری تربیت پر لگا رکھی تھی۔

آخر سات ماہ کے بعد پنڈت جی وارد ہوئے ان کا شاندار استقبال ہوا، راجا جی بچھڑے ہوؤں کی طرح ملے، رانی نے بھی پاؤں چھو کر دعائیں لیں، نئی بہو کے بھی ہاتھ ان کے چرن لگوائے، خود مونی بھی بیٹیوں کی طرح ملی، غرض بہت خوشی کا سماں بن گیا، پنڈت جی جسمانی طور پر کچھ کمزور ہوگئے تھے مگر چہرے کے جلال میں اضافہ ہوگیا تھا۔ انہوں نے دیر سے آنے کی وجہ یہ بیان کی کہ وہ اپنے گرو مہاراج سے ملنے چلے گئے تھے جو برسوں سے کسی خاص تپسیا میں مشغول تھے اور ان دنوں اپنی مدت مکمل کر کے پہاڑوں سے برآمد ہوئے تھے۔ گرو مہاراج کی عمر سو برس ہوچکی تھی اور وہ بے شمار طاقتوں کے مالک تھے، سینکڑوں بیر اور آتمائیں ان کے غلام تھے۔

دو دن بعد پنڈت جی کے اعزاز میں ایک بڑی دعوت رکھی گئی جس میں انہوں نے برف پوش پہاڑوں

www.pdfbooksfree.pk

میں کی جانے والی عبادت کے نتیجے میں ملنے والی طاقتوں کے بارے میں بتایا، نیز راجا نے موجودہ حالات پر دیر تک باتیں کیں۔ اس کے بعد سارے کام معمول پر آنے لگے۔ انہوں نے بدستور اپنا عہدہ سنبھال لیا اور راجا کو سود مند اقدامات کا مشورہ دیا۔

ادھر موہنی ان کے فارغ اوقات میں بے تابی سے جاگ لی اور ان کے جاپ کی تفصیلات سنتی رہی پھر شب و روز کا آغاز ہوگیا۔ انہی دنوں ایک جنگی مہم درپیش آگئی۔ موہنی ایسے ہی کسی موقع کی منتظر تھی۔ اس نے باپ سے ضد کی کہ وہ بھائی کے ساتھ میدان جنگ میں جائے گی اور اس کے شانہ بشانہ حصہ لے گی۔

راجا نے تو بخوشی اجازت دے دی مگر ارون کمار نے مخالفت کی اور جانے سے منع کر دیا مگر اس کی ضد کے سامنے اس کی نہ چل سکی۔

موہنی اب اٹھارہ برس کی ہو چکی تھی اور خاصی قد آور اور بھرپور جوان تھی مگر ارون اس کے عورت ہونے کی وجہ سے خائف تھا مگر موہنی نے میدان جنگ میں آکر پہلے تو فوج کی تربیت اور جنگ کی کارروائی کے حوالے سے ایسی تجاویز دیں کہ معمر اور تجربہ کار ماہر بھی اس حکمت عملی پر دنگ رہ گئے۔ دوسرا لڑائی کے موقع پر وہ بھائی کے روکنے کے باوجود فوجیوں والا لباس پہن کر اور منہ لپیٹ کر بذات خود لڑائی میں شامل ہوئی اور ایسے جوہر دکھائے کہ کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔

اس کی حکمت عملی کی بدولت لڑائی کم وقت میں کم نقصان کے ساتھ ختم ہوگئی اور شاندار کامیابی ہوئی، ارون کمار اور سابقہ کمانڈوز منہ کھولے موہنی کو دیکھتے رہ گئے اور جب مہم سے واپس آئے تو موہنی سے قبل اس کے چرچے محل پہنچ چکے تھے۔

راجا کا سینہ فخر سے چوڑا ہوگیا ارون کمار اگرچہ ذاتی طور پر موہنی کی صلاحیتوں سے متاثر ہوا تھا۔ مگر اس کی تعریف میں اس نے صریح بخل سے کام لیا جبکہ سابق کمانڈر اور موجودہ دست راست نے دل کھول کر تعریف کی بلکہ پوری جنگ کا لفظی نقشہ پیش کر دیا۔ راجا تو بیٹی پر اعتماد کرتا ہی تھا مگر رانی نے پہلی بار بیٹی کی تعریف کی اور گلے لگایا جبکہ اردن کمار کچھ متعصب واقع ہوا تھا، وہ بہن کی قابلیت کو اپنے لئے خطرہ سمجھنے لگا کہ اگر وہ آئندہ بھی ایسے مہمات سر کرتی رہی تو صرف اس کے نام کا ڈنکا بجنے لگے گا اور وہ خود صرف نام کا سپہ سالار یعنی سینا پتی رہ جائے گا اس نے ٹھان لیا کہ آئندہ وہ کوئی بہانہ کر کے اسے روک دے گا اور اپنی ساکھ قائم رکھنے کی ہر کوشش کے گا۔

موہنی اپنی پہلی کامیابی پر خوش تھی، برسوں سے اس پر احساس کمتری کا جو پردہ ذات پر پڑا تھا وہ اٹھ رہا تھا اس میں اعتماد آنے لگا اور پھر اس کے وجود پر بڑا بندھ کھل گیا اب وہ کسی نہ کسی سرگرمی میں رہنے لگی اور یہ سرگرمیاں ہرگز نسوانی نہیں تھیں بلکہ خالصتاً مردوں والی مشاغل تھے۔ یعنی جنگلی درندوں کا شکار درباری اور حکومتی مسائل میں ماہرانہ عمل دخل اور جنگ کی تو وہ دیوانی تھی۔ ایک طرح سے اپنی بدصورتی سے مزار کا ایک راستہ، دوسری جانب وہ پنڈت جی کے سر ہوگئی اور انہیں اپنا گرو بنا کر جادو منتر کی تعلیم لینے لگ گئی، ابتدائی طور پر آسان اور مختصر چاپ اور چلے بھی کئے اس کے بعد پھر ادھر بھی چل سو چل شاید وہ اسی انداز سے زندگی گزارتی رہتی مگر مستقبل نام ہی غیر طے شدہ تبدیلیوں کا ہے اس کی سوچ بدل جائے گی یہ بات اسے خود معلوم بھی نہیں تھی۔

محل میں یوں تو راجا صاحب کے پاس امراء، وزرا اور سفیروں کا آنا جانا لگا رہتا تھا، کبھی کبھار دوست ریاستوں سے شاہی مہمان بھی آتے، ان دنوں راجا کے قریبی دوست راجپوت مہندر سین اپنے بیٹے راوت کے ہمراہ ملنے آئے اور وہ خود تو سال دو سال میں ملاقات کو آجاتے تھے مگر اپنے بیٹے کو پہلی بار ساتھ لائے تھے۔ بیٹا کیا تھا چند آفتاب چند مہتاب، وہ آکر مہمان خانے میں بیٹھے، ملنے حال احوال پوچھنے کے بعد مدارت کا سلسلہ شروع ہوا، کنیزوں نے مہمانداری کے وقت راج کمار کو دیکھا تو اس کی حسین

www.pdfbooksfree.pk

صورت اور وجاہت کے چرچے آن کی آن پورے محل میں بکھر گئے، کنیزوں سے ہی یہ بات موہنی کے کانوں میں پڑی تو اسے بھی اشتیاق ہو گیا کہ کیسا گلفام پیکر آیا ہے کہ سب اسی کا ذکر کر رہے ہیں وہ چاہتی تو اسے دیکھنے خود جا سکتی تھی مگر اپنی کم سوزتی کا سوچ کر نہ گئی، البتہ اپنی خاص کنیز سے کہا کہ ''جب سے کھانا کھانے کے لئے بیٹھ جائیں تو وہ کسی جھروکے سے اسے شہزادہ ضرور دکھائے۔''

دوپہر ہوئی اور راجا کے حکم پر خاص خاص کھانے تیار کر کے دستر خوان لگایا گیا، راجا صاحب نے سب کو کھانے پر آنے کا کہہ دیا کھانا لگا تو مہمانوں کے ساتھ ساتھ رانی بھی بیٹے، دونوں بہوئیں آ موجود ہوئے مگر موہنی نے بہانہ کر دیا خیر کسی نے توجہ نہ دی کہ راجا کے علاوہ کسی کے نزدیک اس کی کچھ خاص اہمیت نہ تھی کھانے کے دوران کنیز اسے ایسے جھروکے پر لے آئی جہاں سے وہ با آسانی شہزادے کو دیکھ سکے۔

موہنی نے پردے کو ذرا سا سرکا کے راوت کو دیکھا اور بس دیکھتی ہی رہ گئی ایسا حسین اور وجیہہ مرد اس نے اس سے قبل نہیں دیکھا تھا اگرچہ خود اس کے بھائی بھی خوش شکل تھے مگر راوت تو پوجے جانے کے لئے بنا تھا وہ پہلی نظر میں اس پر فریفتہ ہو گئی، وہ سب کچھ ہو گیا جو نہ ہوا تھا پہلی بار اسے اپنی قسمت پر اتنا رونا آیا کہ کاش وہ ایسی نہ ہوتی اپنے بھائیوں جیسی ہی ہوتی تو وہ خود اپنے باپ سے اس چاند کو مانگ لیتی۔ وہ اپنے کمرے میں آ گئی اس کی بھوک پیاس مر گئی اور اندر کی عورت بیدار ہو گئی۔ جو چاہے جانے کی آرزو ہر عورت رکھتی ہے فی الوقت تو وہ خود اس کی دیوانی ہو رہی تھی۔ وہ ٹہل ٹہل کر سوچتی رہی کہ اپنے اس ظاہر سے کیسے چھٹکارا پائے اور اس طرح دوپہر سے شام ہو گئی، وہ اپنے سارے معمولات بھلائے بس راوت کے حصول کو ہی سوچے جا رہی تھی۔ ادھر رجنی بھی دیر سے اس کی منتظر تھی جب وہ آئی معلوم نہ ہوئی تو خود چلی آئی، آ کر دیکھا تو وہ گردو پیش سے بے خبر نڈھال سی بیٹھی ہوئی تھی۔ رجنی نے جھنجھوڑ کر اسے متوجہ کیا اور پوچھا۔ ''راج کماری جی کدھر گم ہو آج پتا جی سے سیکھنے نہیں آئی کیا طبیعت تو ٹھیک ہے۔''

موہنی نے ایک آہ بھری اور کہا۔ ''رجنی تم صرف ایک نظر آج مہمان آئے راج کمار کو دیکھ لو تم میری الجھن سمجھ لو گی۔''

رجنی نے کہا۔ ''کیا میں مہمانوں کو جھانکتی پھروں آپ خود ہی بتا دو کیا ہوا۔'' پھر موہنی نے ساری بات کہہ دی اور سر جھکا کر بیٹھی رہی۔

رجنی نے چند لمحے سوچا اور پھر کہا۔ ''موہنی بات تو بہت مشکل ہے مگر تم پتا جی سے کہہ کر دیکھو آخر انہوں نے ساری زندگی دھرم کی سیوا میں گزاری ہے۔ اتنی طاقتوں کے مالک ہیں شاید کوئی حل بتا دیں۔''

رجنی کی بات نے تو جیسے موہنی کے دماغ میں روشنی کا بہت بڑا جھماکا کر دیا۔ وہ فوراً اٹھی، حلیہ درست کیا اوڑھنی اوڑھی اور چھپاک سے پنڈت جی کے گھر کو دوڑی، رجنی اس کی بے تابی پر ہنس ہنس کر بے حال ہو رہی تھی۔

اتفاق سے جب وہ پنڈت جی کے کمرے میں گئی تو ایک موٹی کتاب پڑھ رہے تھے، موہنی کو ایسا گھبرایا دیکھا تو سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور کہا۔ ''چڑی کیوں بھاگی چلی آئی ہو آرام سے بیٹھو اور بتاؤ کہ کیا بات ہوئی ہے؟''

وہ بات کرنے لگی مگر جھجک گئی وہ پنڈت جی سے بے تکلف تو تھی مگر ایسی بات کہتے ہوئے کچھ لحاظ آڑے آیا پھر حوصلہ کر کے کہا۔ ''گرو جی آج میں راج کمار راوت کو دیکھا تب سے اب تک پریشان ہوں کہ کاش میں ایسی بدصورت نہ ہوتی آپ اتنے گیانی اور بے شمار طاقتوں کے مالک ہیں کیا میں بدصورت سے خوبصورت نہیں بن سکتی آپ کوئی حل نکال لیں، میں وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کی منہ کہی بات پورا کروں گی بس مجھے بدل دیں ایسا کر دیں کہ راوت بھی ویسے سوچیں جیسا میں اس وقت اس کے لئے سوچ رہی ہوں۔''

www.pdfbooksfree.pk

پنڈت جی نے ہنکار بھرا اور کہا۔ ''پتری حل ہے کیوں نہیں ہے۔ مگر بہت خطرناک حل ہے کیونکہ اپنے علم سے کسی کو تمہاری طرف مائل تو کردوں گا مگر سوال تمہارے خود کو بدلنے کا ہے تو یہ بہت مشکل کام ہے۔ بہتر ہے کہ تم اس چکر میں نہ پڑو اگر کوئی اونچ نیچ ہوگئی تو میں راجا جی کو کیا جواب دوں گا۔''

پنڈت جی سے حل موجود ہونے کا سن کر تو وہ پاگل ہی ہوگئی۔ ''آپ پتا جی تو کیا کسی سے اس بارے میں بات نہ کریں صرف ہم دونوں کے درمیان یہ بات رہنی چاہیے اور آپ فکر کیوں کرتے ہیں میں اس سارے عمل کے اچھے برے کی ذمہ داری لیتی ہوں۔''

''مگر جانتی ہو کہ سب کو کیا بتاؤ کہ یہ کایا کلپ کیسے ہوئی۔ سن لو کہ یہ سب کیسے ہوگا۔ پہلے تو مجھے کئی دن کالی ماتا کی خاص پوجا کرنی ہوگی پھر پورے چاند کی رات میں مجھے اپنے بیروں سے ایسی بے مثال خوب صورت لڑکی منگوانا ہوگی جس کا کوئی آگے پیچھے نہ ہو تاکہ اس کا پتہ لگاتا کوئی یہاں تک نہ آئے، پھر تمہاری آتما نکال کر اس کے جسم میں ڈالنا ہوگی اور اس کی آتما کو میں اپنے قبضے میں کرلوں گا اپنے اس سیاہ بدن کی ماتا کے سامنے قربانی دینا ہوگی تاکہ اس کی مدد سے یہ سارا عمل کامیابی سے ہو، سوچ لو پھر تمہیں ہمیشہ اس لڑکی کے بدن میں رہنا ہوگا اور اس بدن کے بھینٹ کے بعد سنگار کردیا جائے گا۔ یہ بہت مشکل عمل ہے مگر سب گھر والوں کو اس تبدیلی کا کیا سبب بتاؤ گی۔''

مونی نے کہا۔ ''گرو جی مجھے صرف راوت چاہئے باقی کیا سوچتے ہیں مجھے کوئی پرواہ نہیں بس آپ یہ بتائیے کہ مجھے آپ کو اس سارے کام کے لئے کیا بھینٹ دینا ہوگی۔''

پنڈت جی نے کہا۔ ''دیکھو پتری میں نے راجا صاحب کا اتنا نمک کھایا ہے کہ کسی بھینٹ کی ضرورت نہیں، میں یہ سب کامیابی سے کرلوں گا تو جس لڑکی کا بدن تمہیں لے گا وہ کوئی عام لڑکی نہیں بلکہ خاص گھڑیوں میں پیدا ہونے والی خاص لڑکی ہوگی اس کی آتما سینکڑوں عام آتماؤں سے زیادہ طاقت والی ہوگی۔ وہ میرا انعام ہوگی لیکن اس بات کا راجا صاحب کو پتہ نہ چلے ورنہ وہ ایسا کبھی نہیں کرنے دیں گے۔''

مونی اپنی غرض کے پیچھے ایسی پاگل ہورہی تھی کہ اس نے ساری باتیں منظور کرلیں۔ گرو جی آج میں سب گھر والوں سے کہہ دوں گی کہ میں اپنی کامیابی کے لئے آپ سے ایک کٹھن جاپ کررہی ہوں اور آنے والی پونم کی رات کے بعد یہ جاپ پورا ہوجائے گا اسی طرح آپ پر کوئی سوال نہیں اٹھے گا۔''

پنڈت جی نے سر ہلا کر حامی بھرلی، اگلے دن ناشتے کے بعد مہمان رخصت ہوگئے اور وہ تب تک مہمانوں کے سامنے بھی نہیں آئی ان کے جانے کے بعد اس نے دوپہر کے کھانے پر سب گھر والوں کو اعلان کے انداز میں یہ بات کہہ دی کہ وہ آج سے جاپ شروع کرنے والی ہے سوسوائے راجا صاحب اور رانی کے کسی نے اس بات میں دلچسپی نہ لی مگر رانی تو یہ جان کر کہ اس کی بیٹی بدصورت سے خوبصورت ہونے والی ہے خوشی سے پھولے نہ سماتی اور خود اس کا خیال رکھنے کا ذمہ لیا کہ وہ اب اپنی بیٹی کی سیوا کرے گی، راجا صاحب تو پہلے ہی پنڈت پروہت جی کے قائل تھے یہ انہونی ہونے کا سن کر تو بالکل مرید ہوگئے۔

انہوں نے پنڈت جی کو بلا کر خود شکریہ ادا کیا اور بار بار یقین دہانی چاہی کہ واقعی مونی کی کایا پلٹ ہوسکتی ہے۔ انہوں نے کہا۔ ''کیوں نہیں ان کا رابطہ اپنے گرو دیو سے مسلسل ہے وہ ان کی غائبانہ مدد سے یہ مرحلہ سر انجام دیں گے تاکہ مونی کا روگ ختم ہو اور وہ بھی اپنے گھر کی ہوسکے۔''

یہ بات تو راجا اور رانی کا دکھ بن چکی تھی کہ ان کی بیٹی کا مستقبل کیا ہوگا مگر پنڈت جی نے ان کے سوکھے دھانوں پر پانی ڈال دیا اور وہ دونوں امید لگا کر بیٹھ گئے۔ اب پنڈت جی ہر رات مخصوص وقت پر ایک جاپ کرتے جو کہ کالی دیوی سے تعلق رکھتا تھا۔ ادھر مونی بھی جاپ کا بہانہ کرکے کمرہ میں بند ہوگئی اور ہر وقت گیان

www.pdfbooksfree.pk

دھیان میں لگی رہتی۔

پھر چھبیس روز کے بعد پورے چاند کی رات آئی یہ رات ہی سب سے مشکل مرحلہ تھی رات بارہ بجے کے بعد موہنی گرو جی کی ہدایت پر سفید رنگ کا انتہائی مختصر لباس پہن کر شمشان گھاٹ آگئی، جہاں وہ اس کا انتظار کررہی تھے، شمشان میں ہی انہوں نے ایک جگہ زیر زمین خفیہ کالی کا مندر بنا رکھا وہ ان کے ہمراہ اس زیر زمین مندر جسے مقتل کہنا زیادہ مناسب ہوگا میں آگئی یہاں خون کی بو پھیلی ہوئی تھی جسے وہاں پہلے بھی بلی دی جاتی رہی ہو۔ اندر وسیع ہال تھا جہاں کالی کا پر ہیبت بت درمیان میں نصب تھا۔ وہ وہاں بت کے بالکل سامنے پوجا کی مکمل تیاری کے ساتھ بیٹھ گئے۔

کچھ دیر بعد نظر نہ آنے والے دو افراد نے ایک حد سے زیادہ حسین خوب صورت لڑکی کو لاکر دائیں ہاتھ لٹادی، لڑکی بظاہر ہوش میں دیکھائی دیتی تھی۔ مگر اس کی آنکھیں بند تھیں۔

موہنی نے لڑکی کو دیکھا تو مبہوت ہوکر رہ گئی۔ گرو جی نے اس کے لئے بے مثال حسن کا انتخاب کیا تھا۔ پھر جیسے ہی پوجا کا آغاز ہوا وہ پوری توجہ سے وہیں لگا کر بیٹھ گئی ایک گھنٹے تک گرو جی مسلسل کچھ زیر لب پڑھتے رہے پھر موہنی نے اپنی آنکھیں بند ہوتی محسوس کیں اور وہ بے خبر ہوگئی۔

پھر جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اس کا بے جان وجود زمین پر پڑا ہے وہ ایک طرف کھڑی تھی مگر دوسری طرف پڑی ہوئی لڑکی بری طرح کسمسا رہی تھی چند لمحوں کے بعد اس کا بدن بے جان ہوگیا۔ پھر پنڈت جی نے اشارہ کیا کہ وہ اس کے وجود میں چلی جائے وہ جیسے ہی اس لڑکی کے بدن میں گئی پھر سے بے خبر ہوگئی۔

نجانے کتنی دیر کے بعد اس کے حواس بحال ہوئے اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اب وہ لڑکی بن چکی تھی جو کچھ دیر قبل اپنے بدن کی خود مالک تھی۔ اور اس کا اپنا وجود اسے انداز سے پڑا ہوا تھا۔ وہ سیدھی ہوکر بیٹھی تو پنڈت جی نے کہا۔ ''بدھائی ہو موہنی پتری تم اپنی خواہش میں کامیاب ہوئی اب تمہارے سامنے تمہارے بدن کو چتا میں جلادیا جائے گا۔''

وہ مسکراتی ہوئی اٹھی پنڈت جی کے بیروں نے چتا تیار کررکھی تھی۔ انہوں نے اس کے بے جان وجود کو اٹھایا اور کالی کے قدموں میں رکھ کر ہاتھ باندھ کر جھک کر سجدہ کیا اور پھر ایک پیالہ جو خون سے بھرا ہوا تھا اس کے قدموں میں ڈال دیا۔

موہنی خاموشی سے یہ سب دیکھ رہی تھی، اس کارروائی کے بعد انہوں نے باہر آکر اس کے وجود کو چتا پر رکھا۔ مزید لکڑیاں رکھ کر آگ لگادی، موہنی اپنے سامنے اپنی چتا جلتی دیکھتی رہی، ایک نامعلوم سا دکھ بھی ہوا کہ وہ اب اپنے اصل وجود سے محروم ہوگئی ہے۔ وہ خاموشی سے چتا جلنے کے بعد محل آگئی اور اپنے کمرے میں جاکر لیٹ گئی اس نے اپنے نئے وجود کو ایک بڑی چادر میں چھپا رکھا تھا کیونکہ وہ رات میں بھی چاندی کی طرح دمک رہا تھا۔

اگلی صبح وہ سب سے پہلے بیدار ہوئی جاکر غسل کیا اور آئینے کے سامنے جاکر کھڑی ہوئی تو خود کو دیکھ کر مبہوت ہوگئی، رات کے بعد دن میں وہ اور بھی حسین دکھائی پڑ رہی تھی، اس نے خوب صورت لباس پہنا اور جا کر مندر میں بیٹھ گئی کچھ دیر کے بعد اس کی ماں اور اس کے بعد بھائی مندر میں آئے وہ صرف کمر کو دیکھ سکے کیونکہ اس کا رخ بالکل مورتی کی جانب تھا پہلے ماں نے سوال کیا۔ ''کون ہو تم؟''

اس نے کہا۔ ''ماں میں موہنی ہوں، اپنی بیٹی کو نہیں پہچانتی۔''

شیلا بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی پھر کانپتے وجود سے اسے گلے لگالیا، اس کی بھابھی بھی اسے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی، آن کی آن گھر کے فرد کو خبر ہوگئی۔ بات ہی نہ ماننے والی تھی، مگر آنکھوں دیکھ کر سب نے مان لیا لیکن ایسا پہلے نہ دیکھا تھا نا سنا، سب ہی پروہت جی کی شکتیوں کو مان گئے، راجا صاحب نے سونے چاندی سے تھالی بھر بھر کر نذر کئے ہر جگہ ان کی واہ

www.pdfbooksfree.pk

واہ ہوگئی، بہرحال یہ تبدیلی مونی کی زندگی کی سب سے بڑی تبدیلی تھی۔ وہ اسی گھڑی کا انتظار کررہی تھی۔ جیسے ہی اس کے حسن کی بات عام ہوئی اس نے تنہائی میں باپ سے جھولی میں چاند ڈالنے کو کہہ دیا۔

راجا صاحب کو کیا اعتراض ہوتا مگر وہ بیٹی والے تھے خود سے بات نہیں ڈال سکتے تھے سو یہ طریقہ کیا کہ مہندر سین کو دعوت کا پیغام بھیجا اور سب گھر والوں کو بلایا وہ لوگ بھی اچانک سے ملنے والی دعوت پر حیران ضرور ہوئے مگر آئے ضرور، اس دعوت میں مونی پورے اہتمام سے سج سنور کر سامنے آئی اور سب کو بہت محبت سے ملی، راجا صاحب نے بھی دوست سے باتوں باتوں میں بیٹی کے لئے ہر تلاشنے کی بات کہہ دی وہ بولے۔

''بھیا میرے ہوتے ہوئے تمہیں ہر تلاشنے کی کیا ضرورت۔'' اور نتیجہ راجا صاحب کے حسب توقع رہا۔

اس دعوت کے چند روز بعد وہ شادی کا پیغام لے کر آئے اور بات ٹھہرا کر چلے گئے۔

مونی کی خوشی کا عالم دیدنی تھا اس نے کالی دیوی کی مورتی کے سامنے دیوانہ وار رقص کیا اور بہت دیر تک سجدے میں گری رہی، وہ سمجھ رہی تھی کہ ساری خوشی اس دیوی کی وجہ سے مل رہی ہے جبکہ وہ فطرت سے بغاوت کر کے ناجائز ذریعے سے اپنی دنیا سنوار رہی تھی لیکن کسی زندہ انسان کو اس کے خاکی جسد سے محروم کر کے اس کی آتما کو دربدر کیا، اس سب کا انجام بھی اتنا ہی عبرتناک ہونا تھا مگر کون جانتا تھا۔

جہاں ایک انسان کو کوئی بڑی خوشی یا کامیابی ملتی ہے تو بہت سے لوگ اس کی خوشی میں خوش ہوتے ہیں۔ وہاں کوئی نا کوئی ایک مخالف یا حاسد بھی ہوتا ہے، یہاں اس کی دوسرے بھائی کی بیوی شانتی کو یہ بات ہضم نہیں ہوئی کیونکہ وہ جس وقت سے محل میں بیاہ کر آئی تھی اس نے کسی کو مونی کو اہمیت دیتے نہیں دیکھا اب جو اس کی کامیابی بدلی تو نا صرف اس کو پذیرائی ملی بلکہ ایک اونچے خاندان کے خوبرو شہزادے سے رشتہ بھی طے پا گیا وہ عام طور پر تو شوہر کے ساتھ ہی رہتی تھی مگر ان دنوں حمل کے آخری مراحل کے لئے یہیں رہ رہی تھی۔ وہ دل ہی دل میں مونی کی خوشیاں خاک میں ملانے کے منصوبے سوچنے لگی۔

دوسری جانب مونی نے نیا جسم تو حاصل کرلیا ساتھ ہی اس کی سوچ بھی بدل گئی، اس کی توجہ میدان جنگ اور پنڈت جی سے جادو کی تعلیمات سے ہٹ کر صرف اپنی ذات پر مرکوز ہوگئی۔ اس کے پاس اپنے باپ کا دیا ہوا جواہرات کا ذخیرہ تھا جس میں مسلسل اضافہ ہورہا تھا اب مونی نے انہیں صندوقوں میں بند رکھنے کے بجائے استعمال کا نیا طریقہ سوچ لیا سب سے پہلے اس نے محل کے خاص سنار کو طلب کیا جو محل میں استعمال ہونے والے تمام تر زیورات تیار کرتا تھا مونی نے اسے بہت ہی مختلف اور انوکھے زیورات تیار کرنے کا حکم دیا جس میں اس کے پاس موجود جواہر استعمال ہونے تھے۔ اس کے بعد اس نے محل کی خواتین کے لباس تیار کرنے والے درزیوں اور کارگروں کو طلب کیا اور ان کو اپنی پسند کے رنگوں اور کام والے لباس تیار کرنے کا کہا جن کی آرائش ہونے اور چاندی کی تاروں سے ہونی تھی اور ان میں ان جواہر کا بھی بہت خوبی سے استعمال کرنا تھا اس نے ان سب کو بہت سختی سے سب بہت راز داری سے کرنے کا حکم دیا کہ یہ اس کے علاوہ کسی کی نظر سے نا گزریں۔ اب وہ بہت بے چینی سے اس کی تیاری کا انتظار کرنے لگی تاکہ یہ سب وہ اپنی شادی پر پہن کر سب کی نگاہوں کو خیرہ کردے۔

بدصورتی کے احساس کو لے کر اندر کی لڑکی عرصہ تک دبی رہی اب یہ لڑکی بہت ابھر کر باہر آئی تو کچھ طبیعت کی ہر مندی کے امتزاج سے بہت منفرد سوچ تخلیق ہوئی اس نے جو ملبوسات اور زیورات تیار ہونے کو دیئے تھے وہ اس زمانے کے چلن سے بہت مختلف تھے، مونی نے سوچ رکھا تھا کہ وہ شادی سے لے کر بعد تک جب بھی اپنی تخلیق کروائے ملبوس پہنے گی تو راوت اس کی شاہانہ سوچ مزاج اور حسن کا یقیناً گرویدہ ہوجائے گا۔

www.pdfbooksfree.pk

غرض جانے کیا کیا ارمان دل میں لے کر وہ اپنی شادی کے دن کا انتظار کر رہی تھی منگنی کی رسم ہو چکی تھی۔

راجا صاحب نے دونوں منجھلے بیٹے بھی ساتھ ہی نمٹا لینے کا سوچ لیا ان کے گھرانے کے لئے تو رشتوں کی کمی نہ تھی سو ان دونوں کے لئے بھی ایک ہی مہاراج کی دو نیکی بیٹیوں سے بات طے ہو گئی اب چونکہ انہوں نے بھی تیاری کرنا تھی سو موتی کی شادی ان کے ساتھ ہی مقرر ہو گئی۔

اسی دوران اس کی بھاوج کے بیٹا ہوا اور وہ نہا کر جانے کو تیار ہوئی وہ دل میں طے کئے بیٹھی تھی کہ موقع ملے اور وہ اپنی نند کی خوشیوں کو ملیامیٹ کر دے اوپر سے بہت حسین مگر دل کی سیاہ شانتی بیٹے کے ساتھ حسد لے کر شوہر کے ہمراہ سدھاری۔

مگر ان سیاہ آندھیوں سے بے خبر موتی کی نظر مستقبل کے تصورات پر ٹکی تھی۔ رجنی بھی اپنے پتا کے معجزاتی کارنامے پر حیران موتی کے حسن کو دیکھتی تو سوچتی کہ کاش پتا جی نے یہ اس کے لئے بھی کیا ہوتا اور یہ بات ایک روز کہہ بھی دی۔ پنڈت جی بہت ہنسے اور اپنی بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''پتری تجھے حسن کی کیا ضرورت ہے۔ تیرا رشتہ تو تیرے چچا کے بیٹے سے طے ہے اور وہ بھی خوش ہے کہ تجھ سے شادی ہو گی۔ یہ سب کرنا بہت کٹھن ہے اس چاپ سے حسن پانے والی لڑکی یا عورت ہمیشہ خطرے میں رہتی ہے۔ میں بھلا اپنی بیٹی کو خطرے میں کیوں ڈالوں۔''

رجنی نے پوچھا۔ ''پتا جی کیسا خطرہ؟''

پنڈت جی نے کہا۔ ''رجنی تم مجھ سے زیادہ سوالات نہ کرو، بس یہ یاد رکھو کہ ماں باپ سے زیادہ اولاد کا بھلا سوچنے والا کوئی نہیں ہوتا۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ گئے اور رجنی نے بھی اپنی طبیعت کے مطابق بات آئی گئی کر دی۔

ادھر راج محل میں رانی کی مصروفیات بڑھتی جا رہی تھیں، دو بیٹوں اور ایک بیٹی کی شادی تھوڑے سے وقفہ کے ساتھ ایک ساتھ ہونے والی تھیں سو اس حساب سے ان کی ذمہ داری بھی بہت تھی، ایک ماہ کے بعد زیورات تیار ہو کر آ گئے، موتی ان زیورات کو دیکھ کر اپنی قسمت پر نازاں ہو گئی کیونکہ یہ بالکل اچھوتے اور منفرد ہی نہیں بے حد خوب صورت بھی تھے ان میں جڑے قیمتی پتھر یقیناً ایسے تھے کہ جو ایک بار دیکھ لیتا بار بار ضرور دیکھتا۔ اس نے ان زیورات کو کسی کو نہ دیکھایا اور سنبھال کر رکھ لئے۔ اس کے بعد اب ملبوسات کا انتظار تھا اس پر بھی وقت درکار تھا۔

ان ہی دنوں راجا صاحب کو ایک مہم میں کچھ خزانہ ہاتھ لگا اس بار بھی انہوں نے حسب وعدہ اپنی اکلوتی بیٹی کو ایک معقول حصہ نذر کیا جب کوئی اہم واقعہ یا حادثہ وقوع پذیر ہونا ہوتا ہے تو اسباب بھی بنتے جاتے ہیں یہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ محل میں تزئین و آرائش کا کام ہو رہا تھا۔

دوسری جانب رانی اپنی بڑی بہو کے ہمراہ شادی کے انتظامات میں لگی ہوئی تھی، عرض ہر کوئی مصروف تھا پنڈت جی بھی اپنے معاشرتی دستور کے مطابق آنے والی بہوؤں اور راجکماروں کے زائچے ملا کر سب ٹھیک ہے کہ اعلان کر چکے تھے اب انہوں نے بس رسومات ادا کرنا تھیں جو شادی سے متعلق ہیں۔

ایک روز وہ یونہی موتی کے مستقبل میں جھانک رہے تھے تو انہیں کوئی بہت بڑی پریشانی معلوم پڑی، انہوں نے براہ راست موتی کو بتانے کے بجائے راجا صاحب سے بات کرنا مناسب خیال کیا اور آ گاہ کر دیا۔

انسان کتنا بھی صاحب علم یا طاقتور ہو جائے تو وہ لوح تقدیر کو لکھے کو بدل نہیں سکتا۔ راجا صاحب نے کچھ احتیاطی تدابیر اختیار کر لیں اور خوشے کے موقع پر کوئی بدشگونی کی بات کرنا مناسب نہ سمجھا۔

ادھر جیسے ہی شادی کی تاریخیں مقرر ہوئیں ادھر موتی کے ملبوسات بھی تیار ہو کر آ گئے۔ ملبوسات اس کی سوچ سے کہیں خوب صورت تھے خالص ریشم پر سونے چاندی کی تاریں اور سچے موتی جواہر کی آرائش عجیب غضب حسن پیدا کر رہی تھی، موتی نے رات سب

www.pdfbooksfree.pk

کے سونے کے بعد بند کمرے میں ایک ایک لباس اور زیور پہن کر خود کو آئینے میں دیکھا اور کود اپنے عکس سے محفوظ ہوتی رہی اس کی حسن پرست طبیعت پر یہ احساس حاوی ہوتا گیا کہ دنیا کی ساری لطافت حسن اور حسینوں کے لئے ہے۔

شانتی بھی شادی کے قریب ہریش کے ہمراہ پوری تیاری سے آ گئی اسے معلوم تھا کہ کچھ عرصہ کے بعد شادی متوقع ہے سو اس نے اپنے علاقے کے ایک بدنام سادھو سے ایسا سریع الاثر زہر خرید لیا جو بہت سے زہریلے سانپوں کے زہروں کو ملا کر ایک خاص طریقے سے تیار ہوا تھا یہ ایسا زہر تھا کہ جسم میں جاتے ہی گہری نیند طاری ہوتی ہے اور کھانے والا نیند میں ہی دنیا سے گزر جاتا ہے اور موت کی وجہ معلوم نہیں ہو پاتی۔

وہ بہت خوش تھی کہ اس کی مراد پوری ہونے جارہی ہے۔ ادھر محل میں جشن طرب سا برپا تھا، سدھیوں سے شگون اور تھائف کا تبادلہ ہو چکا تھا محل کے ملازمین سے لے کر اہل خانہ تک ہر کوئی کسی نہ کسی کام میں الجھا تھا مونی نے ایک روز تنہائی میں ماتا پتا کو رات کے سے بلا کر اپنے زیورات اور لباس دکھائے اور انہیں بتایا کہ یہ سب پتن ذہن سے یہ سب تیار کروایا ہے، راجہ صاحب تو روز اول سے بیٹی کے ہی تھے، شیلا کماری بھی کیسی ہی کبی مگر ماں ہی تھی وہ بھی بہت خوش ہوتی اور ڈھیروں دعائیں دی، اتفاق سے شانتی تو ٹوہ میں تھی اس نے بھی چھپ کر دیکھ لیا بہت زیادہ تو نہیں مگر جتنا دیکھا سمجھا اس نے اس کی جلن میں مزید اضافہ کر دیا۔ پنڈت جی کی بتائی ترتیب کے مطابق پہلے دونوں بھائیوں کی شادی ہوئی اور مونی کی شادی ان کی شادی کے بعد ہونا تھی اس نے بہت اہتمام سے نئی بھابیوں کا سواگت کیا اور بھائیوں سے نیگ وصولے، یونہی ہنستے مسکراتے رات آئی اور سب سونے چلے گئے۔

دو دن بعد اس کی بارات آنا تھی وہ ہر وقت ہر لمحہ راوت کو سوچتی وہ اس کے رگ و پے میں اتر گیا تھا وہ لمحہ لمحہ اس کا انتظار کر رہی تھی مگر نادان تھی انتظار کو معین گھڑی کا موت کر رہی تھی اسے لے جانے کے لئے جس دن بارات آنا تھی اسی روز شانتی نے صبح کے ناشتے کے دودھ میں وہ زہر ملا کر اپنے سامنے مونی کو پلا دیا۔

مونی دودھ پی کر نہانے چلی گئی اور شانتی مسکراتی ہوئی گلاس اٹھا کر لے گئی، مونی نہا کر آئی تو عجیب سی مستی طبیعت پر طاری تھی دوپہر میں بارات آنا تھی، راجا صاحب اور بھی راج کمار باہر خدمت گاروں کے ساتھ انتظامات میں لگے ہوئے تھے مونی نے لباس اور زیورات مع اپنے جواہرات کے باقی ماندہ ذخیرے کے ابھی اپنے کمرے میں ہی رکھے تھے۔ یہ سب وہ اپنے ساتھ لے جانے کے ارادے سے تیار کروا رکھے تھے کچھ دیر کے بعد رشتہ کی لڑکیاں آ گئیں اور وہ مونی کو تیار کرنے لگیں تیار ہونے کے دوران بار بار اسے نیند محسوس ہوتی مگر وہ ضبط کیے رہی، کافی دیر کی محنت کے بعد وہ مکمل دلہن بن چکی تھی مگر اب نیند بھی ناقابل برداشت ہو رہی تھی اس نے سوچا کہ بارات کے آنے تک وہ آنکھ جھپک لے وہ تیار ہونے کے بعد سب کو کمرے سے بھیج کر خود پلنگ پر دراز ہو گئی وہ دلہن بن کر بے انتہا اچھی لگ رہی تھی اور سب سے بڑھ کر اس کے زیور اور لباس نے اس کے روپ کو دو آتشہ کر دیا تھا وہ سوئی اور سو گئی۔

ادھر سب تیار ہوا اور بارات کی آمد بھی ہو گئی، راجپوتوں کی بارات تھی آنے والوں کی دھج اور جاہ حشم ہر دیکھنے والے کو مرعوب کر دیا تھا، راوت بہت خاص قیمتی گھوڑے پر سوار تھا دولہا بن کر دیوتاؤں سا روپ چڑھا تھا راجا سورج مل اور اس کے پانچوں بیٹوں نے گرمجوشی سے سواگت کیا ہاتھوں ہاتھ لیا اور منڈپ میں بیٹھا دیا۔

راجا صاحب نے مونی کو لانے کے بھیجا، رانی بڑی بہو کے ہمراہ مونی کے کمرے میں آئی تو دیکھا کہ مونی سو رہی ہے وہ مسکرائیں کہ ”پگلی اس وقت سو رہی ہے یہ بھلا سونے کا وقت ہے۔“

www.pdfbooksfree.pk

آگے بڑھ کر سیدھا کیا اور آوازدی مگر جواب نہیں ملا اسے پھر ہلایا اٹھانا چاہا مگر بے حس موتی کو دیکھ کر وہ گھبرا کر بہو کو دوڑایا کہ وہ موتی کے بھائیوں اور راجا صاحب کو بلالائے، بہو بھائی بردر سمجھاؤ سے بھی کو بلالائی۔

وید جی بھی آگئے انہوں نے موتی کو اچھے سے دیکھ کر بتادیا کہ ''وہ مرچکی ہے۔''

یہ خبر تھی یا بجلی یا قیامت کچھ معلوم نہیں مگر سب سے پہلے بیٹی کی موت کا سن کر راجا صاحب بے ہوش ہو کر گرے، پھر رانی کی آنکھیں تاریک ہوئیں اور پھر بھائی اسے چھو چھو کر بلا کر موت کو جھوٹ بتانے لگے۔

مگر موت اپنا کام کر کے جا چکی تھی۔

بات خبر چھپانے کی نہیں تھی آن کی آن پھیل گئی آئی بارات یہ سن کر چھاتی پیٹنے لگی ہر کوئی یہ ماننے کو تیار نہ تھا کہ موتی مرگئی۔

نارائن داس کو خبر ملی تو وہ بھاگ کر آئے بیٹی کی طرح محبوب ہستی بے جان پڑی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ موتی راوت کو دل و جان سے چاہتی تھی وہ خودکشی نہیں کرسکتی، ضرور کسی نے اسے مار ڈالا ہے، انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے بیروں کو طلب کیا اور موتی کی موت کی وجہ معلوم کی تو پتہ چلا کہ وہ زہر سے ہلاک ہوئی ہے اور جس نے دیا وہ بھی فی الوقت انہوں نے صرف یہ اعلان کیا کہ کسی دشمن نے زہر سے اسے ہلاک کیا ہے۔ وہ خود ڈھے گئے تھے۔ خوشی ماتم میں بدل گئی، راوت کو معلوم ہوا کہ موتی کو کسی نے زہر دے کر مار ڈالا ہے تو وہ وہیں چلا آیا اور موتی کے وجود سے لپٹ کر خاموش آنسو بہاتا رہا۔

موتی کے بھائی جنہوں نے زندگی میں اسے محبت نہیں دی تھی اب اس کی لاش پر کھڑے ہو کر قسمیں کھا رہے تھے کہ اس کے قاتل کو نشان عبرت بنادیں گے۔

شانتی نے جلن میں یہ کام کر تو لیا مگر وہ پنڈت جی کو بھول گئی کہ وہ کتنے گیانی ہیں اپنے غلام بیروں کے بل پر وہ کیا نہیں کرسکتے مگر اب جو دھیان آیا اور سر آئی مصیبت دیکھی تو اس کی ٹانگیں کپکپانے لگیں مگر ماحول کو دیکھتے ہوئے کچھ سنبھل گئی۔

خیر اس کا دلہن کا لباس اتار کر سفید چادروں میں لپٹ کر حسب رواج آخری رسومات کردی گئیں، پوری ریاست اور راجپوتوں کے ہاں ماتم و سوگ کی کیفیت طاری ہوگئی، ہر کوئی اس جوان اور نا کہانی موت پر دل گرفتہ تھا راجا صاحب نے موتی کے کمرے کو اسی حالت میں مقفل کروادیا اور سب کو اسے کھولنے یا دیکھنے سے منع کردیا ایک ہی بیٹی دی تھی اوپر والے نے جو دل و جان سے محبوب تھی نجانے کن کن گناہوں اور صلاحیتوں کی مالک تھی ابھی تو اس کے جوہر کھلنے تھے کہ وہ انہیں تنہا کرگئی۔

ادھر راوت خاموشیوں میں ڈوب گیا۔ اس کی زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی ہی ہمیشہ کے لئے دور ہوگئی اس کے لمس سے آشنا ہونے سے پہلے ہی اس کے سارے احساس لے گئی۔ مگر صرف پنڈت نارائن ہی تھے جو غصہ سے بل کھا رہے تھے مگر کسی کارروائی سے معذور تھے وہ راجا صاحب کے سچے نمک خوار تھے جانے تھے کہ اگر وہ شانتی کو بے نقاب کردیتے ہیں تو ہر کوئی اس کا دشمن ہوجائے گا وہ خود ایک بڑی ریاست کی راجکماری تھی اس کے میکے والے اپنی بیٹی کے جرم کو بھلا کر راجا صاحب کے دشمن ہوجائیں گے۔ اسی ساری کارروائی میں بہت سا خشت و خون ہوتا اور قیمتی جانیں جاتیں۔ وہ خاموش ہوگئے۔

موتی انہیں رجنی کی طرح عزیز تھی انہوں نے اس کے خون کا حساب کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھا، موتی دنیائے رنگ و بو سے رخصت تو ضرور ہوئی مگر اس کی آتما اپنی محبوب ہستی اور چیزوں سے جیسے لپٹ کر رہ گئی وہ جا کر بھی نہ جاپائی۔

بظاہر گزرتے وقت کے ساتھ حالات معمول پر آتے گئے سوگ کی کیفیت مدھم ہوتے ہوتے ختم ہوگئی، راجا صاحب ایک دم بوڑھے ہوگئے۔ انہوں نے راج پاٹ بیٹوں میں منصفانہ تقسیم کرکے گوشہ نشینی اختیار کرلی اور زیادہ وقت نارائن داس کے ساتھ گزارنے لگے۔

www.pdfbooksfree.pk

مونی کا کمرہ اس کی شادی کے روز کی طرح بند رہتا۔ راجا صاحب خود کھولتے اپنے سامنے صفائی کرواتے وہاں بیٹھ کر بیٹی کی یادوں سے بہلتے اور خود مقفل کر دیتے، رانی نے بہت کہا کہ مونی کا زیور اور لباس بہوؤں میں بانٹ دیتے ہیں مگر راجا صاحب سختی سے جھڑک دیتے۔

وقت اپنی رفتار سے چلتا رہا، پنڈت جی نے شانتی کو تنہائی میں باور کروادیا کہ وہ اس کے جرم سے واقف ہیں مگر محض مصلحتاً خاموشی اختیار کرنا پڑی کیونکہ وہ ریاست اور راجا دونوں کو خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتے، مگر وہ احتساب سے بچ نہیں سکتی وہ انتظار کرے، وہ بلا ٹلنے پر شکر بجالائی بنا کچھ کہے سنے اٹھ کر آ گئی۔

راجا صاحب مونی کے بعد صرف ایک سال زندہ رہے پھر ان کا انتقال ہوگیا۔ عمر اگرچہ کچھ زیادہ نہ تھی مگر بیٹی کے غم نے چاٹ لیا ان کے انتقال کے بعد تو بہوؤں نے صبر کیا کیونکہ وہ بھی جان گئی تھیں کہ مونی کے کمرے میں بہت اعلیٰ اور منفرد لباس و زیورات رکھے ہیں ان کی زندگی میں تو جرات نہ ہوئی مگر ان کے مرنے کے بعد وہ سب کچھ حاصل کرنے کے درپے ہوگئیں، ان کے سوگ کے چالیس روز پورے ہونے کے بعد ساس سے چابی لے کر جو آئیں اور کمرہ کھلوانے لگیں مگر تالا نہ کھلا ہر تدبیر کرلی مگر تالا نہ کھلا۔

آخر کو خدمت گار کو کہہ کر قفل توڑ ڈالا اور اندر داخل ہونا چاہا مگر دروازہ کھلا تو اندر نہ دکھائی دینے والی دیوار حائل ہوگئی ہر طرح سے کوشش کر کے دیکھ لی مگر وہ نادیدہ دیوار پار نہ ہوسکی، یہ واقعہ بہت عجیب ہوا۔ نارائن داس کو بلا کر ساری صورتحال بتائی وہ خود جا کر کمرے میں داخل ہوئے انہیں کوئی رکاوٹ نہیں ہوئی لیکن ان کے علاوہ کوئی نہ جا سکا وہ وہیں بیٹھ کر تھوڑا دھیان لگایا تو پتہ چلا کہ مونی کی آتما اس کمرے میں ہے۔ انہوں نے سب کو وہاں سے ہٹادیا۔

مکمل تنہائی میں دروازہ بند کر کے مونی کو بلایا وہ سامنے آئی تو پنڈت جی بہت آزردہ ہوئے اور کہا۔

''پتری کیوں یہاں رکی ہوئی ہو۔''

مونی نے کہا۔ ''گرو جی میرا سب تو یہاں ہے تو کیسے جاتی وہ سب کچھ جو میرے ذہن کی تخلیق ہے میرے اپنے لئے تھا وہ میں کسی اور کے استعمال میں نہیں دیکھ سکتی، میں جانتی ہوں کہ آپ مجھے یہاں سے بھیج سکتے ہیں مگر میں آپ کو آپ کی محبت جو مجھ سے تھی اور رجنی کا واسطہ دے کر التجا کرتی ہوں مجھے یہاں سے مت نکالیں بلکہ کچھ ایسا کردیں کہ میری حریص بھابھیاں آپ کے بجائے کسی تانترک کے بل پر مجھے یہاں سے نا نکال پائیں، مجھے جب اپنی چیزوں کا وارث مل جائے گا میرا آپ سے وعدہ ہے کہ میں یہاں سے چلی جاؤں گا۔''

پنڈت جی کچھ لمحے سوچتے رہے پھر کہا۔ ''پتری دل تو راجا صاحب کے بعد میرا بھی اداس رہتا ہے لیکن کیا کروں کہ اپنے حصے کے فرض تو پورے کرنے ہیں ایک فرض یہ بھی سہی میں ایسا انتظام کئے دیتا ہوں کہ کوئی عام تانترک یا پجاری تمہیں نقصان نہ پہنچا سکے پھر میں بھی جانے والا ہوں ہمالیہ کے پربتوں پر۔'' یہ کہہ کر انہوں نے مونی کے کمرے کے اندر اور باہر حصار باندھ دیا پھر کمرے سے نکل کر دروازے اور تالا کو دھاگوں اور منتروں سے باندھ دیا۔

اب پنڈت جی کی فکر کا ہی کوئی گرو یہ حصار توڑ سکتا تھا اس کے بعد انہوں نے تمام افراد کو اکٹھا کر کے یہ فیصلہ سنادیا کہ اب آئندہ سے مونی کے کمرے کو نہ کھولا جائے اور نہ ہی اس کے ذاتی سامان پر نظر رکھی جائے کیونکہ یہاں کچھ خاص آتماؤں کا سایہ ہے۔ انہوں نے مونی کا ذکر دانستہ نہیں کیا کہ وہ اپنے نقصان کا ذمہ دار وہ خود ہوگا جو اس کی خلاف ورزی کرے گا پھر انہوں نے اپنے ہمالیہ جانے اور اپنے بیٹے کو مستقل اپنی جگہ دینے کا بھی کہہ دیا۔

پنڈت جی کا کہا ہمیشہ سے اس محل میں مسلم حیثیت رکھتا تھا۔ اب جو انہوں نے کہہ دیا تو سب نے جان لیا کہ مونی کے ساتھ اس کی ذاتی اشیا بھی سمجھو دنیا سے چلی گئیں۔ نارائن داس تو چلے گئے مگر سب عورتیں

www.pdfbooksfree.pk

دل مسوس کر رہ گئیں کیونکہ شانتی نے جو کچھ دیکھا تھا سبھی دیورانی جٹھانی کو بتا رکھا تھا۔

ادھر راوت کے والدین نے چھ آٹھ ماہ صبر کیا پھر اسے مجبور کیا کہ اب نئی جگہ اس کی گرہستی بسائی جائے وہ دل سے مونی کو نکال تو پایا تھا مگر گھر والوں کی دل شکنی کے خیال سے مان گیا اور انہوں نے ایک معزز گھرانے میں اس کی بات طے کردی۔

مونی نے راوت کو اپنی ملکیت تصور کرلیا تھا وہ اس سارے عرصہ میں یہی سمجھتی رہی کہ اس کے بعد کوئی اور راوت کی زندگی میں نہ آئے گی مگر اس واقعہ نے اسے مغضوب کردیا اس نے لڑکی کی جان لے لی جو راوت کی منگیتر بننے جارہی تھی۔ اس واقعہ کے بعد بہت سراسیمگی پھیل گئی کہ آخر راوت کے ساتھ کیا ہے جب بھی شادی کا سلسلہ ہوتا ہے لڑکی مرجاتی ہے۔

راجا مہندر سین نے ایک بہت بڑے سوامی جی سے اس بات کی تحقیق کروائی تو انہوں نے کہا کہ ''اب آپ جس لڑکی سے بھی اپنے بیٹے کی بات ٹھہرائیں گے وہ ایسے ہی مرجائے گی کیونکہ اس کی زندگی میں آنے والی پہلی بن بیاہی دلہن کی آتما یہ سب نہیں ہونے دے گی وہ راوت کو کسی اور کے ساتھ نہیں دیکھ سکتی۔''

انہوں نے اس مسئلے کے حل کی بھی تو سوامی جی نے کہا۔ ''اس آتما پر ایک بڑی ہستی کا ہاتھ ہے۔ اس کا مقابلہ مشکل ہے۔'' یہ کہہ کر وہ رخصت ہوگئے اور راجا صاحب اپنے جوان اور خوب صورت بیٹے کے مستقبل کی طرف سے بہت فکرمند ہوگئے۔

ادھر راجا سورج مل کے راج محل میں مونی کی آتما کے اثرات آہستہ آہستہ ظاہر ہونے لگ گئے تقریباً سبھی افراد جو برسوں سے ہنسی خوشی رہ رہے تھے اس جگہ سے عجیب سی بے زاری محسوس کرنے لگ گئے پھر کچھ حادثات ہوئے تو بڑے راج کمار اور اب کے راجاؤں نے محل کے اس حصے کو ترک کر کے محل سے ملحق زمین پر نئے محل کی تعمیر شروع کردی۔ جیسے ہی نئی تعمیر مکمل ہوئی تو سبھی وہاں منتقل ہوگئے اور یہ عمارت رہائش کے لئے متروک ہوگئی۔

رفتہ رفتہ سب مونی کو بھولنے لگے سبھی بھائیوں کی اولادیں ہونا شروع ہوئیں اور ہر کوئی راج پاٹ کے مسئلوں اور زندگی کے رنگوں میں الجھ گیا۔

راوت سین کے والدین جب تک زندہ رہے وہ بیٹے کی شادی کے لئے ہر تدبیر کرتے رہے۔ مگر راوت خود شادی کے ذکر سے دور ہوگیا کیونکہ مونی کی آتما آسیب بن کر اس پر چھا گئی وہ تنہائی میں اسے دیکھتا محسوس کرتا باتیں کرتا اور یوں اس کی زندگی آگے بڑھنے لگی اس کے سبھی بہن بھائی بیاہے گئے مگر وہ ہی تخت و تاج کی حفاظت کی ذمہ داری سنبھالنے میں لگا رہا یہاں تک کہ جوانی سے بڑھاپا آگیا اور بڑھاپے کے بعد وہ ملک عدم کا سدھارا۔

پنڈت جی بھی انتقال کرگئے تھے مگر ان کے باندھے حصار کو کوئی نہ توڑ سکا جس جس کو مونی کے کمرے میں موجود قیمتی اشیاء کا علم تھا وہ بعد میں مقدور بھر کوششیں کرتے رہے مگر کوئی بھی کامیاب کیا ہوتا الٹا بہت سے جان سے گئے۔

رفتہ رفتہ وہ محل آسیب زدہ مشہور ہوگیا اور لوگ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ یہ کہانی بھی بھولتے چلے گئے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جغرافیائی حالات کبھی ایک سے نہیں رہتے۔ تغیر اس کائنات کا اصل ہے تبدیلیاں آتی رہتی ہیں پرانے لوگ وقت پورا ہونے پر چل بستے ہیں اور نئے لوگ ان کی جگہ لے لیتے ہیں، زمانے بیتتے رہے، حالات بدلتے رہے مگر راجا صاحب کے پرانے محل کی حیثیت نہ بدلی، ہاں اتنا ضرور ہوا کہ پہلے مونی اکیلی اس کمرے اور محل میں بسیرا کئے ہوئے تھی راوت کے مرنے کے بعد یہاں اس کی آتما کا اضافہ ہوگیا کبھی کبھار ایسا ہوتا کہ کوئی انجانا رات کے وقت اس محل کے قریب سے گزرتا جو اب عدم توجہی کے باعث کھنڈر میں بدل رہا تھا تو چاند کی روشنی میں محل کے باہر ایک مرد اور عورت اکٹھے محبت بھرے انداز میں بیٹھے دیکھائی دیئے، عورت سیاہ رنگت اور معمولی شکل کی ہوتی مگر مرد

www.pdfbooksfree.pk

بے حد حسین اور خوب صورت مگر پھر بھی دونوں کی محبت دیدنی ہوتی۔

وقت گزرتا گزرتا صدی کی مسافت طے کر آیا یہاں تک کہ زمانہ حال آ گیا۔ محل کے ساتھ بننے والا نیا محل اور دیگر رہائش گاہیں تو وقت نے مٹا دیں مگر یہ مارت کچھ شکستہ ضرور ہوتی ہوتی مگر مٹی نہیں اس کے ارد گرد ویرانی پھیلی اور پھر نیم جنگلی سا علاقہ بن گیا جہاں کوئی کم کم گزرتا، بس اس ویرانے کے بیچ پہ راج محل کا کھنڈر اپنے اندر موجود انمول خزانے کے وارث کی تلاش میں تھا۔ راج پروہت کا برہمن خاندان بھی آہستہ آہستہ معدوم ہوگیا کیونکہ جوگھت نارائن داس نے کر کے ایک مہا گیانی اور عظیم تانترک کا مقام حاصل کیا اس جیسی محنت ان کے بعد کسی نے نہ کی۔

☆.....☆.....☆

میاں عزیز احمد ایک بلند پایا مذہبی گھرانے کے فرد تھے اور وہ ان کے اجداد ہمیشہ دین حنیف کی خدمت اور عمل کی کوششوں میں رہے۔

بہت حد تک وہ کلام پاک سے عوام کے روحانی مسائل حل کیا کرتے، میاں عزیز احمد کے والد تو بہت سے موکلات سے رابطہ رکھتے تھے اور آسیبی مسائل کے حل میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا ان سے یہ خدمت میاں عزیز احمد نے سیکھی اور ہمیشہ دین کی مکمل پیروی میں کوشاں رہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں پانچ بیٹوں کے بعد ایک بیٹی عنایت کی تھی جو انہیں بہت محبوب تھی، مدیحہ بہت خوب صورت لیکن بااصلاحیت اور قابل لڑکی تھی اگر چہ ان کا گھرانہ مذہبی حد درجہ قیود کا پابند تھا مگر وہ بہت شوخ مزاج کی تھی، تعلیم میں بھرپور ذہانت کا استعمال کرتی، ساتھ ہی خوب صورت لباس اور زیورات کی دیوانی تھی، تعلیم وہ گھر پر والد اور بھائیوں سے حاصل کر رہی تھی، کیونکہ میاں صاحب نے مذہبی تعلیم کے علاوہ رسمی تعلیم کو ضروری نہیں خیال کیا مگر میٹرک تک تعلیم دلوادی، وہ حفظ بھی مکمل کر چکی تھی اور حدیث جاری تھی کہ اس نے ضد پکڑلی کہ وہ کالج میں پڑھے گی۔

میاں صاحب راضی نہ تھے مگر لاڈلی کی ضد ختم نہ کر سکے، پہلی بار سختی سے بھی کام لیا لیکن اس کے بھائی آڑے آ گئے، انہوں نے والد سے سفارش کی کہ وہ اسے اجازت دے دیں وہ اکلوتی اور سب سے چھوٹی تھی، بھائیوں نے تقریباً گود کھلایا تھا، بھائیوں نے ذمہ داری لی کہ وہ خود لائیں اور لے جائیں گے بھابھیاں خود ساتھ گئیں اور ماحول دیکھ کر کالج میں داخلہ دلوایا۔

مدیحہ کالج آنے کے بعد بہت خوش ہوئی اب تک بھائیوں اور والد نے دوستوں کی جگہ لے رکھی تھی۔ اب بہت ساری لڑکیوں کے بیچ آ کر وہ بہت انوکھا محسوس کر رہی تھی، اس کے گھر کی مذہبی شہرت اور اس کی سادگی کی وجہ سے بہت سی لڑکیاں اس کی دوست بن گئیں۔

گھر پر میاں صاحب نے اس کی تربیت میں کمی نہ آنے دی۔ جو تعلیم انہوں نے بیٹوں کو دی تھی بلا تخصیص بیٹی کو بھی دے رہے تھے۔ انہوں نے اسے یہ سمجھایا کہ ''کبھی بھی زندگی میں آپ کا واسطہ دوسری مخلوقات سے پڑے تو انہیں اپنے احساس پر حاوی نہ ہونے دو بلکہ یہ یاد رکھو کہ ہم انسان اللہ کی برتر تخلیق ہیں، باقی مخلوقات کا درجہ ہمارے بعد ہے، لہٰذا اپنے الہامی علم کو استعمال میں لا کر ان سے مقابلہ کرو اور اگر واسطہ ارواح سے پڑے تو بھی ذہن میں رکھو کہ ہم اپنے مقدس کلام کی بدولت وسیع اختیارات رکھتے ہیں، ضرورت صرف اسے موقعوں پر اپنے ذہن اور احساس کو قابو میں رکھ کر اپنے علم کے صحیح استعمال کی ہے۔'' ان کے بیٹے تو با قاعدہ روحانی خدمات انجام دے رہے تھے ہاں مدیحہ کا واسطہ کبھی عملی تجربات سے نہیں پڑا مگر تعلیم و تربیت مکمل تھی۔

مدیحہ نے اپنے عمل سے کبھی والد یا بھائیوں کو ناخوش نہیں کیا ہمیشہ اپنے گھرانے کی اقدار کا خیال رکھا انٹر اس نے اچھے گریڈ سے پاس کرلیا، اب وہ بی اے میں آ گئی۔

www.pdfbooksfree.pk

ان ہی دنوں ان کے بڑے بھائی نے اپنے بیٹے کے لئے عزیز احمد سے درخواست کی، عزیز احمد کے لئے اپنے بھتیجے سے بڑھ کر کیا ہوتا، ہونہار لائق گھر کا بچہ اہل خانہ سے مشورہ کیا، سب نے رضا مندی کا اظہار کیا، آخر میں مدیحہ سے بھی پوچھا گیا اس نے فیصلہ والد پر چھوڑا، بھائی کی طرف ہاں کردی، وہ بھی بہت سادگی سے منگنی کر گئے، شادی گریجویشن کے بعد طے ہوئی۔

مدیحہ نے اس نئے احساس کو فراخ دلی سے قبول کیا اور پھر تعلیم کی طرف متوجہ ہوگئی۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا کالج کے ساتھ ساتھ اس نے والد سے حدیث کی بھی کتب ترجمہ اور تفسیر پڑھ لیں۔ والد بیٹی کی روش سے خوش تھے کہ اس نے کالج جا کر دینی تعلیم کو نظر انداز نہیں کیا اور مکمل توجہ سے کتب مکمل کیں وہ آخری سال میں تھی کہ ٹرپ پر جانے کا شوشہ اٹھا، طالبات میں سیر پر جانے کے ذکر سے سنسنی دوڑ گئی ہر کوئی جگہ کے بارے میں رائے دینے لگا، مختلف مقامات زیر بحث آئے بالآخر شہر سے باہر کچھ تاریخی مقامات پر جانے کا طے ہوا سفر بس کے ذریعے ڈھائی گھنٹے کا تھا، سب لڑکیاں اس ٹرپ سے متعلقہ باتیں کرنے لگیں کھانے اور اخراجات طے ہونے لگے صرف مدیحہ نے اس گفتگو میں حصہ نہ لیا اس کی قریبی دوست فرح اور ثانیہ نے کہا۔ ''مدیحہ تم کیوں خاموش ہو بتاؤ کہ ہم کیا کیا لے کر جائیں۔''

مدیحہ نے کہا۔ ''میرا جانا ناممکن ہے کیونکہ یہ تم جانتی ہو۔''

''کیا بات کہی تم نے ہم جائیں اور تم نہ جاؤ۔'' ثانیہ نے کہا۔

''تم بس جانے کی تیاری پکڑو اور یہ مت بھولو کہ میرے ابو اور عزیز چچا گہرے دوست ہیں آج شام، میں ابو کے ساتھ آؤں گی چچا جی سے بات کرنے تمہیں کچھ کہنے یا کرنے کی ضرورت نہیں سوائے جانے کے۔''

مدیحہ اس کی بات سے کھل اٹھی۔ ''ہاں بہن میں تو بھول گئی کہ وکیل صاحبہ کے ہوتے میں کوئی کیس ہار سکتی ہوں۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا جواب میں دونوں نے قہقہہ لگایا۔ اور ایسا ہی ہوا۔

شام کو عصر کی نماز کے بعد ثانیہ اور اس کے والد آئے اور وہ میاں عزیز سے پرزور سفارش کر گئے کہ مدیحہ بھی جائے اور پھر ان کی یقین دہانی کے بعد ہی رات کا کھانا کھا کر گئے۔ مدیحہ بہت خوش ہوئی کہ وہ زندگی میں پہلی بار کسی تفریح کے لئے جائے گی وہ بھی اپنی دوستوں کے ساتھ۔

اگلے ہفتے سب روانہ ہونے کے لئے کالج پہنچیں مدیحہ کی امی اور بڑی بھابھی نے بہت سا کھانا تیار کر کے ساتھ دے دیا وہ بھائی کے ہمراہ کالج پہنچ گئی وہ بس کے روانہ ہونے تک وہیں رہے اور موبائل فون بھی دیا کہ مسلسل رابطہ رہے۔ یہ بس مقررہ وقت پر روانہ ہوئی اور ٹھیک ڈھائی گھنٹے میں مطلوبہ جگہ پہنچ گئی۔ سب نے ٹیچرز کے ہمراہ اس پورے تاریخی قلعے کی سیر کی، اس کی تاریخ کے بارے میں سنا اس کے بعد دوپہر کا کھانا کھایا پھر اونٹوں کی سیر کی، صحرا کا ابتدائی علاقہ دیکھا پھر شام ہونے سے پہلے ہی روانہ ہوگئے۔

سب بس پر سوار ہوئے اور واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔ بس بالکل تسلی بخش حالت میں تھی اور سفر بھی ٹھیک جا رہا تھا کہ جس وقت میں اس ویران اور غیر جنگلی علاقے سے گزری تو اچانک اس کا ٹائر پنکچر ہوگیا اور بس روکنا پڑی۔

ڈرائیور اور اس کے ساتھی نے نیچے اتر کر دیکھا تو اکٹھے دو ٹائر پنکچر ہوگئے تھے لہٰذا بس کو اسی جگہ روک کر ٹائرز کی تبدیلی کا کام کرنا پڑا اس پر خاصہ وقت درکار تھا۔

مدیحہ نے گھر بھائی کو کال کی کہ فلاں مقام پر بس کے ایک ساتھ دو ٹائر پنکچر ہوگئے ہیں، اس پر بہت وقت لگنے والا ہے۔'' اس کے بھائی نے کہا۔ ''تم انتظار کرو میں اپنی گاڑی میں تمہیں لینے آتا ہوں۔

کیونکہ ابو تمہارے جانے کے بعد سے تمہاری واپسی کا انتظار کر رہے ہیں، میں اپنی گاڑی میں آؤں گا تو جلد آدھ پون گھنٹے میں پہنچ کر تمہیں لے لوں گا، فرح

www.pdfbooksfree.pk

اور ثانیہ میں سے جو ساتھ جانا چاہے اسے بھی لے لینا۔'' وہ مطمئن ہوگئی اور ان دونوں کو بھی بتادیا کہ بھائی خود آرہے ہیں لینے کے لئے۔

ادھر بس میں اضافی ٹائر ایک ہی تھا جبکہ ڈرائیور نے ساتھی کو شہر دوڑایا ایک ٹائر اور لانے کے لئے، اس کام پر ڈیڑھ گھنٹہ صرف ہونا تھا مدیحہ نے بس میں بیٹھنے کے بجائے باہر آنا پسند کیا کیونکہ باقی لوگ بھی وقت گزاری کے لئے بس سے نکل کر ادھر ادھر پھیل گئے تھے۔ ٹیچرز بار بار سب کو دور جانے سے منع کررہے تھے۔ مدیحہ، ثانیہ اور فرح کے ہمراہ نکل کر باہر آگئی اور وہ تینوں قریب ہی جنگل کو دیکھنے اور باتیں کرنے میں مشغول ہوگئیں، باہر آکر مدیحہ کو فرحت کا احساس ہوا اس وقت تینوں نے مکمل پردے کے ساتھ عبایا پہن رکھے تھے اس لئے آزادی سے ادھر ادھر گھومنے لگیں اور جنگل کو پہلی بار دیکھنے پر تبصرہ بھی کررہی تھیں۔ فرح کے سیل فون پر کال آئی وہ وہیں رک کر بات کرنے لگی ثانیہ اس کے ساتھ کھڑی رہی جبکہ مدیحہ کو عجیب سے احساس نے گھیر لیا۔ اس کے پاؤں خود بخود جنگل کے مرکزی جانب اٹھنے لگے اسے خود بھی احساس تھا کہ وہ تنہا جارہی ہے مگر طبیعت خود محسوس کررہی تھی کہ وہ چلتی رہے وہ نا معلوم کتنا چلی تھی کہ اس کے قدم اس بوسیدہ اور شکستہ عمارت کے سامنے آکر رک گئے جو کبھی ایک راجا کا راج محل تھا، مگر اب محض چند سنگ وحشت کا مجموعہ ہوکر رہ گئی، اس کی زبان پر اخیر سورہ بقرہ کی آیات جاری ہوگئیں اب وہ شعور میں آئی تو لگا کہ وہ کچھ دور آگئی ہے۔

وہ پلٹنے لگی تو اچانک دیکھا کہ دور ایک لڑکی دلہن کے لباس میں کھڑی ہے اور اسے پکار رہی ہے، غالباً اس کی تلاوت کی وجہ سے وہ کچھ تکلیف میں دکھائی دیتی تھی۔

مدیحہ کے وجدان نے کہا کہ۔''اس ویرانے میں اس سنسان اور کھنڈرات عمارت میں دلہن کا کیا کام، یہ یقیناً کوئی اور ہستی ہے۔'' وہ گھبرائی نہیں، آیات کی تلاوت روکی نہیں اور اعتماد سے چلتی ہوئی اس دلہن کی طرف آئی، چند ٹوٹے پھوٹے کمرے اور راہداریاں عبور کرتی وہ اس دلہن کی طرف چلتی گئی، کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ دکھائی دی۔

مدیحہ نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا تو اس کے سیاہ چہرے پر بے پناہ تھکن تھی ایسی کہ اس سے قبل کبھی نہ دیکھی، وہ کرب بھری آواز سے بولی۔''میں صدیوں سے یہ بوجھ اٹھائے تھک گئی ہوں، تم اپنے خدا کے واسطے مجھے اس سے آزاد کردو، مجھے اپنی محبوب چیزوں کی وارث اتنے انتظار کے بعد ملی ہے کہ میری آتما بھی انتظار کی چکی میں پس چکی ہے، یہ سب لے لو اور مجھے جانے دو۔''

مدیحہ نے حیرانی سے اسے دیکھا اور کہا۔''میں آپ کو جانتی تک نہیں پھر آپ میرا انتظار کیوں کررہی تھیں۔''

''یہ سب بعد میں بتاتی ہوں پہلے اس کمرے کا تالا کھولو کیونکہ یہ تم کھول سکتی ہو، تم سے پہلے اس تالے کو کھلنے کی آرزو میں بہت سے جان سے گئے، جلدی کھولو، اوپر پڑھ کر کھولنا جو تم یہاں آتے ہوئے پڑھ رہی تھی، تبھی کھلے گا۔''

مدیحہ نے اس سالخوردہ سیاہ تالے کو دیکھا جو ساخت سے قطعی عجیب تھا اس پر لپٹے دھاگے بھی سیاہ پڑ چکے تھے، اس نے دوبارہ وہیں سے پڑھنا شروع کردیا جہاں روکا تھا، اس کے ساتھ ہی قفل کو ہاتھ لگایا تو وہ شاید اس کے ہاتھ لگنے کا منتظر تھا۔ خود بخود زمین پر آگرا۔

مدیحہ نے اس لڑکی کی طرف دیکھا اب اس کے ہمراہ ایک نہایت خوبرو اور حسین لڑکا بھی تھا مگر وہ بھی اس کی طرح درماندہ اور بے حال تھا۔

مدیحہ کو دیکھتے ہی موتی نے کہا۔''لڑکی میں ایک راج کماری یعنی تمہارے مطابق شہزادی تھی یہ میرے ساتھ میرا منگیتر راوت کھڑا ہے مجھے میری شادی کے روز زہر دے کر مار دیا گیا، اس کمرے میں جو رکھا ہے وہ اب تمہارا ہے کیونکہ لباس اور زیور کی ضرورت زندہ

www.pdfbooksfree.pk

انسانوں کو ہوتی ہے آتماؤں کو نہیں، میں نے بہت طویل عرصہ اسے سنبھالا ہے، بس تم یہ سب لے جاؤ کیونکہ میری وجہ سے راوت بھی یہاں قید ہو کر رہ گیا تھا، اب ہم وہیں جائیں گے جو ہماری جگہ ہے۔''

مدیحہ نے کہا۔''میں کوئی کام اپنے والد سے پوچھے بغیر نہیں کرتی، ان اشیا کی تحویل بھی ان کی اجازت سے ہوگی۔''

مونی نے کہا۔''تم ان سب کے ساتھ میری ایک تصویر بھی اندر رکھی ہے وہ لے جانا اس کے بعد تمہیں تمہارے پتا کچھ نہیں کہیں گے سب خود سمجھ جائیں گے تم کسی بات کی فکر نہ کرو آؤ!'' یہ کہہ کر وہ ایک سائے کی طرح لہراتی ہوئی کمرے میں آ گئی۔

مدیحہ اس کے عقب میں آ گئی ان کا منظر مدیحہ کی سوچ سے بالا تر تھا ساری عمارت سیاہی مائل بوسیدہ کھنڈر میں بدل چکی تھی جبکہ اسی عمارت میں بنا ہوا یہ کمرہ ایسا تھا کہ جیسے اس کا حسنہ ہی نہ ہو، صاف ستھرا ماحول، لہراتے ریشمی کم خواب کے دہرے پردے، روئی کے گالوں جیسا نیلگوں قالین، قد آدم دیوار گیر آئینہ جس کا فریم قیمتی لکڑی کا تھا، بڑی سی مسہری غرض ایک ایک چیز کسی قدیم شاہی خواب گاہ کی علامت تھی حتیٰ کہ دو سو سال قبل مونی کی شادی کے روز اس کے وجود سے پھیلی مہندی اور ابٹن کی ملی جلی مہک جیسی اس وقت تھی ابھی بھی ویسے ہی محسوس ہو رہی تھی، مدیحہ کو ایسا لگا کہ جیسے یہاں کسی دلہن کو تیار کیا ہو، مونی نے مسہری کے نیچے رکھے لکڑی کے خوب صورت صندوقوں کی طرف انگلی کر کے کہا۔''یہ سب یہاں سے اٹھالو، اب تم اس کی مالک ہو۔''

اس وقت مدیحہ کو کچھ خیال آیا اس نے اپنے سیل فون پر وقت دیکھا اپنے بھائی سے بات کئے اسے چالیس منٹ ہو چکے تھے اب تک بھائی آ چکا ہوگا، مدیحہ نے کہا۔''اگر تم کہو تو میں اپنے بھائی کے ساتھ آتی ہوں، وہ یہ سب اٹھالیں گے، میرے لئے اٹھانا مشکل ہوگا۔''

''ہاں تمہارا بھائی آ چکا ہے، آؤ میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی باہر آئی ایک لمحے کو آنکھ جھپکی تھی کہ اس نے سڑک کے کنارے کھڑی گاڑی کے پاس خود کو پایا اسے دیکھتے ہی بھائی باہر نکلا اور کہا۔''مدیحہ سامان لے آؤ پھر چلیں۔''

مدیحہ نے اسے بلایا کہ''پہلے میری بات سن لیں۔'' وہ بھائی کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گئی اور کہا۔ ''بھائی پہلے چل کر آپ ایک کام کر لیں آپ میرے ساتھ گاڑی میں آئیں کچھ چیزیں ہیں جو کوئی مجھے دینا چاہتی ہے۔'' یہ کہہ کر وہ بھائی کو اسی کھنڈر میں لے آئی۔

عبید اگر چہ بہن کے اقدام پر خاصا حیران تھا مگر کھنڈر کے پاس پہنچ کر اس کے روحانی وجدان نے بھی آگاہ کر دیا کہ یہاں پر کوئی غیر مرئی وجود بھی ہے اس نے فوراً زیر لب قرآنی آیات کا ورد شروع کر دیا اور بنا کسی سوال و جواب کے مدیحہ کے ہمراہ چلتا ہوا اس مرکزی کمرے کے باہر آ گیا، اب وہ غیر مرئی وجود اس سے پوشیدہ نہ رہا، اسے مونی اور راوت دکھائی دیئے تو وہ سمجھ گیا کہ یہ ہندو ارواح ہیں۔

اس نے بہت آہستگی سے مدیحہ سے کہا۔''مدیحہ یہ کیا کر رہی ہو، معلوم ہے یہ دونوں روحیں ہیں تمہیں اگر نقصان پہنچا دیں تو!''

مدیحہ نے بھی مدھم لہجے میں کہا۔''بھائی میں آپ کی بہن ہوں، آپ کی طرح میری تربیت بھی ابو نے ہی کی ہے، بس اس کی التجا مان لیں کیونکہ یہ ابو کے بارے میں جانتے ہیں۔''

عبید کمرے میں آیا تو اس کے احساسات بھی مدیحہ کی طرح ہوئے کیونکہ زمانہ موجود کا انسان ماضی میں آ کھڑا ہو تو ایسے ہی محسوس ہوتا ہے، اس خاموشی کے طلسم کو عبید کی آواز نے ختم کیا!''دیکھئے میں آپ دونوں کی حقیقت تو سمجھ رہا ہوں کہ آپ ہم میں سے نہیں ہیں مگر ایسا کیا ہے جو آپ میری بہن کو دینا چاہتے ہیں ہم تو آپ کے ہم مذہب نہیں پھر یہ عنایت کیسی؟''

راوت نے پہلی بار بات کی۔''نوجوان مذہب کے بھید بھاؤ مرنے سے پہلے تک ہوتے ہیں، مرنے

www.pdfbooksfree.pk

کے بعد آنکھوں پر پڑے پردے اتر جاتے ہیں، پھر یہ وہ چیزیں جو کبھی موہنی کا ہنر اور ہمارے بننے والے تعلق کے لئے ایک عورت کا اثاثہ تھے مگر جب یہ زندہ نہ رہی تو یہ بھی نہ ہوا کہ اپنے نہ چاہنے والوں کے پاس انہیں دیکھ سکتی، تم لوگ موہنی کے سب سے چھوٹے بھائی کی نسل سے ہو، جو ایک صدی قبل نا صرف مسلمان ہوئے بلکہ بہت اچھے مسلمان بنے کیونکہ اس کے خاندان کا شیرازہ ایک بڑی جنگ کے بعد بکھر گیا اور اس کے خاندان کے لوگ مہاراجا سے عام لوگوں میں بدل گئے ہیں، یہی وقت کی تقسیم ہے ہر کسی پر نہ ہمیشہ عروج رہتا ہے اور نہ ہمیشہ زوال، بس تم یہ لے جاؤ کیونکہ جب تک ہو سکا ہم نے وقت کو ان چیزوں کے لئے اپنے گرد کی مہربانی سے روکے رکھا مگر اب اگر تم پہن لو گے تو ہمارا دو صدیوں کا سفر اکارت جائے گا ہم بھی رخصت ہونے لگے ہیں، یہ جہاں زندہ لوگوں کا ہے ہمارا نہیں۔''

یہ سن کر عبید نے وہ دونوں صندوق باری باری باہر سرکائے۔ پھر ایک ایک کر کے گاڑی میں رکھے، مدیحہ نے مسہری پر رکھی موہنی کی روٹھی تصویر اٹھائی، وہ کھنڈر سے نکلے تو موہنی نے کہا۔ ''تو جوان ان پتھروں اور سونے چاندی کے لالچ میں نہ پڑنا، یہ جو بھی ہے صرف مدیحہ کا ہے اور کسی کو اس کبھی نہیں آئے گا کیونکہ ان پر میرا خون ہے۔''

عبید نے سر ہلایا اور گاڑی میں بیٹھ گیا، مدیحہ ساتھ بیٹھ گئی اور وہ وہاں سے نکل آئے بس سے کچھ فاصلے پر آ کر عبید نے کالج کی انتظامیہ کو آگاہ کیا کہ وہ اپنی بہن کو خود لے کر جا رہا ہے اور پھر گھر کا سفر کیا۔

میاں عزیز کو ان کے روحانی روابط سے معلوم ہو چکا تھا کہ بنی اپنے ساتھ کچھ لا رہی ہے انہوں نے وہیں سے قرآنی آیات پڑھ کر اپنے بچوں کا حصار کر دیا۔

دونوں کچھ دیر میں گھر آ گئے، عبید نے خاموشی سے دو خوب صورت صندوق اٹھا کر مدیحہ کے کمرے میں رکھ دیئے، اس کی بیوی سب کچھ دیکھ رہی تھی، عبید اور مدیحہ موہنی کی تصویر لے کر والد کے کمرے میں آئے اور کچھ کہنے کے لئے لب کھولے تھے کہ عزیز احمد نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا اور کہا۔ ''بیٹا کچھ کہنے کی ضرورت نہیں میں سب جانتا ہوں، بس اتنا کہوں گا کہ شکر ہے اس ذات پاک کا جس نے ہمیں ہدایت نصیب کی اور ہم بت پرستوں سے حق پرستوں والے ہو گئے، آخری کام یہ ہے کہ تم اس تصویر کو مجھے ایک نظر دکھا کر نذر آتش کر دو کیونکہ کئی روز سے ایک لڑکی حالت خواب میں یہ درخواست کرتی تھی کہ ''وہ میرے اجداد سے ہے اس کے پاس کچھ جواہرزیورات اور ملبوسات ہیں جو کہ صرف مدیحہ کو دینے ہیں۔'' میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ کیا کروں لیکن وہ غالباً بہت عجلت میں تھی آج میرے والد گرامی کے قریبی دوست نے مجھے اطلاع کی کہ ''واقعہ یہ ہے اور سب خیریت ہے، اس آتشی خیر خواہ کی تسلی کی بدولت میں نے یہ لینا قبول کر لیا۔ اب بیٹی تم ان سب چیزوں کو جہیز میں لے جانا، بت پرست ہی سہی، لیکن یہ ہستی ہمارے اجداد سے تھی۔''

پھر انہوں نے عبید سے لے کر موہنی کی تصویر دیکھی دو آنسوان کی آنکھوں سے بہہ نکلے، بیٹے کو تصویر دے کر کہا۔ ''کل مغرب سے پہلے اسے جلا دینا۔''

مدیحہ وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی، بہت تھکن کے باعث رات کا کھانا بمشکل کھایا اور پھر سو گئی۔

اگلے روز والدہ کے استفسار پر یاد آیا کہ وہ کل کچھ سامان لائی تھی، اس نے ماں اور بھابھیوں کے سامنے دونوں صندوق کھولے، عجیب ترین امر یہ تھا کہ دو صدی قبل تیار ہونے والے لباس ایسے تھے کہ جیسے ابھی بن کر آئے ہوں اور زیورات کی آب و تاب بھی برقرار تھی، ان سب نے ایسے شاندار زیورات اور ملبوسات اس سے قبل بھی نہیں دیکھے تھے۔ صندوق میں موجود تمام چیزیں آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں۔

www.pdfbooksfree.pk

ناشکرا

طارق محمود۔ اٹک

اچانک دل دھلا تا کان پھاڑ دینے والا زور دار دھماکہ ہوا اور ہر طرف دھواں ہی دھواں پھیل گیا، بے شمار لوگ جو کہ اس جگہ موجود تھے اپنی اپنی جگہ سکتے کے عالم میں سہم کر بیٹھ گئے قیامت صغریٰ کا منظر واضح تھا کہ.....

زیادہ اور زیادہ کے طلبگار لوگوں کے لئے بہت ہی قابل غور اور سبق آموز انمٹ کہانی

وہ لڑکی بھاگ رہی تھی، گھنا جنگل، اندھا دھند اس کا بھاگنا جہاں اسے گھنے درختوں کے بیچ بالکا سا راستہ ملتا وہ ادھر گھس جاتی اس کے کچھ پیچھے ہی تنگ دھڑنگ جنگلی ہاتھوں میں نیزے اٹھائے ''ہولالا'' کا شور مچاتے ہوئے ان گھنی جھاڑیوں کے کانٹوں سے بے نیاز ہو کر بھاگ رہے تھے اور پھر اس لڑکی کے سامنے ایک مضبوط اونچی کانٹے دار باڑھ آ گئی جس کو دیکھتے ہی اس لڑکی کا خوب صورت چہرہ مزید ہراساں نظر آنے لگا۔ اسی وقت لڑکی نے اپنے سامنے درخت پہ نظر ڈالی جہاں مچان لگائے میں شکار کے لئے تیار بیٹھا تھا اور میرے ہاتھ میں ایک رائفل جس پر دو بین فٹ تھی بالکل تیار حالت میں تھی۔

لڑکی کی چمک دار آنکھوں کی چمک مجھے دیکھتے ہی بڑھ گی وہ منہ کھول کے کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ اک جنگلی

www.pdfbooksfree.pk

جو اس کے بہت ہی قریب پہنچ چکا تھا اور نیزہ چلانے ہی لگا تھا کہ میری انگلی نے رائفل کے ٹریگر پہ دباؤ ڈالا اور پھر فائر کی آواز سے پورا جنگل گونج اٹھا اس کے بعد دو اور جنگلیوں کا نشانہ لے کر میں نے فائر کیے، چوتھے کو اچانک بدلتی ہوئی صورت حال کا پتہ چلا تو وہ واپس بھاگنے لگا لیکن رائفل کی گولی اس سے زیادہ تیز نکلی جو کہ سیدھا اس کے سر میں جا لگی اور اس کا سر تربوز کی طرح پھٹ گیا۔ میرے منہ سے ایک قہقہہ بلند ہوا، اس کے بعد میں نے نیچے دیکھا تو جہاں وہ لڑکی تھی۔ ''لیکن..... اب وہاں تو لڑکی کا نام ونشان نہ تھا۔''

☆.....☆.....☆

اس بڑی چار دیواری کے اندر تین مزار تھے درمیان والا مزار دونوں سائیڈ کے مزاروں سے تھوڑا اونچا اور نمایاں تھا اور ان کی دائیں طرف ایک چھوٹی سی خوب صورت مسجد تھی۔ وہ مسجد اور مزار ایسے ڈیزائن اور خوبصورتی سے بنے تھے کہ میں انہیں دیکھنے میں کھو گیا اور پھر خوشبو کے ایک جھونکے نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرادی اور وہ اچانک نمودار ہو کر میرے سامنے کھڑی ہو کر مسکرانے لگی۔ ''تم ہر دفعہ نظر آ کر اچانک، کہاں غائب ہو جاتی ہو؟'' وہ پیسر سکرائے جا رہی تھی۔

''پلیز اب کہیں نہ جانا۔'' میرے لہجے میں التجا تھی لیکن وہ مسلسل مسکرائے جا رہی تھی۔ اسی وقت اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ایک آخری مسکراہٹ اچھالی اور پھر ہوا میں اڑنے جیسے انداز سے وہ ایک طرف بڑھنے لگی اور میں اسے آوازیں دیتا رہ گیا۔ ''ارے اپنا نام تو بتاتی جاؤ.....''

اب میری التجا درد بھری تھی اور پھر ایک بڑی سی عمارت کے گیٹ میں غائب ہونے سے پہلے اس نے مڑ کر میری طرف دیکھا اور اس کے منہ سے آہستہ سے نکلا ''ظل'' لیکن اس کی آواز کی کھنکھناہٹ جیسے ارد گرد کے ماحول میں گھنٹی کی مترنم آواز کی طرح پھیل گئی۔

اسی وقت میرے دائیں کندھے پر دباؤ سا پڑا مجھے ایک جھٹکا لگا اور میں ہوش کی دنیا میں آ گیا، میں اس وقت ایک پارک میں بنچ پر بیٹھا تھا۔

''اللہ کے نام پہ کچھ دے دو بابا۔'' ایک فقیر کی صدا تھی۔

''بھاگ جا۔'' میں غصہ سے بولا۔

اس ظالم نے اتنا اچھا سپنا توڑ دیا تھا۔ ''بابا کچھ دے دے فقیر کو مولا تیرے سپنے سچ کرے'' ''آہ'' اس نے اب ایسی دعا دی تھی کہ جس کی مجھے کب سے تمنا تھی اور پھر میں نے سوکا ایک نوٹ جیب سے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا اور وہ لے کر مجھے دعائیں دیتا رخصت ہو گیا۔

''ظل'' بہت ہی عجیب سا نام تھا وہ لڑکی کب سے میرے خوابوں میں آ کر مجھے بے چین کر رہی تھی، اور اب تو وہ بیٹھے بیٹھائے میرے سپنوں میں آنے لگی تھی، اب تو میری ایک ہی خواہش تھی کہ کاش وہ حقیقت میں میری دنیا میں آ جائے، میں اسے اپنے سامنے بیٹھا کر خوب باتیں کروں۔

☆.....☆.....☆

ملٹی نیشنل کمپنی تھی، مجھے ایک گاڑی اور چھوٹا سا بنگلہ ملا ہوا تھا۔ مختلف، گھریلو استعمال کے آئٹمز تھے جو کہ مختلف شہروں میں ڈیٹرنٹ پہنچانے ہوتے تھے سارا دن اسی سلسلے میں گھومتا رہتا ساتھ ہی۔

''ظل'' کو بھی تلاش کرتا رہتا اور خواب میں جس جس مقام پر ملاقات ہوئی وہ ذہن میں رکھ کر تلاش کرتا لیکن کافی تلاش بسیار کے بعد، نہ ہی خوابوں میں نظر آنے والا کوئی مقام ملا اور نہ ہی ''ظل''

اس کے خواب اور سپنے بے چین کرتے رہے والدین اپنے شہر میں تھے جو کہ روز فون کرتے اور میری شادی کا ذکر چھیڑ دیتے اور میں اس ذکر سے بچنا چاہتا تھا۔

ہم دو بھائی اور دو ہی بہنیں تھے باقی تین مجھ سے بڑے اور شادی شدہ تھے اور قسمت کی بات کہ تینوں ہی ملک سے باہر تھے، اسی لئے اپنی نوکری کے ساتھ ساتھ مجھے والدین کی بھی دیکھ بھال کرنا پڑتی تھی، لیکن

www.pdfbooksfree.pk

میں انہیں ساتھ نہیں رکھ سکتا تھا کیونکہ یہ جگہ اور یہاں کے لوگ انجانے تھے جبکہ اپنے شہر میں ہمارے خاندان کے بہت لوگ آباد تھے ہاں میں ہر ماہ دو دن کے لئے ان کے پاس جاتا تھا اور جب میں اس مرتبہ گیا تو مجھ سے پوچھے بغیر ہی میری امی میرے لئے ایک لڑکی پسند کر آئی تھیں اور پھر والدین کی خوشی کے لئے مجھ سے انکار نہ ہوسکا، بشریٰ پڑھی لکھی اور خوب صورتی کے ساتھ ساتھ نیک سیرت اور گھر کے تمام کاموں میں طاق تھی۔

گھر آتے ہی کچھ دنوں میں اس نے ایسا گھر سنبھالا کہ میرے والدین اس کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے اور ان دنوں مجھے بھی ''ظل'' کے کوئی سپنے کوئی خواب نہ آئے۔ میں نے کوشش کر کے اپنے ہی شہر میں پوسٹنگ کروالی ہمارا شہر پہلے تو پسماندہ سا تھا۔ لیکن اب وہ کافی ترقی کر گیا تھا جسے دیکھ کر میں خود بھی حیران ہوگیا۔

اور پھر میرے بڑے بھائی جو کہ سعودیہ عربیہ میں تھے انہوں نے والدین کو حج کے لئے اپنے پاس بلالیا۔ میں سارا دن کام کے سلسلے میں باہر رہتا اور بشریٰ گھر میں بور ہوتی رہتی۔

ایک شام ''انور میں چاہتی ہوں کہ پھر سے اسکول پڑھانے جانے لگوں۔'' بشریٰ نے جھجکتے ہوئے مجھ سے کہا۔ وہ شادی سے پہلے ایک پرائیویٹ اسکول میں پڑھاتی تھی۔ میں نے کچھ دیر سوچا اور پھر اجازت دے دی۔

☆.....☆.....☆

ہم صحرا میں تھے، تیز آندھی اڑ رہی تھی ہم دونوں ہاتھوں میں ہاتھ مضبوطی سے پکڑے ایک ریت کے ٹیلے پر کھڑے تھے کہ اچانک مجھے لگا جیسے وہ ریت میں دھنسے لگی ہو، میں نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر اسے اوپر کو کھینچنا چاہا لیکن وہ ریت کے اندر ہی اندر جاتی رہی۔ ''بچاؤ..... بچاؤ'' کی آواز سن کر مجھے جھٹکا لگا وہ ''ظل'' کی آواز تھی۔ میں نے پورا زور لگایا لیکن وہ ریت کے اندر غائب ہوگئی۔

مجھے اپنا سانس رکتا محسوس ہوا میری چھاتی پہ دباؤ سا پڑنے لگا اور پھر میں نیند سے بیدار ہوگیا، لائٹ آن تھی اور بشریٰ کا بازو میری چھاتی پر تھا، مجھے جاگتے دیکھ کر وہ جلدی سے جگ میں سے پانی لا کر پلانے لگی۔ ''لگتا ہے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ لیا آپ نے۔'' بشریٰ نے میرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا اور میں نے ہاں کے انداز میں سر ہلا دیا۔

میری بیوی کا وہ پہلا ون تھا، اسکول کا اور اسی رات کتنے دنوں بعد پھر ''ظل'' کا خواب دیکھا۔ بڑا عجیب سا خواب تھا اور پھر اس کے کچھ دنوں بعد ہی.....

ایک دوپہر میرے دل نے کہا۔ ''لنچ اپنی بیوی کے ساتھ کسی اچھے سے ہوٹل میں کیا جائے۔''

میں نے بشریٰ کو فون کیا اور اس سے چھٹی کا وقت پوچھا، وہ بھی بس نکلنے ہی والی تھی، میں نے اسے انتظار کرنے کا کہا۔ ''میں آرہا ہوں، آج لنچ کسی اچھے سے ہوٹل میں کرتے ہیں۔''

میری بات سن کر یقیناً اس کے ہونٹوں پر تبسم کھل گیا ہوگا۔ اور پھر میں مختلف راستوں سے گھومتے ہوئے اس کے اسکول والے روڈ پر پہنچا۔ میں نے اس طرف گاڑی موڑی ہی تھی کہ سامنے ایک ہیوی ٹرالا کراس روڈ کو بند کر دیا گیا تھا اور پاس ہی ایک پولیس والا کھڑا تھا۔

جب میں نیچے اترا تو مجھے وہ بھی نظر آ گئی جس وجہ سے راستہ بلاک کر دیا گیا تھا دو کاریں اور ایک موٹر سائیکل کا تصادم تھا اور تینوں چیزوں کی حالت بہت ہی بری تھی۔ میں کچھ منٹ کھڑا اس حادثہ کی طرف دیکھتا رہا کہ بشریٰ کا میسج آ گیا، اس حادثہ کی وجہ سے وہ مجھے اسکول کی پچھلی طرف ایک چھوٹی سڑک کی طرف سے آنے کا کہہ رہی تھی۔ میں آہستہ آہستہ کار چلاتے ہوئے اس چھوٹے روڈ پر ٹرن کر کے اسکول کے گیٹ سے کچھ ہی فاصلہ پر پہنچا تھا کہ اچانک مجھے جھٹکا لگا اور میرا پاؤں بریک پر کل طاقت سے پڑا اور گاڑی ایک جھٹکے سے ادھر ہی رک گئی۔ مجھے اپنی آنکھوں پہ یقین

www.pdfbooksfree.pk

[illegible]

[illegible]

[illegible]

میں کوشش کرتا کہ بشریٰ کے اسکول روزانہ ہو جاؤں۔ خیر ہفتہ میں ایک آدھ بار جانے لگا۔

ایک دوپہر جبکہ ہلکی ہلکی گرمی پڑنے لگی تھی۔ میں اس کی چھٹی سے کچھ دیر پہلے اسکول کے گیٹ پر پہنچا اور گاڑی ایک درخت کی چھاؤں میں کھڑی کر کے ٹہلتا ہوا مزار کے پاس آ کھڑا ہوا میرے دل میں کبھی کرن تو کبھی بشریٰ کھس کے سوچوں کو پریشان کر رہی تھی۔

اچانک ایک سفید باریش بزرگ سفید کپڑوں میں ملبوس سر پر سفید عمامہ باندھے جلالی چہرہ اور سرخ بڑی بڑی آنکھیں، مسجد کی دیوار سے نمودار ہوئے مجھے حیرانگی کا اک شاک لگا دیوار تو بالکل سپاٹ تھی بالکل پہلے کی طرح لیکن وہ میرے سامنے ایک حقیقت کی طرح کھڑے مجھے گھور رہے تھے ان کی آنکھیں اور جلالی چہرہ دیکھ کر میرے تو پسینے چھوٹ گئے۔ ''بہت ناشکرا ہے تو.....'' ان کی آواز ان کے حلیہ سے بھی جلالی اور بارعب تھی۔

''اللہ نے تمہیں اتنی خوب صورت پڑھی لکھی اور وفا شعار بیوی دی اور تم..... تمہیں پتا ہے کہ اچھی بیوی اللہ کی طرف سے انعام ہوتی ہے، اک نعمت ہوتی ہے اور تم اپنی نعمت کو چھوڑ کر کسی دوسری غیر محرم پہ نظر رکھے ہوئے ہو۔''

مجھ سے کچھ بھی نہ بولا گیا میرے سارے مسام جیسے پسینہ اگلنے لگے تھے پھر مجھے ایک زور کا چکر آیا اور میں وہیں گرتا چلا گیا، آخری احساس بشریٰ اور کرن کے قدموں کی آواز تھی.....

مجھے ہوش آیا تو میں اپنے کمرہ میں بیڈ پر لیٹا تھا، گلوکوز کی ڈرپ ہاتھ میں لگی تھی، پاس ہی میری بیوی بشریٰ بیٹھی تھی جو کہ مجھے ہوش میں آتے دیکھ کر مسکرانے لگی لیکن اس وقت اس نے مجھ سے کچھ ایسی ویسی بات نہ کی اور پھر ہم دونوں نے چار چار دن کی چھٹی لے لی اور سیر کرنے ایک تفریحی مقام پر چلے گئے۔

''میں کب سے دیکھ رہی ہوں کہ آپ کچھ پریشان، پریشان الجھے الجھے سے رہتے ہیں اور اس دن

حکایت سعدی.....!

بیان کیا جاتا ہے ایک درویش سمندر کے کنارے اس حالت میں زندگی گزار رہا تھا کہ اس کے جسم پر چیتے کے ناخنوں کا لگا ہوا ایک زخم ناسور بن چکا تھا۔ اس ناسور کی وجہ سے درویش بہت تکلیف میں مبتلا تھا۔ لیکن شکایت کا لفظ زبان پر لانے کے بجائے وہ ہر وقت خدا کا شکر ادا کرتا رہتا تھا۔ اس سے سوال کیا گیا کہ اے مرد خدا! یہ شکر کرنے کا کون سا موقع ہے؟ درویش نے جواب دیا۔ میں اس بات کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مصیبت میں مبتلا ہوں معصیت میں نہیں۔ تو نے سنا نہیں کہ اللہ والے گناہ کے مقابلے میں مصائب کو پسند کرتے ہیں جب عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے حضرت یوسف کو گناہ پر آمادہ کرنا چاہا تھا اور دھمکی دی کہ اگر انہوں نے اس کی بات نہ مانی تو وہ انہیں جیل خانے میں ڈلوا دے گی تو انہوں نے فرمایا تھا کہ اے اللہ! مجھے قید کی مصیبت اس گناہ کے مقابلے میں قبول ہے جس کی طرف سے مجھے بلایا جا رہا ہے۔ درویش نے مزید کہا اللہ والوں کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر حالت میں اپنے رب کو راضی رکھنے کی تمنا کرتے ہیں۔

(الیس امتیاز احمد۔ کراچی)

www.pdfbooksfree.pk

آپ کو کیا ہو گیا تھا.....؟'' واپسی کے سفر میں بشریٰ نے مجھ سے بات کرتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ نہیں یار یہ چھوٹی چھوٹی دفتری پریشانیاں تو لگی رہتی ہیں اور رہی بات اس دن بے ہوش ہو جانے کی تو اس دن شاید گرمی زیادہ تھی جس کی وجہ سے مجھے کھڑے کھڑے چکر آ گیا اور پھر میں گر گیا۔'' میری اتنی لمبی بات کے دوران اور بعد میں بھی بشریٰ مجھے غور سے دیکھتی رہی۔ شاید میرے چہرہ سے کچھ اندازہ لگانا چاہتی تھی۔

جس شام ہم لوگ اپنے گھر پہنچے اسی رات کرن ہم لوگوں سے ملنے آئی اس نے مجھ سے طبیعت کا پوچھا۔ اب میں اس کو کیا بتاتا یہ سب تو اسی کی وجہ سے ہو رہا تھا۔

پھر اس نے ہمیں اپنے گھر ایک پارٹی میں آنے کی دعوت دی، پارٹی کس وجہ سے تھی ہم پوچھتے رہے لیکن اس نے نہ بتایا۔

دوسرے دن ہمیں وہاں پہنچنے کے پتا چلا کہ پارٹی کس سلسلے میں تھی۔ کرن شاعری بھی کرتی تھی اس کی پہلی بک پرنٹ ہوئی تھی اسی خوشی میں اس نے یہ پارٹی اریج کی تھی اور پھر کرن کا تخلص دیکھ کر مجھے اک شاک سا لگا کیونکہ اس کا تخلص ''خلی'' تھا وہ خلی کے نام سے شاعری کرتی تھی۔ اتنے حقیقی خواب ناقابل یقین لیکن سب کچھ میرے سامنے ہی تھا۔

مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ سب.....سوچ سوچ کر میرے سر میں درد سا ہونے لگا۔ ہاں اس دن کرن بہت ہی پیاری لگ رہی تھی کتنی ہی مرتبہ اسے چور نظروں سے دیکھتا پکڑا گیا تھا جب وہ میری طرف دیکھتی تھی اور پھر وہ ہلکا سا مسکرا دیتی۔ میری بیوی بشریٰ بھی کبھی کبھی بڑے غور سے میری طرف دیکھ لیتی اور میں شرمندہ سی ہنسی ہونٹوں پر لے آتا۔

وہ پورا ہفتہ میرا بہت مصروف گزرا، میں اسکول کی طرف بھی چکر نہیں لگا پایا تھا لیکن رات بہت ہی بے چین گزرتی تھی اور اس کا کوئی حل مجھے نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ اتوار کا دن تھا ہمارے ایک کولیگ نے دفتر والوں کو لنچ پہ بلایا ہوا تھا۔ جب ہم لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو دو بج چکے تھے میں وہاں سے جلدی جلدی نکلا کیونکہ بشریٰ گھر میں اکیلی تھی۔

گاڑی تیز چلاتے ہوئے مختلف راستوں سے پھرتے پھراتے میں اس مزار کے سامنے جا پہنچا میرے ذہن میں اس مزار کا خیال تک نہ تھا میں نے چاہا کہ گاڑی نہ روکوں لیکن دل نے مجبور کر دیا اور میرے پاؤں بریک پہ دباؤ ڈالنے لگے اور پھر کار مزار کے ٹھیک سامنے جا کر رک گئی۔

اس واقعہ کے بعد میں اس جگہ سے کترانے لگا تھا میں نے ایک دفعہ پھر چاہا کہ وہاں سے بھاگ جاؤں لیکن گاڑی چلانے کی جیسے ہمت ہی نہ تھی۔ اس کے بعد میں گاڑی سے نکلا کیونکہ کار میں بیٹھے بیٹھے میرا دل ڈوب سا رہا تھا۔

میں باہر نکل کر اس مزار سے دور ہونا ہی چاہتا تھا کہ ''رک جاؤ ناشکرے انسان.....'' وہی جلالی اور بارعب آواز جس نے میرے پاؤں جما کر رکھ دیئے اور پھر جب میری ان بزرگ پر نظر پڑی تو ان کی سرخ آنکھیں اور غصہ سے تمتماتا چہرہ دیکھ کر میرے اوسان خطا ہو گئے۔

''تم یوں نہیں ماننے والے۔'' بزرگ نے مجھے گھورتے ہوئے کہا، ان کی بڑی بڑی سرخ آنکھیں آج پہلے سے زیادہ سرخ نظر آ رہی تھیں، ان کے دیکھتے دیکھتے مجھے زمین گھومتی محسوس ہوئی میری آنکھیں بند ہونے لگیں مجھے اک جھٹکا لگا اور پھر میرے پاؤں زمین سے اکھڑ گئے اور میں نے صاف محسوس کیا کہ میں ہوا میں بلند ہو کر اڑنے لگا ہوں، میں نے آنکھیں کھولنے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہا، اس کے بعد میرے دماغ پر اندھیرا پھیلتا چلا گیا۔

جب میں ہوش میں آیا تو میں نے اپنے آپ کو ایک جنگل میں پایا عجیب سا جنگل تھا جس کے تمام درخت خشک اور زرد رنگ کے تھے یہاں تک کہ گھاس

www.pdfbooksfree.pk

بھی، اور زمین جہاں جہاں سے نظر آ رہی تھی کالے رنگ کی تھی میں حیران ہو کر چاروں طرف دیکھے جا رہا تھا میں اس مزار کے پاس سے یہاں تک کیسے پہنچا اور یہ کون سا جنگل تھا؟

مجھے کچھ معلوم نہ تھا، اس کے بعد میں اٹھ کر ادھر ادھر گھومتا رہا اس جنگل میں کوئی جانور کوئی پرندہ یہاں تک کہ کیڑا مکوڑا تک مجھے نظر نہ آیا اور پھر مجھے گھومتے ہوئے سخت پیاس محسوس ہوئی، میں پانی کی تلاش میں چاروں طرف بھاگتا رہا، نہ ہی جنگل ختم ہوا اور نہ ہی مجھے پانی ملا، اس بھاگ دوڑ میں میرا گلا بالکل خشک ہو گیا تھا اور میری حالت بہت ہی خراب ہو گئی تھی پہلے میں آہستہ آہستہ چلتا رہا، پھر ہمت نہ رہی تو لیٹ کے کرالنگ کے انداز سے اک سمت کھسکنے لگا۔ آخر کھسکنے کی ہمت بھی جواب دے گئی۔ گلا خشک ہونے کی وجہ سے سانس اکھڑنے لگا اور دماغ گھومنے لگا موت سامنے نظر آنے لگی۔ اک درخت کے نیچے لیٹا ہوا تھا، دھوپ خاصی تیز جسم جلا رہی تھی اور غنودگی سی طاری ہونے لگی، اس وقت میرے دل میں خواہش جاگی، کاش! بشریٰ سامنے ہوتی اور میں اس سے معافی مانگتا کہ وہ تو مجھے سب کچھ سمجھتی رہی لیکن میں کہیں اور دل لگائے بیٹھا رہا۔

''یا اللہ مجھے معاف کر دے، میں بہت گناہگار ہوں۔'' میرے دل میں آخری خیال یہ ہی تھا اور پھر اک لمبی بے ہوشی.....

اس مرتبہ مجھے ہوش آیا تو میں حیران رہ گیا میں اپنے گھر اپنے بیڈ پر لیٹا ہوا تھا اور بشریٰ میرے سامنے بیٹھی میری طرف ہی دیکھ رہی تھی، دو تین دن تو جیسے میں گم صم رہا، میں گھر کیسے پہنچا؟

بشریٰ نے بتایا کہ ''میں اسی مزار کے سامنے بے ہوش پڑا تھا کہ ادھر سے ریسکیو والے گزرے تو مجھے اٹھا کر اسپتال لے گئے جہاں میں تین دن رہا اور کچھ بہکی بہکی باتیں کرتا رہا اور پھر بشریٰ مجھے گھر لے آئی، لیکن مجھے تو اسپتال یاد تک نہ تھا، یہ سب کیا ہو رہا تھا میرے ساتھ۔

''پلیز انور آپ مجھے صاف صاف بتا کیوں نہیں دیتے کہ آپ کے ساتھ یہ کیا سلسلہ چل رہا ہے؟ آپ اس مزار کے پاس جا کر کیوں بے ہوش ہو جاتے ہیں؟ اور اس مزار کے پاس ایسا کیا ہے کہ آپ وہاں کھنچے چلے جاتے ہیں؟''

تیسرے دن جب میں کچھ بہتری محسوس کر رہا تھا، ہم دونوں رات کا کھانا ساتھ کھانے لگے تو بشریٰ اچانک پھٹ پڑی اور پھر بہت کوشش وضبط کے باوجود بھی میں اس کو سب کچھ بتانے پر مجبور ہو گیا، وہ میری کہانی چپ چاپ بیٹھی سنتی رہی اور میں اس کے چہرہ سے اندازہ لگاتا رہا کہ وہ سب کچھ سن کر اس کا ردعمل کیا ہو سکتا ہے، لیکن میں کچھ اندازہ نہ لگا سکا اور پھر ساری کہانی کے اختتام پہ اس نے میری طرف گہری نظروں سے دیکھا اور مسکرا دی۔ ''بہت اچھی کہانی ہے اور آپ کے منہ سے تو سننے کا اور بھی مزا آیا'' اس کے بعد میں اسے بتاتا گیا کہ یہ واقعی حقیقت ہے لیکن وہ بات کو مذاق میں ٹال دیتی ہاں البتہ اس نے ضد کر کے میرا مکمل طبی معائنہ کروایا جو کہ درست پایا گیا۔ اس کے بعد میں نے کئی مرتبہ اس کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ یہ سب سچ ہے لیکن وہ اس بارے میں کچھ سننے کے موڈ میں نہ تھی اس وقت میں نے بھی دل میں پختہ ارادہ کیا کہ اب بشریٰ ہی میری بیوی اور جیون کی ساتھی ہے، اسی پر توجہ دوں اور کرن کی طرف دیکھنے سے بھی اجتناب کروں گا اور اس کا ایک ہی حل تھا کہ میں ان کے اسکول جانا چھوڑ دوں اور میں نے ایسا ہی کیا۔

☆.....☆.....☆

اکثر امی کا فون آتا رہتا تھا، گئے تو وہ صرف حج کے لئے تھے لیکن بھائی نے انہیں کچھ وقت کے لئے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ میں بشریٰ میں کچھ تبدیلی سی محسوس کر رہا تھا اور پھر میرے پوچھنے پر اس نے شرماتے ہوئے مجھے جلد ہی باپ بننے کی خوشخبری سنائی۔ میں خوشی سے بھاگا بھاگا پھرتا تھا۔

لیکن وہ دن بہت ہی تکلیف دہ ثابت ہوا

www.pdfbooksfree.pk

میرے لئے، میں اپنے دفتر میں بیٹھا کوئی کام کر رہا تھا کہ میری نظر ردم میں لگے ٹی وی کی طرف اٹھ گئی اور مجھے ایک جھٹکا سا لگا میں نے ٹی وی کا والیوم کھول دیا جس میں اس وقت بشریٰ اور کرن کے اسکول کی عمارت دکھائی جارہی تھی جس سے کچھ فاصلہ پر پولیس اور آرمی کے جوان بڑی مستعدی سے ادھر ادھر بھاگ دوڑ کر رہے تھے مجھے کسی خطرہ کا احساس ہوا، وہاں بالکل افراتفری مچی ہوئی تھی اور پھر ٹی وی کا نمائندہ کسی پولیس آفیسر کے ساتھ کیمرہ کے سامنے آیا اور نمائندہ اس سے اس ساری صورت حال کے بارے میں پوچھنے لگا۔

''ہمیں اطلاع ملی تھی کہ کچھ تخریب کار اس شہر میں کسی خطرناک ارادہ سے داخل ہوئے ہیں۔ اور پھر ایک ڈبل ڈور پک اپ ہمیں مشکوک لگی تو اسے روکا گیا لیکن وہ نہ رکی پھر پولیس کی گاڑیوں نے اس کا پیچھا کیا اور جب ان لوگوں کو بھاگنے کا راستہ نہ ملا تو انہوں نے پک اپ اس اسکول میں داخل کی اور پھر یہاں کے عملہ اور بچوں کو یرغمال بنالیا۔۔۔'' میں یہ سب سن کر سن سا ہوگیا اور پھر جانے کیسے میں نے بشریٰ کو کال ملائی لیکن کوشش کرنے کے بعد بھی کال نہ مل سکی۔

میں بھاگ کر باہر اپنی گاڑی تک پہنچا اور بہت ہی تیز رفتاری سے اس اسکول تک پہنچا لیکن مجھے اس سے پہلے ہی روک لیا گیا۔

''میری بیوی ہے اسکول میں۔۔۔'' میں نے غصہ سے کہا لیکن زیادہ بولا نہ گیا۔

''پلیز آپ لوگ سمجھنے کی کوشش کریں ہمارے ان لوگوں سے مذاکرات ہورہے ہیں۔ آپ سب ہماری مشکل کو نہ بڑھائیں، پلیز! پرسکون رہیں پلیز۔'' آرمی آفیسر نے نہایت تہذیب اور سلجھے ہوئے انداز میں ہم سب سے کہا۔ کیونکہ وہاں بہت ہی رش تھا بچوں کے والدین ٹیچرز کے اپنے اور شہر کے کئی دردمند لوگ۔

''لیکن۔۔۔۔ میری بیوی۔۔۔۔'' میرے گلے میں جیسے آنسو کا پانی آکر اٹک گیا۔ میں نے پھر سے کال ملائی بشریٰ کو لیکن کال اس دفعہ بھی نہ جاسکی۔ مجھے نہیں پتا چل رہا تھا کہ اب کیا ہونے والا ہے۔ میں ادھر سے ادھر ٹہلتا اور کال ملاتا رہا لیکن۔۔۔۔ اور پھر میری نظر سامنے ہی کچھ دوران مزار پہ پڑی تو میرے دماغ میں گزشتہ کی تمام باتیں گردش کرنے لگیں۔

اسی وقت ایک زور دار کان پھاڑ دھماکہ ہوا پوری زمین جیسے ہل گئی۔ ''میں اڑ کر ایک پول سے ٹکرایا، میرا سر سنبھلنا اٹھا، میرے دماغ پر اندھیروں نے یلغار کردی۔

میری نظروں کے سامنے آخری منظر اسکول کا تھا جس کی عمارت ڈھے رہی تھی۔ اسی وقت سائرن کی آوازیں آنے لگیں اور مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

اندھیرا چاروں طرف اندھیرا، جب ذہن بیدار ہوا تو میں اسپتال میں تھا، کچھ چوٹ زیادہ نہ تھی لیکن وہاں تو منظر ہی اتنا دردناک تھا کہ میں اپنا درد بھول گیا، زخمی، خون سے بھرے، جسم، دو دن تک ادھر ہی پڑا رہا، لیکن اپنی بیوی بشریٰ اور کرن کو بھی پورے اسپتال میں ڈھونڈتا رہا، اور پھر بشریٰ مل گئی اور کرن نہ ملی۔ بعد میں پتا چلا کہ کرن کی لاش مسخ شدہ تھی جو کہ ناقابل شناخت ہوچکی تھی۔

ایک ہفتہ اسپتال میں زیر علاج رہنے کے بعد بشریٰ کو گھر بھیج دیا گیا، میں اللہ کے آگے سربسجود تھا کہ اللہ نے بشریٰ کی زندگی بخش دی تھی، میں نے بار بار اللہ سے توبہ کی۔

اب میں پانچوں وقت اللہ کے حضور جھکتا ہوں اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگتا ہوں۔ اللہ نے ہمیں ایک چاند سا بیٹا عطا کیا۔ اب ہم دونوں میاں بیوی اپنی دنیا میں خوش ہیں۔

ہاں وہ مزار اسی طرح اپنی جگہ پر قائم و دائم تھا، جس کی دیوار پر ہلکی سی ٹوٹ پھوٹ کی لکیر تھی۔ کچھ دنوں بعد میں جب اپنے ارمانوں کی قبر دیکھنے گیا تو۔۔۔

www.pdfbooksfree.pk

شیطانی سحر

مدثر بخاری-شہر سلطان

ایک کمرے میں گھر کے سارے لوگ سوجھ بوجھ اور شعور سے بیگانہ بیٹھے تھے اور عنقریب سب کی روح دار فانی سے کوچ کرنے والی تھی کہ اچانک ایک ناقابل یقین واقعہ رونما ہوا اور پھر.....

رات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی خوفناک دہشت ناک ذراؤنی کہانی

بات اتنی پرانی ہے کہ میرا دماغ اس انوکھے واقعہ کو آج بھی یاد کرتا ہے تو چکرا کر رہ جاتا ہے۔

ابا اور اماں ان دنوں عمرہ پر جا رہے تھے۔ میں اور میری چھوٹی بہن بہت چھوٹے تھے۔ فیصلہ تھا کہ دونوں بچے ماموں کے پاس رہیں گے اور پورے خاندان میں صرف میرے ماموں ہی تو تھے جو پسندیدہ شخصیت تھے۔ لاڈ پیار اور بچوں سے محبت کرنے والے ماموں شہباز، ہم دونوں بخوشی تیار ہو گئے کہ چلو کچھ دن ماموں کے ساتھ گزار آئیں گے۔

سونے پر سہاگہ یہ تھا کہ ماموں کا گھر گاؤں میں تھا۔ ماموں نامی گرامی شخصیت تھے۔ ایک رعب تھا ان کی شخصیت میں۔ ہم دونوں سردیوں کے ٹھنڈے موسم میں گاؤں کی رعنائیوں میں آ پہنچے اور ابا اماں عمرہ پر چلے گئے۔

www.pdfbooksfree.pk

ایک بہت بڑی فلمی طرز کی حویلی میں ہمارا دھوم دھام سے استقبال ہوا۔

غرض خوب آؤ بھگت ہوئی..... پہلا دن تو واقفیت میں گزرا، چھوٹی بہن اپنی کزنز کے ساتھ کھیلنے چلی گئی اور میرا شرارتی دماغ اس حویلی کو مکمل دیکھنا چاہتا تھا۔

وہ عجیب وغریب حویلی تھی، بڑے بڑے کمرے، کھلی راہداری، وہاں لائٹ جاتی تو روشن دانوں میں دیئے روشن کئے جاتے۔

اس رات بھی بجلی غائب تھی اور ایک نوکرانی ہر کمرے کے دیئے روشن کرنے لگی تھی۔ نوکرانی کی عمر 50 سال ہوگی۔ میں نے صرف دو تین کمرے ہی بغور دیکھے تھے۔ ماموں نے میرا بستر اپنے کمرے میں لگوادیا ۔جس پر مجھے کوئی اعتراض نہ تھا۔ مگر صرف ایک چبھن سی تھی میرے دل میں کہ اس حویلی کے مکین اتنا خاموش کیوں ہیں؟ شام اتری کے سب بستروں میں گھس گئے۔ ہم شہر کے عادی تھے۔ کافی رات گئے سونا، مگر یہاں تو گھٹن سی تھی صرف خاموشی ہی خاموشی۔

ایسا نہ تھا کہ سب بوڑھے ہوں، میرے دو ماموں ان کے بچے، ان کی بیویاں سب ہی ہنس مکھ اور اچھے تھے مگر شام ہوتے ہی سب خاموش ہوجاتے۔ جیسے بولنا جرم ہو۔

ماموں بہت بولتے تھے۔ ایک رونق تھی ان کی زندگی میں..... مگر شام ہوتے ہی وہ بھی بستر کو لگ جاتے..... مجھے پہلی رات انوکھی اور عجیب سی لگ رہی تھی۔

ایسا ہرگز نہ تھا کہ ہم وہاں پہلی دفعہ آئے تھے ہم پہلے بھی کئی بار اس حویلی میں رہ چکے تھے مگر یہ عجیب سا ماحول پہلی دفعہ دیکھنے میں آیا تھا۔ یہ خوف، ڈر اور خاموشی کا راج مجھ سے برداشت نہ ہوا۔

وہ رات کا نصف تھا جب مجھے لگا جیسے کوئی مدد کو پکار رہا ہو۔ ایک دلخراش اور زور دار اپیل تھی۔ کوئی اندھیرے میں اپیل کررہا تھا۔ میں خوف کے مارے کانپ رہا تھا مگر پھر مجھے محسوس ہوا کہ جیسے میرے اندر قدرتی طاقت سی آگئی ہو۔ مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ اس آدمی کی مدد کی جائے جو چیخ رہا ہے۔ اسے دیکھا جائے میں نے بستر چھوڑا، چپل پہن کے اس چیخ کی سمت دوڑ پڑا۔ کمرے کے باہر اندھیرا تھا۔ مگر میرا دماغ صرف اس مدد کی اپیل کرنے والے کی طرف تھا۔ آواز واقعی آرہی تھی۔ مین گیٹ کراس کرنا لازمی تھا۔ اندر کا دروازہ مجھ سے نہ کھلا۔ پھر ایک اور دلخراش چیخ سنائی دی۔ یہ آواز حویلی کے اندر سے آئی تھی۔

ایک بات تو واضح ہوگئی تھی کہ چیخ کہیں اندر سے آئی تھی۔ حویلی دو منزلہ تھی اور میرے دماغ نے اندازہ لگالیا تھا کہ یہ گراؤنڈ فلور سے چیخ آئی تھی۔ نیچے دس کمرے تھے اور ہر کمرہ اونچے نیچے دروازوں سے بند پڑا ہوا تھا۔ میں بھاگ کر حویلی کے صحن سے ہوتا ہوا راہداری میں آگیا..... اب میرے دائیں طرف چار کمرے، بائیں طرف تین اور سامنے چار دروازے تھے۔ اب انتظار تھا تو صرف ایک اور چیخ کا۔ ایک اور چیخ سے مکمل اندازہ ہوجاتا کہ کس طرف سے آواز آئی ہے اور پھر ایک اور چیخ بہت جلد بلند ہوئی۔ یہ میرے دائیں طرف کا کمرہ تھا۔ میں بھاگ کر اس طرف بڑھا مگر پھر میرا پاؤں کسی چیز میں اٹک گیا اور میں منہ کے بل زمین پر آگرا۔ میرے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی۔ پھر مجھے حیرت اور خوف کا جھٹکا لگا۔ میرا دل بے ترتیب دھڑک رہا تھا اور دماغ میں یہ خیال تھا کہ میں یہاں تک کیسے پہنچا؟ میں اس حویلی کی راہداری میں کیوں آیا تھا.....!

☆.....☆.....☆

صبح ہوچکی تھی۔ میری آنکھ بھی کھل گئی تھی۔ میں نے وقت دیکھا چھ کا وقت تھا۔ یہ وقت مجھے ہر روز جگا دیتا تھا کیونکہ اسکول وین ساڑھے چھ بجے گیٹ پر ہوتی تھی۔ مگر پھر مجھے یاد آیا کہ ماموں شہباز کے گھر میں ہیں۔ یہاں کیسا اسکول اور وین؟ سکون سے سوجاؤ مگر پھر مجھے رات والا واقعہ یاد آیا سب کچھ ایک فلم کی طرح میرے دماغ میں چلنے لگا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

میرا دماغ اس پہلو پر سوچ رہا تھا کہ کون تھا وہ جو گراؤنڈ فلور کے کسی کمرے میں چیخ رہا تھا۔ کچھ تو ایسا ضرور تھا جو راز میں تھا۔

وہ دن شروع ہوا اور پھر گزر بھی گیا۔ ایک بار پھر شام کے سائے پھیلنے لگے تھے، اداسی، خوف اور ڈر کا مکمل راج پڑنے لگا تھا۔ درخت، پرندے، ساکن و خاموشی، سورج غروب ہونے لگا تھا اور میرا دل ڈوبنے لگا تھا۔ ایک عجیب سا تجسس میرے دماغ میں تھا کہ آخر کیوں ماموں لوگ شام ہوتے ہی خاموش ہو جاتے ہیں۔ اس حویلی میں کل پندرہ لوگ تھے، ایک نوکرانی بہت ہی خوفناک بالوں والی، سولہواں نمبر شام ہوتے ہی حویلی میں جانے وہ کہاں سے آ دھمکتی اور صبح ہوتے ہی غائب ہو جاتی۔

اس شام بھی کچھ انوکھا ہوا، مغرب کے بعد اس حویلی میں بجلی کا نظام معطل ہو جاتا تھا اور وہ 50 سالہ نوکرانی ماچس اور دیا لئے ہر کمرے میں جاتی اور خاموشی سے دیا روشن کرتی.....

آج اس کی آنکھیں ضرورت سے زیادہ سرخ تھیں۔ بکھری مگر لمبے سفید بال، اس کے ہونٹ سرخ نظر آتے تھے..... ایسا لگتا تھا جیسے کوئی چڑیل حویلی میں آ بسی ہو.....

وہ ماموں کے کمرہ میں کب آئی، کچھ پتہ نہ چلا، حالانکہ اس کے پاؤں میں پازیب میں نے خود دیکھی تھی۔ فطرتی عمل تھا کہ اس کے چلنے سے کم از کم پازیب کی چھن چھن تو سنائی دیتی۔ میں کمرے میں ہی تھا کہ وہ کب اندر آئی اور کب دیا جلا کے چلی گئی پتہ ہی نہ چلا.....!

ماموں کے ساتھ ممانی اور درمیان میں میرا بستر تھا..... ماموں مجھے جلد گڈ نائٹ کہہ کر سو گئے تھے اور ممانی خاموش بیٹھی چھت کو گور رہی تھیں۔ میں ممانی کے پاس جا بیٹھا۔

''ممانی یہاں لائٹ کا کیا مسئلہ ہے؟ بندہ کارٹون ہی دیکھ لیتا.....'' میں نے کہا۔

ممانی نے خون آلود نگاہوں سے مجھے دیکھا اور منہ سے بولے بغیر مجھے اپنے بستر پر جا کر سونے کا اشارہ کیا..... ان کی آنکھوں میں ہمیشہ پیار دیکھا تھا۔ آج یہ آنکھیں وہ نہ تھیں جو کبھی پیار میں ڈوبی ہوتی تھیں اور مجھے واقعی یہ سب عجیب لگ رہا تھا۔

سب کچھ بدلا ہوا تھا۔ میں اپنے بستر پر آ لیٹا۔ ضرور کوئی بات تھی کہ سب لوگ مغرب کے بعد خود بخود خاموش ہو جاتے تھے۔ ایسے جیسے اچھی ہوں اور شام اور پھر رات بھر بجلی کا غائب رہنا..... سب کے بدلے ہوئے رویئے واضح محسوس کئے جا سکتے تھے۔

پھر نجانے رات کے کس پل میری آنکھ کھل گئی۔ دیا جل رہا تھا۔ باقی سارا کمرہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ میری آنکھیں چند لمحوں کی تاریکی کے بعد دیکھنے کے قابل ہوئیں تو انکشاف ہوا کہ ماموں اور ممانی کمرے میں نہیں ہیں۔ یہ لوگ مجھے اکیلا چھوڑ کر کہاں جا سکتے ہیں؟

میکانکی انداز میں، میں نے فیصلہ کیا کہ آج اس اندھیری رات میں حویلی کی غلام گردشیں گھومی جائیں۔ اس حویلی میں بہت بڑا راز تھا..... جو فی الحال مخفی تھا۔

میں کمرے سے باہر آ گیا۔ خاموشی تھی۔ حویلی میں مکمل پراندھیروں کا راج تھا۔ میں دوسری منزل سے گراؤنڈ فلور پر آیا۔ دائیں جانب کی راہداری میں ماموں سحر اور ماموں انجم کی فیملیز تھیں۔ ان کے بچے بھی تھے۔ حیرت انگیز طور پر وہ بھی خاموش ہو جاتے۔ تیسری فیملی ماموں شہباز کی تھی۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ دونوں شادی شدہ تھے۔ ان کی رہائش دوسری منزل پر تھی..... سب سے پہلے میں نے ماموں کو ڈھونڈا جو نجانے کدھر چلے گئے تھے۔ پھر میں نے ماموں انجم کی طرف رخ کیا۔ کیونکہ میری چھوٹی بہن ماہم ان کے بچوں کے ساتھ تھی..... میں چند ہی لمحوں میں ان کی راہداری اور پھر ان کے روم میں تھا۔ ان کا کمرہ کھلا ہوا تھا۔ دیا جل رہا تھا مگر پھر حیرت کا جھٹکا لگا کیونکہ اس

www.pdfbooksfree.pk

کمرے میں موجود تھا۔ یہ ہر مہمان پر لاگو تھا۔

یہ لگاتار ہو رہا تھا۔ میرے ماموں، ممانی، خالہ، خالو، ماموں زاد بھائی بہن، سب ہی ایک ایک کر کے غائب ہو رہے تھے۔

میں وہاں سے نکل کر ہالوں سے ہوتی ہوئی راہداریوں میں سے گزرتی ہوئی بڑھا۔ ان کا کہیں بھی پتا نہ تھا۔ ہوا بھی وہی سوگوار تھی۔ انکل ساحر کی ٹیلی بھی کمرے میں نہ تھی۔ مجھے پسینہ آ رہا تھا۔ جیسے یقین نہ آ رہا ہو۔ آخر یہ سب لوگ کہاں چلے گئے۔ وہ صوفہ جس پر کافی دیر بیٹھی تھی، میں اوپر جانے کے لئے ہمت اکٹھا کر رہی تھی۔

مجھے کچھ سمجھ نہ آ رہی تھی کہ اچانک سارے لوگ کدھر چلے گئے؟ یہ کیا معاملہ تھا جو ساری فیملیز ایک ساتھ حویلی سے رفو چکر ہو گئیں۔ میں سیڑھیاں پھلانگتا اوپر جا رہا تھا کہ اچانک وہی خوفناک نوکرانی میرے سامنے آ گئی۔

وہ مسکرا رہی تھی۔ اس کے لمبے سفید و سیاہ بال کھلے ہوئے تھے۔ اور آنکھوں میں عجیب سی شاطرانہ چمک تھی۔

''کیا ہوا بیٹا۔ کیوں اتنی رات گئے باہر گھوم رہے ہو؟''

وہ بوڑھی آواز کسی حد تک خوفناک تھی ایک بھاری پن تھا اس آواز میں..... جیسے بوڑھا وجود گرج کے بول رہا ہو۔

میرے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ اتنی بھاری آواز کا وزن میرے دل پر پڑا۔ ایسا لگتا تھا نکل کر باہر آ گرے گا۔

''وہ..... میرے ماموں اور باقی لوگ اپنے اپنے کمروں میں نہیں ہیں..... کدھر ہیں یہ سب لوگ؟'' ..... میں نے ہمت کر کے پوچھ لیا۔

''آؤ میرے ساتھ.....'' وہ مجھے اپنے ساتھ لئے انکل ساحر کے روم میں آئی..... وہاں سب لوگ خاموش، مگر خواب خرگوش میں موجود تھے۔

یہ کیسے ممکن تھا؟ ابھی تو یہ لوگ اپنے کمرے میں تھے۔ اچانک سے وہ یہاں کیسے آ گئے اور کیسے سب نیند کی وادی میں کھو گئے.....؟

''وہ مجھے انکل ساحر سے کچھ بات کرنی ہے۔ یہ اس سے متعلق ہی موجود تھے۔

اب جلدی سے اوپر جا کر انکل کو دیکھ لو۔ ماموں اور ممانی بھی خواب خرگوش میں پڑے تھے۔

☆ ☆ ☆

صبح کا سورج طلوع ہوا۔ دن کا آغاز ماموں کی زمینوں کی سیر سے ہوا۔ ناشتہ سے فارغ ہو رہی تھی کہ آج ہم مامے اور آم کے باغوں کی سیر کریں گے۔ ماموں شہباز نے گاڑی دے دی اور ساتھ میں آئی نہیدہ بھی جو کہ انکل ساحر کی بیوی تھیں۔ انہوں نے کہنے جانا تھا۔ ڈرائیور نے انہیں پہلے گھر چھوڑنا تھا پھر ہمیں زمینوں پر لے جانا تھا۔ ماموں نے کہا تھا کہ وہ ہم سے پہلے وہاں موجود ہوں گے۔ پھر ہم مل کر سیر کریں گے۔

حیرت انگیز طور پر میرے دماغ میں رات والے واقعات پر کوئی اثر نہ تھا۔ اور نہ کوئی خوف تھا۔ البتہ ایک پراسرار سا تصور تخیال پیدا ہو گئی تھی۔ پندرہ سال کے لڑکے میں 30 سال کی طاقت اور 50 سال کی عقل اور تجربہ آ گھسا تھا۔ دل میں تھا کہ اس حویلی کے پراسرار راز کو ضرور افشا کیا جائے۔ اس کے لئے مجھے صرف ماہم کی فکر تھی۔ وہ لڑکی ذات تھی۔ اسے کوئی نقصان نہ ہو جائے۔ مگر اتنا تو طے تھا کہ حویلی میں کچھ گڑبڑ تھی.....

اب یہ داستان ایک قدم اور آگے بڑھنے لگی تھی۔ اس رات بھی کچھ انوکھا ہوا شام کے سائے، اداس اور خاموشی، دوسرے لفظوں میں زندہ قبرستان کے لوگ اپنے اپنے کمروں میں جا چکے۔

اس رات کچھ الگ کرنے کا فیصلہ کیا..... یعنی میں نے اس رات جاگنے کا فیصلہ کیا اور مجھے اس حویلی کے راز کو ہر صورت جاننا تھا۔

اس رات میں نے سر شام ہی بستر پر سونے کی ایکٹنگ کی۔ بوڑھی خادمہ آئی، چراغ جلا گئی، لائٹ آج بھی حسب معمول غائب تھی۔ اس کی وجہ بھی بد میں

www.pdfbooksfree.pk

معلوم ہوئی۔ میں آنکھیں بند کر کے اپنے بستر پر موجود تھا۔ ماموں اور ممانی سو گئے تھے..... میں نے اپنی ایک آنکھ کو ادھ کھلا چھوڑ کر جسم ڈھیلا چھوڑ دیا تھا..... وقت بڑی آہستگی سے گزر رہا تھا۔

میں بڑی بے صبری سے انتظار کر رہا تھا کہ ان میں سے کوئی حرکت کرے کچھ تو ایسا ہو کہ اگلا قدم اٹھایا جائے۔ کوئی کلیو حاصل ہو۔

وقت گزر رہا تھا اور پھر میں نے دیکھا کہ ماموں میکانکی انداز میں پہلے خود اٹھے اور پھر ممانی کو اٹھایا ... دونوں عجیب سے ساحرانہ انداز میں کمرے سے باہر نکلے ..... مجھے اس سے اچھا موقع پھر کبھی نہ مل سکتا تھا۔ میں اٹھ کھڑا ہوا..... میں رات کے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑے ان کے پیچھے چلنے لگا تھا۔ وہ سیڑھیاں اترتے بڑی تیزی سے گراؤنڈ فلور پر جا پہنچے۔ پھر حیرت انگیز طور پر کمرے سے فیملیز باہر آنے لگیں۔

انکل ساحران کی بیوی جو پتہ نہیں کب میکے سے واپس آ گئی تھیں۔ ان کے بچے بھی باہر آ گئے۔

انکل انجم ان کی بیوی اور بچے، ہاجم سمیت باہر آ گئے۔ وہ سب کسی روبوٹ کی طرح راہداری میں بنے ایک کمرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

وہ سب خاموش تھے۔ مگر سارے عجیب سے انداز میں ایک کمرے کی طرف چل رہے تھے ... پھر عجیب بات ہوئی وہ سب جونہی اس کمرے کی طرف بڑھے اور اس کے دروازے کے قریب پہنچے تو دروازہ خود بخود کھلتا چلا گیا تو ایک ایک کر کے سارے لوگ اس کمرے میں اندر چلے گئے۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں مختلف جگہوں سے ہوتا ہوا اس دروازے کے قریب جا پہنچا۔ وہ سب لوگ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے جبکہ ماموں شہباز کے ہونٹوں پر عجیب زہریلی مسکراہٹ تھی اور وہ ایک اونچی کرسی پر بیٹھے تھے۔

خاندان کے باقی لوگ زمین پر ہاتھ باندھے یک ٹک ان کی طرف دیکھتے ہوئے بیٹھے تھے۔ وہ لوگ خاموش تھے۔ پھر اچانک ماموں شہباز بولے۔

''میرے بیٹوں کو آ لینے دو۔ پھر اس لڑکے اور لڑکی کی قسمت کا فیصلہ کرتے ہیں۔ وہ ہمارے کچھ نہیں لگتے۔ جن کے بچے ہیں وہ اس حویلی کے مکین تھے۔ یا تو ان کو بھی وہیں ان کے رشتہ داروں کے پاس پہنچا دیں یعنی ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں۔''

میری ٹانگیں کانپ اٹھیں۔ ماموں شہباز ہم بہن بھائیوں کے بارے میں ایسا کچھ کہہ رہے تھے مگر مجھے ان کی بات کی مکمل سمجھ نہ آئی۔

وہ ہمیں کیوں مارنا چاہتے تھے؟ یہ کون لوگ تھے؟ اس حویلی کے مکین اگر یہ نہیں ہیں تو پھر کون ہیں؟ باتیں مبہم تھیں۔ دل کر رہا تھا کہ ہاجم کو لے کر اس حویلی سے دور چلا جاؤں مگر کہاں جاتا؟

بہتر یہی تھا کہ اس حویلی کی حقیقت جانی جائے۔ پھر مجھے اوپر سے کسی کے آنے کی آواز آنے لگی۔ میں چپکے سے سائیڈ پر ہو گیا۔

ماموں کے بیٹے سیڑھیوں سے نیچے آنے لگے۔ وہ دونوں اپنی فیملیز کے ساتھ اس کمرے میں چلے گئے اور دروازہ بند ہو گیا۔

مجھے ان کی باتیں سنی تھیں۔ دروازہ بند تھا مگر ان کی بھاری آواز دروازے کے نیچے سے سنائی دینے لگیں۔

ماموں کی آواز گونجی۔ ''ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ 31 تاریخ تک حویلی کے مکین اسی طرح بے سدھ و بے ہوش رہیں گے۔ اور پھر اس کے بعد ہم ان کو ذبح کریں گے ان کا خون پئیں گے اور اپنی آزادی کا جشن منائیں گے۔

آزادی میں ابھی چار دن ہیں۔ خوب تیاری کر لو مگر اس لڑکے کو معلوم نہ ہو کیونکہ اس کے پاس عالم شاہ کا تعویذ ہے جس کی وجہ سے ہمارا ہر ہتھکنڈا ناکام جا رہا ہے۔ خاموشی سے وقت گزارو اور پھر اس حویلی پر قبضہ کر لو۔ پھر یہ حویلی ہماری ہوگی۔ ہمیں یہاں سے کوئی نکال نہ سکے گا۔ اور ہم ہمیشہ کے لئے امر ہو جائیں گے۔ شیطانی قوتیں ہمیں عطا ہو جائیں گی۔ ہم امر ہو کر

www.pdfbooksfree.pk

راج کریں گے۔''

ان کی حقیقت کھل کر سامنے آ گئی تھی..... یہ پلان خطرناک تھا۔ 31 تاریخ میں ابھی چار دن تھے۔ اور مجھے اسی دوران کچھ کرنا تھا۔ میرے پاس واقعی بابا عالم شاہ کا تعویذ تھا۔ جس کی وجہ سے مجھ پر اثر نہ ہوا تھا۔ ورنہ میں بھی ماہم اور دوسرے لوگوں کی طرح ان کا اسیر ہو جاتا۔ ماہم اور میرے اپنے ماموں اس حویلی میں بے ہوش تھے جبکہ یہ لوگ ان کی شکلوں میں حویلی میں موجود تھے۔ ان کے خطرناک عزائم میرے سامنے آ گئے تھے۔

میں نے ٹھان رکھا تھا کہ ہر صورت میں اپنے ماموں اور ان کی تمام فیملیز کو ان شیطان طاقتوں سے چھٹکارا دلاؤں گا۔

اس کے لئے مجھے بابا عالم شاہ کی خدمات حاصل کرنی تھیں۔ ان کی رہنمائی کے بغیر میں کچھ نہ کر سکتا تھا۔

بات بہت پرانی ہے۔ ان دنوں موبائل یا دیگر فون کی سہولیات موجود نہ تھیں۔ پیغام رسانی اتنی فاسٹ نہ تھی۔

اور پھر مجھے ایک ترکیب نظر آئی۔ میں نے ایک کاغذ پر سارے واقعات لکھے اور اسے اگلی صبح شہر جانے والے تانگے والے کو دے دیا۔ اتفاقاً تانگے والا بابا عالم شاہ کے پاس ہی جا رہا تھا۔ تانگے والے نے ہر ممکن جلدی پیغام رسانی کا کردار بطریق احسن نبھایا.....

وہ 29 تاریخ تھی۔ جب مجھے رات کے نصف حصہ میں کسی منصوبے کی آواز سنائی دی۔ پھر ان آوازوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ میں نے دیکھا ماموں کا ہم شکل اپنی جگہ سے اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے نکل گیا۔ وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے جا رہا تھا۔ اور خاموشی سے میں اس کے پیچھے تھا۔

اس نے رہداری کا آخری کمرہ کھولا، خوش قسمتی سمجھیں کہ وہ دروازہ بند کرنا بھول گیا۔ یہ بہت بڑا کمرہ تھا۔ میں بھی اس کمرے کے اندر داخل ہو گیا تھا۔ تبھی وہ ایک الماری کی طرف بڑھا۔ الماری کو اکیلا سائیڈ پر رکھا۔ وہاں زمین پر جالی رکھی ہوئی تھی۔ پھر جالی اٹھا کر سائیڈ پر رکھی اور نیچے اتر گیا۔ میں اس موقع کی تلاش میں تھا۔ میں بھی نیچے اترتا گیا۔ نیچے گھپ اندھیرا تھا۔ البتہ میں نے سیڑھیاں بڑی تیزی سے مگر احتیاط سے کراس کیں پھر سرخ رنگ کی بتی جل اٹھی تھی۔ میں وہاں موجود ہر شخص کو پہچان سکتا تھا۔

وہاں ماموں شہباز (اصل والے) بے سدھ پڑے تھے۔ ان کے بیٹے انکل انجم اور ساحر، ماہم، غرض تمام لوگ حقیقت میں اس تہہ خانے میں بے ہوش پڑے تھے۔

میں ماموں کے ہم شکل کے پیچھے تھا اور میرے ہاتھ میں بابا عالم شاہ کا دیا ہوا تعویذ کا پانی میں نے پہلے ہی بنا لیا تھا۔ ہوا کچھ یوں تھا کہ تانگے والے نے میرا کام ایک ہی دن میں پورا کر دیا تھا۔

اس شام تانگے والا مجھے چوراہے پر ملا اور ایک خط میرے ہاتھ میں تھما کر چل دیا۔

پیارے بیٹے کامران!

تم نے جس قسم کے حالات کا تذکرہ کیا ہے وہ خطرناک ہے مگر تم چاہو تو اپنے ماموں کو اس صورتحال سے نکال سکتے ہو۔ یہ خاص تعویذ ہے۔ اسے عام پانی میں گھول کر بے ہوش افراد پر ڈالو گے تو جس جس پر پانی گرے گا وہ ہوش میں آ جائے گا۔ اور اگر آسیب کے عمل سے ایک مرتبہ بھی کوئی باہر نکل آئے تو دوسری مرتبہ اس پر کسی بھی شیطانی عمل کا اثر نہیں ہوتا۔ اگر ایک بندہ بھی ہوش میں آ گیا۔ تو باقی بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔ ہمت اور حوصلہ رکھو، ہم اشرف المخلوقات ہیں۔ کوئی آسیب یا شیطانی وجود ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میں خود تمہارے پاس ضرور آتا مگر میں مخصوص چلے میں بیٹھا ہوں۔ مجھے امید ہے تم اس امتحان سے گزر جاؤ گے، اور میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔

آمین۔ دعا گو عالم شاہ

میں نے موقع دیکھ کر ماموں شہباز کے منہ سے پانی کی بوتل لگا دی تھی۔ ماموں شہباز کا ہمشکل آنکھیں

www.pdfbooksfree.pk

بند کیے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ میں نے ممانی اور انکل کو بھی پانی پلا دیا ..... ماموں شہباز نے چند لمحوں بعد حرکت کی۔ اور پھر انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ میں خوشی سے جھوم اٹھا۔

ماموں نے مجھے اندھیرے میں پہچان لیا۔ چند لمحوں بعد سارے لوگ ہوش میں آتے گئے۔ شیطانی سحر کا اثر ٹوٹ گیا تھا۔

ماموں شہباز کھڑے ہوگئے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر تہہ خانے کی لائٹ جلا دی۔

''اوہ تو حویلی میں بجلی موجود ہوتی تھی مگر یہ منحوس بند کروا دیتا تھا۔'' میں بولا۔

''اندھیرا ..... شیطان کی پناہ گاہ ..... شیطان روشنی سے گھبراتا ہے .....'' ماموں بولے۔

اور ایسا ہی ہوا وہ چیخ اٹھا ...

''بند کرو یہ روشنی ..... میں ختم ہو جاؤں گا .....'' وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے چیخ رہا تھا۔

ماموں نے اس کے چاروں طرف پانی سے حصار بنا دیا اور ایسا ہوتے ہی اس کے وجود میں آگ بھڑک اٹھی۔

اس کے بعد ہم سارے لوگ تہہ خانے سے باہر نکل آئے۔ ایسا لگا تھا جیسے تعفن سا پھیل گیا ہو۔ ایک عجیب سی بدبو تھی۔

ہم نے دیکھا کہ جن کمروں میں انکل ساحر اور نکل انجم کی فیملی رہائش پذیر تھی وہاں سے سیاہ رنگ کا مادہ باہر نکل رہا تھا۔

اگلے دن ساری حویلی کو صاف کیا گیا نوکر، چاکر لائن حاضر ہوئے اور حویلی کو چمکا دیا۔

پھر سے روشنی آ گئی۔ شام کے بعد ٹی وی چلتا، رونق ہوتی۔

''بیٹا، تم نے وہ کام کر دکھایا ہے جو بڑے بڑے نہ کر سکے۔ تم بہت بہادر ہو.....'' ماموں نے مجھے پیار سے کہا۔

''مگر ماموں وہ آسیب یا جنات آخر کیوں اس حویلی پر قبضہ کرنا چاہتے تھے؟'' میں نے پوچھا۔

''بیٹا، جنات ویرانے میں رہتے ہیں۔ انہیں گھروں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ درختوں کے جھنڈ اور کھلے میدانوں میں سے جو جگہ پسند آجائے وہاں بھی رہ لیتے ہیں، گھر بناتے ہیں، شادی، موت اور سب کچھ ہوتا ہے۔ آگ سے بنے ہیں۔

ان کا اصل مقصد تھا کہ حویلی کو ویران کر دیں اور یہ حویلی کھنڈر ہو جائے۔ کوئی اس طرف کا رخ نہ کرے اور پھر یہ آرام سے حویلی میں رہیں۔''

''اچھا ..... تو یہ مسئلہ تھا۔ مگر ماموں وہ رات کو بولتے نہیں تھے؟ اور لائٹ بھی بند ہوتی تھی؟''

''بیٹا یہ ان کا منصوبہ تھا جس کے تحت وہ عمل پیرا تھے۔ خیر اللہ تعالیٰ کا اب کرم ہے، تمہاری بہادری کام آئی اور تمہاری جان لیوا کوششوں سے ہم سب پر سکون ہو گئے۔''

رات ہو چکی تھی آج بجلی نہیں گئی تھی۔ مگر رات کے کسی پہر انٹرنیٹ چلی گئی اور عین ٹائم میری آنکھ کھل گئی۔ سب سو رہے تھے۔ اندھیرا ہو گیا تھا۔ مگر پھر کسی پازیب کی آواز آئی اور دیا روشن ہوا۔ میں نے دیکھا بڑھیا اپنے لمبے سفید بالوں کے ساتھ موجود تھی۔ وہ دیا جلا کے واپس چلی گئی۔ یہ اچانک کہاں سے آ گئی .....؟

صبح ہو گئی تھی آج ہم لانگ ڈرائیو پر جا رہے تھے ... میں نے پوچھا۔

''ماموں! یہ جلانے والی بڑھیا کہاں رہتی ہے۔ جو حویلی میں خادمہ ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''بیٹا وہ تو دس سال پہلے اس حویلی میں فوت ہو گئی تھی۔ کیوں؟ تم سے کس نے کہا کہ یہاں کوئی بڑھیا رہتی ہے؟''

''کچھ نہیں ..... بس ویسے ہی ..... ایک بات بتاؤں ..... ! مانو نہ مانو۔ مجھے وہ بڑھیا ہر رات جب بھی لائٹ جاتی ہے، دیا جلاتے نظر آتی ہے ..... !

www.pdfbooksfree.pk

رولوکا

تحریر: اے وحید

قسط نمبر:121

وہ واقعی پراسرار قوتوں کا مالک تھا، اس کی حیرت انگیز اور جادوئی کرشمہ سازیاں آپ کو دنگ کردیں گی

گزشتہ قسط کا خلاصہ

حکیم وقار چند ماہ بعد قیمتی جڑی بوٹیوں کی تلاش میں اپنے ملازموں کے ہمراہ گھنے جنگل یا سرسبز و شاداب پہاڑی علاقے میں جایا کرتے تھے، جب انہوں نے اپنا پروگرام رولوکا کو بتایا تو رولوکا بولا۔ ''حکیم صاحب اس مرتبہ آپ نہیں جائیں گے بلکہ میں خود ملازموں کے ساتھ جاکر جڑی بوٹیاں لاؤں گا۔ یہ سن کر حکیم وقار بولے، حکیم صاحب یہ کام آپ کا نہیں، آپ تو ویسے بھی آئے دن خوفناک اور جان لیوا مسائل میں الجھے رہتے ہیں، آج کل آپ چند دن سے فارغ ہیں، کوئی خطرناک مسئلہ آپ کے سامنے نہیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں آپ کو تکلیف دوں، آپ مطب میں رہیں دو دن کی تو بات ہے میں خود یہ کام کروں گا۔'' پھر رولوکا کی ضد کے آگے حکیم وقار خاموش ہوگئے اور اس طرح اگلے دن رولوکا، مطب کے تین ملازموں کے ہمراہ جڑی بوٹیوں کی تلاش کے لئے گھنے جنگل میں آ گیا۔ جنگل میں پہنچ کر رولوکا ملازموں کے ساتھ مل کر جڑی بوٹیاں تلاش کرنے لگا اور پھر دوپہر ہونے پر چاروں نے مل کر کھانا کھایا، تھوڑی دیر آرام کیا ایک گھنے درخت کے سائے میں اور پھر اپنا کام جاری رکھا۔ شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے اپنا کام ختم کردیا اور سفری خیمہ اس گھنے درخت کے نیچے لگادیا۔ رات کا کھانا کھایا اور سب اپنی اپنی جگہ پر لیٹ گئے۔ جب تینوں ملازم گہری نیند سو گئے تو رولوکا اپنی جگہ سے اٹھا اور درخت کے چاروں طرف ایک مضبوط حصار قائم کردیا تاکہ رات کے کسی وقت کسی ماورائی مخلوق یا پھر کسی اور شے سے خطرہ نہ رہے، پھر رولوکا اپنی جگہ لیٹ گیا، تھوڑی دیر گزری تھی کہ رولوکا کی سماعت سے کسی کی سسکیوں کی آواز ٹکرائی تو رولوکا اپنی جگہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور دیکھا تو سامنے قریب ہی ایک عورت ٹیٹھی سسک رہی تھی، رولوکا کے اصرار پر وہ عورت بولی۔ ''محترم میں ایک روح ہوں اور اسی درخت پر اپنا مسکن بنا رکھا ہے اور پھر اس روح نے اپنی زندگی کی پوری روداد سنا ڈالی۔ جسے سن کر رولوکا بہت افسردہ ہوا۔ پھر رولوکا بولا۔ آپ گھبرائیں نہیں مجھ سے جہاں تک ہوسکا میں آپ کے ابدی سکون کے لئے سب کچھ کروں گا۔'' رولوکا کی بات سن کر وہ روح بہت خوش ہوئی اور بولی۔ محترم یہ آپ کا مجھ پر احسان ہوگا اور پھر رولوکا نے درخت کے گرد سے حصار ختم کردیا اور بولا۔ میں نے درخت کے گرد سے حصار ختم کردیا ہے آپ بے خوف و خطر درخت پر رہیں۔'' ایک مرتبہ اس روح نے پھر رولوکا کا شکریہ ادا کیا اور ایک طرف کو پرواز کرگئی۔

(اب آگے پڑھیں)

صبح کا سورج کیا طلوع ہوا کہ چاند پور کے سارے لوگ حیران و پریشان ہوگئے کیونکہ سورج طلوع ہونے کے آدھا گھنٹہ بعد پورا علاقہ جیسے اندھیرے میں ڈوب گیا سورج بالکل غائب ہوگیا، ایسا لگنے لگا کہ جیسے شام کے اندھیرے نے پورے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہو جو لوگ کھیت کھلیان اور دیگر کاموں کے تحت گھر سے باہر نکل پڑے تھے وہ بھاگ بھاگ کر اپنے اپنے گھروں کو آ گئے۔

آسمان نے یکسر اپنا رنگ بدل لیا تھا شور مچاتے اور چہچہاتے ہوئے پرندے جہاں تھے وہیں دبک کر بیٹھ گئے تھے کسی کی بھی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ آخر ایسا ہوا تو کیوں ہوا، اس سے پہلے ہستی کے بڑے بوڑھے لوگوں نے اپنی زندگی میں کبھی ایسا وقت نہ دیکھا تھا کہ سورج طلوع ہوا ہو اور پھر گھنٹہ بھی نہ گزرا تھا کہ پھر پورا علاقہ اندھیرے میں ڈوب گیا ہو۔

اپنے اپنے گھروں میں لوگوں نے مٹی کے

www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk

چراغ یا پھر لالٹین جلائے تھے، بستی سے بالکل ہٹ کر ایک حویلی تھی جو کہ اپنی شان وشوکت کے لحاظ سے قرب وجوار کے سارے علاقوں میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھی وہ وحید الزماں کی حویلی تھی، اس حویلی پر لوگوں کی نظریں پڑتے ہی لوگ ایک عجیب رعب ودبدبہ سے متاثر ہوجاتے تھے۔

پوری حویلی اب اندھیرے میں عجیب خوف پیدا کررہی تھی، لیکن حویلی کے اندر ٹمٹماتے بجلی کے چھوٹے بلبوں کی وجہ سے زندگی کے آثار نظر آرہے تھے حویلی کے سارے مکین بھی اچانک آسمان کے بدلے رنگ کی وجہ سے سراسیماں ہوگئے تھے۔

چاند پور کے سارے لوگ اچنبھے میں تھے کوئی کسی بھی نتیجہ پر نہیں پہنچ پارہا تھا کہ آج یہ اچانک آسمان کو ہوا کیا لیکن ہر کوئی اپنی اپنی جگہ مجبور تھا آسمان کے بدلتے رنگ پر اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔

پورا آسمان پہلے سرخ ہوا پھر دیکھتے ہی دیکھتے سرخی کالے پن میں تبدیل ہوگئی۔ اگر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جب آسمان کا رنگ سرخ ہوجاتا ہے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ آندھی اور طوفان کا پیش خیمہ ہے۔ لیکن یہاں تو عجیب ہی معاملہ تھا، نہ سمجھ میں آنے والا۔

پھر اچانک ایک دل دہلاتا منظر رونما ہوا جس کی وجہ سے ہر کوئی اپنی اپنی جگہ لرز کر اور دہل کر رہ گیا۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ لوگوں پر لرزہ طاری ہوگیا، دماغ ماؤف ہوگیا، آنکھیں جیسے پھیل گئیں رگوں میں دوڑتا لہو سست پڑ گیا لوگوں کا سانس اچھل پھل ہونے لگا، سب کے لب جیسے سل گئے اور گویائی سلب ہوکر رہ گئی، چھوٹے بچے چیخ مار کر اپنی ماؤں کی گود میں سما گئے، بڑے بچے گھر کے کونے کھدروں میں دبک گئے اور بڑے لوگ حیرت واستعجاب سے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے ایک دوسرے یا پھر آسمان کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

ہوا ایسا کہ اچانک پورے آسمان پر چکا چوند روشنی نمودار ہوئی، روشنی اتنی تیز تھی کی لوگوں کی آنکھیں چندھیا گئیں جس کی وجہ سے لوگ سراسیماں تھے کہ اتنے میں ایک عجیب دل کو ہولاتی گڑگڑاہٹ کی آواز آئی اور اسی آواز نے تو لوگوں کو لرزا کر رکھ دیا، پھر ہواؤں کا زور اٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہواؤں نے جھکڑ کی شکل اختیار کرلی، اس پر اکتفا نہ ہوا بلکہ بن بارش کے بڑے بڑے اولے پڑنے لگے، اولے اتنے بڑے بڑے تھے کہ جن لوگوں کے سروں پر پڑے تو سر زخمی ہوگئے اور سروں سے خون رسنے لگا، اولوں کی وجہ سے سارے علاقے میں جیسے سفید چادر بچھ گئی ہو۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہواؤں نے آندھی کی صورت اختیار کرلی اور ساتھ ہی ساتھ بارش کی بڑی بڑی بوندوں نے پورے علاقے کو جل تھل کرنا شروع کردیا۔

ہواؤں کا زور اتنا تھا کہ گھروں میں جلتے چراغ بجھ گئے، بارش نے بھی بلکان کرنا شروع کردیا، پوری بستی پر قیامت کا سماں تھا، کسی کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آرہا تھا کہ وہ کرے تو کیا اور جائے تو کہاں جائے، گھروں کے باہر کھونٹے سے بندھے ہوئے جانور عجیب کسمپرسی کے عالم میں میں موت اور زندگی کے درمیان سر جھکائے کھڑے تھے۔

بارش اور ہوا کا زور بہت زیادہ تھا اور کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ گھر سے نکل کر اپنے جانوروں کو ایک نظر دیکھ لیتا۔

ادھر حویلی میں موجود مکین سہمے ہوئے تھے ایسا لگتا تھا کہ آج ہوا اور بارش چاند پور کو تہس نہس کر کے پورے علاقے کو نیست ونابود کردے گی۔

ویسے دیکھا گیا ہے بلکہ یہ حقیقت ہے کہ امیروں سے غریب زیادہ نڈر بہادر اور حالات سے مقابلہ کرنے والے ہوتے ہیں، امیر اپنے عیش وعشرت کے پیش نظر کڑے حالات سے دوچار نہیں ہوتے انہیں کیا پتہ کہ چلچلاتی دھوپ، کڑکتی اور گھن گرج بجلی ہواؤں کا جھکڑ اور سردی کی یخ بستہ ہوائیں کس طرح جسم میں گھس کر رگوں میں دوڑتے لہو کو سست کردیتی ہیں۔

آندھی طوفان اور بارش کے ساتھ ساتھ اب آسمان میں کڑکتی بجلی نے اودھم مچانا شروع کردیا تھا، جب بجلی کڑکتی تو پورا جسم جھنجھنا اٹھتا، پورا وجود کانپ

www.pdfbooksfree.pk

کررہ جاتا، لوگوں کو کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں تھا، بستی میں موجود سارے ہندو مسلم اپنے اپنے مذہب کے لحاظ سے خالق و مالک کو یاد کر رہے تھے اگر صرف ہواؤں کا جھکڑ اور بارش ہوتی تو لوگ اتنے بدحواس نہ ہوتے جتنے کہ بجلی کی کوندا پن اور کڑک و گھن گرج نے تہلکہ مچا رکھا تھا۔

لوگوں کی پوری زندگی میں یہ چاند پور کا پہلا واقعہ تھا جس سے واسطہ پڑا تھا اس سے پہلے بارش وطوفان سے واسطہ پڑا تھا مگر ایسا کبھی نہ ہوا تھا۔

جب بجلی کڑکتی تو پوری حویلی ایک لمحہ کے لئے روشن ہوجاتی اور ایسا لگتا کہ پوری حویلی پل بھر میں زمین بوس ہوجائے گی، دو منزلہ حویلی تھی اور حقیقت میں ایسا لگ رہا تھا کہ اب یا تب حویلی زمین بوس ہوئی۔

حویلی کے مکین اپنے ملازم یا پھر گاؤں والوں کو اپنی مدد کے لئے پکار نہیں سکتے تھے، ویسے بھی حویلی بستی سے تھوڑے فاصلے پر تھی، حویلی والوں کا رواج تھا کہ سارے لوگ صبح دس کے بعد ہی سو کر اٹھتے تھے اور پھر اس کے بعد نوکر چاکر حویلی میں قدم رکھتے تھے مگر آج تو صبح کا سورج طلوع ہوتے ہی پورے علاقے پر دل دہلاتی مصیبت ٹوٹ پڑی تھی۔

حویلی کا ہر فرد خوف کی وجہ سے اپنا کمرہ چھوڑ کر ہال کمرے میں آکر براجمان تھا اور حیرت یاس وخوف سے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کے علاوہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ ہال کمرے میں موجود کا رآمد دو بلب بھی یاس ومحرومی میں ڈوبے ہوئے اپنا رونا رو رہے تھے کہ اتنے میں اچانک کان پھاڑ اور دل کو دہلاتی چنگھاڑ مارتی بجلی کے سبب ایسا لگا کہ بجلی نے حویلی کو نشانہ بنالیا۔

ہال میں بیٹھے تمام لوگ کپکپانے لگے اور کئی کے منہ سے فلک شگاف چیخیں نکل گئیں، دو تین بچوں کے تو کپڑے گیلے ہوگئے۔

اور پھر جو دو بلب ٹمٹما رہے تھے اپنی روشنی سے محروم ہوگئے۔

پورے ہال میں اندھیرے نے اپنا تسلط جمالیا، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا سب کی زبان گنگ تھی، کسی میں اتنی سکت نہ تھی کہ کوئی اپنے منہ سے کوئی آواز نکالتا، سب کی خاموشی کو دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ ان سب کے درمیان موت کھڑی اپنا ہیبتی ہاتھ سب کے شہ رگ پر رکھ چکی ہے کہ اتنے میں بجلی کی چکاچوند روشنی روشن دان میں نظر آئی اور ساتھ ہی بادلوں کی گڑگڑاہٹ نے جیسے سب کے رہے سہے اوسان ختم کردیئے۔

ہال میں بیٹھے تمام لوگوں کی نظریں روشن دان پر ٹنگ گئی تھیں کہ اتنے میں تیز ہرے رنگ کا ایک ہیولہ روشن دان میں نظر آیا پھر وہ ہیولہ اوپر سے نیچے کی جانب اترنے لگا، اس ہیولے کو دیکھ کر سب کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور زبان خشک ہوکر تالو سے چپک گئی۔ آنکھیں پتھرا گئیں اور کان میں سائیں سائیں کی آوازیں آنے لگیں۔

ہیولہ نیچے فرش پر آکر ایک جگہ ٹک گیا، اب اس ہیولے نے ایک انسانی شکل اختیار کر چکا تھا، اس کا قد کوئی ڈھائی تین فٹ کے قریب تھا۔

وہ ہیولہ ہر ایک کے سامنے جاتا اور بڑے غور سے اس کی شکل دیکھتا، کسی میں بھی اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ جنبش بھی کر سکے۔

ہال کمرے میں خلیق الزماں، ان کی بیوی، ایک بیٹی اور ایک چھوٹا بیٹا جبکہ چھوٹے بھائی سلیم الزماں ان کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں اور سلیم الزماں کی بیوی بھی موجود تھیں۔

ہیولہ سب کے سامنے باری باری جا کر سب کی آنکھوں میں بغور دیکھتا رہا اور پھر سب سے آخر میں سلیم الزماں کی بیوی درشہوار کے سامنے کھڑے ہوکر انہیں بغور دیکھنے لگا، اس درمیان ہیولہ کی آنکھوں سے سرخ روشنی نکلنے لگی۔

اور قریب تھا کہ درشہوار بے ہوش ہوجاتیں، ہیولہ کے لب ہلے اور کھرکھراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''قتل کی سزا..... موت اور صرف موت ہے۔'' اور پھر ہیولہ کے منہ سے فلک شگاف قہقہہ سنائی دیا،

www.pdfbooksfree.pk

www.aanchal.urdutube.info
Read Latest Edition of Digests

www.pdfbooksfree.pk

زرز میں جگہ جائیداد بلکہ کوئی بھی معاملہ ایسا نہیں جو میری معلومات سے اوجھل ہے، اور بھائی جان جیسا انتظامات تو میں کبھی نہیں کرسکتا۔

اور ہاں تمہاری سوچ تو اسے اپنے تک ہی محدود رکھو، یہ حویلی ہے اور جیسا بھی ہے یہ طور طریقہ ہمارا خاندانی ہے، میں اس کے خلاف سوچ بھی نہیں سکتا۔''

یہ سن کر بیگم صاحبہ طیش میں بولیں۔''ایسا آپ سوچ سکتے ہیں، میں نہیں سوچ سکتی، آپ خلائی میں اپنی زندگی گزار رہے ہیں اور پھر یہی غلامی میرے بچوں کے حصے میں بھی آئے گی، میرے تینوں بیٹے بھی غلام بن کر رہ جائیں گے، بھائی صاحب کا جو بڑا بیٹا نسیم الزماں ہے وہ اپنے باپ کی طرح میرے بیٹوں پر بھی حکمرانی کرے گا، اور یہ میں کسی صورت برداشت نہیں کرسکتی، چاہے اس کے لئے مجھے کوئی انتہائی قدم ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے۔''

یہ سنتے ہی سلیم الزماں غصے سے بپھر گئے اور طیش میں اپنا ہاتھ تھپڑ کے لئے اٹھایا لیکن پھر ضبط کر گئے اور بولے۔

''بیگم آئندہ ہمارے خاندانی معاملات میں کبھی بھی دخل نہ دینا اور نہ ہی کوئی غلط سوچنا۔'' اور پھر کمرے سے نکل گئے۔

یہ سننا تھا کہ درشہوار تاگن کی طرح پھنکارنے لگیں ان کے چہرے پر کرختگی چھا گئی۔ مٹھیاں بھنچ گئیں لمبے لمبے سانس لینے لگیں اور کمرے میں ٹہلنے لگیں اس وقت وہ اپنے کمرے میں اکیلی تھیں۔

اور پھر اس دن کے بعد انہوں نے اپنے شوہر کے سامنے اس قسم کے الفاظ نہ کہے بلکہ اس معاملے میں انہوں نے اپنا منہ سی لیا۔

لیکن ایک تبدیلی یہ آئی کہ ہر بیس پچیس دن کے بعد میکے جانے لگیں، جب بچوں اور شوہر نے جانے کی بابت پوچھا تو بتایا کہ اپنے والد اور بھائیوں سے ملنے جاتی ہوں۔ خیر یہ عام سی بات تھی کسی نے بھی کوئی نوٹس نہ لیا، وہ کسی کو ساتھ نہیں لے جاتیں بلکہ اکیلی ہی جاتی تھیں، چونکہ گھر کی بگھی تھی اور پرانا ضعیف کوچوان تھا جبکہ وہ خود بھی ادھیڑ عمر تھیں۔

اور پھر ایک تبدیلی ان میں اور آئی گھر والوں نے محسوس کیا کہ وہ چڑچڑی ہوگئیں، بات بات پر بچوں کو جھڑکنا، بچوں کے ساتھ کچھ زیادہ ہی سختی سے پیش آنا اور پھر شوہر سے بھی کھچی کھچی رہنے لگیں لیکن یہ کوئی خاص بات نہ تھی اور گھر والوں نے زیادہ اہمیت نہ دی۔

ایک رات وہ اپنے کمرے میں اکیلی سو رہی تھیں کہ کسی بلی نے چیخنا شروع کردیا، آواز اتنی خوف ناک تھی کہ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں، اور پھر انہوں نے بدحواسی کے عالم میں چیخنا شروع کردیا ان کی آواز سن کر برابر کے کمرے سے ان کی دو بیٹیاں دوڑیں اور جب کمرے میں وہ دونوں پہنچیں تو دیکھا کہ اماں مسہری پر ایک طرف سہمی ہوئی بیٹھی تھیں، ان کی حالت بہت غیر ہورہی تھی، آنکھیں پھٹی ہوئی اور پسینے میں شرابور تھیں، جب بیٹیوں نے پوچھا تو ان کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی، ایک بیٹی نے دوڑ کر گلاس میں ٹھنڈا پانی لائی اور ان کے منہ سے گلاس لگا دیا اور پھر انہوں نے گلاس کا سارا پانی غٹاغٹ پی گئیں۔

خیر بڑی مشکل سے ان کے منہ سے نکلا۔

''کالی بلی۔''

لیکن لڑکیوں نے پورا کمرہ چھان مارا کوئی بلی نہ تھی اور پھر اس طرح پوری رات آنکھوں میں کٹ گئی۔ پھر اس رات کے بعد کوئی ایسی بات نہ ہوئی۔

پھر دوسرے ہفتے میں اسی طرح وہ اپنے کمرے میں سوئی پڑی تھیں کہ اچانک ''ٹھک ٹھک'' کی آواز سنائی دینے لگی۔ آواز اتنی زور کی تھی کہ ان کی آنکھ کھل گئی۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں اور پورے کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑانے لگیں کہ اتنے میں آواز سنائی دی۔''بہت مزے کی نیند میں پڑی ہو۔ تم سوتی رہو..... اور میں جاگوں..... یہ کیسے ممکن ہے۔'' اور پھر ٹھک ٹھک کی آواز آنے لگی، ٹھک ٹھک کی آواز متواتر آتی رہی۔

www.pdfbooksfree.pk

اور پھر جب ان سے ٹھک ٹھک کی آواز برداشت سے باہر ہوگئی تو وہ جھٹ اٹھیں اور اپنے کمرے سے نکل کر برابر کے کمرے میں جہاں کران کی بڑی بیٹی فہمیدہ سو رہی تھی وہاں آگئیں۔ فہمیدہ بے سدھ گہری نیند میں تھی کہ اس کے قریب پہنچتے ہی انہوں نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

اور ہڑبڑا کر فہمیدہ کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس کی حالت بھی دیدنی تھی، وہ یک ٹک اپنی امی کو دیکھنے لگی۔ اور پھر بڑی مشکل سے اس کے منہ سے نکلا..... ''امی کیا ہوا..... آپ اس وقت میرے کمرے میں، کچھ بتائیں تو سہی کہ ہوا کیا؟''

امی کے منہ سے نکلا۔'' فہمیدہ میں مر رہی ہوں۔ فہمیدہ میں مر رہی ہوں۔''

اور پھر انہوں نے ساری روداد فہمیدہ کے گوش گزار کردی۔

جسے سن کر فہمیدہ بولی۔''امی جان ایسی کوئی بات نہیں۔ لگتا ہے آپ نیند میں ڈر گئی ہیں۔ چلئے میں آپ کے ساتھ آپ کے کمرے میں چلتی ہوں.....'' اور پھر فہمیدہ ان کے ساتھ کمرے میں آئی تو دیکھا کہ کمرے کی لائٹ جل رہی ہے..... اور کمرے میں کوئی ایسی بات نہ تھی۔

فہمیدہ بولی۔''امی جان آپ خواہ مخواہ ڈر گئیں۔ اور میری بھی نیند خراب کردی۔''

لیکن در شہوار کی حالت بہت غیر ہو رہی تھی.....

وہ آپے میں نہ تھیں، ڈری سہمی..... خوف زدہ حالت میں کبھی فہمیدہ کو دیکھتیں تو کبھی کمرے کے چاروں کونوں کو۔

''امی آپ برائے مہربانی بستر پر لیٹ جائیں..... ایسی کوئی بات نہیں..... چلئے میں آپ کے پاس بیٹھی ہوں۔ آپ آرام سے سو جائیں۔'' پھر فہمیدہ کے کہنے پر وہ بستر پر لیٹ گئیں اور فہمیدہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا تاکہ فہمیدہ انہیں چھوڑ کر ان کے کمرے سے اپنے کمرے میں چلی نہ جائے۔ فہمیدہ ان کے پاس بیٹھی بیٹھی آیات قرآنی پڑھ پڑھ کر ان پر دم کرتی رہی۔

خیر آدھا پون گھنٹہ کے بعد وہ نیند میں بے سدھ ہوگئیں اور جب فہمیدہ کو تسلی ہوگئی کہ امی سو چکی ہیں تو وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آئی اور اپنے بستر پر لیٹ کر سو گئی۔

صبح کے وقت فہمیدہ نے گھر والوں کو رات کی بات بتائی تو سارے گھر والے اچنبھے میں پڑ گئے اور سب نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ در شہوار وہم کا شکار ہوگئیں ہیں، وہ ہر وقت ایسی باتوں کے متعلق سوچتی رہتی ہیں اور پھر نیند میں ڈر جاتی ہیں۔

ایک رات وہ گہری نیند میں تھیں کہ کسی ان دیکھے وجود نے انہیں جھنجھوڑ کر اٹھا دیا، کمرے کی لائٹ بھی بند ہوگئی تھی اور کمرے میں گھپ اندھیرا تھا، پھر ایک زناٹے دار تھپڑ ان کے گال پر پڑا تو انہیں اندھیرے میں چودہ طبق روشن نظر آ گئے۔ پھر دوسرا تھپڑ ان کے دوسرے گال پر پڑا تو وہ بدحواسی کے عالم میں چیختی ہوئی اٹھیں اور جھٹ دروازہ کھول کر فہمیدہ کے کمرے میں گھستی چلی گئیں۔

ان کی چیخوں سے ساری حویلی لرز کر رہ گئی حویلی کے سارے مکین اپنے اپنے کمروں میں سے نکل کر آ گئے اور پھر سب کے سب فہمیدہ کے کمرے میں گھستے چلے گئے کیونکہ در شہوار کی چیخوں کی آوازیں فہمیدہ کے کمرے سے ہی آ رہی تھیں۔

سلیم الزماں بھی اپنے کمرے سے نکل کر وہاں آ گئے..... بیگم کی حالت دیکھ کر وہ بھی سٹ پٹا گئے کیونکہ در شہوار کے دونوں گالوں پر صاف اور واضح انگلیوں کے نشانات موجود تھے، گالوں پر انگلیوں کے نشانات دیکھ کر کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ در شہوار نیند میں ڈر گئی ہیں یا پھر وہ ان کا وہم ہے۔ کمرے میں جتنے بھی لوگ موجود تھے سب کے سب اچنبھے میں تھے۔

در شہوار اپنے دونوں گالوں کو سہلا رہی تھیں اور ان کا کہنا تھا کہ دونوں گالوں میں بہت زیادہ جلن ہو رہی ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

خیرانہیں جلدی سے ٹھنڈا پانی پلایا گیا تب

www.pdfbooksfree.pk

جا کر ان کے حواس کچھ بحال ہوئے مگر ان کی آنکھوں سے خوف اور وحشت صاف عیاں تھی۔

سب سے زیادہ سوچ میں سلیم الزماں تھے، وہ بہت زیادہ گہرائی میں سوچ رہے تھے، اور پھر ان کی سوچ نے ایک نیا رنگ اختیار کیا کہ ان کی شادی کو انیس بیس سال ہو چکے تھے اور اس سے پہلے کبھی بھی حویلی کے کسی فرد کے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔

یہ ایک انوکھا واقعہ تھا جو کہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

ادھر ان کے بڑے بھائی خلیق الزماں بھی اپنے کمرے سے نکل کر کمرے کے باہر ٹہل رہے تھے، پھر انہوں نے آواز دی۔ ''سلیم الزماں..... سلیم الزماں.....''

بھائی کی آواز سن کر سلیم الزماں فوراً بھائی کے پاس پہنچے تو خلیق الزماں نے پوچھا۔ ''سلیم الزماں تم نے کیا محسوس کیا..... اور حالات کس جانب اشارہ کر رہے ہیں..... کیا سوچ کا دائرہ محدود ہے یا پھر وسیع..... ویسے تم نے کیا رائے اخذ کی ہے؟''

یہ سن کر سلیم الزماں بولے۔ ''بھائی جان میری تو عقل کام نہیں کر رہی..... آج سے پہلے بھی چند ذرا سے واقعات رونما ہوئے تو ہم سب نے نیند میں ڈرنے اور پھر وہم قرار دیا..... لیکن آج کے واقعہ نے تو مجھے بھی ہلا کر رکھ دیا ہے..... کیونکہ در شہوار کے دونوں گالوں پر واضح اور صاف انگلیوں کے گہرے نشانات موجود ہیں..... ایسا لگ رہا ہے بلکہ یہ حقیقت ہے کہ تھپڑ مارنے والا کوئی بھاری بھرکم ہاتھ کا مالک ہے..... لیکن یہ کیسے اور کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے۔

اس حویلی میں ہم نے آنکھ کھولی ہے، بچپن گزارا ہے، جوانی اور اب ادھیڑ عمر کو پہنچ گئے مگر کوئی بھی ایسا تحیر میں ڈالنے والا واقعہ رونما نہیں ہوا..... جیسا کہ اب ہو رہا ہے۔''

یہ سن کر خلیق الزماں بولے۔ ''سلیم الزماں اس معاملے کو گہری نظر سے دیکھنا ہے اور پھر غور و خوض بھی کرنا ہے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟..... اور اس کی وجوہات کیا ہیں؟..... ہماری حویلی ہی نہیں بلکہ پورے چاند پور میں کبھی بھی ایسا کوئی واقعہ نہ دیکھنے میں آیا اور نہ ہی سننے میں آیا۔

خیر اس سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا..... وقت وقت کی بات ہے..... میں بھی بہت کچھ سوچ رہا ہوں اور میرا ذہن ایک نقطے پر جا کر ٹھہر جاتا ہے کہ ''ایسا تو نہیں کہ کوئی آسیبی چکر ہو گیا ہو؟''

''بھائی جان آسیبی چکر سے میرا ذہن بہت دور ہے..... یہ بات سوچنے والی ہے کہ حویلی میں دن رات قرآن پاک کی تلاوت ہوتی رہتی ہے، بچیاں آئے وقت نماز اور تلاوت میں مصروف رہتی ہیں..... ایسی صورت میں آسیبی چکر کیوں کر ہو سکتا ہے۔'' سلیم الزماں بولے۔

خلیق الزماں بولے۔ ''سلیم الزماں حوصلہ رکھو..... اب آگے دیکھتے ہیں کہ کیا ہوتا ہے، اور میں مسجد کے پیش امام صاحب سے اس معاملے پر بات کروں گا..... لیکن ایک بات اور ہے کہ اس معاملے کی خبر حویلی سے باہر نہ ہونے پائے..... ورنہ لوگ طرح طرح کی باتیں بنائیں گے۔'' اور یہ بول کر وہ پھر بولے۔ ''سلیم الزماں اب تم بھی آرام کرو.....'' گھنٹہ بھر بعد اذان فجر ہو جائے گی، اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔'' اور یہ بول کر خلیق الزماں اپنے کمرے میں اور سلیم الزماں فہمیدہ کے کمرے کی طرف چلے گئے۔

خیر صبح کا سورج طلوع ہوا تو سب کچھ حسب معمول تھا..... سب کے سمجھانے پر در شہوار پر سکون ہو گئی تھیں، لیکن ابھی بھی ان کے دونوں گالوں پر انگلیوں کے ہلکے نشانات موجود تھے، خیر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے گال پر سے انگلیوں کے نشانات ختم ہو گئے۔

اب حویلی والوں نے یہ فیصلہ کیا کہ در شہوار اپنے کمرے میں اکیلی نہیں سوئیں گی بلکہ ان کا بستر فہمیدہ کے کمرے میں لگا دیا گیا..... تاکہ وہ ڈریں نہیں..... اور ایک سے دو ہوں تو باتیں کرتے کرتے کچھ وقت کٹ جائے..... اور پھر اس فیصلے پر عمل شروع کر دیا گیا اور در شہوار فہمیدہ کے کمرے میں آرام و سکون سے سونے لگیں..... اور اس طرح ہفتوں گزر گئے کوئی

www.pdfbooksfree.pk

اور انوکھا واقعہ رونما نہیں ہوا۔

اور پھر ایک روز فہمیدہ نے یہ خبر سنادی۔ ''امی جان اب ایسی کوئی بات نہیں..... آپ اپنے کمرے میں سویا کریں، کیونکہ آپ کی وجہ سے میری نیند پوری نہیں ہوتی..... میں آپ سے باتیں کرتی رہتی ہوں..... اور آپ تو رات بھر جاگنے کی عادی ہیں۔ ویسے ایک کام میں کرسکتی ہوں کہ جب تک آپ کو نیند نہ آئے میں آپ کے کمرے میں بیٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت کرتی رہوں گی بلکی آواز سے تاکہ آپ کی نیند خراب نہ ہو۔'' اور پھر سب کے سب اس بات پر متفق ہوگئے۔

اور اس رات سے درشہوار اپنے کمرے میں سونے لگیں، ایک دن دو دن..... ہفتہ..... دو تین اور پھر مہینہ گزر گیا..... کوئی بھی واقعہ رونما نہیں ہوا۔

اور پھر ایک ماہ بعد ایک دن چاند پور میں خونی سورج طلوع ہوا..... ہر کوئی انگشت بدنداں تھا..... کسی کو بھی یقین آ کے نہیں دے رہا تھا..... زیادہ تر لوگوں کی آنکھیں اشکبار تھی..... ہر طرف بلکہ پوری بستی میں کہرام مچا ہوا تھا۔

حویلی والوں پر تو جیسے سکتہ طاری ہوگیا تھا۔ غم کی وجہ سے حویلی والوں کی آنکھوں سے جیسے سارے آنسو خشک ہوکر رہ گئے تھے۔

درشہوار کو تو غشی پر غشی کے کے دور پڑ رہے تھے۔ ایک پل کے لئے وہ ہوش میں آتیں اور پھر نام پکارتے ہوئے فوراً بے ہوش ہوجاتیں۔

وجہ یہ تھی کہ حویلی کے عقب میں ایک لاش پڑی ملی تھی اور وہ لاش جواں سال سلیم الزماں کے منجھلے صاحبزادے شفیق الزماں کی تھی۔

لاش بہت ہی دردناک حالت میں تھی..... گردن کو بڑی بے دردی سے کاٹا گیا تھا..... اور سب سے اچنبھے والی بات یہ تھی کہ جس جگہ لاش پڑی تھی اس جگہ خون کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا۔ لوگوں نے سمجھا کہ شاید کسی اور جگہ قتل کیا گیا ہو اور اس جگہ لاکر لاش ڈال دی گئی ہو اور پھر اس سوچ کے تحت سارا علاقہ اور ہر جگہ چھان مارا گیا مگر کسی جگہ بھی خون کا نشان نہ ملا۔

اور بھی ناں یہ اچنبھے والی بات کہ جواں سال نوجوان کا قتل اور زمین پر خون کا ایک قطرہ بھی نہیں گرا بلکہ پہنے ہوئے کپڑوں پر بھی خون کا کوئی دھبہ تک موجود نہیں تھا۔

خیر آہوں سسکیوں اور غمزدہ دل کے ساتھ شفیق الزماں کو سپرد خاک کردیا گیا۔

پوری حویلی پر غم کے بادل منڈلانے لگے تھے..... ہر آنکھ اشکبار تھی..... کھانا تو کجا گھر والوں کو پانی کا گھونٹ بھی کڑوا لگنے لگا تھا۔

خیر وقت سب سے بڑا مرہم ہوتا ہے..... اور وقت کے ساتھ ساتھ بڑے سے بڑا غم گھٹنے لگتا ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ ہر انسان ضروریات زندگی میں کھو کر رہ جاتا ہے۔

چاند پور کے لوگ اس سانحہ کو بھولنے لگے اور زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ شفیق الزماں کا چالیسواں تھا..... پورے گاؤں والوں نے افسردہ چہرہ لئے ہوئے چالیسواں کا کھانا کھایا..... اور سب لوگ دعائے مغفرت کرتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

رات کا اندھیرا پورے علاقے پر مسلط ہوگیا..... آج کی رات بھی بہت بھاری لگ رہی تھی کیونکہ آج پورے علاقے میں موجود سارے کتے نہ جانے کہاں چلے گئے تھے..... سرِشام سے ہی کسی بھی کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی نہ دے رہی تھی ورنہ ایسا ہوتا نہیں تھا، گاؤں کے آزاد آوارہ کتے ضرور اپنی موجودگی کا پتہ دیتے تھے بھوک بھوک کر لیکن آج کی رات ایک بھی کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی نہ دیتی۔

اور پھر رات کے ساڑھے بارہ بجتے ہی ایک بہت ہی کریہہ کرخت وحشت ناک اور خوف ناک آواز سنائی دی آواز ایسی تھی کہ جیسے کسی کو بڑی بے دردی سے ذبح کردیا گیا ہو..... پھر واضح طور پر سسکیوں اور بین کرنے کی آوازیں دل دہلانے لگیں۔

ان آوازوں کو سن کر پوری حویلی میں کھلبلی مچ

www.pdfbooksfree.pk

[illegible]

فہمیدہ پر نظر پڑتے ہی سارے لوگ [illegible] اور پھر انہیں [illegible] تک [illegible] گئے۔

فہمیدہ کی نبض [illegible] ہو چکی تھی آنکھیں [illegible] چٹی پڑی تھیں۔

سلیم الزماں تو فہمیدہ پر نظر پڑتے ہی اپنا سر پکڑ کر فرش پر بیٹھتے چلے گئے۔ اتنے میں خلیق الزماں بھی دوڑے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے اور فہمیدہ کو دیکھتے ہی چکرا کر رہ گئے۔

لیکن اب ہو بھی کیا سکتا تھا۔ فہمیدہ کو ساتھ [illegible]

[illegible] جیسے پورے چاند پور میں [illegible] اپنے [illegible] ہر کسی کے چہرے پر کرب و اذیت سے [illegible] تھے [illegible] کوئی [illegible] نظر آتا تھا۔

خیر کوئی روئے چیخے یا ماتم کرتا رہے وقت آگے ہی آگے بڑھتا رہتا ہے، وقت آگے بڑھنے لگا، پوری حویلی کی رونقیں جیسے روٹھ گئی تھیں۔

بہرحال زندہ رہنے کے لئے حوصلہ ہمت تو کرنا ہی پڑتا ہے اور اس کے مصداق حویلی والے کھانے پینے

www.pdfbooksfree.pk

اور کام کاج میں جت گئے لیکن کوئی دن یا وقت ایسا نہ ہوتا کہ فہمیدہ کا ذکر نہ ہوتا..... اور جب بھی فہمیدہ کا ذکر ہوتا تو سب کی آنکھیں نم ہو جاتیں۔

درشہوار تو جیسے مریض بن کر رہ گئی تھیں..... ان کا کھانا پینا اور زندگی سے جیسے ناطہ ختم ہوتا جا رہا تھا..... کوئی نہ کوئی ہر وقت ان کے گرد رہتا۔

خلیق الزماں اور سلیم الزماں کا حکم تھا کہ درشہوار کو کسی بھی حالت میں اکیلا نہ چھوڑا جائے..... رات میں بھی دو لڑکیاں ان کے کمرے میں اپنا بستر لگا لیتیں..... درشہوار کو اکیلا نہ چھوڑنے کا معاملہ یہ تھا کہ بات چیت اور ایک سے دو بھلے کے مصداق ان کی طبیعت بہلتی رہے گی..... کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں اکیلا چھوڑا جائے اور غم کی وجہ سے ان کے دل کی حرکت بند ہو جائے۔

خاندانی حکیم نے تائید کر دی تھی کہ ''درشہوار کو کسی بھی صورت اکیلا نہ چھوڑا جائے۔''

خلیق الزماں کے دل میں کئی مرتبہ آیا کہ کسی پہنچے ہوئے سے حویلی میں ہوتے حالات کے متعلق مشورہ کریں مگر پھر یہ سوچ کر رہ جاتے کہ کہیں ایسی ویسی کوئی بات سامنے نہ آ جائے جس کی وجہ سے حویلی کی بدنامی ہو..... اور صدیوں پرانی حویلی کی شان و شوکت میں فرق آئے۔

لیکن یہ بات تو خلیق الزماں کے دل و دماغ میں بیٹھ چکی تھی کہ کوئی نہ کوئی بات ایسی ہے ضرور جس کی وجہ سے حویلی کے افراد ناگہانی مصیبت سے دوچار ہو رہے ہیں اور پھر ایسی صورت میں وہ خدا سے دعا ہی کر سکتے تھے۔

ہر ہفتے اب حویلی میں میلاد اور قرآن خوانی کا اہتمام ہونے لگا تھا، ویسے بھی حویلی کے مکین ہمیشہ سے حویلی میں روزہ نماز اور تلاوت قرآن پاک کے پابند تھے۔ خاص طور پر لڑکیاں روزانہ باپابندی آواز قرآن پاک کی تلاوت کرتی رہتی تھیں..... اسکے باوجود کرب و اذیت اور دکھ مصیبت نے حویلی میں دھرنا دے رکھا تھا..... ایسا لگتا تھا کہ حویلی سے خوشیوں نے منہ موڑ لیا ہے اور حویلی میں سسکیوں اور آہوں نے اپنا قبضہ جما لیا ہے۔

اور پھر وقت آیا کہ فہمیدہ کا چالیسواں کر دیا گیا، چالیسویں میں پورا چاند پور شریک ہوا، فہمیدہ کی روح کی ایصال ثواب کے لئے دعائیں کی گئیں..... اس کے بعد سارے لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ حویلی والے افسردہ رنجیدہ اور غمزدہ شب و روز میں لگ گئے۔

مرنے والے مر جاتے ہیں لیکن ان کے ساتھ مر انہیں جاتا بلکہ ان کی یادوں کے ساتھ آنکھیں ضرور اشکبار رہتی ہیں۔

فہمیدہ کے چالیسواں جس دن ہوا تھا اس سے تیسری رات خلیق الزماں کی بیگم مہر النساء نے ایک عجیب خواب دیکھا..... انہوں نے دیکھا کہ ایک ایسے علاقے میں کھڑی ہیں جہاں ہر طرف ہریالی ہے تاحد نگاہ لہلہاتے کھیت ہیں..... بے شمار پھلدار درخت ہیں..... ہر طرف خوبصورت پرندے چہچہاتے پھر رہے ہیں جگہ اتنی خوبصورت ہے کہ اس سے پہلے انہوں نے ابھی تک اپنی زندگی میں اس قدر سرسبز و شاداب جگہ دیکھی نہیں۔

پھر انہوں نے دیکھا کہ اچانک گرد و غبار والی آندھی آ گئی اور اس گرد و غبار میں سارا علاقہ چھپ گیا اب کسی طرف بھی سرسبز و شادابی کا نام و نشان نہیں تھا آندھی اتنے زور کی تھی کہ ان کا اپنی جگہ پر کھڑا رہنا ممکن نہ رہا تو وہ جس جگہ پر کھڑی تھیں اسی جگہ اپنی آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے بیٹھ گئیں..... اس کے باوجود آندھی کا زور رہا اور شور مچاتی ہوائیں جیسے سارے علاقے کو تہہ و بالا کرتی رہیں، ہوائیں اتنی زوردار تھیں کہ انہوں نے سمجھا کہ یہ ہوائیں مجھے اڑا کر نہ لے جائیں۔

ابھی یہ باتیں وہ سوچ ہی رہی تھیں کہ ہواؤں کا زور ٹوٹ گیا اور انہیں حدت و گرم تپش والی ہوا کا احساس ہوا تو انہوں نے آنکھیں کھول دیں اور اپنی جگہ پر کھڑی ہو گئیں۔

اتنے میں ایک کرخت دار کھردری آواز سنائی ..... اور جب انہوں نے اس آواز کی طرف دیکھنا شروع کیا تو کیا دیکھتی ہیں کہ کوئی عورت ہے جو کہ پوری قوت

www.pdfbooksfree.pk

سے دوڑتی ہوئی ان کی جانب آ رہی ہے اسے دیکھ کر وہ اچنبھے میں پڑ جاتی ہیں۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ عورت ان کے قریب آ جاتی ہے تو اسے دیکھ کر وہ حیران و پریشان ہو جاتی ہیں۔

وجہ یہ کہ وہ عورت کوئی اور نہیں بلکہ ان کی دیورانی سلیم الزماں کی بیگم درشہوار ہوتی ہے۔

درشہوار کے ہاتھ میں ایک چمکتی ہوئی بڑی تلوار ہے اور اس تلوار کو دیکھ کر وہ خوف زدہ ہو جاتی ہیں کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ ''درشہوار کے ہاتھ میں لمبی تلوار؟''

درشہوار بغور دیکھتے ہوئے انہیں بولتی ہیں۔ ''اوئے تو یہاں کیا کر رہی ہے..... چل بھاگ جا یہاں سے نہیں تو تجھے اس تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گی تیری ہمت کیسے ہوئی یہاں آنے کی..... میں تم سب کو اور اس پورے علاقے کو تہس نہس کر دوں گی کوئی نہیں بچے گا میرے ہاتھوں..... صرف اور صرف میں راج کروں گی۔''

اور پھر دفعتاً منظر رونما ہوا..... درشہوار کا قد بڑھنے لگا..... ساتھ ہی ساتھ ان کے دونوں ہاتھ کئی گز لمبے ہو گئے..... چہرہ کرخت اور ڈراؤنا ہو گیا۔ بڑی بڑی آنکھیں اور پھر ان آنکھوں سے جیسے چنگاریاں نکلنے لگیں..... ''اوہ خدا کی پناہ!''

ایسی فلک شگاف قہقہہ جس میں غراہٹ کی آمیزش تھی۔

پھر درشہوار نے اپنے تلوار والے ہاتھ کو اوپر کیا اور قریب کے آم کے چھلدار درخت پر وار کیا تو ایک ہی وار میں آم کا عظیم الجثہ درخت زمین بوس ہو گیا اس کے بعد تو ان پر جنون سوار ہو گیا، انہوں نے قرب و جوار کے سارے درختوں پر تلوار سے وار کرنا شروع کر دیا اور سارے درخت زمین بوس ہوتے گئے ایک بھی درخت صحیح سالم نہیں بچا۔

پھر درشہوار کی آواز گونجی۔ ''دیکھا تو نے میری طاقت..... میں پورے علاقے کو تہس نہس کر کے رکھ دوں گی تو فوراً یہاں سے بھاگ جا ورنہ تیرا وجود بھی مٹا کر رکھ دوں گی..... دیکھ میں اور کیا کر سکتی ہوں..... تجھے دکھاتی ہوں.....'' اور یہ بول کر درشہوار نے ہوا میں اپنی تلوار لہرائی تو تلوار سے پہلے چنگاریاں اور پھر شعلے نکلنے لگے۔ اور وہ شعلے آگے ہی آگے بڑھتے گئے اور ان شعلوں کی زد میں جو کچھ بھی آیا وہ جھلستے چلے گئے، تمام لہلہاتی کھیتیاں اور سرسبز و شاداب علاقہ شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا اور پھر چشم زدن میں تمام علاقہ کوئلوں کی شکل میں تبدیل ہو چکا تھا۔

ایسا ہونے کے بعد درشہوار پھر میری جانب دیکھتے ہوئے بولی۔ ''دیکھ لیا تو نے میری طاقت..... میں اس کے علاوہ بھی بہت کچھ کر سکتی ہوں..... دیکھنا چاہتی ہے تو لے دیکھ میری طاقت کو۔'' اور یہ بول کر اس نے ایک جانب اشارہ کیا تو اس جانب اپنی حویلی نظر آئی۔

اپنی حویلی کو دیکھ کر میں لرز ا برا ندام ہو گئی..... اور پھر حویلی خود بخود جہاں میں کھڑی تھی وہاں قریب سے قریب تر آ گئی اور پھر کئی فرلانگ کی دوری پر آ کر ٹھہر گئی۔

حویلی کو دیکھ کر اس نے زوردار قہقہہ لگایا اور بولی۔ ''دیکھ میں اس حویلی کی کیا حالت کرتی ہوں.....'' اور پھر اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تلوار لہرائی تو تلوار سے چنگاریاں اور شعلے نکلنے لگے اور حویلی کی طرف بڑھنا ہی چاہتے تھے کہ اچانک۔

ایک نوجوان اس جگہ نمودار ہوا..... اس کی پشت میری جانب تھی۔

اس نوجوان نے جھٹ اس کے ہاتھ سے تلوار لے کر ایک طرف کو پھینکا اور پھر سیدھے ہاتھ سے درشہوار کی گردن دبوچ لی اس کے بعد نوجوان کا قد بڑھنے لگا، نوجوان نے درشہوار کو اوپر کو اٹھا لیا اور پھر دھڑام سے نیچے کو پٹخ دیا۔

اور درشہوار جس جگہ کھڑی تھی وہاں ایک بہت گہرا گڑھا پیدا ہوا پھر درشہوار اس گڑھے میں نیچے کود ھنستی چلی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا وجود مٹ گیا۔

پھر نوجوان نے اپنے ہاتھ کا اشارہ کیا تو اس کے

www.pdfbooksfree.pk

[illegible]

مہر نسا نے یہ سن کر (آمین) کہا [illegible]
کی بچی نے آواز دی تو وہ اس جگہ سے [illegible]
کمرے میں چلی گئیں۔

اور خلیق الزماں سوچ کی عمیق گہرائی میں اترتے
چلے گئے۔

درشہوار کی حالت اب ناگفتہ تھی۔ جب بھی وہ
اکیلی ہوتیں تو ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ
پڑتا ان کی کوشش ہوتی کہ وہ زیادہ تر وقت فہمیدہ کے
کمرے میں گزاریں لہٰذا گھر والوں کی کوشش ہوتی تھی

[illegible]

[illegible] کے بعد [illegible] وہ گہری نیند
میں سو گئیں۔

فہمیدہ کے [illegible] دو ماہ گزر چکے تھے اور اس
درمیان کوئی اور ناگوار واقعہ رونما نہیں ہوا تھا
اور اب وقت کے ساتھ پوری حویلی والوں کے مزاج
میں کافی ٹھہراؤ آ گیا تھا۔

لیکن بڑے بوڑھے اور سیانوں نے کہا ہے کہ
جب مصیبت اور پریشانی گھر دیکھ لیتی ہے تو بڑی مشکل
سے وہ پیچھا چھوڑتی ہے مصیبت زدہ جس قدر دور

www.pdfbooksfree.pk

بھاگتے ہیں مصیبت ان سے کہیں تیزی سے ان کا پیچھا کرتی ہے اور یہی کچھ حویلی والوں کے ساتھ ہو رہا تھا۔

ابھی فہمیدہ کا غم بھولے نہ تھے کہ ایک اور دلدوز اور ناقابل برداشت واقعہ رونما ہوا۔ اس واقعہ نے بھی پوری حویلی کو ہلا کر رکھ دیا۔ لوگ خون کے آنسو رونے لگے حوصلہ ہمت پست ہو کر رہ گیا..... سب زندہ تھے مگر زندہ نہ ہونے کے برابر..... ہر کوئی الگ الگ اپنی سوچوں میں پڑا رہتا..... اب تو سارے لوگ ایک..... دوسرے سے بات کرتے ہوئے بھی کتراتے تھے ہر کسی کو اپنے سامنے والا فرشتۂ اجل معلوم ہوتا تھا۔

حویلی والوں کا بس نہیں چلتا تھا..... وہ اس معاملے میں بے بس تھے، اگر انکا بس چلتا تو وہ فوراً سے پیشتر حویلی چھوڑ کر اتنی دور بھاگ جاتے جہاں کہ موت کا تصور بھی نہیں ہوتا۔

لیکن جب مجبوری کی زنجیریں آدمی کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیتی ہیں تو سوچنے والوں کا ہر منصوبہ ناکام ہو جاتا ہے، بڑے سے بڑا جی دار، عقل فہم اور ذی شعور اپنے ہی منصوبوں میں گھر کر مجبور و لاچار ہو جاتا ہے اور پھر وہ کہیں کا نہیں رہتا۔

اور ایک وقت آتا ہے کہ وہ اپنا وجود کھو بیٹھتا ہے۔

لیکن دوسروں کا برا چاہنے والا جب اس کا وقت عروج پر ہوتا ہے تو کسی کو خاطر میں نہیں لاتا، ہر کسی کو اپنے آگے ہیچ سمجھتا ہے اور دوسروں کو ملیا میٹ کرتے ہوئے بالکل بھی نہیں سوچتا کہ میرے اس عمل سے سامنے والا انہیں کا نہیں رہے گا۔

خیر مصیبت نے گھر دیکھ لیا تھا، اس سے پیچھا چھڑانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو رہا تھا ہر کسی کو حویلی میں اپنی موت سامنے کھڑی نظر آ رہی تھی۔

اور پھر ہوا بھی ایسا ہی۔

درشہوار کی فہمیدہ سے چھوٹی بیٹی موت سے ہمکنار ہو گئی۔

صبح کے وقت جب اس کے کمرے میں چھوٹی بہن گئی تو وہ اپنے کمرے میں نہیں تھی، بہن نے سمجھا کہ ادھر ادھر ہو گی مگر جب آدھا گھنٹہ گزر گیا تو پھر حویلی میں شور مچ گیا کیونکہ رخشندہ اپنے کمرے میں ہی نہیں بلکہ پوری حویلی میں موجود نہیں تھی۔

اور جب ملازمہ چھت پر گئی تو اپنا سینہ پیٹتی اور چیختی ہوئی بدحواسی کی حالت میں نیچے آئی اس کی آنکھوں سے آنسو سیلاب کی صورت میں جاری تھے زبان گنگ ہو رہی تھی اور بڑی مشکل سے اس نے اوپر کی جانب انگلی سے اشارہ کیا اور لڑکھڑاتے ہوئے بولی۔ ''رخشندہ بی بی چھ..... چھت پر.....'' اور یہ سننا تھا کہ کئی لوگ اوپر چھت پر بھاگے، اور جب وہ چھت پر پہنچے تو جیسے ان پر سکتہ ہو گیا..... جسم سے روح نکلتی ہوئی محسوس ہوئی..... آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا..... کئی لوگوں سے تو اپنے پیروں پر کھڑا رہنا مشکل ہو گیا۔

دل کو موستا ہوا منظر سامنے تھا..... رخشندہ چھت پر مردہ پڑی تھی۔

اتنے میں سلیم الزماں بھی چھت پر آ گئے اور جب ان کی نظر رخشندہ کے ساکت وجود پر پڑی تو وہ اپنا دل پکڑ کر نیچے بیٹھتے چلے گئے۔

یہ خبر پوری حویلی میں سب کے ہوش اڑا گئی تھی۔

اتنے میں بھاگتے ہوئے خلیق الزماں بھی چھت پر آ گئے اور رخشندہ پر نظر پڑتے ہی انہوں نے اپنا چہرہ اوپر آسمان کی جانب اٹھایا اور بولے۔ ''یا اللہ ہم پر رحم فرما'' اور یہ بول کر فوراً بھائی سلیم الزماں کی طرف لپکے اور سلیم الزماں کے دونوں بازو پکڑ کر اوپر اٹھایا سینے سے لگایا پھر سلیم الزماں کے کان میں ان کی آواز پڑی۔ ''سلیم الزماں صبر و کرو..... ہم صبر کے علاوہ کر بھی کیا کر سکتے ہیں..... چلو نیچے چلو۔'' اور وہ سلیم الزماں کو سہارا دے کر چھت سے نیچے لائے اور ان کے کمرے میں بستر پر بیٹھا دیا۔ پھر اپنے ہاتھ سے گلاس میں ٹھنڈا پانی لا کر سلیم الزماں کو پلایا۔

چھت پر رخشندہ عجیب حالت میں پڑی تھی۔

گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور ساتھ ہی دونوں پنڈلیوں اور دونوں ہاتھوں کی ہڈیاں بھی ٹوٹی پڑی تھیں۔

www.pdfbooksfree.pk

دونوں آنکھیں باہر کو ابلی پڑی تھیں، آنکھوں کی حالت دیکھ کر لگتا تھا کہ اس نے بہت ہی ڈراؤنا منظر دیکھا ہو جس کی وجہ سے دونوں آنکھیں خوف کی وجہ سے پھٹ پڑی ہوں۔

دیکھنے والے سوچ سوچ کو حیران تھے کہ آخر رخشندہ کے ساتھ ایسا کیا واقعہ پیش آیا اور وہ چھت پر گئی تو کیسے گئی کیونکہ چھت پر جانے کے لئے ایک آہنی دروازہ پار کرنا پڑتا تھا۔ اور پھر اس دروازے میں ہر وقت تالا پڑا ہوتا تھا اور اس تالے کی چابی درشہوار کے کمرے کے باہر کیل پر ٹنگی ہوتی تھی۔

اتنا بڑا خونی حادثہ ہوگیا ..... پانچ جگہ سے ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور حیرت کی بات تھی کہ اس کے منہ سے ایک ہلکی چیخ بھی نہ نکلی۔

اور یہی بات غور طلب تھی، کسی کے جسم میں اگر ایک سوئی چبھو جائی جائے تو وہ سر پر آسمان اٹھا لیتا ہے اور یہاں جسم کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں مگر رخشندہ نے اف تک نہ کی اور موت کے منہ میں چلی گئی۔

بستی کے کچھ لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ہو نہ ہو کوئی دشمن حویلی والوں کے پیچھے پڑ گیا ہے لیکن پھر یہ سوال ابھرتا تھا کہ ایسا کون ہو سکتا ہے؟

کئی صدی سے وہ حویلی آباد تھی۔ اور چشم دید لوگوں کا مشاہدہ تھا کہ نواب خلیق الزماں کا عمل سب کے ساتھ ایسا تھا کہ چاند پور ہی کیا قرب و جوار کے دوسرے علاقہ والے بھی ان کا گرویدہ تھے کوئی ایک فرد بھی ایسا نہ تھا جو کہ ان کے عمل سے ناخوش ہو، جبکہ سب کے ساتھ وہ پورا پورا انصاف کرتے تھے اور انکی توقع سے بڑھ کر لگان وغیرہ وصول کرتے تھے اور اس عمل سے سامنے والا انہیں ڈھیروں دعائیں دیتے ہوئے رخصت ہو جاتا تھا۔

مانا کہ سلیم الزماں کچھ اکھڑ مزاج تھے مگر ان کا کسی سے لین دین کا معاملہ نہیں تھا، ان کا واسطہ کسی سے بھی نہیں پڑتا تھا۔

حویلی کے نوجوان بھی عیاش طبیعت اور بدچلن نہ تھے، کبھی کسی نے گاؤں کی کسی لڑکی کو بری نگاہ سے نہیں دیکھا..... کیونکہ پوری حویلی کی نیک نامی سب میں مشہور تھی..... بلکہ حویلی میں جتنی بھی نوکرانیاں کام کرتی تھیں انہیں بھی کبھی حویلی کے کسی بھی فرد سے کوئی شکایت نہ ہوتی تھی۔

قرب و جوار کے کسی گاؤں میں جب کوئی پیچیدہ مسئلہ کھڑا ہو جاتا تو اس گاؤں کے زمیندار یا کھیا خلیق الزماں کی خدمات حاصل کرتے تھے اور پھر خلیق الزماں کے مشورے سے سب کے سب خوش ہو جاتے تھے۔

علاقے میں اگر کسی کی لڑکی کی شادی ہوتی تو خلیق الزماں بڑھ چڑھ کر اس کی مدد کرتے تھے، اتنی عمر ہونے کے باوجود ابھی تک انہوں نے کسی کو قتیہ نہ جانا تھا۔

تو ایسی صورت میں کون ان سے دشمنی کر سکتا تھا۔

رخشندہ کو روتے سسکتے قبر کے حوالے کر دیا گیا، جتنے منہ اتنی باتیں، ہر فرد اپنے تئیں سوچ رہا تھا، اور کسی کی سوچ پر کوئی پہرہ نہیں بیٹھا سکتا ہے۔

حویلی والوں کی سوچیں مفقود ہو چکی تھیں۔

درشہوار کی حالت سنبھلنے میں نہیں آ رہی تھی لہٰذا انہیں اسپتال میں داخل کرنا پڑا تھا۔ ڈاکٹروں کی کوشش سے انہیں ہوش آیا چند لمحے کے لئے اور پھر رخشندہ کو پکارتے ہوئے پھر سے بے ہوش ہو جاتیں ایسا لگتا تھا کہ ان کا دماغی توازن بگڑ چکا ہے اس کے پیش نظر ڈاکٹر ہائی مشورہ سے نیند کا انجکشن لگا دیتے تھے اور پھر انجکشن کے زیر اثر غنودگی میں پڑی رہتی تھیں۔

پوری حویلی کا نظام زندگی درہم برہم ہو کر رہ گیا تھا، نہ کسی کو کھانے کا ہوش نہ پینے کا ہوش، پوری حویلی میں صرف دو فرد ایسے تھے جو کہ سب کو دلاسے دے رہے تھے ان میں ایک خلیق الزماں اور دوسری ان کی بیگم مہر النساء۔

باقی سب کے سب یاس و محرومی کا مجسمہ بن چکے تھے۔

رخشندہ کی حالت زار نے سب کو دہلا کر رکھ دیا تھا کیونکہ جس حالت میں اس کی موت واقع ہوئی تھی وہ ناقابل یقین تھی، ہاتھ پاؤں کی ہڈیاں ٹوٹیں

www.pdfbooksfree.pk

اور پھر گردن ہلی بھی، اس کے باوجود اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ تک نہ نکلی..... ''تھی ناں اچنبھے کی بات۔''

لیکن جو حالات تھے.. سب کے سامنے تھے، کوئی اس کو جھٹلا نہیں سکتا تھا۔

حویلی کے حالات کے پیش نظر ایک ہفتہ اسپتال میں رہنے کے بعد درشہوار کو میکے میں لے جانے کا فیصلہ ہوا، اس لئے کہ حویلی میں مرنے والوں کی یادیں تازہ تھیں اور انہیں محسوس کر کے یا پھر ان کے کمرے یا ان کی چیزیں دیکھ کر غم کا تازہ ہونا فطری عمل تھا۔

ڈاکٹروں نے بھی اس تجویز کو سراہا تھا کہ یہ بہتر ہوگا کہ انہیں حویلی سے کچھ عرصہ دور رکھا جائے لیکن ڈاکٹروں نے نیند کی دوا کھلانے کی تاکید کی تھی کہ صبح دوپہر اور رات میں انہیں نیند کی دوا ضرور دی جائے اور ایسا کم از کم دو ہفتے کیا جائے۔ اس طرح ان کے ذہن پر زیادہ دباؤ نہیں پڑے گا اور اگر انہوں نے اپنے ذہن پر زیادہ اثر لیا تو ہوسکتا ہے کہ ان کا دماغی توازن خراب ہو جائے یا پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حرکت قلب بند ہو جائے۔

کیونکہ ماں کے لئے دو بیٹیوں اور ایک جواں سال بیٹے کی موت ناقابل برداشت ہوسکتی ہے۔

اور پھر درشہوار کو میکے میں چھوڑ دیا گیا ساتھ میں ایک بیٹی رہنے لگی جو کہ ہر وقت ماں کی خدمت میں لگی رہتی اور پھر جب انہیں ہوش آتا تو ادھر ادھر کی باتیں کر کے ان کا دل بہلاتی رہتی تھی انہیں جب بھی ہوش آتا تو وہ پوچھ بیٹھتی تھیں کہ مجھے یہاں کیوں رکھا گیا ہے۔

تو ان کے بھائی جواب دیتے کہ ''باجی کئی ماہ ہو گئے تھے آپ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی، اور بچے بھی ضد کر رہے تھے کہ پھوپھو کو آپ گھر لے آئیں، پہلے تو پھوپھو اکثر ہمارے گھر آیا کرتی تھیں مگر اب تو کئی ماہ گزرنے کے باوجود بھی ادھر کا رخ نہیں کرتیں۔''

یہی سوچ کر میں نے بھائی صاحب سے بولا کہ ''باجی کو کچھ دنوں کے لئے ہمارے پاس چھوڑ دیں، اس طرح ہمارے بچوں کی بات بھی رہ جائے گی اور باجی کی طبیعت بھی بہل جائے گی۔''

خیر وقت خراماں خراماں گزرنے لگا اور درشہوار کو یہاں آئے پورا ہفتہ ہو چکا تھا۔

میکے میں ماں باپ تو تھے نہیں لے دے کے دو بہنیں اور تھیں جو کہ اپنے گھر کی ہو چکی تھیں اور تین بہنوں میں ایک ہی بھائی تھا جو کہ بہنوں سے بہت محبت کرتا تھا، بھاوج بھی اللہ تعالیٰ نے بہت نرم مزاج دی تھی، جب بھی کوئی بہن اپنے میکے آتی تو بھاوج کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہتا اور ساتھ ہی بھائی کے بچے بھی بہت زیادہ محبت کرنے والے تھے تینوں چھوپھو پر جان نچھاور کرتے تھے بھائی کے تین بچے تھے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔

درشہوار بھائی کے گھر میں تھیں، انہیں بھائی کے گھر آئے پورے دس روز ہو چکے تھے کہ ایک روز جان لیوا سانحہ رونما ہوا۔

اور اس سانحہ نے پورے چاند پور کے لوگوں کو الگ سے سوچنے پر مجبور کر دیا کیونکہ بڑے سانحہ رونما ہو رہے تھے۔

عجیب عجیب اذیت سے موت واقع ہو رہی تھی اور کسی کو بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ ایسا کیوں کر ہوا۔ رات کے اندھیرے میں موت واقع ہو جاتی اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔

مرنے والا اچھا بھلا سوتا، اسے نزلہ زکام، چھینک یا پھر بخار تک نہیں ہوتا اور مرنے والا موت کے منہ میں چلا جاتا۔

سلیم الزماں کے جسم میں نہ ہونے کے برابر جان رہ گئی تھی وہ ادھ مرا ہو کر رہ گئے تھے یکے بعد دیگرے تین بیٹیاں اور ایک جواں سال بیٹا لقمہ اجل بن چکے تھے۔

درشہوار اپنی چوتھی بیٹی شگفتہ کے ساتھ میکے میں تھیں اور حویلی میں موجود تیسری بیٹی کنول موت سے ہمکنار ہو گئی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

طبیعت کے پیش نظر بھائی خلیق الزماں سے مشورے کے بعد سلیم الزماں نے درشہوار کے بھائی کے پاس خبر بھجوائی اور تاکید کردی کہ درشہوار کو پتہ نہ چلے کہ کنول کا انتقال ہوگیا کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ غم برداشت نہ ہو اور ان کا دماغی توازن بگر جائے یا پھر حرکت قلب بند ہو جائے، خاموشی سے بھائی نے جنازے میں شرکت کی اور پھر گھر والوں کو ہوا بھی نہ لگنے دی۔

سب کے ساتھ رات کا کھانا کھا کر کنول اچھی بھلی اپنے کمرے میں سوئی تھی اور صبح کے وقت گھر والوں نے اسے دیکھا تو وہ بستر پر مردہ پڑی تھی۔

موت کا واضح ثبوت یہ تھا کہ اسے گلا گھونٹ کر مارا گیا تھا اس کے گلے پر انگلیوں کے صاف اور واضح نشانات موجود تھے۔

جس طرح اب تک جتنے افراد موت سے ہمکنار ہوئے تھے۔

لوگ افسردہ غمزدہ ہو کر چیختے چلاتے تھے اسی طرح اس موت پر بھی سارے لوگوں کی آنکھیں اشکبار ہوئیں اور پھر نماز ظہر کے بعد سپرد خاک کر دیا گیا۔

اب تو لوگوں کو یہ یقین ہو گیا کہ کوئی نہ کوئی ایسا دشمن ہے جو کہ اپنی دشمنی نکال رہا ہے ورنہ اس طرح یکے بعد دیگرے چند ہفتوں بعد ایک ایک فرد موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔

ویسے مرنے والے بے شمار لوگ مرتے ہیں قتل ہو کر، ایکسیڈنٹ میں بخار میں یا پھر دیگر مہلک بیماریوں کے تحت مگر یہاں تو کچھ ایسا نہ تھا، نہ کوئی دکھ بیماری اور نہ ہی مارنے والا کوئی نظر آتا تھا لیکن مرنے والے مر رہے تھے۔

چند لوگوں کے مشورے سے خلیق الزماں نے حویلی کی حفاظت پر چند لوگ معمور کر دیئے ان کا کام تھا کہ شام کا اندھیرا پھیلتے ہی حویلی کے گرد پھیل جاتے تھے ان کے ہاتھوں میں بڑی بڑی ٹارچیں ہوتی تھیں جسے جلا کر کسی بھی آہٹ پر دیکھتے تھے کہ کوئی انسان فرد آ تو نہیں رہا مگر کسی کو بھی کوئی ایسی کامیابی نہ ہوئی جس سے پتہ چلتا کہ کوئی شاطر اور چالاک دشمن رات کے اندھیرے میں حویلی میں آتا ہے اور قتل کر کے فرار ہو جاتا ہے۔

ویسے جتنے منہ اتنی باتیں۔

لیکن خلیق الزماں کی بیگم مہرالنساء ایسی تھیں جن کا خیال بالکل مختلف تھا، انہوں نے جو خواب دیکھا تھا کہ وہ کسی انجان سرسبز و شاداب جگہ پر کھڑی ہیں ہر طرف ہریالی ہے کہ اتنے میں ایک کرخت آواز کسی عورت کی سنائی دیتی ہے اور جب وہ آواز کی سمت دیکھتی ہیں تو ایک عورت اس طرف سے دوڑتی ہوئی ان کی جانب آ رہی ہوتی ہے اور جب وہ عورت قریب آتی ہے تو وہ اس عورت کو دیکھ کر ورنگ رہ جاتی ہیں۔

کیونکہ وہ عورت کوئی اور نہیں بلکہ وہ درشہوار ہوتی ہیں۔

پھر یک لخت درشہوار کی شکل پر ہیبت ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی ان کا قد بڑھنے لگتا ہے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان کے ہاتھ میں ایک لمبی چمکتی ہوئی بڑی تلوار آ جاتی ہے اور پھر ان کی آواز سنائی دیتی ہے۔ ''اوئے تو یہاں کیا کر رہی ہے..... چل فوراً یہاں سے بھاگ جا..... ورنہ میں تجھے ملیا میٹ اور تہس نہس کر کے رکھ دوں گی۔'' اس کے بعد ہاتھ میں جو تلوار ہوتی ہے اس تلوار کو انہوں نے اوپر اٹھایا تو اس تلوار سے پہلے چنگاریاں اور پھر شعلے نکل کر آگے ہی آگے بڑھنے لگے اور پھر تمام درخت اور تمام کھیتوں میں آگ لگ گئی اور پھر تلوار سے انہوں نے سارے درخت پر وار کئے تو سارے درخت کٹ کر زمین بوس ہو گئے۔

اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام شاداب ویرانی میں بدل گئی۔

پھر درشہوار کی آواز ابھری۔ ''اور دیکھ میں اور کیا کیا کرتی ہوں۔'' اس کے بعد ہماری حویلی نظر آئی اور پھر تلوار سے نکل کر شعلے حویلی کی طرف بڑھنے لگے کہ اتنے میں ایک نوجوان اس جگہ نمودار ہوا جس نے جھپٹ کر تلوار ان کے ہاتھ سے چھین لی اور پھر اس

www.pdfbooksfree.pk

نوجوان کا قد بڑھنے لگا اس کے بعد نوجوان نے درشہوار کو گردن سے پکڑ کر اوپر کو اٹھایا اس کے بعد انہیں ایک بہت گہرے گڑھے میں پھینک دیا اور اس طرح درشہوار کا وجود ختم ہوگیا، اس نوجوان کی پشت میری جانب تھی اور میں نوجوان کا چہرہ نہ دیکھ سکی کہ وہ نوجوان کون تھا۔

اور وہ منظر مہرالنساء کے دماغ پر نقش ہوگیا تھا کہ ''درشہوار کی بدلتی ہیئت، سرسبز وشاداب علاقے میں آگ کا بھڑکنا اور پھر حویلی کو نیست ونابود کرنا۔'' بہت ہی غور طلب معاملہ تھا۔

انہوں نے اس واقعہ کا کئی مرتبہ ذکر اپنے شوہر خلیق الزماں سے کیا۔ پھر وہ اس نتیجے میں پہنچیں کہ ہو نہ ہو۔ ''درشہوار کی ذات سے کوئی اہم نقطہ ضرور اٹھتا ہے اور وہ نقطہ کیا ہے ان کے دماغ میں نہیں آرہا تھا۔''

انہوں نے خلیق الزماں سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ''آپ مانیں یا نہ مانیں مگر جو بھی حالات رونما ہورہے ہیں اس میں درشہوار کی ذات کی سوچ کا عمل دخل ہے ضرور۔''

خیر خلیق الزماں کے حکم کے مطابق رات میں پہرے دار حویلی کی حفاظت کے لئے پہرہ دیتے رہے مگر کوئی ایسی بات سامنے نہ آئی کہ کسی دشمن کی نشاندہی ہوتی۔

مگر ایک بات ضرورت سامنے آئی تھی کہ آدھی رات ہوتے ہی مشرق سے ایک سفید روشنی کا گولہ بہت ہی تیزی سے آتا اور حویلی میں گھستا چلا جاتا۔

اس روشنی کے گولے کو دیکھ کر سارے پہرے دار پہلے تو اچھنبے میں رہے مگر جب انہوں نے معاملہ ہر روز دیکھا تو اور بھی حیران ہوئے اور پھر اس کا ذکر انہوں نے خلیق الزماں سے کردیا اس بات کو سن کر خلیق الزماں بھی بہت حیران ہوئے اور پھر انہوں نے فیصلہ کیا کہ آدھی رات کے وقت وہ خود بھی پہرے داروں کے ہمراہ اس طرف نظر جما کر کھڑے ہوں گے جس طرف سے وہ روشنی کا سفید گولہ آتا ہے اور پھر حویلی میں گھس کر غائب ہوجاتا ہے اور پھر ٹھیک آدھی رات کے وقت انہوں نے دیکھا کہ واقعی روشنی کا ایک سفید گولہ فٹ بال کے سائز کا حویلی کی طرف بڑھتا آرہا ہے اور پھر حویلی کے قریب آکر حویلی میں گھس گیا۔

اس منظر کو دیکھ کر خلیق الزماں بہت حیران ہوئے وہ اور سوچ میں پڑ گئے کہ آخر ایسا ہونے کا مطلب کیا ہے وہ روشنی کا گولہ کہاں سے آتا ہے اور کیوں آتا ہے..... بلکہ وہ گولہ روزانہ بلاناغہ ایک مقررہ وقت پر آتا ہے لیکن کسی نے یہ نہیں دیکھا تھا کہ روشنی کا وہ گولہ واپس بھی جاتا ہے کہ نہیں، لیکن صبح کا اجالا پھیلنے تک پہرے دار اس طرف اپنی نظر جمائے کھڑے رہے کہ وہ روشنی کا گولہ حویلی سے نکل کر کب واپس جاتا ہے مگر روشنی کا وہ گولہ حویلی میں آتا ضرور تھا مگر واپس پھر نہیں جاتا تھا۔

اب سب سے زیادہ سوچ فکر میں خلیق الزماں صاحب تھے یہ بات تو اب ان کے دماغ میں بیٹھ چکی تھی کہ کوئی نہ کوئی ایسی بات ہے ضرور..... اور پھر انہیں یاد آیا کہ مہرالنساء نے بھی اچنبھے میں ڈالنے والا خواب دیکھا تھا۔

شروع سے اب تک کی ساری لڑکیوں کو انہوں نے ملایا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ سارے اموات میں کوئی اہم پوشیدہ راز ہے۔

مگر وہ راز کیا ہے وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھے۔

اور پھر انہوں نے پکا ارادہ کرلیا کہ اس خونی راز تک پہنچنے کی کوشش ضرور کریں گے۔

دوسرے دن انہوں نے سلیم الزماں سے کہا کہ ''تم جاکر درشہوار کو حویلی میں لے آؤ، اور ہوسکے تو انہیں صاف صاف بتا دینا کہ ان کی غیر موجودگی میں کنول کا بھی انتقال ہوچکا ہے۔''

بھائی کی بات سن کر سلیم الزماں درشہوار کے میکے گئے اور اس جگہ انہوں نے کنول کی موت کا تذکرہ بھائی کی موجودگی میں کردیا۔ جسے سنتے ہی وہ حال سے بے حال ہوگئیں اور ساتھ ہی سب سے چھوٹی شگفتہ بھی زاروقطار رونے لگی۔

www.pdfbooksfree.pk

خیر اب کیا ہو سکتا تھا، جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا تھا۔

دونوں ماں بیٹی روتے بلکتے اور سسکتے ہوئے حویلی واپس آ گئیں۔

دونوں حویلی میں جس وقت واپس آئیں تو دیگر سب کے ساتھ مل کر رونا شروع کر دیا، خیر اس وقت مہرالنساء نے انہیں بہت سمجھایا اور خدا کی مرضی میں خوش رہنے پر تلقین کی۔

آخر اولاد کی محبت ایسی ہوتی ہے کہ اولاد کا غم بھولنا خاص کر ماں کے لئے ناممکن ہوتا ہے کئی دن تک وہ اور شگفتہ دونوں روتی رہیں۔

جس روز درشہوار حویلی میں واپس آئی تھیں اس سے دوسری رات خلیق الزماں نے خواب دیکھا کہ وہ ایک چٹیل میدان میں کھڑے ہیں وہ بہت زیادہ حیران و پریشان ہیں سورج سوا نیزے پر ہے اور گرمی کی تمازت بڑھتی جا رہی ہے اور پھر وہ حال سے بے حال ہونے لگے۔

اتنے میں انہیں نظر آیا کہ درشہوار ایک طرف سے دوڑتی ہوئی آ رہی ہیں اور جب وہ قریب پہنچیں تو اچانک وہ زمین پر گر کر لوٹ پوٹ ہونے لگیں۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے ایک خوف ناک موٹا اور لمبے سانپ میں بدل گئیں اور پھر ان کے منہ سے جو پھنکار نکلی تو خلیق الزماں مجسم کانپ کر رہ گئے۔

اس کے بعد جب اس سانپ نے پھنکارنا شروع کیا تو اس کے منہ سے شعلے نکلنے لگے۔ سانپ کے منہ سے شعلے نکلتے دیکھ کر خلیق الزماں کی جان پر بن آئی اور وہ لرزنے لگے، سانپ اب آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھنے لگا اس کی پھنکار بدستور جاری تھی۔

کہ اتنے میں انہوں نے ایک اور دل دہلاتا منظر دیکھا، سانپ سے کوئی دو فٹ کی دوری پر زمین میں ایک سوراخ تھا اس سوراخ میں سے عجیب آواز نکلنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس سوراخ میں سے ایک زبردست اور خونخوار نیولا نکلا اور سانپ کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہو گیا، نیولا کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر سانپ کے پھنکارنے میں مزید تیزی آ گئی اور اس کے منہ سے مزید شعلے نکلنے لگے، ان شعلوں کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر نیولا تیزی سے اوپر کو اچھلا اور چشم زدن میں ہوا میں قلابازی کھاتے ہوئے سانپ کے سر پر پہنچ کر پیچھے سے سانپ کے سر میں اپنے دانت گاڑ دیئے۔

اس کے بعد سانپ کے منہ سے زبردست پھنکار نکلی اور ساتھ ہی سانپ دو فٹ اوپر کو اٹھا اور بل کھا کر چاہتا تھا کہ نیولا کو اپنی گرفت میں لے لے۔

لیکن نیولا اس سے کہیں زیادہ پھرتیلا تھا اس نے اپنے دانت تو سر میں گاڑے تھے اب نیولا نے اپنے چاروں پیر سے سانپ کے جسم کو جکڑ لیا۔

سانپ کی ہر طرح کی کوشش بے کار ثابت ہوتی رہی، سانپ کے تمام حربے بے کار ہوتے گئے، سانپ کی تمام اچھل کود بے سود رہی۔

نیولا کسی صورت بھی سانپ کے اوپر سے ہٹا نہیں اور نہ ہی اپنے دانت سانپ کے سر پر سے ہٹائے اور نہ ہی اپنے نوکیلے پیروں کو سانپ کے پچھلے دھڑ سے الگ کیا۔

سانپ کی طاقت دم توڑنے لگی اور جیسے سانپ تھوڑا ڈھیلا پڑا تو نیولا نے سانپ کی گردن اپنے منہ میں پکڑی اور پھر اس کی گردن کو جھٹکے دینا شروع کر دیا۔

پھر نیولے کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل کر سانپ کے وجود میں پیوست ہو گئیں اور چند لمحے بھی نہیں گزرے تھے کہ سانپ کے پورے وجود میں شعلے بھڑک اٹھے اور دیکھتے ہی دیکھتے سانپ پورے کا پورا جل کر خاکستر ہو گیا۔

اس کے بعد نیولا اپنی دونوں پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہوا اور خلیق الزماں کی طرف فاتحانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے جیسے خوشی کا اظہار کیا، اس کے بعد اس کے منہ سے انسانی آواز نکلی۔ ”ظالم کا خاتمہ ہو گیا۔ آپ چلے جائیں۔“ اور خلیق الزماں کی آنکھ کھل گئی تو ان کے کانوں میں اذان فجر کی آواز سنائی دی۔

وہ فوراً بستر سے اٹھے اور کمرے میں بے چینی

www.pdfbooksfree.pk

ڈرڈائجسٹ میں شائع ہونے والا مقبول ترین سلسلہ کتابی شکل میں شائع ہوگیا ہے

خناس

وجیہہ سحر کے قلم سے ایک پُراسرار اور ہارر ناول

خوف و ہراس کی وادی میں خراماں خراماں سرگرداں دل گرفتہ دل شکستہ حالات سے پراپنی نوعیت کی ناقابل یقین و ناقابل فراموش حالات۔ سے دو چار عجیب و غریب دل و دماغ کو مسوستی حیرت سے روشناس کراتی سوچ کے افق پر جھلمل کرتی تحیر انگیزی میں سب سے آگے ویران واجاڑ وادی کے نشیب و فراز میں چنگھاڑتی و دندناتی ذہن سے محو نہ ہونے والی ایڈونچر شاہکار کہانی۔

قیمت -/300 روپے

اپنے ہاکر یا قریبی بکسٹال سے طلب فرمائیں

ناشر: علی میاں پبلیکیشنز
۲۰۔ عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7247414

ایجنٹ: دعا بک کارنر
امین پور بازار، فیصل آباد

www.pdfbooksfree.pk

سے ٹہلنے لگے، وہ بہت زیادہ حیرت میں تھے اور وہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔

درشہوار کا سانپ بن کر پھنکارتے ہوئے ان کی طرف بڑھنا اور پھر اچانک سوراخ میں سے نیولے کا نکلنا اور سانپ کے مدمقابل کھڑا ہونا اور پھر سانپ کو مار دینا، اس کے بعد انسانی آواز میں کہنا کہ ''ظالم کا خاتمہ ہوگیا..... آپ چلے جائیں۔''

اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ اس میں ضرور کوئی راز پوشیدہ ہے پھر انہوں نے سنجیدگی سے اپنے خواب اور اپنی بیوی مہرالنساء کے خواب کا بغور جائزہ لیا تو وہ اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ ضرور درشہوار ان کے خلاف در پردہ دشمنی پر اتر آئی ہوں گی اور انہوں نے نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

مگر خاندانی مسئلہ تھا..... بھائی کی زندگی کا معاملہ تھا..... اگر وہ زبان کھولتے ہیں اور باز پرس کرتے ہیں تو ان کی بات کوئی نہیں مانے گا جبکہ ہر کوئی یہ کہے گا کہ ''آپ کا تو زیادہ نقصان نہیں ہوا..... بلکہ درشہوار کے اپنے بچے موت کے منہ میں کیے بعد دیگرے چلے گئے۔

اگر درشہوار نے دشمنی کی ہوتی تو آپ کا خاتمہ لازمی تھا مگر یہاں الٹا ہوگیا۔''

پھر انہوں نے اپنے ذہن کو جھٹک دیا اور ان کے منہ سے نکلا'' اللہ بہتر کرے گا..... اور حقیقت ضرور سامنے آئے گی۔''

اس کے بعد خلیق الزماں نے وضو کیا اور کمرے میں آ کر نماز فجر ادا کی اس کے بعد اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے گڑگڑانے لگے۔''یا اللہ تیری ذات کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو ہی دین و دنیا کا خالق و مالک ہے، یا اللہ کوئی شے ایسی نہیں جو تجھ سے پوشیدہ ہو، اللہ تو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، تو ہی زندگی دینے والا اور تیرے حکم سے موت واقع ہوتی ہے، یا اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ تیرا کوئی ثانی اور شریک نہیں، اللہ تیری مرضی کے بغیر ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا، اللہ تو دلوں کا بھید بھی جان لیتا ہے، اللہ مستقبل میں پیش آنے والی باتوں کو بھی تو جان لیتا ہے، یا اللہ تیرے ہی حکم سے گرمی، سردی، دھوپ اور بارش ہوتی ہے، تیرے ہی حکم سے لہلہاتی کھیتیاں اور ان میں غلہ پیدا ہوتا ہے، اللہ دنیا میں کوئی ایسی ذات نہیں جو تیرے حکم کی سرتابی کر سکے، اللہ یہ چاند تارے اور سورج تیرے ہی حکم سے اور تیرے ہی بنائے ہوئے وقت پر صدیوں سے اپنے کام پر لگے ہیں اور صدیوں تک تیرا حکم بجالائیں گے یا اللہ یکتا تو ہے مولا تو ہے سب ہیں بندے آقا تو ہے، یا اللہ تو ہی پتھروں میں بند کیڑوں کو بھی روزی دیتا ہے یا اللہ تو میری غلطیوں کوتاہیوں اور گناہوں کو معاف کر دے یا اللہ اگر مجھ سے کوئی کوتاہی یا غلطی ہوئی ہے تو مجھے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا کر، یا اللہ ہمارے خاندان کے ساتھ جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ تجھ سے پوشیدہ نہیں، یا اللہ کوئی دشمن ہمارے خاندان سے دشمنی پر اتر آیا ہے اور آئے دن او چھے ہتھکنڈوں اور ناجائز عملیات کے ذریعے ناقابل برداشت اذیتوں سے دوچار کر دیا ہے، میں اس معاملے میں حتمی رائے تو قائم نہیں کر رہا بلکہ میں اپنی ناقص سوچ تیرے سامنے بیان کر رہا ہوں یا اللہ اگر کوئی دشمن ہمارے ساتھ ایسا قدم اٹھا رہا ہے تو اللہ ہمیں اس سے امان دے، دشمن کی سرکشی سے ہمیں بچالے، یا اللہ ہمارے خاندان کو نیست و نابود ہونے اور مزید پریشانیوں سے بچالے، یا اللہ ہم خاندان والوں پر اپنا فضل و کرم کر، ہم پر رحم فرما، ہماری خطاؤں کو معاف کر دے اور ہماری خوشیوں کو تہہ و بالا ہونے سے بچالے، یا اللہ ہم پر رحم کر یا اللہ ہم پر رحم کر، یا اللہ ہم پر رحم کر۔'' اور پھر ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا وہ ہچکیوں سے رونے لگے وہ اتنا گڑگڑائے اور آنسو بہائے کہ بے سدھ ہوگئے۔

اتنے میں ان کی سماعت سے واضح سرگوشی سنائی دی۔''آپ کی پریشانی ضرور ختم ہوگی، حوصلہ رکھیں دشمن منہ کی کھائے گا اور نشان عبرت بن جائے گا آپ کی خوشیوں کا دور دورہ شروع ہونے والا ہے۔'' اور پھر

www.pdfbooksfree.pk

آواز آنا بند ہوگئی۔

آواز کا بند ہوتے ہی جھٹ انہوں نے اپنا سر سجدے سے اوپر اٹھایا اور چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے، وہ حیرت میں تھے کہ یہ آواز آئی تو کس طرف سے آئی، ان کے علاوہ کمرے میں کسی ذی روح کا نام ونشان نہیں تھا۔

خیر انہوں نے ایک لمبا سانس کھینچا پھر انہیں ایسا محسوس ہوا کہ ان کے دل ودماغ پر موجود بوجھ ہلکا ہوگیا ہو، اب اپنے اندر انہوں نے پہلے کے بہ نسبت اب کچھ ہلکا پن محسوس کررہے تھے پھر اپنے کمرے سے باہر نکلے اور روزانہ کے معمول کے مطابق اپنی مصروفیات میں مشغول ہوگئے، دن بھر لین دین کام کاج اور دیگر معاملے میں لوگ آتے رہے اور کاروبار زندگی چلتا رہا۔

اور پھر شام کا دھندلکا پورے علاقے پر چھانے لگا، دن بھر کے ہارے کام سے تھکے ہوئے لوگ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے۔

شام کا اندھیرا چھاتے ہی پوری حویلی پر عجیب خوف کا سایہ منڈلانے لگتا، حویلی کے مکین نفسیاتی طور پر کسی انجانی دباؤ کے تحت خوف میں مبتلا ہوجاتے تھے۔ کیونکہ اب تک حویلی میں جو کچھ ہوتا آرہا تھا اس کی وجہ سے حویلی والے ہر لمحہ ہر پل خوف وہراس میں مبتلا رہنے لگے تھے۔

رات کا اندھیرا پورے چاند پور کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا ویسے بھی آج کل اماوس کی راتیں شروع ہوچکی تھیں یعنی اماوس کی راتیں شروع ہوتے ہی پوری رات چاند کا عکس کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ رات کے ساڑھے گیارہ بجے کا وقت ہوچکا تھا۔ سارے گاؤں والے نیند کی گہری وادی میں پہنچ چکے تھے۔ پورے گاؤں میں چند گھر ایسے بھی تھے جن میں مُٹھیا مٹی کے چراغ کی روشنی اپنے اردگرد کے اندھیرے کو دور کرنے میں ناکام ہورہی تھی۔

اور چونکہ حویلی گاؤں سے ہٹ کر الگ جگہ پر تھی اس جگہ تو خاص طور پر اندھیرا کچھ زیادہ ہی نظر آرہا تھا اجاڑ، سنسان علاقہ جہاں سے کتے بھی اکتا کر یا کسی خوف کے تحت وہ حویلی کے قرب وجوار چھوڑ کر نہ جانے کہاں چلے گئے تھے ورنہ عام دنوں میں اکا دکا کتے حویلی کے قرب وجوار میں ضرور منڈلاتے نظر آتے اور رات کے پہر اکثر ان کی بھونکنے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔

پوری حویلی گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ڈوبی پڑی تھی، حویلی کے مکینوں کو نیند کی دیوی نے اپنے شکنجے میں جکڑ چکی تھی لیکن خلیق الزماں اور سلیم الزماں اپنے اپنے کمروں میں نیند سے نبرد آزما تھے اور نیند ابھی تک ان پر غالب نہ ہوسکی تھی۔

رات کے اب بارہ بجنے والے تھے اور پھر چند لمحے ہی گزرے ہوں گے کہ پوری حویلی کسی الو کے چیخنے سے جیسے دہل کر رہ گئی خلیق الزماں اور سلیم الزماں چونک پڑے اور ایک عجیب پریشان کن بے چینی نے انہیں اندرونی طور پر لرزا کر رکھ دیا۔

اور پھر بارہ بج کر پندرہ منٹ پر ان کے بیٹے کریم الزماں کی دلدوز اور خراش چیخ پوری حویلی کو دہلا کر رکھ دیا۔

چیخ کی آواز اتنی زوردار تھی کہ پاس پڑوس کے کمرے میں موجود سارے لوگ ہڑبڑا کر اپنے اپنے بستروں پر اٹھ کر بیٹھ گئے، خوف وہراس سے ان کے چہرے فق ہوگئے اور پورا جسم ہولے ہولے لرزنے لگا، کسی میں بھی اتنی ہمت نہ تھی کہ کوئی اپنے کمرے سے باہر نکلے۔

کہ اتنے میں خلیق الزماں کی کرب اوذیت میں ڈوبی آواز سماعتوں سے ٹکرائی۔ ''کریم الزماں، کیا ہوا خیریت تو ہے ناں۔'' خلیق الزماں اپنے کمرے سے باہر نکل پڑے تھے۔

''خلیق الزماں کی آواز سنتے ہی سلیم الزماں اور دیگر لوگ بھی اپنے اپنے کمروں سے نکل پڑے اور ٹکر ٹکر خلیق الزماں کو دیکھنے لگے اور پھر سارے لوگ کریم الزماں کے کمرے کے دروازے کے سامنے کھڑے ہوگئے، خلیق الزماں نے آواز دی۔'' کریم

www.pdfbooksfree.pk

الزماں خیریت تو ہے ناں۔''

مگر کریم الزماں کی آواز ندارد تھی، پھر کئی آوازیں دی گئیں اس کے باوجود بھی کریم الزماں کی خاموشی لوگوں کو خوف میں مبتلا کرنے لگی۔

خیر خلیق الزماں آگے بڑھے اور دروازے کو ہاتھ لگایا تو دروازہ اندر کی جانب کھلتا چلا گیا، دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔

کمرے کی لائٹ جلی ہوئی تھی خلیق الزماں نے زور سے کھنکھارا اور کمرے میں قدم رکھا تو ان کے ساتھ ساتھ دیگر لوگ بھی کمرے میں داخل ہوئے، سب کی آنکھیں پتھرا کر رہ گئیں، ذہن ماؤف ہو گیا رگوں میں دوڑتے لہو کی رفتار سست ہو گئی، ٹانگیں بے جان محسوس ہونے لگیں، حلق خشک اور زبان تالو سے چپک گئی، غم اور افسردگی کی وجہ سے لوگوں پر جیسے مدہوشی چھانے لگی اور جب چند لوگوں سے سامنے کا منظر دیکھ کر برداشت نہ ہوا تو وہ لوگ فرش پر جیسے ڈھے گئے۔

سامنے کا منظر تھا بھی دل کو موسنے والا۔

کمرے کے وسط میں موجود پنکھے سے کریم الزماں کا وجود بے حس و حرکت لٹکا پڑا تھا۔

کمرے میں موجود سارے لوگوں میں سکت نہ تھی کہ کوئی آگے بڑھتا اور کریم الزماں کی لاش کو چھوتا اور پھر اسے نیچے اتارتا۔

خیر خلیق الزماں نے اپنی ہمت یکجا کی اور آگے بڑھے پھر ان کے منہ سے کرب و اذیت سے دوچار آواز نکلی۔ ''کریم الزماں یہ تم نے کیا کر لیا۔''

لیکن خود اپنی آواز پردہ جیسے چونکے کیونکہ کمرے میں کوئی ایسی چیز موجود نہ تھی جس پر چڑھ کر کریم الزماں پنکھے تک پہنچتا۔

ہر فرد اپنی اپنی جگہ حیران و پریشان تھا اور سب کے دماغ میں ایک ہی سوال گردش کر رہا تھا کہ ''کریم الزماں نیچے سے اتنی اونچائی پر پہنچا تو کس طرح؟''

چھت بہت زیادہ اونچائی پر تھی اور ویسے بھی پہلے وقتوں کی چھتیں بہت اونچائی پر ہوا کرتی تھیں۔

لوگوں نے بہت کچھ سوچا مگر کسی کا بھی دماغ یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ ''کریم الزماں کیسے اوپر تک پہنچ کر پنکھے سے لٹک کر خودکشی کی۔''

چہرہ سیاہ اور خوف سے آنکھیں باہر کو ابل پڑی تھیں۔

لوگوں کی سسکیاں اور چیخ و پکار سے دل پارہ پارہ ہو رہا تھا۔

خیر جیسے تیسے کر کے کریم الزماں کی لاش کو نیچے اتارا گیا اور بستر پر رکھا گیا۔

خیر جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا، سارے لوگ حیرت میں تھے کہ کریم الزماں نے خودکشی کیوں کی اور اگر اس نے خودکشی کی تو اوپر چھت سے لٹکے پنکھے تک کیوں کر پہنچا..... چونکہ اچھل کر یا پھر کسی صورت بھی کسی فرد کا پنکھے تک پہنچنا ممکن ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔

پوری حویلی میں چیخ و پکار رات بھر جاری رہی، صبح کا سورج طلوع ہوا، اور کریم الزماں کی موت کی خبر پورے گاؤں میں پھیل گئی پورا گاؤں حویلی میں جمع ہو گیا اور پھر دوپہر نماز ظہر کے بعد کریم الزماں کو سپرد خاک کر دیا گیا، اور اس اموات کی طرح اس موت نے بھی لوگوں کو لرزا کر رکھ دیا۔

ہر فرد کی سوچ اپنی اپنی جگہ ساکت تھی کیونکہ جس طرح کریم الزماں کا وجود چھت میں لگے پنکھے سے لٹکا پڑا تھا ایک عام آدمی کا نیچے سے اس قدر اونچائی پر پہنچنا اور پھر اپنے گلے میں رسی کا پھندا ڈال کر پنکھے سے لٹک جانا کسی صورت بھی ممکن نہ تھا۔

مگر لوگوں نے جو آنکھوں سے دیکھا تھا وہی سچ تھا۔

کریم الزماں کے حادثے کو چند روز گزرے تھے کہ گاؤں کے کچھ بزرگ آئے اور سلام و عا کے بعد خلیق الزماں سے گویا ہوئے ''حضور آپ ہم سے بڑے ہیں، سوجھ بوجھ والے ہیں عقل و شعور والے ہیں، تمام معاملات کو سلجھانے والے ہیں ہمارے دکھ درد میں برابر کے شریک ہوتے ہیں ہمارے غم

www.pdfbooksfree.pk

دمصیبت کو اور درد کو اپنا درد سمجھتے ہیں۔

تو جناب ہم بھی انسان ہیں، جس طرح آپ کے سینے میں دل دھڑکتا ہے اس طرح ہمارے سینوں میں بھی دل دھڑکتا ہے تو ہم بھی آپ کے غم کو اپنا غم سمجھتے ہوئے چند باتیں کرتے آئے ہیں اگر آپ بغور اور سنجیدگی سے سن لیں تو آپ کی مہربانی ہوگی، ویسے آپ کی حویلی کی مصیبت کو دیکھتے ہوئے ہمارا دن کا سکون اور رات کا چین ختم ہو کر رہ گیا ہے۔

نہ جانے کس مصیبت اور بلا نے حویلی کا رخ کرلیا ہے اگر تمام اموات پر غور کیا جائے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کوئی بھی موت طبعی موت نہیں ہوئی، تمام اموات میں کوئی خونی راز پوشیدہ لگتا ہے کیونکہ جس طریقے سے ہمارے بچے موت کے منہ میں گئے ہیں وہ طریقے کوئی عام طریقے نہیں لگتے مرنے والے مرتے رہتے ہیں اور موت کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ بنتا رہتا ہے اور پھر اسے عقل تسلیم کرتی ہے۔

لیکن ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب ''بے موت کی موت ہے۔''

جس طرح بچوں کی موتیں ہوئی ہیں وہ نہ سمجھ آنے والی ہیں ہم لوگوں نے اس پر بہت زیادہ غور کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس معاملے کو کسی اللہ والے جو کہ بہت پہنچا ہوا ہو اس کے سامنے رکھا جائے اور پھر دیکھا جائے کہ وہ اپنی کیا رائے دیتا ہے۔

ہم سب بہت وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ان اموات کو وہ عام موت سے یقیناً ہٹ کر بتائے گا۔ اگر اب بھی اس پر غور نہ کیا گیا تو ناقابلِ تلافی نقصان کا خدشہ ہے، ایک ایک کر کے تمام جوان بچے بے رحم موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔

''ہمارے چند بچے بچے اللہ نہ کرے کہ ...'' اور انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

یہ باتیں سن کر خلیق الزماں بولے۔ ''آپ سب کا بہت بہت شکریہ کہ آپ سب ہمارے غم کو اپنا غم سمجھ کر میرے پاس آئے اور اپنی قیمتی رائے دی۔

کچھ دنوں سے میں خود بھی ان معاملات پر بہت غور کر رہا ہوں اور اس وجہ سے میں بھی رات بھر چین سے نہیں سو سکا، میری اپنی نیندیں حرام ہو کر رہ گئی ہیں ایک ایک پل کے لئے میرا سکون ختم ہو کر رہ گیا ہے۔

آپ سب کا مشورہ سر آنکھوں پر، آپ سب کی باتوں کے پیشِ نظر، میں کسی اللہ والے سے رابطہ ضرور کرتا ہوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔

میں اس لئے بھی بہت پریشان ہو کہ ہماری نسل تباہ ہو رہی ہے، ایک بار میں پھر آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور کوشش کروں گا کہ کل پرسوں تک کسی اللہ والے سے رابطہ ہو جائے۔

اور پھر جو چند لوگ آئے تھے وہ مصافحہ کرنے کے بعد اپنے گھروں کو چلے گئے۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد خلیق الزماں نے سلیم الزماں کو بلایا اور ان سے وہ ساری باتیں کیں جو کہ آنے والوں سے ہوئی تھیں۔

سلیم الزماں بولے۔ ''بھائی جان آپ مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہیں، میں آپ کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں اور آنے والوں کی باتوں اور سوچ میں وزن معلوم ہوتا ہے، میری دعا ہے کہ کوئی اللہ کا برگزیدہ بندہ مل جائے اور اس مصیبت سے نجات کے لئے کوئی اپائے کرے یا پھر اس مصیبت کے بارے میں کوئی نشاندہی کرے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔''

اور پھر خلیق الزماں نے اپنے کئی جاننے والوں سے رابطہ کیا..... ان کے کئی جاننے والے قرب و جوار کے گاؤں اور شہروں میں تھے۔

خلیق الزماں کے ایک دوست دہلی شہر میں رہتے تھے جب انہوں نے پوری روداد سنی تو تڑپ اٹھے اور سخت الفاظ استعمال کرتے ہوئے خلیق الزماں سے بولے۔ ''خلیق الزماں تمہارے پورے خاندان پر قیامت ٹوٹتی رہی اور تم اب تک خاموش ہو بلکہ تمہیں سوچنا چاہئے تھا کہ آئے دن ایسا کیوں ہو رہا ہے۔

تمہاری پوری باتوں اور طریقہ اموات سے میں

www.pdfbooksfree.pk

نے تو نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یقیناً ان اموات میں کوئی بہت ہی ناقابل یقین راز پوشیدہ ہے لوگوں کی عام اموات اس طرح سے نہیں ہوتی ہیں خیر تم گھبراؤ نہیں..... میرے ایک جاننے والے دہلی شہر میں رہتے ہیں وہ بہت پہنچے ہوئے ہیں اور فی سبیل اللہ ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔

ان کے در سے میں نے کبھی کسی کو مایوس ہوتے نہیں سنا، ہر آنے والا آنسو بہاتے آتا ہے اور اپنی پریشانیوں سے نجات پانے کے بعد مسکراتے ہوئے واپس جاتا ہے۔

تم ایسا کرو کہ کل ٹائم نکال کر صبح ہی صبح آجاؤ، میں ان کے پاس تمہیں لے چلوں گا، ویسے تو وہ حکیم وقار کا بہت بڑا مطب ہے اور لوگوں کا جسمانی علاج حکیم وقار کرتے ہیں۔

اور روحانی علاج حکیم کامل صاحب کرتے ہیں جو کہ بہت ہی مہربان اور شفیق انسان ہیں، میں کل صبح کے وقت تمہارا انتظار کروں گا، دیکھو آنا ضرور اور پھر انہوں نے ٹیلی فون کا رابطہ منقطع کر دیا۔

دوسرے دن صبح ہی صبح خلیق الزماں دہلی اپنے دوست کے پاس پہنچ گئے ان کے دوست صداقت حسین ان کا انتظار ہی کر رہے تھے۔

خلیق الزماں سے صداقت حسین نے مصافحہ کیا اور بغلگیر ہوئے اس کے بعد خلیق الزماں کو صوفے پر بیٹھایا اور باتیں کرنے لگے۔ چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ ملازم چائے لے کر آ گیا تو دونوں نے چائے پی۔ چائے پینے کے بعد صداقت حسین بولے۔

''خلیق الزماں اب چلو چلتے ہیں کیونکہ دیر ہو گئی تو لوگوں کی قطاریں لگ جاتی ہے۔'' اور پھر دونوں، بیٹھک سے نکلے اور حکیم کامل یعنی رولوکا سے ملنے کے لئے چل پڑے، خلیق الزماں اپنی کار میں آئے تھے کار ان کا ڈرائیور چلا رہا تھا۔

اور پھر دونوں کوئی پون گھنٹہ کے بعد حکیم وقار کے مطب میں پہنچ گئے، ابھی زیادہ لوگوں کا رش نہیں تھا، دونوں انتظار گاہ میں بیٹھ کر اپنی باری کا انتظار کرنے لگے۔

دو افراد کے بعد ہی خلیق الزماں کا نمبر آ گیا اور خلیق الزماں اپنے دوست کے ہمراہ رولوکا کے کمرے میں گئے، دونوں نے رولوکا کو سلام کیا اور مصافحہ کیا۔

مصافحہ کے بعد رولوکا نے دونوں کو اپنے سامنے بیٹھایا۔ فرشی نشست تھی، رولوکا بولا۔ ''جی حکم کریں کیسے تشریف لائے، جو بھی مسائل ہیں کھل کر بتائیں بلا جھجک، میری حتی الامکان کوشش ہوگی کہ اصل مسئلہ آپ کے سامنے آجائے اور پھر اس پریشانی سے نجات ملے۔''

رولوکا کی بات سن کر خلیق الزماں صاحب نے ایک لمبا سانس کھینچا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں، اس درمیان رولوکا کی نظریں خلیق الزماں پر مرکوز تھیں۔

خیر خلیق الزماں نے اپنی آنکھیں کھولیں اور پھر گلا کھنکھار کر شروع سے اب تک کی پوری روداد سنا ڈالی۔ جسے سن کر رولوکا بہت افسردہ ہوا، اور بولا۔

''خلیق الزماں صاحب آپ نے بہت وقت ضائع کر دیا۔ خیر گھبرائیں نہیں میں دیکھتا ہوں کہ معاملہ کیا ہے؟''

اور پھر رولوکا نے اپنی آنکھیں بند کر کے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگا۔

خلیق الزماں اور صداقت حسین رولوکا کے سامنے بیٹھے بغور رولوکا کو دیکھتے رہے۔

کوئی سات آٹھ منٹ تک رولوکا اپنی آنکھیں بند کئے کچھ پڑھتا رہا، پھر اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور خلیق الزماں کو بغور دیکھا، پھر رولوکا کے منہ سے نکلا۔

''اوہ! گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔''

(جاری ہے)

(رولوکا کے حصہ 1 سے 8 تک کتابی شکل میں چھپ چکے ہیں، حصہ 9 سے 10 انشاء اللہ اگست تک شائع ہو جائیں گے)

www.pdfbooksfree.pk

دوسری مخلوقات

بشرا بلوچ جسکانی-کوٹری جامشورو

قرب و جوار تاحد نگاہ بلکہ پورے علاقے پر گھٹا ٹوپ اندھیرے کا راج تھا، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا یہی نہیں بلکہ اس علاقے میں کسی ذی روح کا تصور بھی نہ ہونے کے برابر تھا کہ اتنے میں.....

حیرت کے سمندر میں غوطہ زن حقیقت سے روشناس کرتی عجیب وغریب روداد

میں ایک پریکٹیکل عورت ہوں، بلاثبوت اور مطمئن ہوئے کسی بھی غیر مرئی چیز یا انہونی باتوں پر فوراً یقین اور اندھی تقلید نہیں کرتی اسی لئے بھوت پریت وغیرہ کو لفاظی یا وہم قصہ گوئی اور جہالت کی نشانی سمجھتی تھی کیونکہ میرا پہلے کبھی اس قسم کے حالات سے کوئی واسطہ نہیں پڑا تھا۔ میں ایک NGO میں کام کرتی ہوں اس لئے کام کے سلسلے میں مجھے کبھی کبھی شہر سے باہر بھی جانا پڑتا ہے، میرے کام کی نوعیت بھی کچھ ایسی ہے۔ اس لئے اندرون سندھ کے مختلف شہروں اور گاؤں میں آنا جانا رہتا ہے۔ کبھی اسٹاف کے ساتھ تو کبھی اکیلے، خیر اس دن بھی معمول کے ایک کام سے مجھے بدین شہر جانا پڑا۔ میں نے کرائے پر ٹیکسی ارینج کی اور اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوئی۔

تمام راستہ ہریالی، کھیتوں، باغات، میدانوں اور

www.pdfbooksfree.pk

جنگلات سے بھرا پڑا تھا اوپر سے موسم بھی خوش گوار تھا بادل آسمان میں پھیلے ہوئے تھے۔ ایسے دل موہ لینے والے مناظر دیکھتے ہوئے سفر تمام ہوا، پرذمن میں اس میوزک کی دھن گونج رہی تھی جو دوران سفر گاڑی میں چل رہا تھا۔ وہی دھن گنگناتے ہوئے میں مطلوبہ آفس پہنچی اور آفس کے کام میں مصروف ہوگئی۔

کافی ٹائم ہوگیا۔ بہرحال کام ختم ہوا تو واپسی کا قصد کیا۔ ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا۔ دوران سفر بھوک نے ستایا تو میں نے ڈرائیور سے کہا کہ راستے میں کسی شاپ سے کچھ کھانے کی چیز ملے تو گاڑی روک لینا۔ تھوڑی دور چل کے ایک سادہ سا ڈھابہ نظر آنے پر ڈرائیور نے گاڑی روک لی۔ کھانے کا آرڈر دے دیا۔ گاؤں جیسا ماحول تھا۔ سادہ سا کھانا کھانے کو ملا۔ پر بھوک میں کھانا بہت ہی لذیذ اور ذائقہ دار لگا۔ میں نے گاڑی میں ہی کھانا کھایا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ بل پے کرکے اپنے سفر پر دوبارہ روانہ ہوئی۔

موسم پہلے سے زیادہ حسین ہوگیا، کبھی کبھی ہلکی بوندا باندی بھی ہوجاتی تھی۔ خیر ایک چھوٹا سا گاؤں کراس کیا تو آگے رش تھا۔ پتہ کروایا کہ روڈ کیوں بلاک ہے تو پتہ چلا کہ ایک ٹرک اوورلوڈ کی وجہ سے الٹ گیا تھا اور اس ٹرک کے نیچے کچھ راہ گیر بھی آگئے تھے، ان کی موت واقع ہوچکی تھی، گاؤں میں سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے شہر سے کرین منگوائی گئی تھی جو ابھی تک نہیں پہنچی تھی۔ لیکن لوگ اپنی مدد آپ کے تحت ان مردہ لوگوں کو ٹرک کے نیچے سے نکالنے کی کوشش کررہے تھے۔ روڈ سے گزرنے کا بالکل راستہ نہ تھا کچھ لوگ کھڑے روڈ پر احتجاج کررہے تھے لہٰذا تمام گاڑیاں لائن سے سائیڈ پر کھڑی ہوگئی تھیں اور چند گاڑیاں جہاں سے آئی تھیں وہیں واپس چلی گئی تھیں۔

مجھے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ راستہ کھلنے کا انتظار کروں یا کوئی اور اپائے۔

ڈرائیور پتہ کرکے آیا کہ یہاں سے تھوڑے فاصلے پر ایک لنک روڈ ہے اور واقعی تھوڑا پیچھے جاکے سیدھے ہاتھ پر ایک لنک روڈ مل گیا۔ جو کھیتوں سے اور چھوٹے گاؤں سے گزرتا ہوا شہر والے روڈ سے مل جاتا تھا۔ پر راستہ ناہموار اور کچھ خستہ حال ہے اور کافی لمبا چکر ہوجائے گا وغیرہ وغیرہ۔"

یہ سن کر میں نے فوراً فیصلہ لیا کہ رک کے رہنے سے بہتر ہے کہ آگے بڑھا جائے کیونکہ مجھے آج گھر جلدی واپس جانا تھا۔ گھر والے الگ پریشان ہوتے۔ خیر ڈرائیور نے گاڑی مطلوبہ لنک روڈ پر ڈالی اور سفر پھر شروع ہوا۔ کافی خاموشی تھی اور زیادہ بھیڑ بھاڑ نہ تھی۔ عجیب قسم کی وحشت پھیلی ہوئی تھی۔

چلتے چلتے میں اپنے ماضی کی تلخ یادوں میں کھوگئی بچپن تنگی میں گزرا، ماں نے بڑی مشکل سے ہم دو بہنوں اور ایک بھائی کو پالا اور تعلیم دلوائی، وہ کپڑے سیتی تھیں۔ جب میں بڑی ہوئی تو ماں نے میری شادی کردی۔ پر شادی کے ایک سال بعد ہی میں بیوہ ہوگئی اور سسرال والوں نے مجھ پر منحوس ہونے کا الزام لگا کر گھر سے نکال دیا۔ میں اس وقت امید سے تھی پر ان لوگوں نے کوئی رحم نہ کھایا، میں صدمے اور مایوسی میں ماں کے گھر آگئی۔ میکے میں واپس آنے کے کچھ عرصے بعد میں نے ایک بیٹی کو جنم دیا۔ اسی کی پرورش کی خاطر میں چھوٹا جابس کرنے لگی۔ اس NGO میں اب مستقل جاب کرنے لگی۔ بہن ٹیوشن پڑھانے لگی اور بھائی بھی پڑھائی کے ساتھ پارٹ ٹائم جاب کرنے لگا تو حالات بہتر ہوگئے، دکھ کے دن جتنے بھی کٹتے ہی ہوں زیادہ ہی لگتے ہیں۔ خیر ان تلخ یادوں کی ٹہنیاں اتنا وقت گزرنے کے باوجود بھی مرجھائیں نہیں ہوئیں۔ سسرالیوں کے نفرت انگیز لفظ آج بھی کانوں میں گونجتے ہیں۔

اچانک گاڑی چلتے چلتے ایک موڑ مڑتے ہوئے قابو سے باہر ہوگئی اور کچی سڑک سے نیچے اتر گئی۔ دوسری طرف زمین میں ایک گہرا گڑھا موجود تھا۔ گاڑی ان بیلنس ہوکے لڑھکتی ہوئی گڑھے میں جا گری، یہ سب اتنا اچانک ہوا کہ ایک دم کچھ سمجھ نہ آیا۔ اندر گاڑی میں مجھے اور ڈرائیور کو گاڑی کے شیشے ٹوٹ ٹوٹ کر لگنے لگے تو

www.pdfbooksfree.pk

ہمارے منہ سے دردناک کراہیں نکل کر قرب وجوار میں گونج گئیں۔ مجھے اپنے پیروں اور کندھوں پر شدید درد کی ٹیسیں اٹھتی ہوئی محسوس ہوئیں، درد اتنا شدید محسوس ہوا کہ ہوش ہی چھن گیا۔

نہ جانے کتنی دیر یونہی گزر گئے، جب مجھے ہوش آیا تو ابھی تک میں گاڑی میں موجود تھی اور گاڑی الٹی پڑی تھی، تکلیف سے برا حال تھا۔ ہاتھوں اور کہنیوں سے خراشوں کی وجہ سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد آنکھیں اس اندھیرے میں کچھ دیکھنے کے قابل ہوئیں تو ڈرائیور کو آواز دی۔ ''مختار محمد..... مختار محمد.....'' وہ اپنی جگہ ساکت پڑا رہا، کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے ہمت کر کے اسے ہاتھ سے ہلایا اور اس کا چہرہ اپنی طرف گھمایا تو اس کی بے نور آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ اس کے گلے پر نظر پڑی تو شیشے کا ایک نوکیلا ٹکڑا اس کے نرخرے میں پیوست تھا۔ گردن پر خون بہہ کر جم چکا تھا۔

تھوڑی دیر کے لئے میرا دماغ چکرا گیا۔ سمجھ نہ آ رہا تھا کیا کروں؟ چیخوں؟ روؤں؟ کسی کو مدد کے لئے پکاروں؟

گاڑی سے باہر کی طرف نظر دوڑائی تو دور دور تک اندھیرا پھیلا ہوا تھا، آس پاس درخت بھی تھے۔ ہلکی ہلکی ہوا میں نمی تھی کیونکہ دن میں ہلکی بارش ہوئی تھی۔ جب کہ بادل اپنی دوسری منزل کی جانب رواں دواں تھے۔ اس لئے چاند کو تھوڑی تھوڑی دیر میں اپنا روپ دکھانے کو وقت مل جاتا تھا اور چاندنی ہر سو پھیل جاتی تھی۔

میں نے سوچ کب تک ایسے پڑی رہوں گی ایک دم مجھے اپنے دونوں موبائلوں کا خیال آیا۔ میں نے فوراً بیگ کی جستجو کی جو میں اکثر اپنے پاس رکھتی تھی، کام کی ضروری فائلیں اس میں رکھ کے لے جاتی تھی۔ اسی میں موبائل فون بھی پڑے ہوئے تھے۔ میں نے وہ بیگ تھوڑی دقت کے ساتھ اٹھالیا۔ پھر بڑی مشکل سے گاڑی سے باہر نکل پڑی، بیگ سنبھالا بیگ کی زپ کھولی، موبائل نکالے اور گھر پر فون ملایا، پر افسوس کہ کال نہ لگی، دوسرا موبائل بھی ٹرائی کیا۔ ''اوہ مائی گاڈ'' کیونکہ نیٹ ورک کے سگنل نہیں تھے۔ اب تو میں بہت بری طرح گھبرا گئی، دماغ کام نہیں کر رہا تھا، اوپر سے درد کی ٹیسیں الگ اٹھ رہی تھیں۔

میں اپنے ساتھ کوئی پین کلر سر درد اور وٹامنز وغیرہ کی گولیاں ضرور رکھتی ہوں۔ وہ بیگ میں پڑی ہوئی مجھے نظر آئیں تو پین کلر لینے کا خیال آیا، میں فوراً گاڑی سے پانی کی بوتل تلاش کرنے لگی پر گاڑی میں قدرے اندھیرا تھا، میں نے ایک موبائل سے ٹارچ آن کی اور بوتل نظر آ گئی، آج اس پل ٹارچ کی چھوٹی سی روشنی مجھے بہت ڈھارس دے رہی تھی۔ میں نے جلدی سے گولی کھائی، پانی پیا اور بوتل اپنے بیگ میں رکھ لی، اب مجھے آگے بڑھنا تھا۔

سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرف کا رخ کروں؟ کہ اس ویران اجاڑ اور غیر آباد علاقے سے نکل پاؤں، آس پاس سے جھینگروں اور مینڈکوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے موبائل کی ٹارچ آن رکھی، دوسرا موبائل سنبھال کر واپس رکھ دیا کہ نہ جانے آگے کیسے حالات پیش آئیں، مجھے روشنی کو سنبھال کے استعمال کرنا چاہئے۔

ڈرتے ڈرتے میں آگے ایک سمت میں بڑھنے لگی۔ کوئی پگڈنڈی بھی نظر نہ آ رہی تھی۔ ویسے تو میں بہت بہادر بنتی تھی، پر اس وقت تنہا ایک انجان سنسان علاقے میں آ پھنسی تھی، دور اوندھی پڑی ہوئی گاڑی میں ڈرائیور کی لاش پڑی تھی اور میں خود زخمی تھی۔ سچ کہوں تو میں اس وقت بہت ڈر رہی تھی، مجھے اپنی تنہائی اور بے بسی پر بہت رونا آ رہا تھا، ذرا ذرا سی آواز پر میرا دل دھڑک دھڑک جاتا تھا۔ اپنے حواسوں پر بمشکل کنٹرول کر سکتی تھی کر رہی تھی۔ خوف کی شدید لہریں اٹھ رہی تھیں اور ان کی وجہ سے میرے ہاتھ بہت ٹھنڈے ہو رہے تھے، میں اندرونی طور پر ناقابل برداشت کیفیت سے گزر رہی تھی۔ انسانی جسم تو بہت نازک ہوتا ہے لیکن اسے مضبوط بناتا ہے،

www.pdfbooksfree.pk

انسان کا ارادہ، حوصلہ، اگر نہ ہو تو انسان جسم میں خون کی روانی میں کمی یا زیادتی ہونے سے انسان بے بس و لاچار ہو جاتا ہے اور انسان اپنے ہی اندر موجود اپنے ہی ذہنی خوف سے ڈرتا جاتا ہے۔

اور واقعی میں ڈر رہی تھی۔ کیا کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ اجاڑ، بیابان، سنسان علاقہ، اندھیری رات، دور دور تک انسان تو کیا کسی چرند پرند تک کا وجود نہیں، ایسی صورت میں ایک عورت ذات جن مشکلات، کرب و اذیت اور خوف کے شکنجے میں جکڑی پڑی ہو تو اس کی کیفیت کیسی ہوگی۔

مجھے بہت زیادہ ڈر لگ رہا تھا۔ مجھے یہ بھی لگ رہا تھا کہ شاید ڈرائیور کی طرح میری موت بھی یہیں لکھی ہوئی ہے۔ اس ویرانے میں، کوئی جنگلی جانور آ کے مجھے دبوچ نہ لے، مجھے اس وقت پتا نہیں کیوں اپنی ماں شدت سے یاد آنے لگی۔

ابھی میں کچھ دور چلی تھی کہ مجھے سامنے سے کوئی ہیولہ اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ ایسے ویران علاقے میں اپنے علاوہ کسی اور ذی روح کو دیکھ کر تھوڑی تسلی ہوئی، اس ہیولے پر نظر جمائے آہستہ آہستہ میں آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ ہیولہ کوئی مرد کا تھا، وہ بھی میری طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ پھر دور سے اس نے پوچھا۔

''کون ہے یہاں؟''

میں نے بھی اسے اونچی آواز میں جواب دیا۔

''میں ایک مصیبت زدہ عورت ہوں، بھائی صاحب، میری مدد کیجئے۔''

وہ قریب آیا تو میں نے بے قراری سے اسے اپنی پریشانی، گاڑی کا حادثہ، ڈرائیور کی موت اور اس علاقے سے نکل جانے کے لئے درست سمت کا انتخاب کے لئے مدد کا کہا۔

وہ شخص دیکھنے میں ادھیڑ عمر کے آس پاس لگ رہا تھا اور شال کندھوں پر ڈالی ہوئی تھی۔ میں بہت تھکن محسوس کر رہی تھی۔

بہرحال وہ مجھے اسی علاقے کا واقف لگ رہا تھا۔ ''برائے مہربانی مجھے اس علاقے سے نکلنے میں میری مدد کیجئے تاکہ کوئی ریسکیو لائی جائے، ٹیکسی ڈرائیور کو ورنا کے حوالے کیا جا سکے، گاڑی بھی گڑھے سے نکالی جا سکے۔''

اس نے میری بات سن کر ادھر ادھر دیکھا اور ایک سمت اشارہ کر کے بولا۔ ''آپ اس طرف چلئے، گھبرانے کی ضرورت نہیں۔'' وہ ایک سمت چلنے لگا۔ وہ کافی آہستہ چل رہا تھا جبکہ میں جلد سے جلد وہاں سے نکلنا چاہتی تھی۔ میں نے اس سے اس کا نام پوچھا تو اس نے اپنا نام شمران بتایا، میں نے چلتے چلتے چاروں طرف نظر دوڑائی پر کوئی چھوٹی یا بڑی سڑک دور دور تک نظر نہ آئی۔ میں نے شمران کی طرف دیکھا تو وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔ وہ کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ بس آگے ہی آگے چل رہا تھا۔ مجھے نہ جانے کیوں طرح طرح کے وسوسے گھیرنے لگے۔ ''میں تیز تیز چلنے لگی کہ شاید میرے تیز چلنے سے وہ بھی تیز تیز قدم بڑھانے کی ہمت کر لے، پر میں کافی آگے آ گئی، محسوس ہو رہا تھا کہ شمران کافی پیچھے رہ گیا تھا۔ میں نے تھوڑا رک کر پیچھے اس کی طرف مڑ کر دیکھا۔ وہ مجھ سے تھوڑا دور آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا آ رہا تھا پر اس کی آنکھیں خوفناک حد تک مجھے ڈرا گئیں۔ اس کی آنکھیں نارمل نہیں تھیں بلکہ جلتے انگارے لگ رہی تھیں۔

''اوہ! یہ میں کس مصیبت میں پھنس گئی، اسے انسان سمجھ کر جو تھوڑی بہت ہمت بندھی تھی وہ بھی گئی۔'' پیر خوف سے ڈگمگانے لگے کیونکہ وہ انسان نہیں بلکہ شیطان لگ رہا تھا کوئی.....

میں نے ساری ہمت یکجا کی اور بھاگنے کے لئے قدم آگے بڑھائے، ڈر کی شدت بڑھتی جا رہی تھی اور جان جانے کا بھی خوف ہو رہا تھا۔ جان بچانے کے لئے خود کے اندر ایک طاقت پیدا ہوئی اور اسی طاقت کے بل پر ایک سمت میں بھاگنے لگی اندھا دھند، پیچھے مڑ کے دیکھا تو وہ عفریت کی شکل اختیار کر چکا تھا اس کے منہ سے بھیانک آواز نکلی۔

www.pdfbooksfree.pk

نہ جانے کہاں سے وہ قوت آ گئی جو مجھے اپنے درد بھلا کے تیز تیز دوڑنے پر مجبور کر گئی تھی، کچھ دیر دوڑتے مجھے ٹھوکر لگی اور میں اوندھے منہ زمین پر آ رہی، پر میں نے چوٹ کی پروا نہ کی اور ساری طاقت یکجا کر کے دوبارہ دوڑنے لگی۔ زندگی میں، میں پہلے کبھی بھی اتنی تیز نہیں دوڑی ہوں گی، جتنا تیز آج دوڑ رہی تھی۔

میں اندھا دھند بھاگتی رہی، اب میں ایک قبرستان کے اس کر رہی تھی، قبرستان کی وہ آخری سرحد تھی، میں نے بھاگتے ہوئے مڑ کر دیکھا پیچھے کوئی بھی آتا ہوا دکھائی نہ دیا، مگر میں نے اپنے قدم نہ روکے دوڑ جاری رکھی۔

دفعتاً میرے پیر ہوا میں معلق ہو گئے اور میں تیزی سے نیچے کی طرف گرتی چلی گئی اور آخر میرے پیر زمین پر ٹک گئے، تھوڑی دیر تک دماغ ماؤف رہا ایسا لگتا تھا جیسے زلزلہ آ کے چلا گیا ہو۔ تھوڑا ہوش بحال ہوا اور آنکھیں دیکھنے کے قابل ہوئیں تو پتہ چلا کہ میں کسی خشک کنوئیں میں پڑی ہوئی ہوں۔ اپنی بے بسی پر مجھے بے اختیار رونا آ گیا۔ کتنی دیر تک میں روتی رہی، روتے روتے آنسو خشک ہو گئے، سارا جسم دکھ رہا تھا، پھر دماغ کام کرنا چھوڑ گیا، کان سائیں سائیں کرنے لگے، وہیں پڑی رہی ہلنے جتنی بھی ہمت نہیں تھی آنکھوں کے آگے اندھیرا بڑھنے لگا۔ شاید میں بے ہوش ہو رہی تھی۔

نہ جانے کتنا وقت گزر گیا کہ میری آنکھ کھلی، پل میں ہی سب یاد آ گیا کہ میں کہاں ہوں، دور پڑا موبائل نارچ کی روشنی مدھم جل رہی تھی۔ میں نے سمجھ لیا کہ میری موت ادھر ہی ہونی ہے، میں نے اپنے اللہ سے اپنے کردہ اور ناکردہ گناہوں کی معافی مانگی اور ہمت کر کے اوپر کنوئیں کے کناروں کی طرف دیکھنے لگی، میں اضمی اور زور زور سے چیخنا شروع کر دیا۔ ''کوئی ہے، مجھے اس کنوئیں سے نکالو!! کوئی میری آواز سن رہا ہے۔ کوئی ہے۔''

پر کوئی جواب نہ آیا، میری آواز رندھ گئی پھر بھی دوبارہ ہمت کر کے زور سے چلائی۔ ''کوئی ہے، کوئی ہے، خدا کے لئے کوئی میری مدد کرو مجھے اس کنوئیں سے نکالو کوئی ہے.....''

اور دفعتاً کنوئیں کے کنارے پر کوئی ہیولہ نمودار ہوا اور آواز آئی۔ ''کیا آواز یہاں سے آئی ہے؟ کیا کنوئیں میں کوئی موجود ہے؟ تم جو کوئی بھی ہو جواب دو.....کون ہے یہاں؟''

میں بس تشکر آمیز انداز میں اسے ٹک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔ خوشی سے میری آواز رندھ گئی۔ ''کیا دعائیں اتنی جلدی بھی قبول ہوتی ہیں؟''

اور میں نے اسے جواب دیا۔ ''میں ایک عورت ہوں، برائے مہربانی میری مدد کرو۔ خدا کے نیک بندے میری مدد کرو مجھے یہاں سے نکالو۔''

اس شخص کو حالات سمجھ میں آ چکے تھے، اس نے کہا۔ ''تم ہمت رکھو، ڈرو نہیں، آس پاس کوئی رسی موجود نہیں ہے پر میں کچھ کرتا ہوں میں آتا ہوں۔'' اور کچھ دیر بعد اس شخص نے کسی درخت کی لمبی ڈالی اور ایک رسی نما بیل کنوئیں میں لٹکا دی، تو میں نے مضبوطی سے بیل پکڑ لی۔ پھر اس نے بیل اور کو کھینچنا لگا اور میں اللہ کا نام لے کر اوپر کی جانب بڑھنے لگی۔ میں جلد ہی کنوئیں سے باہر نکل آئی اور ہانپنے لگی، میرا سانس درست ہوا تو اپنے محسن کو دیکھا، وہ شخص وہی تھا جو مجھے پہلے مل چکا تھا، وہ عجیب و غریب لباس میں موجود تھا۔ اس نے اپنا نام شمران بتایا اور مجھ سے میرا نام دریافت کیا۔

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا تو وہ بولا۔ ''میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے۔ میں مسافر ہوں، میرے ساتھ میری بہن بھی ہے جسے میں شہر لے جانا چاہتا تھا۔ تمہاری آواز آئی تو میں اسے جھاڑیوں سے گھری جگہ پر بٹھا کے آیا ہوں وہ اس وقت درد زہ میں ہے، شہر جانے تک کی مہلت ملتی ہوئی نظر نہیں آ رہی، تم ایک عورت ہو اور ایک عورت کا درد سمجھ سکتی ہو، تم اس کی مدد کرو کہیں وہ جان سے نہ چلی جائے، سوچو مت، جلدی کرو، خدا کے لئے انکار نہ کرنا، میں خود پریشان ہوں میں بھلا اس صورت حال میں اس کی کس طرح مدد کر سکتا ہوں۔''

یہ سب سن کر مجھے اس سے ہمدردی ہوئی اور میں

www.pdfbooksfree.pk

اس کے ساتھ چل پڑی، اس نے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کیا کہ وہ ہماری بیل گاڑی ادھر ہی کھڑی ہے اور میں اس طرف گئی کیونکہ وہ جگہ زیادہ دور نہ تھی۔ جھاڑیوں کی آڑ میں ایک خوب صورت لڑکی دروزہ میں جیسے تڑپ رہی تھی، میں نے اس کو ہمت اور حوصلہ دیا تو بجائے ہمت کرنے کے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، جو اس بات کی غماز تھے کہ وہ اس وقت اپنے شدید ترین کرب ناک دور سے گزر رہی تھی۔

میں نے اس کی مدد کی اور اللہ کے فضل سے تھوڑی دیر مزید تکلیف سہنے کے بعد بچہ پیدا ہوا، تب جا کے اس لڑکی کے آنسو تھمے، میں نے بچے کو الٹ پلٹ کر دیکھا اس کی جنس جاننے کے لئے تو یکا یک وہ بچہ میرے ہاتھوں میں اپنی ہیت تبدیل کر رہا تھا، اس کا وزن بھی بڑھ گیا تھا، میں سمجھنے کی کوشش کرتی رہی، اسی دوران وہ لڑکی اٹھ کے میرے قریب ہوئی اور بچہ مجھ سے لے کر اسے متاثر نظروں سے دیکھنے لگی اور چومنے لگی۔

اسی خوشی میں اس نے میرے ہاتھ پر ایک چھوٹی سی کپڑے کی تھیلی رکھی، میں نے سوچا یہ خوشخبری اس کے بھائی کو سناؤں، گاڑی کی طرف لپکی پر اس کا کچھ پتا نہ چلا، واپس ماں اور بچے کی طرف آئی تو وہ دونوں بھی غائب تھے۔

قریب تھا کہ میں گھبرا کے گر جاتی، یا بے ہوش ہو جاتی، مجھے لڑکی کے بھائی کی آواز سنائی آئی۔ ''تمہارا بہت بہت شکریہ کہ تم نے ہماری بہن کی مدد کی۔ اب کوئی سوال جواب نہیں کرنا، اس بیل گاڑی پر بیٹھ جاؤ، یہ تم کو پکی سڑک تک چھوڑ دے گی اور اس پوٹلی کو تحفہ سمجھنا، جاؤ جلدی یہاں سے چلی جاؤ، کہیں پھر سے کوئی شیطان کا چیلا تم کو تنگ کرنے نہ آ جائے، جاؤ رب کا نام لے کر اس جگہ کو چھوڑ دو، خدا تمہاری حفاظت کرے، ہمارا تعلق دوسری مخلوق سے ہے۔'' اور آواز بند ہوگئی۔

میں بیل گاڑی میں سوار ہوگئی اور بیل گاڑی ہولے ہولے خود ہی آگے بڑھنے لگی اور کافی دیر تک چلتی رہی، پھر ایک جگہ جا کر رک گئی تو مجھے اترنا پڑا، یہ بے حد سنسان علاقہ تھا، فضا میں ایک عجیب سی بو رچی تھی جو کہ مزاج کو ناگوار کر رہی تھی، پھر میں نے گاڑی کی طرف دیکھا تو بیل گاڑی غائب تھی۔ میں سڑک پر کھڑی ادھر ادھر نظر دوڑانے لگی کہ اچانک ہیڈ لائٹس کی روشنی نے مجھے متوجہ کیا۔ تو میں نے خدا کا لاکھ شکر ادا کیا۔ میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کرم نوازی پر۔

اب آسمان پر اندھیرے کے بجائے گہرا نیلا رنگ واضح ہو رہا تھا، صبح قریب تھی۔ سڑک پر ایک گاڑی دور سے ہیڈ لائٹس جلاتی چلی آ رہی تھی، میں نے خود کو سنبھالا اور اعتماد کے ساتھ گاڑی کو رکنے کا اشارہ کیا۔ گاڑی میرے قریب آ کر رک گئی۔ اندر دو لوگ موجود تھے اور یہ ایک ایمبولینس تھی۔ میں نے سلام کیا اور شہر جانے کی لفٹ مانگی، ان لوگوں نے مجھ سے میرے بارے میں چند سوال کئے اور خدا کا شکر ہے مجھے شہر لے جانے کے لئے تیار ہوگئے۔

میں ایمبولینس میں پیچھے جا کے بیٹھ گئی اور ان لوگوں نے مجھے شہر میں ڈراپ کر دیا۔ آگے میں اپنے گھر کی طرف۔ پیدل ہی چلتی ہوئی آ گئی۔

اب ہمت ختم ہوگئی تھی، تھکن سے چور ہو چکی تھی، گھر والوں نے مجھے دیکھتے ہی تھام لیا، مجھے بخار ہو رہا تھا اور نہ جانے نیند میں کیا بولتی رہی، گھر والے سمجھ نہ پائے، ہوش میں آنے کے بعد میں نے اپنی بپتا سنائی۔

خیر جب میں کچھ ٹھیک ہوئی تو میں نے اس پوٹلی کو کھول کے دیکھا تو اس میں قیمتی سونے کے زیورات تھے، قدیم زیورات وہ میرے پاس آج بھی محفوظ ہیں۔

اس واقعہ کے بعد اگر کوئی میرے سامنے یہ کہتا ہے کہ بھوت پریت، جنات، ارواح وغیرہ سب وہم ہے تو میں اس سے کہتی ہوں کہ ''ان چیزوں کا وجود ہے کائنات میں، انسانوں کے علاوہ اللہ کی دوسری مخلوقات بھی موجود ہیں۔''

www.pdfbooksfree.pk

چمکدار آنکھیں

سیدہ عطیہ زاہرہ۔ لاہور

اور پھر چند لمحوں بعد بھیانک کھیل شروع ہوگیا، نوجوان خوفناک سانپ کے قریب اور قریب بڑھنے لگا مگر سانپ اپنی جگہ ساکت تھا اُس میں کوئی حرکت نہ ہوئی اور پھر چشم زدن میں وہ ہوگیا جو تصور سے باہر تھا لیکن...

انسان دوست اور ہمت پر قابو رکھے تو فاتح کہلاتا ہے۔ کہانی پڑھ کر دیکھیں حقیقت سامنے آجائیگی

1924ء میں شائع ہونے والے سائنس میگزین کے یہ جملے پڑھ کر بیک اپنی ہنسی نہ روک سکا، وقت گزاری کے لئے پرانے رسالے اچھے ذہنی تفریح فراہم کرتے ہیں وہ سائنسی نظریات جن پر قدیم زمانے کے ماہرین فخر کرتے تھے آج کمپیوٹر دور کا ایک معمولی ان پڑھ انسان بھی انہیں جھٹلا سکتا، بیک مضمون کے مصنف کی غلط فہمی پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ ''بے چارے ماہرین علم حیاتیات نے جب یہ رائے بیان کی ہوگی تو اس زمانے میں اسے سائنسی کلیہ مان کر کتنی واہ واہ ہوئی ہوگی۔''

''آج کون یقین کرے گا، کہ سانپ کی آنکھیں انسانی ذہن کو ماؤف کردیتی ہیں۔''

بیک بڑبڑایا اور اس نے رسالے پر سے اپنی نظریں ہٹادیں۔

www.pdfbooksfree.pk

اچانک وہ چونک اٹھا صوفے پر بیٹھے بیٹھے اس نے مسہری کی پائنتی کی طرف دیکھا کمرے کے اس کونے میں مسہری کا سایہ پڑ رہا تھا اور وہاں دو نقطے نظر آ رہے تھے جن سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔

ہیک نے سوچا شاید ٹیوب لائٹ میں لگی کیلوں کا عکس پڑ رہا ہے اور وہ دوبارہ سے رسالے کا ورق گردانی کرنے لگا۔ شاید کوئی اور لطیفہ نکل آئے، لیکن وہ اپنے ذہن سے یہ خیال جھٹکنے میں کامیاب نہ ہو سکا کہ شاید دو آنکھیں اسے دیکھ رہی ہیں۔

چنانچہ کچھ دیر بعد جب اس نے نظر دوبارہ اٹھائی تو وہ دیکھتا رہ گیا۔ دونوں روشن نقطے اپنی جگہ موجود تھے مگر پہلے سے زیادہ چمکدار اور زیادہ قریب، غور سے دیکھا تو ہیک کو سبز رنگ کی جھلک واضح طور پر محسوس ہوئی۔

وہ دوبارہ رسالہ پڑھنے لگا مضمون میں ایک بات ایسی لکھی ہوئی تھی، کہ ہیک نے دوبارہ اسے صوفے پر پٹخ دیا۔

مصنف نے حماقت کی انتہا کر دی تھی۔

ہیک نے مسہری کے پائنتی پر دیکھا، تو روشنی بدستور اپنی جگہ دکھائی دے رہی تھی بلکہ ان کی چمک اور بڑھ گئی تھی اب ہیک نے اپنی توجہ اس پراسرار روشنی پر لگادی اور زیادہ غور سے دیکھا تو اس کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔

مسہری کی پائنتی پر ایک سانپ اپنا پھن پھیلائے کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ وہ روشن نقطہ دراصل اس سانپ کی آنکھیں تھیں منظر ہی کچھ ایسا وہشت ناک تھا کہ ہیک کے ہاتھ پیر بے جان ہو گئے کنڈلی مارے اور پھن پھیلائے سانپ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ابھی ہیک پر حملہ کر دے گا۔ سانپ کی آنکھوں سے ابھی روشنی نہیں نکل رہی تھی بلکہ ہیک کو خاموشی سے موت کا بھیانک پیغام دے رہی تھیں۔

شہر کے فیشن ایبل علاقے میں کسی بنگلے میں اگر سانپ نکل آئے تو یہ بہت حیرت انگیز بات تھی ہیک 35 سال کی عمر کے باوجود اب تک کنوارہ تھا اس کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی اس دولت کے اس کے پاس صرف دو ہی مصروف تھے۔ کتابیں اور سیاحت۔ جاننے والوں میں وہ کتاب کا کیڑا مشہور تھا اور دنیا کا کوئی کونہ نہیں تھا جو اس نے نہ چھان مارا ہو۔

☆.....☆.....☆

ہیک ان دنوں سان فرانسکو میں ایک دوست ڈاکٹر جم کا مہمان تھا ڈاکٹر جم کا وسیع و عریض اور قدیم طرز کا قلعہ نما بنگلہ دوسرے جدید ڈیزائن کے بنگلوں سے الگ تھلگ دکھائی دیتا۔ ایک تجربہ گاہ اس بنگلے کا حصہ تھی جسے عجائب گھر کا بھی نام دیا جا سکتا تھا۔ علم الحیوانات کا ماہر ڈاکٹر جم اس حصے میں اپنے تجربات میں مصروف رہتا..... سانپ، اور مینڈک ڈاکٹر کی تحقیقات کا موضوع تھے۔

حیوانات کے علم میں ڈاکٹر کی شہرت دنیا بھر میں پھیلی ہوئی تھی تاہم اس کے گھر والوں کو سانپوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

ڈاکٹر کی تجربہ گاہ ہر رنگ و نسل کے سانپوں سے بھری ہوئی تھی یہ سانپ اپنی اپنی مخصوص پٹاریوں میں بند رہتے اور ہر ممکن احتیاط رکھی جاتی کہ کوئی سانپ نکل کر بنگلے کے رہائشی حصہ میں نہ پہنچنے پائے۔ پھر بھی کبھی کبھار ایک آدھ سانپ رینگتا ہوا رہائشی حصے کی جانب نکل آتا۔

ہیک نے سانپ کو یوں پھن پھیلائے دیکھا تو سمجھا کہ کوئی انتہائی زہریلا سانپ تجربہ گاہ سے رینگ کر اس کے کمرے میں آ گیا ہے، پہلے تو ہیک نے سوچا کہ گھنٹی بجا کر نوکر کو بلایا جائے گھنٹی اس سے زیادہ دور نہیں تھی لیکن یہ سوچ کر اس نے ارادہ بدل دیا، کہ کہیں میری بزدلی کا مذاق اڑایا جائے لوگ کیا کہیں گے کہ نوجوان ہیک ایک سانپ سے ڈر گیا۔

ہیک نے اس قسم کا سانپ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا وہ سوچنے لگا۔ ''اگر یہ سانپ خطرناک ہے تو کس حد تک؟''

''کیا یہ زہریلا سانپ ہے؟

www.pdfbooksfree.pk

یا اپنے شکار کے چاروں طرف لپٹ کر اسے نگل لیتا ہے۔؟''

دراصل سانپوں کے متعلق اس کی اپنی معلومات بہت ہی کم تھیں۔ اتنا ضرور تھا کہ سانپ اگر خطرناک نہ ہوتا تو بھی اس کا ارادہ حملہ کرنے کا یقینی تھا، اور جنگل کا باسی سانپ اس ماحول میں خود کو اجنبی محسوس کررہا تھا۔ یہ بات اور بھی زیادہ خطرناک تھی یہ اور ایسے ہی کتنے خیالات تھے جو بیک کے ذہن میں ابھر رہے تھے اسے فوری طور پر کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہئے، لیکن کیا.....؟

بیک نے محسوس کیا جیسے وہ موسم خزاں میں مرجھایا ہوا درخت کا پتہ ہو جیسے دو متبادل جگہوں میں اسے ایک کا انتخاب کرنا ہو، زمین پر گرے یا جھیل پر گرے..... بیک کو یہ فیصلہ کرنا تھا کہ سانپ کے قریب چل کر جائے یا سانپ کو موقع دے کر وہ بیک تک آجائے۔ دونوں صورتوں میں سانپ کے کاٹنے سے ہی مرنا بیک کو اپنا مقدر لگ رہا تھا پھر بھی اس نے سوچا۔ ''میں بے جان پتہ نہیں ہوں انسان ہوں اور کچھ نہ کچھ کرنا ہی انسان کی پہچان ہے۔''

یہ خیال آتے ہی وہ کھڑا ہوگیا اس نے سوچا کہ الٹے قدموں واپس دروازے کی طرف لوٹ جانا بہتر رہے گا تاکہ سانپ اتنی دیر میں اپنی جگہ سے نہ ہلے وہ سوچنے لگا اگر دیوار کی طرف الٹے قدموں بنتے ہوئے سانپ نے میرا پیچھا کیا تو دیوار پر لٹکتی ہوئی ایک تلوار جلدی سے کھینچ لوں گا اور ایک ہی وار میں اس کے دو ٹکڑے کردوں گا یہ خیال آتے ہی اس نے سانپ کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں پہلے سے زیادہ چمک رہی تھیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ سانپ کی آنکھوں میں غصہ اور نفرت کی چنگاریاں سلگ رہی تھیں۔

یہ فیصلہ کرتے ہی بیک نے اپنا دایاں پاؤں فرش سے اٹھایا اور اسے آہستہ آہستہ پیچھے کی طرف لے گیا۔ اسی لمحے یہ خیال بجلی کی طرح اس کے ذہن میں لپکا، کیا بزدل ہوگیا ہوں پھر اس نے اپنا گھٹنا موڑا اور واپس اسی جگہ کھڑا ہوگیا جہاں پہلے بیٹھا تھا پھر ایک قدم آگے

انتظار

ایک بیوی نے اپنے شوہر سے پوچھا۔ ''تم مجھ سے کتنی محبت کرتے ہو۔'' شوہر نے جواب دیا۔ ''میں ساری دنیا سے زیادہ تم سے پیار کرتا ہوں۔'' بیوی اگر میں مرجاؤں تو میرے لئے تاج محل بنواؤ گے'' شوہر۔ ''میں نے تو پلاٹ بھی خرید لیا ہے، اب صرف تمہاری طرف سے انتظار ہے۔''

(شرف الدین جیلانی۔ ٹنڈوالہ یار)

سانپ کی طرف بڑھایا، سانپ نے اپنا پھن ابھی تک اٹھا رکھا تھا اور اس کی آنکھوں سے شعلے لپک رہے تھے۔

بیک نے ایک قدم اور سانپ کی طرف بڑھایا اچانک کرسی سے ٹھوکر لگی تو اس کے گرنے سے بیک کے پورے جسم میں ایک سردی لہر دوڑ گئی۔ سانپ اپنی جگہ بے حس و حرکت بیٹھا تھا جیسے اس کی بے چارگی سے لطف اندوز ہو رہا ہو لیکن اس کی آنکھیں یوں لگتا تھا جیسے ایک نہیں دو سورج انگارے برسا رہے ہوں اور سانپ کا پورا وجود ان دو آنکھوں میں سمٹ آیا ہو۔

بیک کو مصر کے فرعون یاد آئے پھر وادی نیل کی حسین ملکہ قلوپطرہ یاد آئی جو اپنی خواب گاہ میں اپنے ہی چاہنے والوں کو سانپ سے ڈسوا کر مارڈالتی تھی، صدیوں پرانی ابن آدم اور سانپ کی دھما چوکڑی اسے یاد آئی جس کا ایک ایکٹ اب ختم ہو چکا تھا۔

اس کا ذہن ڈوب رہا تھا۔ تو اس کے سامنے ایک منظر ابھرا جیسے دھنک کے رنگ بکھر گئے ہوں اور ایک دو نہیں سینکڑوں شہر اسے دکھائی دیئے ہر وہ شہر جس کی اس نے سیاحت کی تھی اس رنگین پس نظر پر ایک سانپ تاج پہنے غالب آتا چلا گیا، یہ نظارہ پلک جھپکنے میں ختم ہوگیا اور اب اسے کچھ بھی نہیں دکھائی دے رہا تھا۔

اچانک بیک نے محسوس کیا کہ کسی چیز نے اچھل

www.pdfbooksfree.pk

کر اس کے سینے اور چہرے پر وار کیا ہے وہ لڑکھڑا کر فرش پر گرا، تو اس کی شمیر چھوٹ گئی اور ہونٹ بھٹ گئے لمحہ بھر کو جیسے وہ غنودگی کے عالم میں ڈوبتا چلا گیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ چند ہی لمحوں میں اس کے اوسان بحال ہوئے، تو اسے یاد آیا، کہ فرش پر گرتے ہی وہ سانپ کی آنکھوں کے سحر سے آزاد ہو گیا تھا۔ جس نے اسے جکڑ رکھا تھا۔ اس نے سوچا۔ ''اب میں اپنی نگاہیں پھیر کر الٹے قدموں کمرے سے باہر نکل جاؤں گا۔ لیکن یہ خیال ہی اسے دہشت زدہ کرنے کے لئے کافی تھا کہ اگر سانپ نے اچھل کر اسے اپنے شکنجے میں جکڑ لیا تو کیا ہوگا؟'' یہ سوچ کر اس نے مڑ کر سانپ کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں کے سحر میں پھر گرفتار ہو گیا۔

سانپ اپنی جگہ سے ابھی تک نہیں ہلا تھا، اب وہ ہیک کے اعصاب کو متاثر نہیں کر رہا تھا، لیکن اس کی آنکھیں اب تک دہک رہی تھیں یوں لگ رہا تھا جیسے اس موذی کو اپنی کامیابی کا پورا یقین ہو۔

اور پھر چند لمحوں بعد ایک بھیانک کھیل شروع ہو گیا فرش پر لیٹے لیٹے ہیک سانپ کی طرف بڑھا اپنی کہنیاں ٹکائے اس نے اپنے جسم کو اٹھایا سر پیچھے کی طرف رکھا اور ٹانگیں پھیلا کر رینگتا ہوا سانپ کے قریب آیا اس کا چہرہ خون میں تر بتر تھا اور اس کی آنکھیں درد اور دہشت کی وجہ سے پھیلی ہوئی تھیں ہونٹوں سے جھاگ نکل رہا تھا اور اس کا جسم دہرا ہوا جا رہا تھا اس نے اپنی کمر کو موڑ کر اپنی ٹانگیں ہلائیں اور سانپ کے قریب آتا رہا، احتیاط یہ کہ کہنیوں کے بل رینگ رہا تھا اور اپنا سر چہرہ اور سینہ سانپ سے دور رکھا تھا۔

دوسری طرف ڈاکٹر جم اپنی بیوی کے ساتھ لائبریری میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔

''ایک سپیرے سے میں نے ایک سانپ خریدا ہے جو دوسرے سانپوں کو ہڑپ کر جاتا ہے۔'' جم کی بیوی کی آواز سنائی دی۔

''میری خواہش ہے وہ تمہارے سارے سانپ ہڑپ کر جائے۔''

مسز جم نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''لیکن وہ یہ کام کیسے کر لیتا ہے؟ کیا دوسرے سانپ اس کی آنکھوں سے سحر زدہ ہو جاتے ہیں؟''

''یہ بالکل غلط ہے؟'' ڈاکٹر جم نے کہا۔

''سانپ اپنی آنکھوں سے کسی کو سحر زدہ نہیں کر سکتے!''

ابھی وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ انہیں گیسٹ روم سے ایک وحشت ناک چیخ سنائی دی پھر ان کربناک چیخوں کا سلسلہ بڑھتا چلا گیا یہ چیخیں سن کر میاں بیوی دونوں کا رنگ فق ہو گیا، مسز جم پر تو سکتہ سا طاری ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر جم نے ہمت کی اور بھاگتا ہوا دوسری منزل پر پہنچا۔ بنگلے میں ہر طرف سے نوکر نکل کر سیدھے اوپر بھاگتے جا رہے تھے۔

ہیک کے کمرے میں پہنچ کر ڈاکٹر نے دروازہ دھکیلا اور اندر گھسا تو دیکھا ہیک فرش پر اوندھے منہ پڑا ہے۔ اس کا چہرہ خون سے لت پت تھا ہونٹوں پر نیلے رنگ کا سیاہ مادہ جما ہوا تھا، اور اس کی آنکھیں دہشت سے کھلی رہ گئی تھیں۔

ڈاکٹر جم نے جلدی سے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دل کی دھڑکن دیکھی۔

''ہیک مر چکا ہے۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''افسوس مجھے نہیں معلوم تھا کہ ہیک مرگی کے مرض میں گرفتار تھا؟'' اچانک ڈاکٹر کی نظر سانپ کی طرف اٹھی۔ اس نے سانپ کو پکڑا اور کمرے کے وسط میں پھینک کر بڑبڑایا۔

''یہاں یہ کم بخت کہاں سے آن ٹپکا۔''

سانپ زمین سے ٹکرایا اور پرزے پرزے ہو کر بکھر گیا۔ مگر اس کی آنکھیں ابھی بھی چمک رہی تھیں، آخر نقلی سانپ جو ٹھہرا، اس کی آنکھوں کی جگہ شیشے کے وو بٹن لگے ہوئے تھے جو کہ اب بھی بیٹری سے جل بجھ رہے تھے۔

www.pdfbooksfree.pk

آسیبی گھر

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

رات کا نجانے کون سا پھر تھا کہ اچانک کمرے میں دل کو دھلاتا اور جسم و جاں پر سکتہ طاری کرتا قہقہہ سنائی دیا تو بستر پر محوِ خواب نوجوان ھڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور پھر اپنے سامنے کا منظر دیکھ کر اس کی روح فنا ہونے لگی کیونکہ.....

رگوں میں دوڑتے لہو کو منجمد کرتی برسوں دماغ سے محو نہ ہونے والی لرزیدہ لرزیدہ، خونی کہانی

1980ء میں برطانیہ کی ایک ریسرچ سوسائٹی نے تحقیقات شروع کردی کہ لندن میں کس قدر مکانات ایسے ہیں جو آسیب زدہ ہیں اور وہ کون کون لوگ ہیں جنہوں نے پراسرار واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔

چنانچہ ایک سوالنامہ تحریر کیا گیا اور تقریباً سترہ ہزار شہریوں کو بھیجا گیا ان میں سے 5316 نے تو یہ جواب دیا کہ ''انہیں کسی ایسے حادثے سے واسطہ نہیں پڑا۔'' 1684 نے جواب دیا کہ ''انہیں اس قسم کے واقعات سے واسطہ پڑا ہے۔'' جن مکانات کے آسیب زدہ ہونے کی اطلاع ملی ان میں برکلے اسکوائر کا مکان نمبر 50 بھی تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس مکان میں ایک ایسی چیز دیکھی جاتی تھی جو انسان تھی نہ جانور۔ بس اس وقت سے یہ بھوتوں کا مسکن مشہور ہوگیا۔ جو لوگ اس میں

www.pdfbooksfree.pk

رہتے تھے، خوف زدہ ہوکر بھاگ گئے اوران کے بعد جس نے اسے کرائے پر لیا، اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔

واقعات یوں بیان کئے جاتے ہیں کہ بھوتوں کا مسکن مشہور ہونے سے پہلے یہ اس علاقے کی سب سے اچھی عمارت خیال کی جاتی تھی۔ پھر اس پر خوف کے سائے پھیلتے چلے گئے۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ اس میں رہائش رکھنے والے ایک شخص مسٹر ڈیو پری نے اپنے ایک بھائی کو جس کا دماغی توازن درست نہیں رہا تھا، اس مکان کی ایک کوٹھری میں بند کردیا۔ یہ دیوانہ شخص اس قدر مغلوب الغضب اور وحشت ناک تھا کہ کوئی بھی اس کے نزدیک جانے کی جرأت نہ کرسکتا تھا، یہاں تک کہ اس کی خوراک بھی ایک نلکی کے ذریعے اندر پہنچائی جاتی۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ جو بھوت اس مکان میں دیکھا جاتا تھا وہ اسی پاگل آدمی کا تھا، کیونکہ اسے تو نچلی منزل میں بند کیا گیا تھا، جبکہ بھوت دوسری منزل کے بیڈروم میں نظر آتا۔

ایک مشہور رسالے ''ہے فیئر'' نے 1888 میں اس مکان کے متعلق لکھا تھا، برکلے اسکوائر کے مکان نمبر 50 میں کم از کم ایک کمرہ ایسا ہے کہ جسے دیکھ کر دل و دماغ پر ہیبت طاری ہوجاتی ہے اور ماننا پڑتا ہے کہ کسی مافوق الفطرت چیز کا اثر اس مکان میں ضرور ہے۔ یہ مکان مدت سے خالی پڑا ہے، البتہ ایک چوکیدار اور اس کی بیوی اس میں اب بھی رہتے ہیں مگر صورت حال یہ ہے کہ وہ دونوں بھی آسیب زدہ کمرے میں جانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ انہوں نے اس کمرے میں تالا ڈال دیا ہے جس کی چابی ایک گمنام شخص کے پاس ہے وہ کبھی کبھی اس گھر میں آتا ہے اور پراسرار کمرہ کھول کر چند گھنٹے قیام کرتا اور پھر چلا جاتا ہے۔

آسیب کے متعلق بھی بہت سی تاویلیں کی گئیں۔ مثلاً کسی نے یہ افواہ پھیلائی کہ اصل میں اس مکان میں ایک بچے کا بھوت ہے جو سسک سسک کر روتا دکھائی دیتا ہے۔

دوسری افواہ یہ بھی تھی کہ بالائی منزل میں ایک پاگل شخص کا بھوت نظر آتا ہے جو کسی پیغام کے انتظار میں عقل و خرد سے بیگانہ ہوکر مر گیا تھا۔

ایک افواہ یہ تھی کہ اس مکان میں ایک لڑکی تھی اس نے اپنے ایک عزیز کی دست درازیوں سے تنگ آکر نیچے چھلانگ لگادی اور مرگئی۔ اب اس کا بھوت مکان میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ ان کے علاوہ کچھ اور کہانیاں بھی مشہور تھیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ایک بھی درست نہ تھی اس کے بارے میں درست بات اگر کسی شخص نے بتائی۔ تو وہ لارڈ لٹن ہے، لارڈ اور اس کے خاندان کو ایسے واقعات سے اس قدر واسطہ پڑا تھا کہ لندن والے اسے بھوتوں کا ماہر خصوصی خیال کرنے لگے۔

لارڈ نے بتایا۔ ''ایک دن میں پستول سے مسلح ہوکر اس کمرے میں سویا، ساری رات کوئی قابل ذکر واقعہ رونما نہ ہوا۔ لیکن صبح ہونے سے ذرا پہلے کوئی چیز اڑتی ہوئی آئی اور کمرے میں داخل ہوگئی۔ میں نے فوراً اس پر فائر کیا جس سے وہ زخمی ہوکر گری، میں اس کی طرف بڑھا، لیکن وہ فوراً ہی غائب ہوگئی۔''

لارڈ موصوف سے اس چیز کا حلیہ دریافت کیا گیا تو وہ اس کا جواب نہ دے سکا۔

انیسویں صدی عیسوی میں دو اخباروں نے اس بھوت کا حلیہ بیان کیا۔ ایک نے لکھا۔ یہ گمنام بلا اصل میں ایک بہت ہی مکروہ شکل مخلوق ہے جس کی زبان منہ سے باہر لٹکی رہتی ہے۔ دانت بہت لمبے اور چہرہ الو کی طرح گول مثول ہے۔

دوسرا اخبار نے لکھا کہ اصل میں یہ بلا ایک عجیب جانور نما ہے جس کی آنکھیں اور کئی ٹانگیں ہیں اور وہ کوئی جہنمی مخلوق معلوم ہوتی ہے مگر حیرت یہ ہے کہ یہ بلا صرف مکان نمبر 50 میں دکھائی دیتی ہے۔

لارڈ ڈالٹن کے علاوہ دو اور اشخاص نے بھی اس مکان میں ایک ایک رات قیام کیا۔ ان میں سے سر رابرٹ علاقے کے نوجوان نوابزادہ تھے۔ ابھی انہوں

www.pdfbooksfree.pk

نے شادی نہ کی تھی۔ زندگی کے اوقات زیادہ تر سیر و شکار میں بسر کرتے اور اپنے طبقے میں بہت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

ایک دن دوران گفتگو میں بھوتوں کا ذکر چھڑا تو سر رابرٹ نے سختی سے بھوتوں کے وجود کا انکار کیا اور ان لوگوں کا مذاق اڑایا جو ایسی چیزوں پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس پر اچھی خاصی بحث چھڑ گئی، یہاں تک کہ ان کے دوستوں نے تہیہ کرلیا کہ وہ ثابت کردیں گے کہ بھوت کوئی خیالی مخلوق نہیں۔ یہ گفتگو جاری تھی کہ کمرے میں وہ صاحب داخل ہوئے جن کی ملکیت میں برکلے اسکوائر کا مکان نمبر 50 تھا۔ انہیں دیکھ کر سب دوست خوشی کے مارے اچھل پڑے اور سر رابرٹ سے ان کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ صاحب اسی مکان کے مالک ہیں جس میں بھوت موجود ہے اور بھوت ایسا کہ پورے انگلستان میں اس کے مقابلے کا کوئی بھوت نہیں۔

پھر انہوں نے ہنسن (مکان کا مالک) سے کہا کہ وہ اپنے تجربات سے سر رابرٹ کو آگاہ کریں، لیکن قبل اس کے کہ وہ جواب میں کچھ کہتے، ایک نوجوان چلا اٹھا۔ ''سر رابرٹ! آپ ایک جرأت مند اور کھلاڑی قسم کے آدمی ہیں..... کیوں نہ آپ آسیب زدہ مکان میں ایک رات بسر کریں اور بھوت پریت کے نظریے کو غلط ثابت کردیں؟''

''مگر میں ایسی خوف ناک مہم کی کبھی اجازت نہ دوں گا۔'' مسز ہنسن نے جلدی سے کہا۔

''سر رابرٹ عاقل و بالغ شخص ہیں بھئی۔ وہ اپنا برا بھلا بخوبی سوچ سکتے ہیں۔ اگر کوئی حادثہ ہوگیا، تو اس کی تمام تر ذمہ داری خود ان پر ہوگی، ہم میں سے کوئی بھی تمہیں الزام نہ دے گا۔ کیوں سر رابرٹ، آپ کی کیا رائے ہے؟'' اسی نوجوان نے کہا۔

میں اس مہم کو سر کرنے کے لئے بالکل تیار ہوں۔'' سر رابرٹ بولے۔ بلکہ میں تو 100 گنی کی شرط لگانے کے لئے بھی تیار ہوں کہ میں اس آسیب زدہ مکان سے صحیح سلامت برآمد ہوں گا۔''

قانون

صحافیوں کی ایک ٹیم جیل کا دورہ کررہی تھی۔ ''ایک کوٹھری میں ایک ایسے صاحب بھی بند تھے جو شکل و صورت سے ہی مسکین اور شریف نظر آرہے تھے۔''

ایک صحافی نے ان کے بارے میں جیلر سے پوچھا۔ ''ان صاحب نے کیا جرم کیا ہے۔'' جیلر نے بتایا۔

انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا بلکہ ایک مشہور ڈاکو منجونڈا کو قتل کرتے ہوئے دیکھا ہے اور یہ واحد شخص ہیں جو اس واقعے کا چشم دید گواہ ہے اب انہیں حفاظت کے خیال سے جیل میں رکھا ہوا ہے۔''

صحافی نے پھر پوچھا۔ ''اب منجونڈا کہاں ہے۔''

''جناب وہ تو کب کا جہنم پر رہا ہوگیا ہے۔'' جیلر نے اطمینان سے جواب دیا۔

(شرف الدین جیلانی۔ ٹنڈوالہ یار)

''بہت خوب، بہت خوب!'' لارڈ کالنڈی تالی بجا کر بولے۔ ''اب بتاؤ مسز ہنسن! آپ کیا کہتے ہیں؟''

''میرے آقا! مجھے تو اب بھی اس تجویز سے اتفاق نہیں۔'' ہنسن نے کہا۔ وہ خاصا خوف زدہ دکھائی دیتے تھے۔

لارڈ کالنڈی بولے۔ ''بھئی، اگر واقعی کسی طرح کا خطرہ ہے تو میں حفاظتی انتظام کرنے کو تیار ہوں۔''

سر رابرٹ مسکراتے ہوئے گویا ہوئے۔ ''اس تکلیف کی ضرورت نہیں، میں اپنی حفاظت خود کرسکتا ہوں۔''

ہنسن بولے۔ ''حضرات! گو سر رابرٹ اپنی مرضی سے میرے غریب خانے کو نوازنے کا ارادہ رکھتے ہیں مگر مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ یہ کوئی معقول بات نہیں۔

www.pdfbooksfree.pk

بہر حال جو مزاج یار میں آئے ہیں چشم براہ رہوں گا۔''

''تو تم باآختیار ہو ہی گئے!'' سر رابرٹ نے کہا۔

''جنسن بولا۔'' جی ہاں، مگر اس شرط پر کہ ہم سب ساری رات بوتلیں کریم ہوتے رہیں گے۔ آپ مطمئن ہو کر مکان میں داخل ہوں اور جب بھی کوئی خطرہ محسوس ہو گھنٹی بجا کر ہمیں اطلاع کر دیں گے۔''

''مجھے یہ شرط منظور ہے، لیکن محسوس کرتا ہوں نہ گھنٹی بجانے کی نوبت آئے گی اور نہ ہتھیار وغیرہ استعمال کرنے کی۔''

اس گفتگو کے بعد طے پایا کہ ٹھیک تین بجے شب سے نو بجے سب دوست مکان نمبر 50 برکلے اسکوائر میں جمع ہوں گے اور کھانا مل جل کر کھائیں گے۔''

بالآخر وہ گھڑی آن پہنچی۔ سب دوست اس پراسرار مکان میں پہنچ گئے اور دھڑا دھڑی باتیں کرنے لگے۔

گرچہ وہ خود کو مطمئن ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن سبھی کے حواس آسیب زدہ مکان سے متاثر تھے۔

تھوڑی دیر بعد سب کھانے کے کمرے میں گئے۔ کھانا بہت لذیذ اور کئی قسم کا تھا مگر سارے مہمان خاموشی سے اس طرح کھا رہے تھے جیسے محض فرض ادا کر رہے ہوں۔ وہ جلد ہی کھانے سے فارغ ہو گئے۔ سر رابرٹ نے اپنے میزبان جنسن سے مخاطب ہو کر کہا۔

''اچھا اب مجھے اس کمرے میں چلا جانا چاہئے جس میں آج شب رہنا ہے۔''

سب مہمان اپنے میزبان کی قیادت میں دوسری منزل پر پہنچے۔ انہیں وہ تاریخی کمرہ دکھایا گیا جسے تقریباً بیس برس کے بعد سر رابرٹ کے لئے کھولا گیا تھا۔ یہ کمرہ تاریک ساتھ اور اس کا فرنیچر پرانے زمانے کی یاد دلا رہا تھا۔

کمرے کے وسط میں ایک بڑی مسہری بچھی ہوئی تھی جس پر صاف شفاف بستر لگا تھا۔ مسہری کے دائیں بائیں تپائیوں پر لیمپ رکھے تھے اور سرہانے کی طرف گھنٹی لٹک رہی تھی۔

جنسن نے اس رسی کو ہلایا تو نیچے گھنٹی بجی۔ اس نے سر رابرٹ سے کہا۔'' کوئی خطرہ محسوس ہو تو مہربانی کر کے گھنٹی بجانا نہ بھولئے گا، ہم فوراً آپ کی مدد کو پہنچ جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔'' سر رابرٹ بولے۔'' مگر آپ بھی یہ نہ بھولئے گا کہ جب تک دروازہ بند ہو، گھنٹی نہ بجئے، آپ کو پریشانی کی تکلیف نہ کریں۔''

سر رابرٹ کے کمرہ میں چھوڑ کر سب نے شب بخیر کہی اور نیچے آ گئے۔ سر رابرٹ نے کوٹ اتار کر کھونٹی پر لٹکایا اور بستر میں دراز ہو گئے۔ اسموں نے بھرا ہوا پٹھوں والا جسم اور بائیں جانب جلتی گھنٹی کی رسی۔ آتش دان میں آگ خوب جل رہی تھی جس سے کمرہ گرم ہو گیا تھا۔ ان کا ارادہ یہ رات جاگ کر گزارنے کا تھا، تاکہ نمبر 50 برکلے اسکوائر کا مشاہدہ کر سکیں۔ ادھر ان کے دوست نیچے کی منزل میں چپ چاپ بیٹھے گھنٹی بجنے کا انتظار کر رہے تھے۔ اسی حالت میں کلاک نے رات کے بارہ بجائے اور اس کے ساتھ ہی ڈرائنگ روم میں گھنٹی کی آواز گونجنے لگی۔ سب دوست ہوشیار ہو گئے، پھر گھنٹی کی آواز دوسری بار اس قدر زور سے گونجی کہ معلوم ہوتا تھا ٹوٹ کر گر پڑے گی۔

''اوہ میرے خدا!'' جنسن چیخ مار کر اوپر کی طرف بھاگا اور اس کے پیچھے باقی تمام دوست بھی روانہ ہو گئے۔ وہ دروازے کے نزدیک ہی پہنچے تھے کہ بند دروازے کے پیچھے سے پستول کے فائر کی آواز سنائی دی۔ جنسن نے جھپٹ کر دروازہ کھول دیا۔

آہ! کیا دردناک منظر تھا۔ حسین و جمیل سر رابرٹ کا آدھا جسم بستر پر اور آدھا بستر سے نیچے لٹکا ہوا تھا، سیدھے ہاتھ سے چھوٹ کر پستول دور جا گرا تھا اور بائیں ہاتھ میں گھنٹی کی رسی تھی۔ سر رابرٹ کی آنکھیں خوف سے باہر نکل آئی تھیں اور منہ بھی کھلا ہوا تھا۔

یہ ایسا بھیانک منظر تھا کہ بہادر سے بہادر آدمی

www.pdfbooksfree.pk

کا پتہ پانی ہو جائے۔ بنسن نے آگے جھک کر نبض ٹٹولی، تو وہاں کیا رکھا تھا...؟ برکلے اسکوائر کے بھوت نے سر رابرٹ کی جان لے لی تھی۔

بنسن پر سر رابرٹ کی موت کا اس قدر اثر ہوا کہ اس نے نمبر 50 برکلے اسکوائر کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہنے کا تہیہ کر لیا، چنانچہ چالیس سال تک کسی ذی روح نے اس منحوس مکان میں قدم نہ رکھا، مگر جب یہ مکان اپنی ویرانی کا پچاسواں سال منانے والا تھا، تو دو ملاح اس میں داخل ہوئے۔ ہوا یوں کہ ایک بحری جہاز، پٹنی ٹوپ، ویسٹ انڈیز کے دورے سے ایک سال بعد پورٹ ماؤتھ پہنچا۔ 1887ء کا ماہ دسمبر تھا۔

بندرگاہ پر پہنچ کر تمام عملے کو دو ہفتے کی چھٹی دے دی گئی تاکہ وہ اپنی خواہش کے مطابق کرسمس کی خوشیوں میں شریک ہو سکیں۔

یہ دونوں ملاح اسی جہاز سے تعلق رکھتے تھے، انہوں نے لندن پہنچ کر کئی دن پینے پلانے کا شغل جاری رکھا۔ جب ذرا ہوش آیا اور حساب کتاب کیا تو معلوم ہوا کہ پیسے بالکل ختم ہو چکے ہیں اور اب گھر پہنچنا بھی محال ہے۔ دونوں کے گھر لندن سے کافی فاصلے پر تھے۔ سردی بڑھتی جا رہی تھی اور رات گزارنے کا مسئلہ اہمیت پکڑتا جا رہا تھا چونکہ دونوں کی جیب خالی تھی لہٰذا فیصلہ ہوا کہ گھوم پھر کر کوئی ایسا ٹھکانہ تلاش کیا جائے جہاں مفت میں رات بسر ہو جائے اور اسی تلاش میں وہ برکلے اسکوائر کے اس مکان کے سامنے پہنچ گئے۔ یک لخت ان کی نظر سڑک کے بائیں جانب اٹھ گئی۔ ایک دو منزلہ مکان پر کرائے کے لئے خالی ہے کا بورڈ لٹکا ہوا تھا یہ نمبر 50 برکلے اسکوائر تھا۔ وہ دونوں احاطے کے باہر کھڑے ہو کر جنگلے سے اچک اچک کر اندر دیکھنے لگے اور یہ بھائیں بھائیں کرتا تاریک مکان شب باشی کے لئے انہیں بہت موزوں معلوم ہوا۔ دونوں چھلانگ مار کر اندر داخل ہو گئے۔

مارٹن نے جیب سے ایک موم بتی نکالی اور اسے روشن کر کے مکان کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ بلنڈن باورچی خانے میں جا نکلا جہاں سر رابرٹ کی موت سے قبل ڈنر تیار ہوا تھا۔ وہاں برتن اور سامان اب تک بے ترتیبی سے پڑے تھے۔

مارٹن اور بلنڈن کی سمجھ میں آ گیا کہ یہ مکان کافی عرصے سے ویران پڑا ہے۔ وہ اب آگے بڑھے۔ کھانے کا کمرہ اور ہال سب خالی پڑے تھے۔ ایک کونے میں ایک موٹا چوہا دوڑتا پھر رہا تھا۔

''اوہ دیکھو اس چوہے کو... کس قدر موٹا ہو رہا ہے اور اس نے تختے کو کاٹ کر کتنے سوراخ کر دیئے ہیں۔'' مارٹن نے کہا۔

''چلو اچھا ہی ہے... ہمیں آگ جلانے کے لئے کافی لکڑی مل جائے گی۔'' بلنڈن بولا۔

''چلو اوپر چلیں...'' مارٹن نے رائے ظاہر کی اور پھر دونوں نے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ گرد و غبار سے اٹا ہوا یہ زینہ ان دونوں کے بوجھ سے چیخ اٹھا۔ خطرہ پیدا ہوا ٹوٹ ہی نہ جائے، لیکن وہ رکے نہیں اور بالآخر اوپر اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں سر رابرٹ کی موت واقع ہوئی تھی۔

اس کمرے کو دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی۔ یہ کمرہ نسبتاً صاف ستھرا اور فرنیچر سے مزین تھا اور تو اور بستر سے آراستہ پلنگ بھی موجود تھا۔ یہ دیکھ کر مارٹن بہت خوش ہوا اور بولا۔ ''اب رات آرام سے گزرے گی۔''

بلنڈن کسی انجانے خوف سے پریشان تھا، کہنے لگا۔ ''نہیں میرے دوست! یہاں سے بھاگو۔'' ہمیں یہاں نہیں ٹھہرنا چاہئے۔''

''تو کیا سردی میں ٹھٹھر کر مرو گے؟'' مارٹن بولا۔

بلنڈن کہنے لگا۔ ''ایسے ویران مکان میں قیام کرنا اچھا معلوم نہیں ہوتا اور دیکھو یہاں کا فرنیچر عجیب و غریب قسم کا محسوس ہوتا ہے۔ اس پلنگ ہی کو دیکھو یہ تو اس قدر بڑا ہے کہ چار آدمی اس پر آرام کر سکتے ہیں۔''

''بھائی تم تو بے قوفی کی باتیں کر رہے ہو۔ یہ پلنگ تو ہمارے لئے بہت موزوں ہے۔ آؤ اس پر آرام کریں اور ہاں آتشدان میں آگ کیوں نہ جلا دی جائے؟'' یہ کہہ کر مارٹن نے پہلے سے رکھی ہوئی لکڑیوں

www.pdfbooksfree.pk

کو اٹھا کیا اور آگ لگا دی۔ کمرہ گرم ہونے لگا۔

مارٹن بستر پر دراز ہو گیا، مگر بلنڈن کرسی پر خاموشی سے بیٹھا ناچتے ہوئے شعلوں کو دیکھتا رہا، لیکن ساتھی کے سمجھانے سے وہ بھی بستر پر دراز ہو گیا۔

ابھی وہ دونوں تھوڑی ہی دیر سوئے تھے کہ یک لخت بلنڈن نے جھنجھوڑ کر مارٹن کو نیند سے اٹھا دیا۔ اس نے وجہ پوچھی بلنڈن کے لب ہل کر رہ گئے کوئی آواز نہ نکلی بہت کوشش سے اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور کمرے کے دروازے کی طرف اشارہ کیا، مگر مارٹن کو وہاں کوئی خاص بات نظر نہ آئی۔

کمرہ اب بھی گرم تھا۔ آتش دان میں آگ کے شعلے نظر آ رہے تھے اور موم بتی کی لو بھی ٹمٹما رہی تھی۔

مارٹن نے کسی قدر ناراض ہو کر پوچھا۔ ''کیا بات ہے؟ تم ڈر کیوں رہے ہو؟''

بلنڈن کی قوت گویائی لوٹ آئی۔ وہ بولا۔ ''خاموش رہو اور سنو۔''

مارٹن ہمہ تن گوش ہو گیا، مگر اسے کوئی آواز سنائی نہ دی، مگر تھوڑی دیر بعد ہی کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص زینے پر چڑھ رہا ہے۔

''اوہ! میں اب سمجھا.....'' یہ یقیناً کوئی اپچا ہے۔ اس نے کمرے میں روشنی دیکھی، تو اس طرف چلا آیا.....

''ٹھہرو، میں دیکھتا ہوں ارے بھئی کون ہے؟'' مارٹن نے اونچی آواز میں کہا.....انہوں نے سانس روک کر سننا شروع کر دیا، یہاں تک کہ آنے والے نے زینہ طے کر لیا۔ اب وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پھر دروازہ آہستہ آہستہ کھلنا شروع ہو گیا اور جیسے ہی آدھا دروازہ کھلا، کوئی چیز اندر آ گئی بلنڈن کے منہ سے چیخ نکلی۔ ان دونوں نے پلنگ سے چھلانگ لگا دی اور فرش پر پڑے ہوئے پردے کے ڈنڈے اٹھانے لگے۔

ایک سایہ نظر آیا یہ سایہ کس چیز کا تھا وہ پہچان نہ سکے.....انہوں نے دیکھا بہت بڑے بڑے پنجے ان کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ یہ پنجے بلنڈن کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ اس نے چیخ ماری اور ڈنڈا لے کر کھڑا ہو گیا۔

مارٹن چھلانگ لگا کر دروازے کے باہر چھلا اور پھر کئی سیڑھیاں پھلانگتا ہوا نیچے اترنے لگا، وہ مدد، مدد، پکار رہا تھا اور اسے کچھ پتہ نہ تھا اس کی منزل کون سی ہے۔ ہوش اس وقت آیا جب وہ ایک پولیس مین سے جا ٹکرایا پولیس مین کو دیکھا تو وہ بے اختیار بولا۔ ''خدا کے واسطے میرے ساتھ آؤ..... میری مدد کرو۔'' وہ بمشکل اتنا ہی کہہ سکا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

پولیس مین نے جھک کر مارٹن کو اٹھانا چاہا اسی وقت اس نے مکان کی اوپر کی منزل میں کسی بہت وزنی چیز کے گرنے کی آواز سنی اور پھر خاموشی چھا گئی۔

پولیس مین نے مارٹن کو جھنجھوڑ کر کھڑا کر دیا اور سختی سے دریافت کیا کہ ''وہ رات کے اس آخری حصے میں اس طرح کیوں پھر رہا ہے؟''

''خدا کے واسطے میرے ساتھ چلو فوراً۔'' ہوش میں آ کر مارٹن نے پولیس والے کو مکان نمبر 50 کے احاطے کی طرف گھسیٹنا شروع کر دیا۔

اس ویران اور تاریک مکان کو دیکھ کر پولیس مین کا دل بھی دھڑکنے لگا۔ وہ بولا۔ ''کیا مطلب ہے تمہارا کیا تم یہاں چھپے ہوئے تھے؟''

''جی ہاں ہم اس مکان کی بالائی منزل پر تھے کہ میرے ساتھی پر کوئی حملہ آور ہوا۔'' مارٹن نے کہا۔

''حملہ آور کون تھا؟'' یہ کہہ کر سپاہی نے اپنی ٹارچ روشن کی اور جیسے ہی ٹارچ کی روشنی پھیلی، مارٹن کو اپنے ساتھی کی لاش نظر آئی جو بلینز پر پڑی تھی۔ بدنصیب بلنڈن کا چہرہ خوف سے مسخ ہو چکا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ لندن کی تعمیر نو تک یہ مکان اسی طرح آسیب زدہ رہا۔ البتہ بلنڈن کے بعد کوئی اور موت نہ ہوئی شاید اس لئے کہ کسی نے اس مکان میں جانے کی جرأت ہی نہ کی۔

www.pdfbooksfree.pk

بوگی مین

ناصر محمود فرہاد۔ فیصل آباد

اکثر یہ ہوتا کہ ایک وجود الماری سے نکلتا اور سامنے بیٹھے انسان کو دبوچ کر فوراً الماری میں چلا جاتا اور پھر اس کا وجود ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غائب ہوجاتا، اس اسرار سے ہر کوئی لرزہ بر اندام تھا۔

تجسس اور سسپنس سے بھرپور دل کو دہلاتا اور خوف و ہراس میں مبتلا کرتا حقیقی شاخسانہ

''میں یہاں تمہارے پاس اپنی کہانی سنانے آیا ہوں۔'' وہ ڈاکٹر کے سامنے کوچ پر لیٹتے ہوئے بولا۔

یہ شخص ایک چھوٹے سے دور دراز قصبے سے آیا تھا۔ اس کا سارا کچا چٹھا ڈاکٹر کو نرس کی زبانی معلوم ہو چکا تھا۔ معلومات کے مطابق اس شخص کی عمر اٹھائیس سال کے لگ بھگ تھی اور وہ ایک صنعتی ادارے میں ملازم تھا۔ طلاق یافتہ تھا اس کے تین بچے تھے اور تینوں ہی مر چکے تھے۔

''میں کسی مندر میں نہیں گیا کیونکہ میں زیادہ مذہبی نہیں ہوں، کسی وکیل کے پاس بھی نہیں گیا کیونکہ کوئی میرے مسئلے میں کوئی قانون نہیں ٹوٹا۔ صرف میرے بچے مر گئے۔ ایک ایک کر کے تینوں مر گئے۔''

ڈاکٹر نے ٹیپ ریکارڈ آن کر دیا۔ وہ نفسیات

www.pdfbooksfree.pk

کا ڈاکٹر تھا اور اس کا کام نفسیاتی مریضوں کو ذہنی طور پر زندگی کے قابل بنانا تھا۔

اشوک کسی لٹھ مانند بالکل سیدھا کوچ پر دراز تھا۔ اس کے پاؤں کوچ کے سرے سے باہر نکل رہے تھے۔ اس کی ظاہری حالت قابل رحم تھی۔ کسی حنوط شدہ ممی کی طرح اس کے دونوں ہاتھ اس کے سینے پر تھے۔ چہرہ پرسکون تھا، آنکھیں سپاٹ چھت پر یوں جمی تھیں جیسے وہ کوئی اسکرین ہے اور اس پر کوئی فلم چل رہی ہے۔

''کیا تم یہ کہہ رہے ہو کہ اپنے بچوں کو تم نے خود قتل کر دیا.....؟''

''نہیں.....'' اس نے ایک دم اپنا ہاتھ جھٹکا..... ''لیکن میں ان کی موت کا ذمہ دار ہوں۔ اجے، وجے اور سنیل، میں تمہیں ان کے متعلق بتانا چاہتا ہوں۔''

ڈاکٹر کچھ نہ بولا۔ اشوک اس کو تھکا تھکا اور بوڑھا محسوس ہوا۔ اس کے بال گھنے نہیں بلکہ پتلے تھے اور چہرے کی رنگت پیلی پڑ چکی تھی۔ آنکھوں میں لال ڈورے موجود تھے۔

''ان بچوں کو مار آگیا.....گمرو قتل نہیں ہوئے۔''

''ایسا.....کیسے ممکن ہے؟''

''کیونکہ.....'' اشوک کچھ کہتے کہتے رک گیا اور اپنے ہاتھ کی کہنی کو دیکھتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے کمرے میں ادھر ادھر دیکھا۔

''وہ کیا ہے.....؟'' وہ ایک دم چلا اٹھا اس کی نظریں ایک جگہ جم گئی تھیں۔

''وہ کیا ہے.....؟'' اس نے دوبارہ خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

''وہ دروازہ ہے..... الماری کا پٹ ہے۔'' ڈاکٹر نے وضاحت کی۔ ''میں وہاں اپنا کوٹ وغیرہ لٹکایا کرتا ہوں۔''

''اس کو کھولو..... میں اس کو دیکھنا چاہتا ہوں۔'' اشوک کی آواز میں خوف در آیا تھا۔

ڈاکٹر چپ چاپ اٹھا، دیوار گیر الماری کی طرف بڑھا اور اس کو کھول دیا۔ اندر چار پانچ خالی ہینگر تھے۔ ایک پر ڈاکٹر کا اوور کوٹ لٹک رہا تھا۔ نیچے جوتوں کا ایک جوڑا پڑا ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے.....؟'' ڈاکٹر نے اشوک کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ٹھیک ہے.....'' اشوک کی تنی ہوئی ابرو نرم پڑ گئیں اور وہ پرسکون ہو گیا۔

''تم..... کچھ کہہ رہے تھے۔'' ڈاکٹر اپنی نشست پر واپس بیٹھتے ہوئے بولا۔

''..... تم کہہ رہے تھے کہ اگر تمہارے بچوں کا قتل ثابت ہو جائے تو تمہاری مشکل ختم ہو جائے گی۔ کیا یہی ہے نا.....؟''

''میں جیل چلا جاؤں گا۔'' اشوک تیزی سے بولا۔ ''عمر بھر کے لئے۔'' اشوک کسی انجانی بات پر مسکرانے لگا۔

''تمہارے بچے کیسے قتل ہوئے.....؟''

''تم..... مجھ سے کچھ اگلوا نہیں سکو گے۔''

ڈاکٹر مشکوک نگاہوں سے اشوک کی طرف دیکھنے لگا۔

''پریشان مت ہو..... میں تمہیں ساری بات بتاتا ہوں۔ میں کوئی تیس مار خان نہیں ہوں مگر میں جانتا ہوں تم میری بات کا یقین نہیں کرو گے۔ مگر مجھے اس کی پرواہ نہیں۔''

''ٹھیک ہے.....'' ڈاکٹر اپنا پائپ سلگاتے ہوئے بولا۔

''رینا سے میری شادی 2007ء میں ہوئی۔ اس وقت میری عمر اکیس برس تھی اور وہ اٹھارہ سال کی تھی۔ میں اس سے بہت پیار کرتا تھا اور شادی کے وقت..... وہ امید سے تھی۔ یہ اجے تھا۔'' اشوک کے ہونٹ بھینچ گئے اور چہرے پر خوف کے سائے لرزنے لگے۔ ''میں کالج چھوڑ چکا تھا اور نئی نئی ملازمت شروع کی تھی۔ وسائل کافی نہ تھے، مگر مجھے پرواہ نہیں تھی میں دونوں سے پیار کرتا تھا۔ ہم بہت خوش تھے۔''

''اجے کی پیدائش کے فوراً بعد رینا دوبارہ امید

www.pdfbooksfree.pk

سے ہوگئی۔ اور دسمبر 2008ء کے دسمبر میں اس دنیا میں آ گیا۔ سنیں 2011ء گرمیوں میں پیدا ہوا۔ اس وقت تک اجے مر چکا تھا۔ بچے آدمی کو باندھ دیتے ہیں۔ تم تو جانتے ہی ہوگے۔ عورت کے پاس مرد کو پلو سے باندھ کر رکھنے کا یہی گر ہے خصوصاً اس وقت جب مرد سے بڑ ھ کر پرکشش ہو..... کیا تم اس کو نہیں مانتے؟''

ڈاکٹر بولا کچھ نہیں صرف مسکرا کر رہ گیا۔

''مگر اس کا کوئی مسئلہ نہیں مجھے رینا سے پھر بھی بہت پیار تھا۔''

''بچوں کو کس نے مارا؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔

''بوگی مین نے.....'' اشوک تیزی سے بولا۔''

بوگی مین نے ان کو مارا۔ وہ بندالماری سے نکلتا اور ان کو مار دیتا۔'' اس نے پہلو بدلا اور بے چینی سے کسمسایا۔''تم سمجھتے ہوگے میں پاگل ہوں۔ ٹھیک ہے سمجھتے رہو، مجھے پرواہ نہیں جو کچھ ہوا تمہیں بتا کر دفع ہو جاؤں گا۔''

''میں سن رہا ہوں۔'' ڈاکٹر بولا۔

''یہ سب اس وقت شروع ہوا جب اجے صرف دو سال کا تھا اور وجے ابھی شیر خوار تھا۔ جب بھی رینا اس کو بیڈ پر لٹاتی وہ چیخنا اور رونا شروع کر دیتا۔ ہمارے پاس دو بیڈ روم تھے۔ وجے ہمارے بیڈ روم میں جھولے میں سوتا تھا پہلے پہل میں نے سمجھا، اجے اسلئے روتا ہے کہ اس کو بھوک لگی ہے مگر رینا اس سے متفق نہ تھی جب بھی ہم دودھ کا فیڈر اجے کے منہ میں ڈالتے۔ وہ ہاتھ پاؤں مار کر اس کو ایک طرف گرا دیتا۔ وہ بہت چیختا اور روتا۔

کچھ عرصہ تک جب وہ پرسکون نہ ہوا میں نے خود اس کو بیڈ میں لٹانا شروع کر دیا۔ مگر وہ پھر بھی رونے سے باز نہ آیا تو میں نے اسے ایک دو تھپڑ رسید کر دیئے۔ تب رینا بولی۔''وہ کہہ رہا ہے لائٹ'' میں نہیں جانتا اتنا چھوٹا بچہ کیسے یہ لفظ کہہ سکتا ہے۔ مگر شاید صرف ایک ماں بچے کی بات سمجھ سکتی ہے۔

رینا چاہتی تھی کہ اجے کے کمرے میں نائٹ بلب کا انتظام کر دیا جائے۔ میں رینا کو منع نہ کر سکا مگر میں سمجھتا تھا کہ اگر کوئی بچپن میں اندھیرے کے خوف پر قابو نہ پا سکے تو پھر وہ کبھی بھی اس پر قابو نہیں پا سکتا۔

بہرحال وہ وجے کے پیدا ہونے کے بعد جو موسم گرما آیا اس میں مر گیا۔ اس رات بھی میں نے اس کو خود بستر پر لٹایا اور وہ حسب معمول بری طرح چیخنے لگا۔ اس وقت میں نے سنا وہ کیا کہہ رہا تھا۔ اس نے الماری کے بند پٹ کی طرف اشارہ کیا اور ٹوٹے ہوئے الفاظ میں بولا۔''بوگی مین..... ڈیڈی..... بوگی مین۔

میں نے کچھ کہے بغیر روشنی بجھا دی اور اپنے کمرے میں آ گیا اور رینا سے پوچھنے لگا کہ اس نے اتنے چھوٹے بچے کو اس طرح کے الفاظ کیوں سکھائے ہیں۔ میرا جی چاہا کہ ایک زوردار چپت اس کو رسید کر دوں مگر پھر ضبط کر گیا۔ وہ کہنے لگی کہ اس نے اس کو اس طرح کا کوئی لفظ نہیں سکھایا۔ مگر مجھے اس کی بات کا یقین نہیں تھا۔

وہ موسم گرما میرے لئے بدترین تھا۔ میرے پاس جو ملازمت تھی وہ فیکٹری کے گودام میں پیسپی کولا کا ٹرک لوڈ کرنے کی تھی۔ یہ کام مجھے بری طرح تھکا دیتا تھا۔ ہر رات وجے انھ جاتا اور رونا شروع کر دیتا۔ رینا اس کو گود میں لے لیتی اور تھپکیاں دینا شروع کر دیتی۔ سچ بتاؤں تو..... بعض اوقات میرا دل کرتا کہ دونوں کو اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دوں۔ یہ بچے مجھے پاگل بنائے دے رہے تھے۔ میری نیند پوری نہیں ہو پا رہی تھی۔ جی چاہتا تھا ان کو مار دوں۔

وجے نے مجھے حسب معمول رات پورے تین بجے جگا دیا۔ آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں۔ میں غنودگی کے عالم میں باتھ روم چلا گیا۔ رینا نے مجھے کہا کہ اجے کو بھی دیکھ لوں میں نے اسے کہا کہ وہ یہ کام خود کرلے..... اور خود واپس بستر میں گھس گیا۔ ابھی سویا ہی تھا کہ فوراً ہی اس کی چیخوں کی آوازیں آنے لگیں۔

میں گھبرا کر اٹھا اور اجے کے کمرے کی طرف بھاگا۔ بستر پر بچہ مرا پڑا تھا۔ اس کا جسم آٹے کی طرح سفید پڑ چکا تھا سوائے اس جگہ کے جہاں سے خون رس

www.pdfbooksfree.pk

رہا تھا۔ اس کی آنکھیں ادھ کھلی تھیں..... یہ سب بہت خوف ناک تھا..... وہ بالکل چت پڑا تھا۔ اس نے ڈائپر پہنا ہوا تھا کیونکہ وہ چند ہفتوں سے بستر پر پیشاب کرنے لگا تھا اس کا بستر گیلا ہو جاتا تھا..... افسوس..... مجھے اس بچے سے بہت پیار تھا۔''

اشوک نے آہستگی سے اپنا سر ہلایا۔ اس کے چہرے پر زہر خند مسکراہٹ ابھری۔ ''رینا چیخ رہی تھی اپنا سر پیٹ رہی تھی۔ اس نے اجے کو اٹھا کر سینے سے لگانے کی کوشش کی۔ مگر میں نے اس کو ایسا نہ کرنے دیا۔ پولیس اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ تم کسی ثبوت کو ہاتھ لگاؤ۔ میں یہ جانتا تھا۔''

''تب..... تمہیں علم تھا کہ یہ سب کام بوگی مین نے کیا ہے.....؟'' ڈاکٹر نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

''نہیں..... اس وقت نہیں..... مگر وہاں میں نے ایک چیز دیکھی۔ اس وقت تو میں نے اس پر توجہ نہ دی مگر وہ میرے حافظے میں محفوظ رہ گئی۔''

''وہ کیا.....؟''

''الماری کا ایک پٹ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا..... بالکل معمولی سی درز تھی۔ مگر مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے خود الماری کو بند کیا تھا۔ اس کے اندر سامان کے کچھ تھیلے تھے۔''

''کیا اس قتل کی تفتیش ہوئی؟''

''یقیناً.....'' اشوک کی آنکھوں میں اداسی جھلملانے لگی۔

''بچپن کی موت آج کل کے حالات میں بہت عام ہے۔'' ڈاکٹر محتاط انداز میں بولا۔

''اب یہ سب باتیں بے کار ہیں۔'' اشوک مشتعل انداز میں بولا۔

ڈاکٹر دوبارہ پائپ سلگانے لگا۔

اجے کے مرنے کے ایک ہی مہینے بعد ہم نے وجے کو اجے کے پرانے بیڈ روم میں منتقل کر دیا۔ رینا نے پوری قوت سے اس کی مخالفت کی۔ مگر میرا کہا حرف آخر تھا۔ مجھے اس سے بہت پیار تھا میں اس کو اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا مگر آپ ان کی ضرورت سے زیادہ حفاظت کر کے ان کے لئے مسئلہ پیدا کر دیتے ہیں۔ اس طرح آپ بچے کو ناکارہ کر دیتے ہیں۔ جب میں بچہ تھا تو میری ماں مجھے عموماً اپنے ساتھ سیر کرانے ساحل سمندر پر لے جاتی تھی مگر وہ زیادہ وقت چیخیں چلاتی ہی رہتی کہ ''زیادہ دور مت جاؤ۔ یہاں مت جاؤ..... وہاں مت جاؤ..... ابھی ابھی تم نے کھانا کھایا ہے..... زیادہ بھاگو..... چھلانگیں مت لگاؤ.....''

''مگر تم مجھے بتاؤ اس کا کیا فائدہ ہوا۔ صرف یہی کہ میں آج تک سمندر سے خوف زدہ ہوں..... یہ حقیقت ہے کہ میں پانی کے قریب تک نہیں جا سکتا۔ ساحل پر جانے کے نام ہی سے میری ٹانگیں لرزنے لگتی ہیں۔ ایک دن جب کہ ابھی اجے زندہ تھا۔ رینا مجھے اور بچوں کو لے کر ساحل پر گئی۔ اور میں کتے کے بھیگے پلے کی طرح لرزنے لگا۔ تم بچوں کو زیادہ حفاظت کے حصار میں نہیں رکھ سکتے۔''

بہر حال..... وجے کو اجے کا بستر اور جھولا مل گیا ..... مگر میں نے اس کا گدا اسٹور میں پڑے کاٹھ کباڑ میں رکھ دیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے بچے کو کوئی جراثیم لگے۔ اسی طرح ایک برس بیت گیا اور ایک رات جب میں وجے کو اس کے بستر پر لٹا کر لوٹا تو تھوڑی ہی دیر بعد وہ بری طرح چیخنے چلانے لگا۔

''بوگی مین..... ڈیڈی..... بوگی مین۔''

میں اچھل پڑا..... وہ بالکل اجے کی طرح چیخ رہا تھا۔ مجھے فوراً کمرے کی الماری کا کھلا پٹ اور اس میں بنی دراز یاد آ گئی۔ میں اس رات اس کو اپنے بیڈ روم میں لے آنا چاہتا تھا۔''

''کیا تم لے آئے.....؟''

''نہیں.....'' اشوک نے اپنا ہاتھ جھٹکا۔ اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات تھے۔

''میں رینا کے سامنے کیسے اعتراف کر لیتا اور مان لیتا کہ میں غلط تھا۔ مجھے مضبوط بننا تھا۔ وہ ایک جیلی فش کی مانند تھی۔ دیکھو کیسے وہ میری زندگی میں چلی

www.pdfbooksfree.pk

آئی جب کہ ابھی ہماری شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔''

ڈاکٹر بولا..... ''اس طرح کیوں نہیں دیکھتے کہ تم کتنی آسانی سے اس کی زندگی میں شامل ہوگئے۔''

اشوک کا ہلتا ہاتھ ایک دم ساکت ہوگیا اور ڈاکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''کیا..... تم زیادہ سیانا بننے کی کوشش نہیں کررہے ہو؟''

''نہیں..... ایسا کچھ نہیں ہے.....'' ڈاکٹر بولا۔

''تو پھر مجھے میری بات مکمل کرنے دو.....''

اشوک تیکھے انداز میں بولا۔ ''میں یہاں اپنی کہانی سنانے آیا ہوں۔ اپنے دل کا بوجھ اتارنے۔ اپنی زندگی پر تبصرہ کرنے نہیں۔ رینا اور میرے تعلقات بہت اچھے تھے۔''

''اوکے.....'' ڈاکٹر بولا۔

''ٹھیک ہے۔'' اشوک کا لہجہ بدستور ناگوار تھا۔

وہ کچھ سوچنے لگا یوں جیسے خیالات کا تسلسل جوڑ رہا ہو۔ اس کی آنکھیں ادھر ادھر گھومتے گھومتے الماری کے پٹ پر آن جمیں جو مکمل بند تھا۔

''کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس کو کھول دوں .....''

ڈاکٹر نے پوچھا۔

''نہیں.....'' اشوک چلا اٹھا۔ پھر دھیرے سے مسکرا کر بولا۔ ''کیا..... تمہارا خیال ہے کہ میں تمہارے گندے لباس دیکھنا چاہتا ہوں۔''

ڈاکٹر کچھ نہیں بولا وہ بس اشوک کی طرف دیکھتا رہا۔ جو تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد کہنے لگا۔

''بوگی مین..... وجے کو بھی لے گیا۔'' اشوک اپنے ماتھے پر ہاتھ رگڑتے ہوئے بولنے لگا یوں جیسے وہ اپنی سوچوں کو مجتمع کررہا ہو۔ ''ایک مہینہ پہلے یا شاید اس سے بھی کم میں نے الماری میں کچھ کھٹ پٹ سنی۔ اسی کے بعد وجے چیخنے لگا۔ میں نے پھرتی سے اٹھ کر کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ ہال کی روشنی اندر تک جارہی تھی۔ وہ اپنے بستر پر بیٹھا رو رہا تھا..... کمرے کے اندر ایک سایہ سا لہرایا اور پھر الماری کے تاریک پٹ کے عقب میں تاریکیوں میں کھو گیا۔''

جواب

ایک بزرگ نے کسی کافر سے کہا کہ اگر آپ میرے تین سوالوں کا جواب دیں گے تو میں مسلمان ہوجاؤں گا۔ بزرگ نے کہا کہ پوچھو۔ اس شخص نے کہا۔

''میرا پہلا سوال یہ ہے کہ جب خدا نظر نہیں آتا تو اسے کیوں کر مان لیا جائے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ جبکہ شیطان آگ کا بنا ہوا ہے تو دوزخ کی آگ اس پر کس طرح اثر کرے گی؟ اور تیسرا سوال یہ ہے کہ جب ہر کام خدا کی مرضی سے ہوتا ہے تو انسان اس کا ذمہ دار کیوں ٹھہرایا جاتا ہے۔''

بزرگ نے یہ سن کر قریب ہی ایک مٹی کا ڈھیلا اٹھا کر اس شخص کے مارا اور کہا۔ ''یہی تیرے تینوں سوالوں کا جواب ہے۔''

اس شخص کو مٹی کے ڈھیلے کے لگنے سے چوٹ آئی۔ اس نے قاضی کے پاس جا کر مقدمہ دائر کردیا۔

قاضی نے بزرگ کو طلب کیا اور کہا کہ ''آپ نے اس کے سوالوں کا جواب دینے کے بجائے مٹی کا ڈھیلا کیوں مارا؟''

بزرگ نے فرمایا۔ ''یہی اس کے تینوں سوال کا جواب ہے۔ جب میں نے اسے مٹی کا ڈھیلا مارا تو اس کا چوٹ لگی اور درد محسوس ہوا جبکہ درد اس کو نظر نہیں آیا تو اس نے درد کو کیوں مان لیا۔ یہی اس کے پہلے سوال کا جواب ہے کہ خدا نظر نہیں آتا لیکن محسوس ہوتا ہے۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جب یہ شخص خود مٹی کا بنا ہوا ہے تو پھر مٹی کے ڈھیلے نے اس پر اثر کیسے کیا؟ اسی طرح شیطان پر دوزخ کی آگ بھی اثر کرے گی۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جب میں نے اس کو مٹی کا ڈھیلا خدا کی مرضی اور حکم سے مارا تو اس نے میرے خلاف مقدمہ کیوں دائر کیا اور مجھے اس کا ذمہ دار کیوں ٹھہرایا؟''

یہ باتیں سن کر وہ شخص مسلمان ہوگیا۔

(حافظ علی۔ شاہ پور چاکر)

www.pdfbooksfree.pk

''کیا الماری کا دروازہ کھلا تھا...؟''

''بالکل تھوڑا سا... بالکل ایک دراز...'' اشوک نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری... وجے، بوگی مین کا نام لے کر رو رہا تھا اور اپنی توتلی زبان میں کچھ کہہ رہا تھا۔ تم جانتے ہو عموماً بچوں کو لفظ کی ادائیگی میں مشکل پیش آتی ہے۔ رینا بھاگ کر سیڑھیاں چڑھی اور پوچھنے لگی کہ ''معاملہ کیا ہے؟...''

میں نے بات بنادی اور اس سے کہا کہ ''وجے کھڑکی کے باہر ہلتے درخت کے سائے سے ڈر گیا ہے۔''

''[illegible] ہے... وہ الماری کا پٹ کہنا چاہ رہا ہو۔'' ڈاکٹر نے اندازہ لگایا۔

''[illegible] ہے۔'' اشوک بولا۔ ''ہوسکتا ہے ایسا ہی ہو۔ مگر میرا یہ خیال نہیں۔'' اس کی نگاہیں پھر الماری کے بند پٹ کا طواف کرنے لگیں۔

''کیا تم نے الماری میں جھانکا تھا...؟''

''ہاں...'' اشوک کے ہاتھ اپنے سینے پر سختی سے بھنچ گئے۔

''کیا اس کے اندر کچھ تھا... کیا تم نے کسی کو... یا... کچھ دیکھا...؟''

''وہاں کچھ نہ تھا۔'' اشوک ایک دم چیخ اٹھا۔ الفاظ اس کے حلق سے یوں ابھرے جیسے کسی نے اس کی روح کو کچل دیا ہو۔ ''جب وہ مرا تو میں نے اس کو دیکھا... وہ ایک دم سیاہ پڑ چکا تھا۔ بالکل سیاہ۔ اس کی زبان اس کے دانتوں تلے کچلی گئی تھی اور اس کی بے جان آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں۔ اس کی آنکھیں یوں ساکت تھیں جیسے کہ حنوط شدہ جانور یا پرندے کی آنکھیں۔ چمکدار سنگ مرمر کی مانند آنکھیں اور وہ یوں مجھ پر جمی تھیں جیسے کہہ رہی ہوں۔ ''ڈیڈی... تم نے مجھے مرنے دیا۔ تم نے مجھے مار دیا۔''

اشوک کے الفاظ اس کے حلق میں پھنسنے لگے اور موٹے موٹے آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر گالوں پر لڑھکنے لگے۔

''ڈاکٹروں نے پوسٹ مارٹم رپورٹ میں بتایا کہ بچے نے غلطی سے اپنی زبان چبا ڈالی تھی۔ میں اسپتال سے اکیلا گھر واپس آیا۔ رینا کو ڈاکٹروں نے سکون کی دوائیں دی تھیں۔ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہ تھی۔ میں گھر میں تنہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ ایک بچہ اس طرح کیسے مر سکتا ہے... میں روشنی جلتی چھوڑ کر کوچ پر لیٹ گیا۔'' اشوک کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی۔

''اس کے بعد کوئی واقعہ ہوا...'' ڈاکٹر نے کردیا۔

''میں نے ایک خواب دیکھا۔'' اشوک بولا۔ ''میں نے دیکھا... میں ایک تاریک [illegible] ہوں... وہاں کچھ تھا... میں واضح طور پر نہیں دیکھ سکا۔ الماری کے اندر کھڑکی پٹ کا شور ہوا۔ مجھے بچپن کی ایک کہانی یاد آگئی، جسے میں نے اس وقت پڑھا تھا میں بچہ تھا۔ تہ خانے کی کہانی... وہ میرے [illegible] اس میں ایک لڑکا تھا جس کا نام [illegible] موتھا۔ اس کہانی میں ایک عورت نے اپنے [illegible] کو ڈبو کر مار دیا۔ اس کے جسم کے ساتھ پتھر باندھا اور اس کو پانی میں پھینک دیا۔ مگر پھر وہ واپس آگیا مرنے کے بعد... وہ گل سڑ چکا تھا... مچھلیوں نے اس کی جگہ جگہ سے کھالیا تھا۔ آنکھوں کی جگہ گڑھے تھے۔ [illegible] میں سمندری گھاس پھنسی ہوئی تھی۔ وہ واپس آیا اور اس نے اپنی بیوی کو قتل کردیا۔ اور جب آدھی رات کو میری آنکھ کھلی تو میں نے محسوس کیا کہ کوئی میرے اوپر جھکا ہوا ہے اپنے لمبے لمبے نوکیلے دانتوں سمیت۔''

ڈاکٹر نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا۔ اشوک پچھلے آدھ گھنٹہ سے بول رہا تھا۔

''جب تمہاری بیوی گھر واپس آئی تو اس کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا تھا۔''

''اس کو مجھ سے بہت پیار ہے۔'' اشوک کے لہجے میں فخر تھا۔ ''وہ میری ہر بات پر لبیک کہتی تھی۔ کیا یہی ایک اچھی وفا شناس بیوی کا فرض نہیں۔ اس دنیا میں کسی شخص کے لئے سب سے اہم بات اپنا فرض پہچاننا ہے۔''

''زندگی میں ٹھہراؤ اسی سے آتا ہے۔''

''یہی بات...'' اشوک نے اپنی انگلی لہرائی۔''

www.pdfbooksfree.pk

بالکل درست..... ایک اچھی بیوی کو اپنے خاوند کی اطاعت کرنا چاہئے۔ اس واقعہ کے چار پانچ ماہ بعد تک وہ بالکل بے رنگ، اداس اور بے کیف رہی۔ پورے گھر میں ڈانواں ڈول پھرتی رہتی۔ نہ گنگناتی، نہ ٹی وی دیکھتی، نہ ہنستی۔ مگر میں جانتا تھا وہ اپنی اس حالت پر قابو پالے گی۔ وہ اب ایک اور بچہ چاہتی تھی۔'' وہ اداسی سے بولا۔'' میرا خیال تھا کہ یہ کوئی اچھا خیال نہیں ہے..... میرا مطلب ہے..... شاید ابھی اس کا وقت نہیں تھا.....

کچھ عرصہ بعد اس پر عمل ہوسکتا تھا میں نے اس سے کہا کہ بہتر ہے کہ ہم پہلے اپنی حالت پر قابو پائیں۔ زندگی کی رو میں واپس آ ئیں۔ ایک دوسرے کی خوشی کا سبب بنیں۔ شاید ابھی تک ہم نے پہلے کبھی اس پر پورا عمل نہیں کیا تھا۔ اگر آپ فلم دیکھنے جائیں تو بچوں کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ آپ بچوں کے ہمراہ بازار نہیں جاسکتے۔ اس طرح بچوں کے ساتھ بھی ایک فاصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ میں بتا چکا ہوں کہ اسے ہماری شادی کے فوراً بعد پیدا ہو گیا تھا۔ میری ماں کو رینا پسند نہیں تھی۔ وہ اس کو دھوکے باز سمجھتی تھی۔ وہ تو میری شادی میں بھی نہیں آئی تھی۔''

اشوک اپنی چھاتی پر اپنی انگلیاں پھیرنے لگا۔

''ہم ایک اور بچہ فوری نہیں چاہتے تھے۔ مگر اگلے ہی سال رینا ایک بار پھر امید سے ہوگئی اور اپنا غم بھول کر نئی خوشی میں مگن ہوگئی۔ ننھی ننھی جرابیں اور سویٹر بننے لگی۔ نئی امیدوں کے دیئے جلانے لگی۔ وجے کے مرنے کے بعد سال کے آخر میں وہ ہمارے گھر آ گیا۔ رینا نے اس کا نام سنیل رکھا اور مجھے بھول کر اس بچے میں مگن ہوگئی سنیل بالکل مجھ پر گیا تھا۔ اجے اپنی ماں پر تھا۔ وجے کسی پر بھی نہیں تھا۔ شاید تھوڑا بہت اپنی دادی پر تھا مگر سنیل تو ہو بہو میرا عکس تھا۔

کام سے واپس آ کر میں اس سے کھیلنا شروع کر دیتا۔ وہ میری انگلی تھام لیتا اور مسکراتے ہوئے کلکاریاں مارنے لگتا۔ اب وہ نو ہفتوں کا ہو چکا تھا۔ میں اس کے لئے کھلونے خرید کر لانے لگا۔ مجھے احساس ہوا کہ میں اس سے بہت پیار کرنے لگا ہوں۔ جب وہ سال بھر کا ہوا تو ہم نے وہ گھر چھوڑ دیا اور نئی جگہ منتقل ہوگئے۔ پرانے گھر سے بہت سی تلخ یادیں وابستہ تھیں۔

نیا گھر ایک پرانے محلے میں تھا۔ ندی کے کنارے بنے پرانے مندر سے کچھ فاصلے پر۔ نیم برہنہ جوگی ہمارے آس پاس کی گلیوں میں پھرتے رہتے تھے۔ ہمارا گھر پرسکون محلے میں بہت نفیس پڑوسیوں کے ساتھ تھا۔ مختصراً یہ کہ ہم بہت خوش تھے۔ رینا بھی پرسکون ہو چکی تھی۔ سنیل ہمارے لئے بہت اہم تھا۔ رینا کہتی تھی۔''اس بچے پر ایشور کی خاص دیا ہے۔''

اشوک کی نگاہیں چھت پر جمی ہوئی تھیں۔ کچھ دیر بعد وہ دوبارہ بولا۔

''پچھلا سال کچھ اچھا نہ تھا۔ اگرچہ گھر تبدیل کرلیا تھا مگر سوچیں ابھی بھی ڈس رہی تھیں، میں خوف زدہ تھا اس لئے الماری کم ہی استعمال کرتا تھا۔ میں نے اپنے جوتے الماری کے بجائے ہال میں رکھنا شروع کر دیے کیونکہ انہیں رکھنے کے لئے الماری کا دروازہ کھولنا پڑتا اور مجھے یہ پسند نہیں تھا۔ میں سوچتا رہتا کہ آخر اس کے اندر کیا ہے۔ کیا اس کا دروازہ کھول دوں؟ میں الماری کے اندر ہلچل کی آواز سن سکتا تھا۔ کبھی کبھار تاریکی میں کچھ سائے بھی حرکت کرتے محسوس ہوتے۔ مگر مجھے معلوم تھا کہ یہ میرا وہم ہے کیونکہ وہ الماری تو پرانے گھر میں ہی رہ گئی تھی یہ گھر نیا تھا اور وہ..... جو کوئی بھی تھا ہمیں تلاش نہیں کرسکتا۔ مگر میں پریشانی کے بوجھ تلے دبتا چلا گیا ایک انجانا سا خوف مجھے اپنے حصار میں لئے رکھتا۔

رینا مجھ سے پوچھتی کہ میں زیادہ کام تو نہیں کر رہا۔ مگر میں اس کو کوئی جواب دینے کی بجائے جھنجھلا کر ڈانٹ دیتا۔ میں گھر سے باہر سکون محسوس کرتا۔ پھر ایشور نے میری مدد کی۔ رفتہ رفتہ میں پرسکون ہوتا گیا۔ مگر ایسا زیادہ دیر نہ رہا۔

ایک سال گزر گیا..... اور..... اس نے ہمیں

www.pdfbooksfree.pk

تلاش کر ہی لیا۔ وہ لوٹ آیا۔

جب آپ زیادہ دیر تک کسی بات کے متعلق سوچتے ہیں تو اس حقیقت کا گمان ہونے لگتا ہے۔ وہ سچ مچ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے بچپن میں ہی ہم سب سے زیادہ بھوتوں سے خوف زدہ رہتے ہیں۔''

''میرا خیال ہے مسٹر اشوک ہم اصل موضوع پر آ جائیں۔'' ڈاکٹر نے اس کو ٹوک دیا۔

مگر اشوک کی خاموشی کا وقفہ طویل ہوتا چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولنے لگا۔ ''سنیل فروری میں مر گیا۔ رینا اس وقت گھر میں موجود نہیں تھی۔ وہ اپنے والد سے ملنے گئی ہوئی تھی۔ نئے سال کے پہلے دن ہی اس کی ماں سڑک کے ایک حادثے میں شدید زخمی ہو گئی تھی اور اس کے بچنے کی امید بہت کم تھی۔ اس کی ماں مری تو نہیں لیکن طویل عرصہ بستر پر رہی..... پورے دو مہینے..... اس دوران میں بچہ میرے کمرے میں، میرے ساتھ ہی سوتا رہا۔ رینا نے ایک دفعہ مجھ سے پوچھا کہ ''کیا ہمیں بچے کو دوسرے بیڈ روم میں منتقل کر دینا چاہئے.....؟''

مگر میں اسے اور وجے کے حادثے کی وجہ سے خوف زدہ تھا اور اب سنیل کو اپنے آپ سے علیحدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔''

''مگر تم نے اسے علیحدہ کر دیا نا.....'' ڈاکٹر نے پوچھا۔

''ہاں.....'' اشوک بولا تو اس کے ہونٹوں پر بے بس مسکراہٹ تھی۔ ''ہاں میں نے کر دیا۔''

اشوک دوبارہ خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر بعد وہ دوبارہ بولا۔ ''جب تک رینا اپنے والدین کے گھر نہیں گئی ہر چیز ٹھیک رہی تھی۔''

پھر اس نے آنکھیں گھما کر ڈاکٹر کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''تم یقین نہیں کرو گے کہ ایک رات گھر کا ہر دروازہ بغیر کسی وجہ کے ایک جھٹکے سے کھل گیا۔ صبح جب میں جاگا تو باہل میں بنی الماری اور دروازہ کے بیچ فرش پر مٹی اور کیچڑ کی ایک تہہ تھی..... میں ششدر رہ گیا۔ کیا وہ..... الماری سے باہر آ گیا تھا؟ کھڑکیوں کے شیشوں پر کھرچنے کے نشانات تھے۔''

اشوک نے اپنی انگلیاں اپنے بالوں میں پھیریں اور پھر دوبارہ بولنے لگا۔ ''رات کے تین بجے تمہاری آنکھ کھل جائے تو پہلی نظر گھڑی پر پڑتی ہے مگر اس رات مجھے اس کے نیچے کسی چیز سے گھسنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ بالکل واضح تھی شاید وہ چاہتا تھا کہ میں اس کو سنوں۔ پھر کچھ دیر بعد باورچی خانے میں تل کے ٹپکنے کی آواز آنے لگی۔ سیڑھیاں چڑھنے کی آواز ابھری تو میں نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔

کچھ لمحوں کے لئے آوازیں رک گئیں۔ پھر میرے کان کے قریب بلکے سے قہقہے کی آواز ابھری اور کسی کی سڑی ہوئی سانس کی بو میری ناک سے ٹکرائی۔ پھر ایک ہاتھ میرے گلے کو بانے لگا۔''

یہ سب بیان کرتے ہوئے اشوک کا رنگ ہلدی ہو گیا اور وہ تقریباً کانپنے لگا۔

''میں نے بھی زور لگانا شروع کیا۔ مجھے یقین تھا کہ میں اس کو ہٹانے میں کامیاب ہو جاؤں گا اور ایسا ہی ہوا۔ میں جانتا تھا کہ اب وہ بچے کی طرف جائے گا کیونکہ وہ کمزور ہے اور وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ وہ پہلی اور آخری رات تھی جب سنیل آدھی رات کو چیخا۔ میں لپک کر باہر نکلا اور اس کے کمرے کی طرف بھاگا۔ وہ اپنے کمرے میں کھڑا چیخ رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ ''بوگی مین..... ڈیڈی..... بوگی مین.....''

اشوک کی آواز مرتعش ہو گئی۔ وہ بالکل بچوں کی طرح لرز رہا تھا۔ ''میں نے سنیل کو تسلی دی اور پھر دروازہ بند کرنے کے لئے مڑا۔ اسی وقت پھر بچے کی چیخ میرے عقب میں ابھری ایک دلدوز چیخ تو میں گھبرا کر مڑا.....

دل دہلا دینے والا منظر تھا۔ وہ سنیل کو جھنجھوڑ رہا تھا۔ اس کے خمیدہ شانوں پر لٹکتا چولا۔ پرانی ہنڈیا جتنا بڑا سر۔ بالکل یوں جیسے کسان کھیتوں میں چڑیوں کو ڈرانے کے لئے بڑا سا پتلا کھڑا کر دیتے ہیں۔ اس

www.pdfbooksfree.pk

کے پاس سے مردہ چوہے کی بدبو آرہی تھی۔ وہ سنیل پر جھکا ہوا تھا۔ پھر میرے کچھ کہنے..... کچھ سمجھنے سے پہلے اس نے ایک جھٹکے سے سنیل کی گردن مروڑ دی۔'' اشوک کی آواز رندھ گئی۔

''پھر کیا ہوا.....؟''

''میں خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔'' اشوک اسی مردہ آواز میں بولا۔ ''میں مکمل خوف زدہ تھا، بزدل بن گیا اور گھر سے باہر بھاگ گیا۔ تمام رات پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر پھرتا رہا۔ پھر میں گھر واپس آ گیا۔ اس وقت پو پھٹ رہی تھی۔ اوپر کمرے میں جانے سے پہلے میں نے پولیس کو فون کیا۔ سنیل ابھی تک فرش پر پڑا تھا اور اس کی آنکھیں میری طرف جمی ہوئی تھیں جیسے وہ مجھے الزام دے رہا ہو۔ اس کے ایک کان سے خون کا ایک قطرہ نکلا تھا..... صرف ایک قطرہ..... الماری کا پٹ کھلا تھا اور اس میں درازنی ہوئی تھی۔''

اشوک کی آواز ڈوب گئی۔ ڈاکٹر نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا۔ پچاس منٹ گزر چکے تھے۔

''نرس سے کسی اور دن کا وقت لے لو۔ ابھی اور مریض بھی ہیں جن سے مجھے ملنا ہے۔ تم منٹل اور جمرات کو پھر آؤ۔''

''میں یہاں..... صرف اپنی کہانی سنانے آیا ہوں۔ اپنے سینے کا بوجھ ہلکا کرنے.....'' میں نے پولیس سے جھوٹ بولا۔ ان کو بتایا کہ ''شاید رات کو بچہ اپنے بستر سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا اور سر کے بل فرش پر گر گیا۔'' انہوں نے میری بات کا یقین کر لیا، لگ بھی ایسا ہی رہا تھا کہ یہ ایک حادثہ ہے..... مگر رینا جانتی تھی اصل بات۔''

اس نے ایک ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھا اور بچوں کی مانند بلکنا شروع کر دیا۔

''مسٹر اشوک اس گفتگو کے لئے بہت وقت چاہئے۔'' ایک وقفے سے ڈاکٹر بولا۔ ''مجھے یقین ہے کہ میں تمہارا پچھتاوا دور کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا مگر اس کے لئے تمہاری رضامندی ضروری ہے۔''

''کیا تمہیں میری بات کا یقین نہیں؟'' اشوک چلا اٹھا۔ اس کی آنکھیں لال ہو رہی تھیں۔

''یقین ہے ..... مگر..... ہم اس پر منٹل اور جمعرات کو بات کریں گے۔'' ڈاکٹر نے اطمینان سے جواب دیا۔

ایک وقفے کے بعد اشوک بولا۔ ''ٹھیک ہے..... جیسے تم چاہو۔''

''اگلی ملاقات کا وقت نرس سے لے لو.....''

اشوک کے ہونٹوں پر زہر خند مسکراہٹ ابھری..... وہ تیزی سے اٹھا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس نے مڑ کر پیچھے نہیں دیکھا۔ باہر نرس کی میز خالی پڑی تھی۔ وہ شاید کسی کام سے اٹھ کر کہیں گئی تھی۔

اشوک مڑا اور دوبارہ ڈاکٹر کے دفتر میں چلا گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی بولا۔ ''ڈاکٹر..... باہر تمہاری نرس.....''

اس کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ ڈاکٹر کا کمرہ بالکل خالی پڑا تھا..... اشوک ایک دم چپ ہو گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ڈاکٹر کہیں نہیں تھا۔

مگر..... دیوار گیر الماری کا ایک پٹ کھلا تھا..... ایک درز کے برابر.....

''بہت خوب.....'' الماری سے ایک سرسراتی ہوئی آواز ابھری۔ ''بہت خوب.....''

اشوک آواز سنتے ہی اپنی جگہ ٹھٹھک کر رہ گیا۔

الماری کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا تو اشوک کا منہ مارے حیرت کے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''بہت خوب.....'' وہ الماری سے باہر آتے ہی بولا۔ ''تمہیں واپس آنا ہی تھا.....''

بوگی مین الماری سے باہر آ گیا۔ اس کے ایک نوکیلے پنجوں والے ہاتھ میں ابھی تک اسٹیتھو سکوپ تھا اور جسم پر ڈاکٹر کا سفید کوٹ تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

زندہ صدیاں

ایم اے راحت

قسط نمبر:09

صدیوں پر محیط سوچ کے افق پر جھلمل کرتی، قوس قزح کے دھنک رنگ بکھیرتی، حقیقت سے روشناس کراتی، دل و دماغ میں ہلچل مچاتی ناقابل یقین ناقابل فراموش انمٹ اور شاہکار کہانی

سوچ کے نئے دریچے کھولتی اپنی نوعیت کی بے مثال، لاجواب اور دلفریب کہانی

کوروتی بتا رہی تھی کہ اصنا کیہ کی حیثیت سے وہ اپنے محبوب اولاش کے پاس بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھی اور اولاش اسے بتا رہا تھا کہ موسیٰ عقیدے کے ماننے والے کسی غیر مذہب میں شادی نہیں کر سکتے ان کے عقیدے کے مطابق یہ گناہ ہے اور کوروتی یعنی اصنا کیہ اس انکشاف پر اداس ہو گئی تھی، لیکن بہر حال روایتیں اسی طرح کی ہوتی ہیں، اس طرف سکندر سے جنگ کرنے والا لشکر مکمل طور پر تیار تھا اور اسے صرف دو دن کے بعد روانہ ہو جانا تھا، شہر کی سڑکوں پر ہنگامے برپا تھے، ہر سمت جنگ کے لئے جانے والے سپاہ کے گھوڑے اور خچروں کی آمد و رفت کی بنا پر خوب رش ہوتا تھا اور باہر نکلنا ممکن نہیں تھا جبکہ کوروتی کا کہنا تھا کہ وہ اپنے محبوب اولاش سے ملنے کے لئے بے قرار ہو رہی تھی، اس نے کہا۔

''میں نے صبا کو اشرفیوں کی تھیلی دی کہ محل کے دربانوں کو رشوت دے کر کسی طرح اولاش کو اس کے پاس لے آئے اور یہ ترکیب کارگر ہوئی، اس دن ٹھیک دوپہر ہی کے وقت جب سب لوگ اپنے کمرے میں آرام کر رہے تھے صبا اسے ایک خالی کمرے میں لے آئی، میں خاموشی سے وہاں پہنچ گئی اور میں نے صبا کو نگرانی کے لئے باہر چھوڑ دیا جبکہ اولاش اس کمرے میں آ گیا تھا، میں نے اپنے رخسار اس کے سینے سے رگڑتے ہوئے کہا۔

''دو دن کے بعد تم مجھ سے جدا ہو جاؤ گے میری زندگی کے سب سے بڑے ساتھی اور پھر کون کہہ سکتا ہے کہ قسمت ہمیں دوبارہ ملاتی بھی ہے یا نہیں۔'' میرے لہجے میں بے پناہ افسردگی تھی۔

زندہ صدیاں پڑھنے والو.....! ہنسو ان لمحات پر جب کوروتی مجھے یہ بتا رہی تھی اور میں جدید دور کے ایک جدید انسان کی حیثیت سے شدید رقابت محسوس کر رہا تھا، لیکن اس وقت کوروتی میری جانب متوجہ نہیں تھی اس کے ذہن میں اپنے اس محبوب کا تصور تھا ہاں میرے پاس سوچنے کے لئے خاصی باتیں موجود تھیں یعنی یہ کہ میں ذیشان عالی صدیوں پرانے ایک کردار میں گم تھا اور مجھے میرے فن میں مدد مل رہی تھی، بجائے اس کے کہ میں حسن و عشق کے جال میں گرفتار ہو کر اپنے منصب سے ہٹتا بہتر یہی تھا کہ کوروتی سے تاریخ کی داستانیں سنتا رہوں۔ سو میں نے اس بات کو اپنے ذہن سے جدا کر دیا جبکہ کوروتی افسردہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

تب مجھ سے اولاش نے کہا ''مایوس نہ ہو

www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk

اصنا کیہ! میرا دل کہتا ہے کہ ہم دوبارہ ضرور ملیں گے اور میں تم سے اس بات کی قسم کھاتا ہوں کہ زندگی کی آخری سانس تک تم سے محبت کرتا رہوں گا۔''

''اوہ میری زندگی میرے روح میری محبوب، کاش تم فارس کے باشندہ ہوتے تو جنگ کے بعد میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلتی اور اپنے باپ سے التجا کرتی کہ تمہیں کسی اچھے عہدے پر فائز کر کے ہماری شادی کردے۔''

''شادی۔'' اولاش نے چونک کر کہا۔'' آہ اصنا کیہ، صرف یہی نہیں کہ ہمارے درمیان فاصلہ ہے، رتبوں کا فاصلہ، درجوں کا فاصلہ، بلکہ میں یہودی ہونے کی بنا پر تم سے کبھی شادی نہیں کرسکتا۔''

''لیکن ہم انسان بھی تو ہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے، لیکن صدیوں کی ریت نہیں توڑی جاسکتی۔''

''تو کیا ہماری محبت ناکام رہے گی؟'' میں نے تڑپ کر کہا۔ وہ بھی میری طرح دیوانہ ہورہا تھا۔ اس نے بے تاب ہوکر مجھے بازوؤں میں بھر لیا اور بولا۔

''میں ان آنکھوں میں یہ موتی نہیں دیکھ سکتا اصنا کیہ، خدا کے لئے آنسو نہ بہاؤ، ہماری محبت شادی کی محتاج نہیں ہے، میری زندگی۔ تمہارا جسم کسی اور کا ہوسکتا ہے لیکن تمہاری روح ہمیشہ میری رہے گی۔ یہ جسمانی فاصلے ہمیں کبھی جدا نہ کرسکیں گے، ہم زندگی کے آخری لمحے تک صرف اور صرف ایک دوسرے کے رہیں گے۔''

تبھی صبا نے دروازے پر دستک دے کر خبردار کیا کہ کوئی آرہا ہے یہ اور اس کے بعد ہمارے لئے اس کمرے میں رہنا ممکن نہ رہا، البتہ اولاش نے کہا تھا کہ ابھی کل کا دن باقی ہے اور کل وہ پھر یہیں پر آجائے گا، یہ وعدہ کرنے کے بعد اولاش وہاں سے چلا گیا اور میں اداسی سے اس کے تصور میں کھوگئی۔ اس روز میرے بابار ات تک نہیں آئے تھے اور میں بے حد اداس تھی اس لئے میں اپنے استاد کے پاس چلی گئی اور اس سے پوچھا کہ ستارے جنگ کے بارے میں کیا کہتے ہیں، میرا خیال تھا کہ استاد محترم مجھے فتح کی خوشخبری سنائیں گے، لیکن ستارہ شناس اپنے فن کا ماہر تھا، اس نے فکرمند لہجے میں کہا۔

''جو کچھ قسمت میں لکھا ہوتا ہے ہم اسے تبدیل نہیں کرسکتے اصنا کیہ، ستارے ابھی تک مجھے کوئی خوشخبری نہیں دے رہے ہیں۔''

''لیکن ہمارا لشکر تو بہت عظیم ہے، بہت ہی عظیم اور یہ اندازہ ہورہا ہے کہ سکندر کی فوجیں اس کے آگے نہ رک سکیں گی۔''

ابھی ہم یہی باتیں کررہے تھے کہ خواجہ سرا اندر آگیا اس نے استاد اعظم کو تعظیم دی۔

''مقدس بزرگ! میں شاہی حرم کے خواجہ سراؤں کا رئیس ہوں، اس وقت شاہ اعظم نے اپنے کمرہ خاص میں شہزادی اصنا کیہ کو طلب کیا ہے اور وہ ان کا انتظار کررہے ہیں۔''

خواجہ سرا نے مودبانہ انداز میں کہا اور مجھے اپنا خون رگوں میں منجمد ہوتا محسوس ہونے لگا۔ اس خبر نے اوسان خطا کردیئے، میں جانتی تھی کہ اس طلبی کا مقصد کیا ہے، تاہم استاد اعظم نے فوراً ہی کہا۔

''بادشاہ کو اطلاع دو کہ شہزادی اس کی خدمت میں حاضر ہورہی ہیں۔'' استاد اعظم کے لہجے کا کوئی اندازہ نہیں تھا، ظاہر ہے ان کے لئے یہ کوئی مشکل عمل نہیں تھا، لیکن مجھے اس کی آواز دور سے آتی محسوس ہورہی تھی۔ اسی وقت میرے حلق سے ایک دہشت زدہ آواز نکلی۔

''نہیں، نہیں..... میں نہیں جاؤں گی، میں کسی کی کنیز نہیں ہوں۔'' میرے لہجے میں بے پناہ خوف تھا، لیکن استاد اعظم کو اس صورت حال کا اندازہ تھا اس نے خوف زدہ نگاہوں سے خواجہ سرا کی طرف دیکھا اور پھر غصے سے میرے شانے جھنجھوڑتا ہوا بولا۔

''لڑکی کیا دیوانی ہوگئی ہے، شاہ کے حکم سے سرتابی کی جرأت کون کرسکتا ہے، کیا تجھے اس کا انجام نہیں معلوم؟''

میں نے روتے ہوئے التجا کی کہ استاد محترم خدا کے لئے مجھے بچالیجیے، میں بادشاہ کی کنیز نہیں بن سکتی، میں

www.pdfbooksfree.pk

حرم کی قید و بند برداشت نہیں کرسکتی میں شاہی گلوکار اولاش سے محبت کرتی ہوں، یہ نہ پوچھئے کہ میری محبت کیسے ہوئی، بس یہ سمجھ لیجئے کہ میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی میں اس کے بغیر مر جاؤں گی یہی میرا محبوب ہے۔"

"تم جس سے چاہو محبت کرسکتی ہو اعنا کیہ، لیکن آج کی رات تم کو بادشاہ کے ساتھ بسر کرنا ہوگی۔ جنگ پر روانہ ہونے سے پہلے شاہ کے اعصاب کو سکون کی ضرورت ہے۔"

"آہ کیا آپ کسی صورت مجھے اس عذاب سے نہیں بچاسکتے، کوئی صورت نکالئے۔"

"اعنا کیہ میری بچی..... کوئی ایسی صورت نہیں ہے، شاید قسمت کو یہی منظور ہے، ہاں لیکن میں تمہیں یہ ضرور بتانا چاہتا ہوں کہ تم بادشاہ کی حرم میں ہمیشہ نہیں رہوگی، تمہارے ستارے بہت بلند ہیں اور تم تاریخ میں ایک نمایاں مقام حاصل کروگی، اس لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اتنا میں بھی جانتی تھی ذیشان عالی کہ انکار کی صورت میں میرا انجام کتنا بھیانک ہوگا، لیکن جو کچھ ستارہ شناس نے کہا تھا اس نے ایک دم مجھے سہارا سا دیا اس نے ستاروں کی پیشگوئی جو کی تھی اس نے مجھے بڑی تسلی پہنچائی، خیر میرے لئے سواری تیار تھی، میں صبا کے ساتھ شاہی محل پہنچ گئی، خواجہ سرا اور کنیزوں نے مجھے عطر آمیز پانی سے غسل دیا میرے جسم پر طرح طرح کے رد غنوں کی مالش کی گئی اور دلہن کی طرح مجھے سجا کر شاہ کی خواب گاہ میں پہنچادیا گیا۔ میں شاہ فارس کی سونے سے بنی ہوئی مسہری پر لیٹی ہوئی تھی، آنے والے لمحات کے تصور سے میرا دل اچھل رہا تھا کہ اچانک ہی شاہ دارا اندر داخل ہوا اور میں اچھل کر کھڑی ہوگئی اور پھر تعظیم کے لئے سجدہ ریز ہوگئی۔

"اٹھو اعنا کیہ! تم چاند کی طرح روشن ہو، تمہارا حسن و شباب مسرتوں سے چھلکتا ہوا جام ہے۔" شاہ نے کہا کہ میرا جسم لرز رہا تھا، وہ بولا۔

"میں نے پہلی ہی نظر میں تمہیں منتخب کرلیا تھا اور تمہیں شاید اندازہ نہیں ہوسکے گا کہ اس دن سے آج تک میں نے کتنی بے چین راتیں گزاری ہیں، جنگ کی تیاریاں میرے سر پر مسلط تھیں جس کی وجہ سے میں نے تم سے دوری، برداشت کی، خیر آؤ میری آغوش محبت میں سما جاؤ۔"

میرے لئے تعمیل کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا ذیشان عالی! دوسری طرف شاہ کی محبت میں شدید اضطراب تھا بے قراری تھی، اس نے کہا۔

"تمہارے قرب میں جو کشش ہے وہ انسانوں کو دیوانہ بنا سکتا ہے اور میں بھی آخر ایک انسان ہی ہوں، بے شک میں جانتا ہوں کہ میری پرستش جائز ہے لیکن اس کے باوجود ہوں تو میں انسان ہی، میری سمت دیکھو اعنا کیہ، میں ان آنکھوں میں مسرت دیکھنا چاہتا ہوں مجبوری نہیں، میں اس ملکوتی حسن کی ساری مستیاں اپنی آنکھوں سے پی جانا چاہتا ہوں۔"

مجھے میرے استاد نے بتایا تھا کہ میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ میں شاہ کی محبت کو قبول کرلوں، اس کی فرمت کو قبول کرلوں، چنانچہ میں دل پر جبر کر کے مسکرادی، پردے کے پیچھے بیٹھے ہوئے اندھے موسیقاروں نے ہیجان خیز دھن چھیڑ دی، تھوڑی دیر کے لئے میں نے یہ بھلادیا کہ میں کون ہوں، میری تصور کی نگاہیں خود سپردگی کے عالم میں شاہ کو دیکھ رہی تھیں جس کے روپ میں، میں نے اپنے محبوب اولاش کو دیکھا، دوسری طرف شاہ کہہ رہا تھا۔

"حسن کی دیوی، اعنا کیہ تم نے مجھے نئی زندگی عطا کردی ہے، اوہ تم کس قدر حسین ہو۔ میں نے تم جیسی لڑکی اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی اور اب میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، تم میرے ساتھ چلوگی کیا سمجھیں، تم میرے ساتھ چلوگی۔"

ایک لمحے کے لئے تو میرا دل دھک سے ہوگیا، ذیشان عالی، لیکن دوسرے لمحے میں خوش ہوگئی چونکہ مجھے معلوم تھا کہ اس سفر جنگ میں اولاش بھی ساتھ ہی ہوگا، خیر سکندر کی سرکوبی کے لئے شاہ چھ لاکھ کی سپاہ لے

www.pdfbooksfree.pk

کر روانہ ہوا، اس میں ہندوستان اور عرب سمیت چالیس ممالک کے جنگجو شامل تھے، زمین انسان اور جانوروں کی اتنی بڑی تعداد کے قدموں کی چاپ سے ہلنے لگتی تھی، لشکر کے ساتھ میں شاہ کی ملکہ اور بچے تین سو کنیزیں اور میرا اپنا خاندان بھی تھا، ہم نے تیس دن کی مسلسل صبر آزما مسافت کے بعد آخر کار ایک جگہ قیام کیا۔

آسو ریہ کے میدانی علاقے میں تاحد نظر خیمے ہی خیمے لگ گئے، سرداروں کے رنگ برنگے خیموں پر ان کے اپنے پرچم لہرا رہے تھے، میدان کے سبزہ زار پر ہزاروں جانور گھاس چر رہے تھے۔ انسانوں کا ایک سمندر تھا جو ہر سمت پھیلا ہوا تھا۔

ذیشان عالی چشم تصور سے دیکھو اور صدیوں کی زندگی کو تسلیم کرو، زندہ صدیوں میں جو مناظر سمائے گئے ہیں وہ دنیا کی ہر جنگ سے زیادہ خوبصورت اور حقیقتوں سے قریب ہیں، جنگ کی مشقیں جاری تھیں، کہیں رتھوں کی مرمت ہو رہی تھی کہیں ہتھیار تیز کیے جا رہے تھے، کہیں تیغ زنی اور تیر اندازی کی مشق کی جا رہی تھی اور ان سب سے الگ ایک جگہ شاہی خاندان کے خیمے تھے، انہی میں سے ایک خیمہ میرا بھی تھا۔ بادشاہ کی تین سو کنیزوں میں مختلف ممالک کی حسینائیں تھیں، ان میں بعض ایسی تھیں کہ جن کے حسن پر نگاہیں نہ ٹھہریں، ان میں سے کتنی ہی ایسی تھیں جن کو شاہ کی سیج پر ایک مرتبہ سے زیادہ جگہ نہ ملی تھی۔ لیکن ان بے بس قیدیوں کی ذرا سی بیوفائی ان کی موت کا پروانہ بن سکتی تھی۔ مجھے ان کی بے بسی پر ترس بھی آتا تھا، حالانکہ شاہ کی منظور نظر ہونے کی بنا پر وہ سب مجھ سے حسد کرتی تھیں۔

ہرات مجھے خیمہ شاہی میں پہنچا دیا جاتا جو اتنا بڑا تھا کہ اس کے ایک حصے میں شاہ دارا کی خوابگاہ تھی دوسرے میں کھانے کا کمرہ، اس سے ملحق دربار کا ہال۔ جب میں شاہ دارا کے ساتھ کھانا کھا رہی ہوتی تو برابر والے حصے میں میرا محبوب اولاش شاہ فارس کے لئے نغمہ بکھیر رہا ہوتا۔ ہمارے درمیان صرف ایک معمولی سا پردہ تھا، لیکن میں اس سے ملنا تو کجا اس کا دیدار بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس سے زیادہ ستم ظریفی اور کیا ہو سکتی تھی، میرے والد کو دن میں ایک مرتبہ مجھ سے ملنے کی اجازت تھی۔ عورتوں کے خیمے ایک علیحدہ حصے میں تھے، وہاں سرگوشی میں باتیں کی جاتی تھی، میرا باپ ہمیشہ غمیش وغضب میں ہوتا اور شاہ دارا کو جی بھر کے کوستا، اس کے علاوہ اور وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ میں ان کو تسلی دیتی اور یقین دلاتی کہ جلد ہی شاہ کی اس قید سے نجات مل جائے گی۔

بہر حال یہاں قیام کی تیرہویں رات تھی، شاہی خیمہ گاہ کی خواب گاہ کے پردے میں سے جھانک کر میں دربار شاہی کا منظر دیکھ رہی تھی، وسیع ہال نما خیمے میں شاہ سونے کے تخت پر مسند نشیں تھا، گرد و پیش کمانداروں سرداروں کا حلقہ تھا، اس کے بعد مختلف صوبوں کے گورنر جن کو ساتراک کہتے تھے اور ان کے بعد درجہ بہ درجہ دوسرے شاہی اہلکار تھے، شاہ کے پچھلے محافظوں کا ایک مسلح دستہ کھڑا ہوا تھا اور ان کے قریب ہی دیسس کھڑا ہوا تھا۔ وہ الوٹھر کا ساتراک اور بہت دلیر کمانڈر تھا جسے شکست دے کر سکندر نے فرار ہونے پر مجبور کر دیا تھا اور وہ اس کے بعد سے سکندر کا جانی دشمن خیال کیا جاتا تھا۔

''جو کچھ تمہارا حال ہے اسے بے دھڑک میرے سامنے ظاہر کرو دیسس۔'' شاہ دارا نے غضب ناک لہجے میں کہا۔ ''مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم ہماری جنگی تیاریوں کا مذاق اڑا رہے ہو۔''

''یہ جانتے ہوئے بھی شاہ عالم کہ میری راست گوئی حضور کو ناگوار گزرے گی۔ میں حقیقت پسندی سے کام لوں گا۔ لاکھوں جنگجو سپاہی اس کی زرہ برق پوشاک اس کے چمکیلے ہتھیار یہ سب شان و شوکت دیکھ کر اہل فارس آپ کی قوت سے مرعوب ہو سکتے ہیں اور ان کے سامنے سلطنت کا کوئی فرد سر اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ لیکن مقدونیہ کا حکمران سکندر یا اس کے بہادر جنگجو سپاہی دشمن کی بڑی تعداد یا اس کے لشکر کی شان و شوکت کو خاطر میں نہیں لاتے، ان کی وردیاں معمولی ہیں لیکن ان کے نیزوں کی نوکیں اور ان کی تلواروں کی کاٹ کے آگے شاہی لشکر کا ٹھہرنا محال ہوگا، مقدونی

www.pdfbooksfree.pk

سپاہی ناقابل شکست ہیں ان کی شجاعت اور دلیری بے مثال ہے۔ ان کا خصوصی تربیت یافتہ دستہ بڑی سے بڑی فوج کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ اور پھر سکندر کا لشکر اپنے سردار کے اشارے پر جان نثار کرنے کا جذبہ لے کر لڑتا ہے۔ وہ شکست کے نام سے واقف نہیں ہے، ان دلیر اور جنگجو جوانوں کے سامنے شاہی لشکر کا ٹھہرنا میرے خیال میں ممکن نہیں ہوگا۔''

دربار میں کچھ دیر کے لئے موت کا سناٹا طاری ہوگیا، لیکن پھر اچانک ہی ایک سردار نے گرجدار آواز میں کہا۔

''زبان کو لگام دے ویمس۔ تو شاہ دارا کے سپاہیوں کی توہین کر کے شاہی غیض وغضب کو دعوت دے رہا ہے۔''

ویمس اس کی سمت غصے میں پلٹا اور بولا۔ ''لیکن میں جو کچھ کہہ رہا ہوں سچ کہہ رہا ہوں، سکندر کے سواروں کے آگے کرائے کے لشکر کا ٹھہرنا مشکل ہے، اس کے جوان اپنے سردار اپنے ملک کے لئے جنگ کرتے ہیں، وہ ہمارے لشکر کی طرح کرائے کے فوجی نہیں ہیں، میں پھر یہی کہوں گا کہ اس سے پہلے کہ سکندر کا شیر دل لشکر یہاں پہنچے بھاگ نکلوا ہی میں سلامتی ہے۔''

''گرفتار کرلو اسے۔'' شاہ دارا کی گرجدار آواز فضا میں گونجی اور بیک وقت بہت سے سردار تلوار کھینچ کر آگے بڑھے اور ویمس کو گرفت میں لے لیا۔

''اگر آپ نے مجھے قتل کردیا شاہ دارا تو بھی سکندر کے انتقام سے نہیں بچ سکیں گے۔'' وہ چلایا، لیکن اسے مزید کچھ کہنے کا موقع نہیں ملا اور شاہ کے اشارے پر ایک محافظ نے اس کی گردن ایک ہی وار میں اڑادی، ویمس کا بے سر کا بدن زمین پر تڑپنے لگا، میں نے ایسا بھیانک منظر اپنی اس حیثیت سے کبھی نہیں دیکھا تھا ذیشان عالی! میں بھاگتی ہوئی آئی اور بستر پر گر پڑی البتہ دربار ختم ہونے کے بعد جب شاہ خوابگاہ میں آیا تو بے حد مضمحل اور پریشان تھا، اس نے اپنی پریشانی کو میری محبت اور میرے حسن کی شادابیوں سے دور کرنے کی کوشش کی اور پھر تھک کر سو گیا لیکن اس کی جو حالت تھی وہ قابل دید تھی۔

رات کا نجانے کون سا پہر تھا وہ چیخ مار کر اٹھ بیٹھا اور چلایا۔ ''خدارحم کر، خدارحم کر۔'' وہ دیر تک بڑبڑاتا رہا میں نے اس سے پوچھا۔

''کیا بات ہے میرے آقا، کیا بات ہے، آپ کو کیا ہوگیا، کیوں اس طرح خوف زدہ ہیں؟'' شاہ نے چونک کر مجھے دیکھا اور آہستہ سے بولا۔

''آہ اضا کیہ، میری زندگی میں نے بڑا بھیانک خواب دیکھا ہے۔''

اس کا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا اس نے کہا ''میں نے دیکھا کہ سکندر کے خیمے کے گرد تیز روشنی پھیلی ہوئی ہے جیسے آگ لگ گئی ہو اور پھر ذرا سی دیر کے بعد سکندر اس روشنی میں نمودار ہوا اس نے میرا شاہی لباس زیب تن کر رکھا تھا، میرا تاج اس کے سر پر تھا، وہ بابل کی طرف روانہ ہوا اور اپنے سفید گھوڑے کو دوڑاتا ہوا نظروں سے اوجھل ہوگیا۔'' یہ کہہ کر وہ پھر کانپنے لگا پھر اس نے اسی وقت حکم دیا کہ شاہی کاہنہ کو طلب کیا جائے، کاہنہ کو مع یا معبد کہتے تھے، ذرا دیر میں کاہن اعظم دوسرے معبدوں کے ہمراہ پہنچ گیا۔ شاہ کا خواب سننے کے بعد وہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔

''بڑا مبارک خواب ہے، شاہ عالی مقام، دشمنوں کے خیمے میں آگ لگ جانا اور سکندر کا فرار اس کی شکست کی پیشگوئی ہے اور چونکہ وہ شاہی لباس میں بابل کی سمت بھاگ رہا ہے اس لئے اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ وہ آپ کے پاس قیدی کی حیثیت سے آئے گا۔''

کاہن تو پیشگوئی کر کے چلے گئے، لیکن شاہ مطمئن نہیں تھا اس نے کہا ''اور میں جانتا ہوں اضا کیہ یہ کاہن بھی صرف میری خوشنودی کے لئے ایسی پیشگوئیاں کرتے ہیں، لیکن میرا دل کہتا ہے کہ یہ خواب بڑی نحوست کی علامت ہے۔'' اب میں اس بارے میں کیا کہتی ذیشان عالی میں تمہیں صرف یہ بتا رہی ہوں کہ زندہ صدیاں میں جب اس دور کی تاریخ لکھو تو یہ لکھنا

www.pdfbooksfree.pk

کہ انسان کتنی ہی جاہ و ثروت کا مالک ہو، لازمی طور پر بدعقیدہ ہوتا ہے اور ہر شخص اپنی موت سے خوف زدہ ،خیرات کا باقی حصہ اس نے جاگ کر گزارا، میں نے اسے بہت سی تسلیاں دیں لیکن اس کی وحشت دور نہیں ہوسکی۔ سورج نکلتے ہی روزانہ کے معمول کے مطابق مجھے میرے خیمے میں بھیج دیا گیا، کاہنوں نے جنگ میں کامیابی کے لئے قربانی کے لئے تیاریاں شروع کردی تھیں، میں آرام کرنے لیٹ گئی۔

دوپہر کے بعد بیدار ہوکر میں نے غسل کی تیاری شروع کردی کہ میری خاص باندی صبا نے شوخ مسکراہٹ کے ساتھ میرے کان میں سرگوشی کی اور مجھے خوشخبری سنائی کہ اولاش نے ایک ترکیب سوچی ہے مجھ سے ملاقات کرنے کی، میں نے چونک کر صبا کو دیکھا اور آہستہ سے بولی۔

''وہ اپنی موت کو دعوت دے رہا ہے۔''

''نہیں اس کی ترکیب بہت اچھی ہے۔''

میں صبا کی صورت دیکھنے لگی۔ حالانکہ دل اس لمحے کے تصور سے اچھل رہا تھا، لیکن میں نے سوچا کہ اگر وہ مجھ سے ملنے کے لئے جان خطرے میں ڈال سکتا ہے تو پھر میں یہ خطرہ کیوں نہ مول لوں، سنہری ریشمی قناتوں سے بنائے ہوئے حمام میں بیٹھے ہوئے مجھے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ پردہ ہٹا اور ایک خواجہ سرا معطر پانی لئے ہوئے داخل ہوا پھر ایک آواز ابھری۔

''امنا کیہ۔'' یہ آواز سرگوشی میں تھی، میں نے حیرت سے چونک کر دیکھا تو خواجہ سرا کے لباس میں اولاش میرے سامنے کھڑا ہوا تھا، میں بے خودی کے عالم میں اس کے پھیلے ہوئے بازوؤں میں سما گئی، جذبات سے ہمارے بدن کانپ رہے تھے اس کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

''تمہارے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا امنا کیہ، میں مرجاؤں گا۔'' وہ انتہائی بے قرار نظر آرہا تھا، جذبات ٹھنڈے ہوئے، محبت کا مدوجزر ختم ہوا اولاش نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''میری زندگی میں یہ تصور ہی جان لینے والا ہے کہ تم شاہ دارا کے بستر کی زینت بنو، میں نے اب تک سب کچھ برداشت کیا ہے لیکن اب میرا دل چاہتا ہے کہ اس ظالم کو قتل کردوں جو میری محبت کا اس طرح مذاق اڑا رہا ہے، میں جانتا ہوں کہ تم مجبور ہو ورنہ ہرگز اس جبر کے لئے تیار نہ ہوتیں، لیکن بس اب بہت ہو چکا ہے میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ ہم رات کی تاریکی میں فرار ہوجائیں، تمہاری خاطر میں اپنے اہل خاندان کو بھی چھوڑ دوں گا، ہم فرار ہوکر ہندوستان چلے جائیں گے، راستے میں ایسے نشانات چھوڑ دیں گے جن سے ثابت ہو کہ تمہیں ہلاک کردیا گیا ہے، ہم دونوں دیر تک ایک دوسرے میں سمٹے ہوئے باتیں کرتے رہے، میں نے کہا۔

''اولاش! شاید دیوتاؤں کو یہی منظور ہے، میں تیرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، ہم ہندوستان چلیں گے ضرور چلیں گے۔''

فرار کے اس فیصلے نے میری رگوں میں مسرتوں کا طوفان برپا کردیا تھا، اولاش کے جانے کے بعد میں نے صبا کو خوشی سے گھونٹ کر پیار کیا اور اسے اپنا راز دار بناتے ہوئے ساتھ چلنے پر راضی کرلیا میں نے کہہ دیا کہ میں اسے خرید کر آزاد کردوں گی اور آئندہ سے وہ میری کنیز نہیں میری سہیلی ہوگی، خیر اس رات جب میں شاہی خیمہ گاہ پہنچی تو بے حد خوش تھی جبکہ شاہ دربار میں تھا، میں نے جھانک کر دیکھا، شاہ دارا اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور ایک کمانڈر اس سے کہہ رہا تھا۔

''عالم پناہ ہم تمام کمانڈروں نے بہت غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ ہم بیٹھ کر سکندر کا انتظار نہیں کریں گے بلکہ آگے بڑھ کر اس کے مقابلے پر آئیں گے، مجھے یقین ہے کہ سکندر کے اس طرف آنے کا اب کوئی امکان نہیں ہے۔''

کمانڈر کی اس تجویز پر ہر سمت سے مخالفت میں آواز بلند ہوئی لیکن اس نے سب کو خاموش کردیا اور بولا۔

''عالی جاہ میں اس تجویز سے اتفاق کرتا ہوں،

www.pdfbooksfree.pk

یہ معلوم ہونے کے بعد کہ شاہی دستہ اتنی بڑی تعداد میں اس کا منتظر ہے اس کا ارادہ شاید تبدیل ہوگیا ہے، اسی وقت یونانی سردار اچانک چیخا۔

''عالم پناہ میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ اسی جگہ قیام فرمائیے، یہ کشادہ میدان اتنے بڑے لشکر سے جنگ کے لئے موزوں ترین ہے۔''

ہرمست کی آوازیں بلند ہونے لگیں لیکن شاہ دارا کو شاید کمانڈر کی تجویز پسند آئی تھی اس نے کہا۔ 'خاموش.....! ہم انتظار نہیں کرسکتے، سکندر کو اپنی طاقت پر بڑا غرور ہے، ہم آگے بڑھ کر اس کے غرور کا سر پاش پاش کردینا چاہتے ہیں، چلو تیاریوں کا حکم جاری کرو ہم دو دن کے بعد اس کی طرف کوچ کردیں گے۔''

اتنے بڑے لشکر کو لے کر آگے بڑھنا ایک دشوار مرحلہ تھا، شاہ دارا کو کوہ اماوس کی بلندیوں کو پار کر کے دوسری جانب واقع ایسس کے علاقے دنک پہنچنے میں تین دن لگ گئے۔ جیسے ہی شاہی لشکر نشیبی علاقے میں پہنچا وہاں کے باشندوں نے یہ خوشخبری دی کہ سکندر اپنی فوجوں سمیت فرار ہوگیا ہے اور اب شام کے پہاڑی علاقے کی سمت جارہا ہے، یہ خبر سنتے ہی لشکر میں مسرت کی لہر دوڑ گئی انہوں نے اسے اپنی فتح تصور کر کے نعرے لگانے شروع کردیئے، سکندر جاتے ہوئے بہت زخمی چھوڑ دیا تھا، دارا کے کمانڈروں نے ان سب کو ہلاک کرنے کا حکم جاری کردیا اور اس کے بعد ہم نے دریائے فارس کی سمت بڑھنا شروع کیا، یہاں ایک تنگ پہاڑی درے کے قریب جس کی دوسری جانب سمندر ہے لشکر کے قیام کا حکم دیا گیا، پہاڑ کے ڈھلانوں پر ہرمست گھنے جنگل بکھرے ہوئے تھے، حسب معمول مجھے شاہی خیمے میں پہنچادیا گیا۔ شاہ دارا اپنے کمانڈروں کے ساتھ مصروف تھا۔ میں نے پردہ ہٹا کر باہر جھانکا تو شاہ کی آواز سنائی دی۔

''اب ہمارے اور ہمارے دشمن کے درمیان صرف چند گھنٹوں کا فاصلہ ہے، کل ہم سکندر کو شام کے علاقے میں جا دبوچیں گے اور اسے مقابلے پر مجبور کردیں گے۔'' شاہ کا جملہ مکمل بھی نہ ہوسکا تھا کہ ایک کمانڈر بڑی تیزی کے ساتھ خیمے میں داخل ہوا اور دارا کے سامنے تعظیم دے کر بدحواسی کے عالم میں بولا۔

''عالی جاہ! ابھی ابھی جاسوسوں نے خبر دی ہے کہ سکندر نے اچانک رخ بدل لیا ہے اور واپس پیش قدمی شروع کردی ہے، وہ بہت تیزی سے ہماری سمت آرہا ہے۔''

دربار میں کھلبلی مچ گئی۔ کمانڈر اپنے اپنے دستوں میں بھاگے مقابلے کے لئے سپاہی مسلح ہونے لگے، ذرا دیر میں نقشہ بدل گیا چونکہ اس بات کا امکان نہیں تھا کہ سکندر رات کی تاریکی میں حملہ کردے گا اس لئے پورے زور وشور سے تیاریاں شروع ہوگئیں، دارا نے اپنے دربار میں کمانڈروں کے ساتھ جنگ کا نقشہ ترتیب دینے کی مصروفیت اپنالی۔

''ہمیں درے کے ہر حصے پر ابھی سے مورچے بنالینے چاہئے ہیں۔'' ایک کمانڈر نے مشورہ دیا۔

''اور سمندر کے کنارے اپنے مخصوص دستوں کو ابھی سے مورچہ بند کردینا چاہئے تاکہ سکندر کے فرانک دستے پر زبردست حملہ کیا جاسکے۔''

''بہت مناسب مشورہ ہے۔'' شاہ نے خوش ہوکر کہا پھر اپنے ایک کمانڈر سے بولا۔

''تم دس ہزار سواروں کو لے کر ساحل کی مورچہ بندی کرلو۔''

کمانڈر کے جاتے ہی مصر کے گورنر سابا کس نے مشورہ دیا ''عالم پناہ! ہمارے اور دشمن کے درمیان یہ دریا حائل ہے اس محاذ کی حفاظت بھی ضروری ہے۔''

شاہ دارا نے اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھا۔ ''بے شک تم ٹھیک کہتے ہو، تم بیس ہزار کمان برادروں کے ساتھ دریا کی حفاظت کے ذمہ دار ہو۔''

شاہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس میز کے پاس جا کھڑا ہوا جس پر جنگ کی منصوبہ بندی کا نقشہ پھیلا ہوا تھا، وہ نقشے پر فوجوں کی ترتیب کرنے لگا، سکندر کا مخصوص دستہ فرانک سب سے زیادہ خطرناک تصور کیا جاتا تھا، اس

www.pdfbooksfree.pk

کے مقابلے کی کمان تھائی فورس کو دی گئی، سب سے آگے رتھوں پر جس دستے کو دشمن کا سامنا کرنا تھا وہ میرے باپ کی کمان میں دیا گیا تھا۔لشکر کی ترتیب اور صفت بندی میں رات پوری ہوگئی۔شاہ دارا جب مجھ سے رخصت ہونے آیا تو میں نے اسے فتح اور نصرت کی پیشگوئی کر کے تسلی دی لیکن اس کے چہرے پر فکر کے آثار تھے یوں لگتا تھا جیسے وہ آنے والے معرکے سے خوف زدہ ہے۔

صبح کا اجالا پھیلتے ہی نگاہوں نے دشمن کو تلاش کرنا شروع کر دیا، شاہ کا خیمہ بلندی پر نصب تھا اس لئے پہاڑی ڈھلانوں سے دور دور تک کا منظر صاف نظر آتا تھا۔خواجہ سرا نے اندر آ کر خبر دی کہ ابھی تک سکندر کی فوجوں کا کہیں نام ونشام نہیں ہے۔لیکن زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ درے کے اوپر سے گرد وغبار نمودار ہوئے اور ہر سمت شور مچ گیا کہ سکندر آ گیا، سکندر آ گیا، پورے لشکر میں کھلبلی مچ گئی، حرم کی عورتوں نے خوف زدہ ہو کر رونا اور چلانا شروع کر دیا۔ خواجہ سرا اور دوسرے خواجہ سرا ان کو چپ کرنے کے لئے تسلیاں دینے لگے، میں نے خیمے کا پردہ اٹھا کر دیکھا، سکندر کا لشکر اب درہ پار کر کے ہماری سمت بڑھ رہا تھا، وہ ہر لمحے قریب آتے جا رہے تھے پھر وہ اتنے نزدیک آ گئے کہ ہمیں صاف نظر آنے لگے۔

سکندر کے سپاہیوں کے چہرے سخت گیر تھے ان کا لباس بھدا اور ان کے سواروں کے گھوڑے ہماری طرح بھاری ہتھیاروں سے لدے ہوئے نہیں تھے، ان پر صرف چمڑے کی ہلکی سی زین تھی، ہمارے تیر انداز دستوں کی زد سے فاصلے پر وہ رک گئے اور فوجوں کی صف بندی کرنے لگے۔ سواروں کے آگے سکندر خود ایک سیاہ مشکی گھوڑے پر سوار تھا وہ پستہ قد تھا لیکن شجاعت اور دلیری کے لحاظ سے اتنا بلند تھا کہ پورا ایشیاء اس کے قدموں کی دھمک سے لرزنے لگا تھا۔

جنگ شروع ہوئی تو سکندر اپنے گھوڑے کو لے کر ہمارے لشکر پر تیر کی طرح جھپٹا، اس کے سپاہی بڑے نظم وضبط کے ساتھ بڑھ رہے تھے ان کے فلک شگاف نعرے ایلولا ایلولا سے فضا کانپ رہی تھی، ادھر سے شاہ دارا کے سپاہی شیر کی طرح دشمنوں پر جھپٹے اور دوسرے لمحے گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔لاشوں کے انبار لگتے چلے گئے۔ سکندر کا قلبی دستہ فرانک ہمارے سپاہیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹتا ہوا آگے بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ چیخ وپکار اور تلواروں کے شور سے فضاء گونج رہی تھی۔

شاہ دارا کی فوجیں آہستہ آہستہ ہر سمت سے پسپا ہو رہی تھیں۔شاہ اپنے رتھ پر بیٹھا پسپا ہوں کے حوصلے بڑھا رہا تھا۔ درمیان میں افراتفری کا عالم تھا، میمنا اور میسرا ں پسپا ہو رہے تھے، شاہ کا مخصوص شاہی دستہ جو سیاہ جاودو کہلاتا تھا اور شاہ کے گرد حفاظتی حصار بنا چکا تھا لیکن سکندر کسی غیر فانی شجاع کی طرح ایرانی سپاہ کو کاٹتا ہوا تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا، اچانک سیاہ جاودو نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا، سکندر کے سپاہی اب اتنے قریب آ گئے تھے کہ ان کے نیزے شاہی رتھ کے اوپر سے گزرنے لگے تھے اور پھر ایک نیزہ رتھ کے گھوڑے کے جسم میں پیوست ہوگیا۔ گھوڑے کے اچھلنے سے رتھ الٹنے الٹتے بچا اور میں نے شاہ دارا کو اچانک چھلانگ لگا کر ایک بے سوار گھوڑے کی پشت پر سوار ہوتے ہوئے دیکھا میرا خیال تھا وہ خود سکندر سے مقابلے کو جا رہا ہے لیکن میری حیرت زدہ نگاہوں نے دیکھا کہ شاہ کے گھوڑے کا رخ پیچھے کی سمت ہوگیا۔ وہ بابل کی سمت بھاگ رہا تھا، دوسرے لمحے شور بلند ہوا۔

''بادشاہ فرار ہوگیا، بادشاہ فرار ہوگیا۔'' ان خوف زدہ چیخوں کا بلند ہونا تھا کہ ایرانی فوجوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس نے بدحواس ہو کر راہ فرار اختیار کی، لیکن سکندر کے دلیر جوان ہر سمت سے موت بن کر ان پر جھپٹ پڑے، اچانک بائیں سمت کے سواروں کا رخ شاہی خیمے کی سمت ہوا، عورتوں نے خوف سے چیخیں مارنا شروع کر دیں۔ خواجہ سرا بھاگتا ہوا ہمارے خیمے میں داخل ہوا، اس نے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk

''ہم جنگ ہار گئے شہزادی! زندگی عزیز ہے تو ایک لمحہ ضائع کئے بغیر بھاگ نکلنے ابھی اسی حال میں۔''

ہم نے خیمے کے عقب سے نکل کر بھاگنا شروع کر دیا صابیر میرے پیچھے تھی ابھی ہم تھوڑی دور گئے تھے کہ اگلے خیموں پر سکندر کے سپاہیوں نے ہلہ بول دیا، ہمیں اپنی موت کا یقین ہوگیا، اسی لمحے کسی نے پکارا۔ ''اصانا کیہ، اصانا کیہ۔''

جنگ کے شور وغل میں یہ آواز مجھے اپنا وہم محسوس ہوئی، لیکن دوسرے لمحے خیموں کے عقب سے ایک سوار ہمارے پاس پہنچ کر نیچے کو جھکا اور میرے حلق سے خوشی کی چیخ نکل گئی۔

''اولاش''

اس نے پھرتی کے ساتھ مجھے اور صبا کو اٹھا کر گھوڑے کی پشت پر سوار کرادیا اور چیخ کر بولا۔

''خدا حافظ اصانا کیہ، پوری رفتار سے بابل کے راستے پر نکل جاؤ، زندگی رہی تو پھر ملیں گے میرا انتظار کرنا۔''

میں نے چیخ کر کہا ''نہیں اولاش! میں تمہارے بغیر نہیں جاؤں گی۔''

لیکن اس نے گھوڑے کو زور سے چابک مارا اور میں کچھ اور نہ کہہ سکی، فرار ہونے والے فوجیوں نے ہمارا راستہ بند کر رکھا تھا، چنانچہ بحالت مجبوری میں نے گھوڑے کا رخ تبدیل کیا، افراتفری کے عالم میں کسی کو ایک دوسرے کی خبر نہیں تھی ہر شخص جان بچا کر بھاگ رہا تھا، اگر ہم بابل جانے والی سڑک کا رخ کرتے تو یقیناً مارے جاتے، شاہی خیموں سے عورتوں کی کربناک چیخیں ہمارا تعاقب کر رہی تھیں، اس لئے میں گھنے جنگل میں آگے بڑھتی چلی گئی، ہم اس وقت تک سفر کرتے رہے جب تک تاریکی نہ پھیل گئی، تمام رات اور دوسرے دن ہم اس ویران جنگل میں چھپے رہے اور جب دوسری شب شروع ہوئی تو ڈرتے ڈرتے پھر روانہ ہوگئے جنگل سے نکلتے ہی خوش قسمتی سے ایک گاؤں مل گیا جہاں ایک نیک دیہاتی نے ہمیں پناہ دی تھی، اس کی زبانی ہمیں معلوم ہوا کہ شاہ ملکہ کو قید کرلیا، شاہی خزانے اور سامان حرب پر قبضہ کرلیا گیا، میں نے خدا ترس دیہاتی کو چند قیمتی نگینے دے کر دو تیز رفتار گھوڑوں اور راستے کے لئے غذا کا بندوبست کیا اور ہم بابل کی سمت روانہ ہوگئے، راستے میں ہمیں یہ خبریں ملتی رہیں کہ دمشق کے گورنر نے غداری کی اور پورا علاقہ اور شاہی خزانہ سکندر کے حوالے کرکے اس کی اطاعت قبول کرلی۔

شاہ دارا فرار ہوکر بابل پہنچنے میں کامیاب ہوگیا تھا، آخر ہم بھی بابل پہنچ گئے، میری ماں اور میری بہن جان بچا کر وہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی تھیں، لیکن میرے باپ کا کچھ پتہ نہیں تھا، میری واپسی پر انہیں مسرت ہوئی جو اس خیال سے مدہم پڑ گئی کہ شاید میرے باپ جنگ میں کام آگئے، مجھے بار بار اولاش کا خیال آجاتا، جانے وہ زندہ بھی تھا نہیں، جب بھی اس کی یاد آتی میں تڑپ اٹھتی۔ وہ چاہتا تو فرار ہوسکتا تھا لیکن اس نے میری جان بچانے کے لئے خود کو موت کی آغوش میں ڈال دیا تھا۔

اس طرح وقت گزرتا رہا، کئی مہینے گزر گئے لیکن میرے بابا اور اولاش کی کوئی خبر نہیں ملی، میرا سارا گھر سوگوار تھا اور آہستہ آہستہ ہم ان کی زندگی سے مایوس ہو چلے تھے۔ ادھر روزانہ بری خبریں موصول ہو رہی تھیں، سکندر نے شام، اداس اور فونیشیا کے سارے علاقے کو فتح کرلیا تھا۔ شاہ دارا نے سکندر کو ایک خط لکھ کر اپنی ماں اور بیوی کو واپس طلب کیا تھا جس کے جواب میں سکندر نے تحریر کیا تھا کہ اگر وہ خود اس کے پاس آکر سکندر کو ایشیاء کا شہنشاہ منتخب کرلے تو جو بھی طلب کرے گا دے دیا جائے گا۔

پھر ایک دن اچانک میرے بابا واپس آگئے، میرے گھر میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے کیونکہ ہم ان کی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے، میرے بابا کو پہچاننا دشوار تھا، وہ دیہاتیوں کا پھٹیرا تا لباس پہنے ہوئے تھے، جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو چکا تھا، جنگ میں ایک تیر ان کو

www.pdfbooksfree.pk

لگا تھا اور وہ بے ہوش ہو گئے تھے، مقدونیہ نے انہیں مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا تھا، رات کو انہیں ہوش آیا تو کسی طرح گرتے پڑتے جنگل میں پہنچے جہاں دوسرے دن ایک دیہاتی نے پڑے ہوئے پایا اور اپنے ساتھ لے گیا، شدید بخار کے عالم میں وہ کئی ماہ ہوش وحواس سے بیگانہ رہے، پھر جیسے ہی طبیعت سنبھلی بابل روانہ ہو گئے۔

لیکن میرا محبوب اولاش ابھی تک نہیں آیا تھا، اس نے مجھ سے انتظار کا وعدہ کر لیا تھا، میں دل میں امید کے دیئے جلائے اس کے انتظار میں وقت گزار رہی تھی، محل کی ہر چیز ویسی کی ویسی تھی، کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا، میں نے سوچا کہ شاید خود مجھ میں تبدیلی آ گئی ہے اور حقیقت یہی تھی کہ میرا دل پہلے سے درد سے آشنا نہیں تھا، پہلے میں ایک بند کلی تھی اور اب مہکتا ہوا پھول بن گئی تھی، یہ بات میں تمہیں اس لئے بتا رہی ہوں ذیشان عالی کہ میں بالکل ہی بدل چکی تھی اب جب بھی کبھی میں اپنی اصل حقیقت کا تصور کرتی مجھے یوں لگتا جیسے میں اپنی اصلیت گم کر چکی ہوں ہاں یہ حقیقت ہے کہ میں نے بچپن سے یہاں تک کا سفر کیا تھا اور یہ سفر اس طرح میرے ذہن پر مسلط ہو گیا تھا کہ میں کورو تی کو بھول گئی تھی، البتہ یہ بھی ایک خاص بات تھی کہ اب میں مہکتا ہوا پھول بن گئی تھی، لیکن اضافیہ کی حیثیت سے، شاہ دارا کی سیج پر میری مجبوری نے مجھے وہ سب کچھ برداشت کرنے کا عادی بنا دیا تھا جس کا تصور بھی اذیت ناک تھا، لیکن عورت ہر روپ میں مجبوریوں کی اس قربان گاہ پر نثار ہوتی چلی آئی ہے، کہنے کو میں شہزادی تھی، لیکن شاہی سیج پر ایک بے بس کنیز۔

میرا ذہن تجربات سے پختہ ہو گیا تھا۔ مشاہدے اور تجربے نے مجھے ایک نیا شعور عطا کیا تھا میرے بابا اور استاد نے بھی میرے اندر اس تبدیلی کو محسوس کر لیا اور مجھے انتظامی مجلس میں شامل کر لیا گیا۔ میں نے بھی ان کے اعتماد کو تقویت پہنچانے کے لئے خود کو مجلس کی ذمہ داریوں کے لئے وقف کر دیا، حکمرانی کی ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے پورا کرنا اور فارس کی سرحدوں کی حفاظت کے لئے جنگ کی صورت میں شاہ دارا کی ہر ممکن مدد کرنا ہماری حکومت کے اولین فرائض میں سے تھا، میرے والد کی صحت بہت متاثر ہوئی تھی لیکن پھر بھی وہ اپنے فرائض اور تمام ذمہ داریوں کو حسب معمول پورا کرتے تھے۔ وہ فوجی قوت کو جلد از جلد بحال کرنا چاہتے تھے تاکہ شاہ فارس کو جب بھی ضرورت ہو کسی کمی کا احساس نہ ہونے پائے۔

ہم جنگ کے محاذ سے بہت دور تھے لیکن سکندر کی کارروائیوں سے پوری طرح باخبر رہتے تھے، سکندر نے طائر کے ناقابل شکست قلعے کو بھی مسلسل سات ماہ کے معرکے کے بعد فتح کر لیا تھا، اس کی بڑھتی ہوئی فتوحات سے پورا ایشیاء خطرے میں پڑ چکا تھا، میں ہر روز بلا ناغہ صبا دشہر کے پھاٹک پر روانہ کرتی تھی جہاں سے مغرب کی سمت سے آنے والے قافلے اندر داخل ہوتے تھے، ہر روز دھڑکتے دل سے انتظار کرتی تھی کہ شاید آج وہ اولاش کے بارے میں کوئی خوشخبری لائے لیکن ہر شام مایوسی میرے حصے میں آتی تھی، صبا مجھ سے اتنی محبت کرنے لگی تھی کہ اس سے میری یہ اذیت دیکھی نہیں جاتی تھی وہ مجھے تسلی دیتی رہتی تھی کہ ممکن ہے اولاش زندہ ہو اور ایشنر سے فرار ہو کر اپنے ماں باپ کے پاس یونگم چلا گیا ہو، میں نے صبا کو آزاد کر دیا تھا لیکن اب بھی وہ پہلے کی طرح میری خدمت گار تھی اس کی کلائی پر غلامی کا جو داغ کندہ تھا، میں نے جراح کے ذریعے اس کو مٹوا دیا تھا، میں نے اس کو پہننے کے لئے بہترین لباس اور زیورات دیئے تھے اور اس سے اپنی چھوٹی بہن جیسا سلوک کرتی تھی، وہ وفا شعار تھی اور میری خدمت کو اس نے اپنا شعار بنا لیا تھا، پھر ایک دن اس نے اجازت لے کر مجھ سے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

''شہزادی آپ کب تک اولاش کے فراق کی آگ میں جلتی رہیں گی، مظہر یزداں نے آپ کو وہ حسن و جمال عطا کیا ہے کہ چاند تارے بھی شرماتے ہیں، بابل میں آپ کے ایک اشارے پر کتنے شہزادے قربان ہو جائیں گے، آپ اولاش کو بھول جایئے ایک سے ایک

www.pdfbooksfree.pk

خوبرو نوجوان آپ پر جان نثار کرنے کو تیار ہو سکتا ہے۔''

میں اس کی بات پر افسردہ ہو گئی میں نے کہا ''پگلی تو سمجھتی ہے کہ محبت بھی کوئی ایسا سودا ہے جس سے چاہے کیا جا سکتا ہے، میں اولاش سے انتظار کرنے کا وعدہ کر چکی ہوں اور زندگی کے آخری سانس تک اس کا انتظار کروں گی، آہ تو محبت کا درد نہیں جانتی یہ قسمت ہی سے ملتا ہے، اولاش کے علاوہ اور کوئی میری محبت نہ حاصل کر سکے گا۔''

اور وہ دن بھی آ گیا جب میرے بابا تازہ دم لشکر لے کر شاہ دارا کی مدد کے لئے روانہ ہونے لگے، اپنے کمرے میں جب وہ رخصت کی تیاری کر رہے تھے تو میرے بھائیوں نے ان کے جسم پر ہتھیار سجائے بابا نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ انہیں یقین ہے کہ ان کی غیر موجودگی میں ان کے تمام بیٹے سعادت مندی کا ثبوت دیں گے، پھر وہ میرا بازو پکڑ کر مجھے دوسرے کمرے میں لے گئے، ان کی سیاہ چمکیلی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

''اصانا کیہ میری بیٹی تمہاری عمر بہت کم ہے، لیکن مغ نے تم کو یقین ہی سے غیر معمولی فہم و دانش عطا کی ہے، اس لئے میں سگودیہ کی حکمرانی تمہیں سونپ کر جا رہا ہوں، تم اپنے استاد سلطنت کے رؤسا اور مشیروں کی مدد سے کاروبار حکومت چلانا، حکومت کا دبدبہ قائم رکھنا، ہر ایک سے انصاف کرنے کو اپنا اولین فرض تصور کرنا۔''

میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''بابا میں آپ کو کبھی مایوس نہیں کروں گی، خدائے ہرمس کی مدد شامل حال رہی تو میں آپ کی توقعات پر پورا اتروں گی۔''

میرے باپ کی روانگی کے بعد ہی سکندر کی پیش قدمی کی خبریں آنے لگیں، ایک خونی جنگ کے بعد غازہ بھی فتح ہو گیا تھا، پھر یروشلم کے لوگوں نے سکندر کی اطاعت قبول کر لی، اس کے بعد مصر بھی فتح ہو گیا اور وہاں کے ایرانی سسترا پ نے اسے فرعون ثانی کے لقب سے نوازا، میں نے ایک فرمان جاری کر کے سگودیہ کے تمام باشندوں کو سکندر سے جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا، پورے سگودیہ میں جنگ کی تیاری شروع ہو گئی، پھر ایک دن میں ان تیاریوں کا مشاہدہ کرنے کے لئے پہرے دار کے ہمراہ بھیس بدل کر خود شہر کے گشت پر نکلی، بازار میں ایک جگہ بڑا مجمع لگا ہوا تھا اور ایک شخص چیخ چیخ کر لوگوں کو بتا رہا تھا۔

''لوگو میری بات سنو، شاہ فارس نے سکندر کو صلح کا پیغام بھیجا تھا اور اسے خبردار کیا تھا کہ فارس کی سرزمین کا رخ نہ کرے ورنہ عبرتناک شکست کا سامنا کرنا پڑے گا، جانتے ہو سکندر نے کیا جواب دیا۔''

''اس نے صلح کی پیشکش مان لی ہوگی۔'' بہت سے لوگ خوشی سے چلائے۔

''نہیں اس نے جواب میں تحریر کیا ہے کہ سکندر کے بڑھے ہوئے قدم کبھی واپس نہیں ہوتے وہ دن دور نہیں جب میرا لشکر تمہارے دارا سلطنت پر نازل ہوگا اور پورے فارس پر قابض ہو جائے گا، تم کو فارس کی سرزمین پر کہیں پناہ نہیں ملے گی۔''

اس خبر سے سارے لوگوں پر مایوسی اور دہشت طاری ہو گئی پھر خبر آئی کہ دارا کی ملکہ سکندر کی قید میں انتقال کر گئی، سکندر نے بڑی عزت و احترام سے اس کی آخری رسومات ادا کیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ خوش کن اطلاعات بھی آ رہی تھیں کہ دارا نے اتنا بڑا لشکر جمع کر لیا ہے کہ اربیلا کے سارے میدانی علاقے سے لے کر فرات کے دوسرے کنارے تک فوجیں پھیلی ہوئی ہیں اس لشکر میں صرف سواروں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ ہے، شاہ نے ان تمام علاقوں سے غلے کا ذخیرہ اندرون ملک روانہ کر دیا ہے تا کہ سکندر کی فوجوں کو کہیں سے رسد نہ مل سکے۔ پورے سگودیہ کے علاقے میں معبدوں نے شاہ کی فتح اور نصرت کے لئے خصوصی دعائیں شروع کر دی ہیں قربانیاں دی جانے لگی ہیں، کاہنوں نے اپنا عمل شروع کر دیا ہے۔

لیکن پھر ایک دن یہ منحوس خبر آئی کہ اربیلا کی جنگ میں شاہ دارا کو شرمناک شکست ہو گئی، میرا جی چاہا

www.pdfbooksfree.pk

کہ یہ خبر لانے والے قاصد کو زندہ دفن کرادوں لیکن میں نے ضبط وتحمل سے کام لیا شاہ دارا کی دوسری شکست سے واضح ہوگیا تھا کہ مگودیہ کا مستقبل بھی خطرے میں ہے، میں نے حکم دیا کہ دس سال سے اوپر کے تمام نوجوانوں کی جنگی تربیت شروع کردی جائے، جنگی سرداروں سے مشوروں کے بعد میں نے سونے اور چاندی کے عوض ہتھیار خریدنے کے لئے لوگوں کو ہندوستان روانہ کردیا اور یہ حکم بھی جاری کردیا کہ مگودیہ کے علاقوں میں جتنا بھی اناج مل سکے خرید کر ذخیرہ کرلیا جائے۔

سکندر کی پیش قدمی کی خبریں برابر مل رہی تھیں، اربیلا کی فتح کے بعد وہ بڑی تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا، میں نے آخر کار پہاڑ کی چوٹی پر واقع مضبوط ترین قلعے میں اناج کا اتنا ذخیرہ کردیا کہ محاصرے کی صورت میں کئی برس تک کام آسکے۔ شاہ دارا تیسری مرتبہ فوجیں جمع کررہا تھا، میرے باپ نے مجھے تحریر کیا کہ جتنے زیادہ سپاہی جمع ہوسکیں روانہ کردو، میں نے ان کے حکم کی تعمیل کی لیکن دونوں جنگوں اور دفاعی تیاریوں میں خزانہ تقریباً خالی ہوچکا تھا۔ ادھر سکندر نے سوسا، بابل اور پھر پرسی پولیس پر قبضہ کرلیا اور پھر اس طرح بے حساب شاہی خزانے اس کے ساتھ لگتے چلے گئے اس نے شاہی خلعتوں کو آگ لگا کر تباہ وبرباد کردیا، تباہی اور بربادی کی ان خبروں نے ہمارے حوصلے بالکل پست کردیئے تھے، پھر ایک بھیانک آواز آئی ایسا لگتا تھا جیسے بہت بڑی تباہی آنے والی ہے، ہرسمت موت کی ویرانی طاری ہوچکی تھی، میں نے اپنے استاد کو بلا بھیجا، غم واندوہ سے استاد کا سر جھکا ہوا تھا۔

''امنا کیہ، ہم کاہنوں نے بہت پہلے سکندر کے ستارے پڑھ لئے تھے، وہ پورے فارس پر قابض ہوچکا ہے، ابھی ہم کو بہت سے صدمے برداشت کرنے ہیں انہوں نے بتایا کہ نجل کے احاطے میں کتوں نے اچانک رونا شروع کردیا ہے۔ اس پیشگوئی سے میں کانپ اٹھی اور ہمیں صبح تک اس کا ثبوت بھی مل گیا، شاہ فارس مرچکا تھا، ہم سب غم اور مایوسی میں ڈوب کر رہ گئے۔ چند روز کے بعد ہمیں تفصیلات پتہ چل گئیں کیونکہ میرے باپ بچی ہوئی سپاہ کے ساتھ واپس آگئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ باختر کے گورنر نے اقتدار کے لالچ میں شاہ دارا کو قتل کردیا وہ گورنر بہت طاقتور سردار تھا اور اس کا نام بیسز تھا، اس کے پاس لشکر بھی بہت بڑا تھا اس نے شاہ کو گرفتار کرنے کے بعد سکندر کو پیشکش کی کہ اگر اسے باختر کا خود مختار حکمران تسلیم کرلیا جائے تو شاہ دارا اس کے حوالے کردیا جائے گا اس مقصد کے لئے وہ سکندر سے ملاقات کے لئے ایک مقررہ مقام پر گیا، لیکن سکندر کو ایسی غداری ناپسند تھی اس لئے جیسے ہی بیسز اس مقام پر پہنچا سکندر نے اچانک اپنے لشکر کے ساتھ حملہ کردیا بیسز نے بدحواس ہوکر فرار ہوتے وقت شاہ کو قتل کردیا، کہتے ہیں شاہ دارا کی موت پر سکندر آبدیدہ ہوگیا اور اسے شاہی مقبرے میں پورے اعزاز کے ساتھ دفن کیا گیا، میں فارس کے اس عظیم حکمران کی بے بسی کی موت پر رو پڑی۔

''بابا کیا سکندر ابھی اور پیش قدمی کرے گا؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں امنا کیہ، اب سکندر کے قدم بڑھتے ہی چلے آئیں گے اور ہماری سرحدیں محفوظ نہیں رہی ہیں۔'' میرے باپ نے افسردہ لہجے میں کہا۔ ''لیکن ہم اسے روکنے کی کوشش ضرور کریں گے۔''

دن گزرتے رہے، فضا میں ایک عجیب قسم کی سوگواری چھائی رہتی تھی، میرے بابا اپنی باقی فوجوں کو لے کر باختر کی سمت جاچکے تھے، میں مملکت کے کاروبار کو چلانے کے لئے خود کو زیادہ سے زیادہ مصروف رکھنے لگی تھی۔

ذیشان، ذرا غور کرو، صدیوں سے جینے والی عورت جو دہری شخصیت رکھتی تھی ایک طرف قوت اور جادوگری میں باکمال، لیکن وہ جانتی تھی کہ اگر وہ اپنی اصل حیثیت سے سامنے آئی تو اہلی گوس جس سے اس کا سب کچھ چھن چکا ہے اسے پتھر میں تبدیل کردے گا، ایک زندہ بت کیسا لگے گا تمہیں، ذرا غور کرو اس بات پر۔

www.pdfbooksfree.pk

خیر ایک دن جب میں دربار میں بیٹھی ہوئی تھی اور لوگوں کی فریاد سن کر انصاف کر رہی تھی کہ ایک شخص آگے بڑھا اس نے بتایا کہ ایک جراح نے اس کے چار غلام ہلاک کر دیئے ہیں، ثبوت میں اس نے پانچویں ملازم کو پیش کیا جس کا نام بوغا تھا، بوغا کی صورت دیکھ کر میں بری طرح چونک پڑی، میں نے اسے اولاش کے ساتھ شاہ فارس کے محل میں دیکھا تھا، یہ بھی ایک گویا تھا۔ خیر میں نے جراح کی جائیداد ضبط کر کے فریادی کا نقصان پورا کرنے کا حکم دیا اور بوغا کو خرید لیا، دربار ختم ہونے کے بعد میں نے بوغا کو فوراً محل میں طلب کیا اور اس سے اولاش کے بارے میں دریافت کیا۔

''آہ شہزادی! اولاش میرا عزیز دوست تھا لیکن ایشر میں جنگ کے دوران جب مقدونیہ نے ہمارے خیمے پر حملہ کیا تو اولاش وہاں موجود نہیں تھا، مجھے نہیں معلوم کہ اس کا انجام کیا ہوا، گرفتاری کے بعد ہمیں بابل میں غلام کی حیثیت سے فروخت کر دیا گیا یہ ہے میری داستان۔''

میں نے اسے آزاد کر دیا، بے چارہ بوغا غلامی کی زندگی بسر کرتا رہا تھا اس لئے آزادی کا سن کر بے ساختہ میرے قدموں میں گر کر رونے لگا، میں نے اسے اپنے بھائیوں کی تربیت پر مامور کر کے محل میں ملازم رکھ لیا۔

''غم نہ کرو بوغا، اس کے علاوہ تم میرے ذاتی منشی کے عہدے پر بھی کام کرو گے۔''

میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا اور اس کے لئے محل میں ہی رہائش کا بندوبست کر دیا۔ اس دوران سکندر کی مسلسل پیش قدمی جاری تھی۔ جو طوفان کی طرح ہماری سرحدوں کی سمت بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ اس کی فوجوں نے باختر کی سرحدوں میں داخل ہو کر بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا، بیسز نے میرے بابا کے ساتھ مل کر سکندر کو روکنے کی ناکام کوشش کی اور پھر فرار ہو کر اسکوڈیا میں مورچہ بندی شروع کر دی، لیکن اسکوڈیا کا انجام بھی واضح تھا، کسی وقت بھی سکندر ادھر کا رخ کر سکتا تھا، میں آنے والے وقت کے لئے دفاعی تیاریوں میں مصروف تھی کہ ایک قاصد میرے بابا کا خط لے کر میرے پاس پہنچ گیا۔

''مخاب آختر س اپنی بیٹی اصانا کیہ کے نام.....

بابا نے تحریر کیا تھا۔

میں حکم دیتا ہوں کہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ملک چھوڑ کر ایمسبز کے قلعے میں جا کر پناہ لو اہل خاندان کے علاوہ محل کے تمام افراد اور اہلکار اور میرے وفادار دوستوں کو ساتھ لے جاؤ، مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے ہم ہر قدم پر دشمن سے مقابلہ جاری رکھیں گے، زندگی ہے تو جلد ملاقات ہوگی۔''

مجھے اپنا محل چھوڑنے کا بے حد صدمہ ہوا، لیکن بابا کے حکم کی تعمیل فرض تھی، ہم اپنی بے بسی پر آنسو بہاتے ہوئے ایمسبز کے قلعے میں منتقل ہو گئے۔ اس طرح ایک سال اور بیت گیا، اس طویل بارہ ماہ کی مدت میں ہمارا بیرونی دنیا سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔ البتہ کبھی کبھی میرے باپ کے قاصد ہمیں باہر کے حالات سے باخبر کر دیا کرتے تھے، بابا کی عمر کافی ہو چکی تھی، تھارلس قلعے کے فوجی دستے اور تین ہزار کسانوں کی نگرانی کے جو قلعے میں پھلوں اور سبزیوں کی کاشت کے علاوہ مویشیوں کے پالنے کے ذمہ دار بھی تھے۔ ان کی دیکھ بھال ایک عمر رسیدہ سردار کرتا تھا، میرے پاس اب کوئی مصروفیت نہیں تھی کیونکہ دیگر کام کاج کی تمام ذمہ داری وفادار بوغا نے سنبھال لی تھی چونکہ میں بچپن ہی سے اس قلعے میں قیام کرتی رہی تھی اس لئے اس کا چپہ چپہ میرا دیکھا ہوا تھا۔

اس وقت صورت حال الگ تھی جب ہم مختصر قیام کے لئے یہاں آتے تھے تو ماحول بڑا خوشگوار ہوتا تھا، رقص و موسیقی کی محفلیں اور شکار و تفریح کی سرگرمیوں میں ہر لحہ ہنسی خوشی گزرتا تھا لیکن اب یہاں کچھ نہیں تھا۔ ہر طرف ویرانی کا راج تھا اور میں سوچ رہی تھی کہ کتنے عرصے یہاں قیام کرنا پڑے گا۔ شہر کی طرف سے کوئی خیر خبر نہیں تھی اور اسی طرح مایوسی میں دن گزر رہے تھے۔ سکندر کی پیش قدمی کی اطلاعات ملتی

www.pdfbooksfree.pk

رہتی تھیں اور سب سہم جاتے تھے۔ بابا نے ابھی ہمت نہیں ہاری تھی وہ سکندر کی فوجوں سے مختلف مقامات پر جنگ کرنے کی بھرپور کوشش میں مصروف تھے لیکن کہیں کامیابی نصیب نہیں ہو رہی تھی، ہمارے لئے ابھی یہی حکم تھا کہ قلعہ سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کی جائے۔

پھر ایک دن میں حسب معمول صبا اور بوعا کے ساتھ قلعہ میں گھوم رہی تھی۔ قلعہ کے میدان میں میرے چھوٹے بہن بھائی دوسرے بچوں کے ساتھ برف میں گھوم رہے تھے اس کھیل میں بھی وہ سکندر کی فوج پر حملے کر کے مقدونی سپاہیوں کو ہلاک کر رہے تھے، میں مسکراتی ہوئی ان کے کھیل کے میدان سے گزر کر سنسان سڑکوں پر آگے بڑھتی رہی۔ ہر سمت موت جیسی ویرانی تھی، قلعے کی فصیل پر ایک فوجی کے پاس پہنچ کر میں رک گئی اور پتھر کی منڈیر کے سہارے کھڑے ہو کر باہر کا منظر دیکھنے لگی۔ انسان تو کیا کسی حیوان کا نام ونشان بھی نظر نہیں آتا تھا، میں نے کہا۔

''نجانے کب اس قید سے نجات ملے گی؟''

''ہمارے پاس خوراک اور ضروریات زندگی کا ذخیرہ ابھی دو سال کے لئے کافی ہے۔'' بوعا نے آہستہ سے کہا۔ ''کیا جنگ اتنے عرصے جاری رہ سکتی ہے؟''

''خدا بہتر جانتا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ہمارے شہر پر بھی سکندر کا قبضہ ہو چکا ہے، نجانے بابا اب کس حال میں ہوں گے، بیس دن گزر چکے کوئی قاصد بھی نہیں آیا۔''

''خدا سے غارت کرے شہزادی۔'' بوعا نے غصے میں جواب دیا۔ ''اس نے ہم سے زندگی کے چند دن کا سکون بھی چھین لیا ہے۔''

ہم محل میں واپس آئے تو میری ماں اور میری چھوٹی بہن بیٹھی ہوئی پانسہ کھیل رہی تھیں، ماں نے میرا بوسہ لے کر کہا۔ ''بیکاری کے لمحات بڑی مشکل سے بسر ہوتے ہیں بیٹی، بوعا تم ہمیں اس منحوس سکندر کے بارے میں کچھ سناؤ تم نے تو اسے قریب سے دیکھا ہے۔''

''مجھے اسے دیکھنے کا موقع کم ہی ملا ہے، لیکن مختصراً بتا سکتا ہوں کہ اپنی شہرت کے برخلاف وہ بہت پستہ قد اور معمولی سا آدمی ہے، تخت پر بیٹھتا ہے تو اس کے پاؤں لٹکتے رہتے ہیں۔''

''تعجب ہے کہ اتنے معمولی سے آدمی نے اتنے بڑے معرکے سر کر لئے۔'' میری چھوٹی بہن بولی۔

''فارس کی عورتیں اس پر جان دینے لگی ہیں۔''

''تمہیں ایسی افواہوں پر یقین نہیں کرنا چاہئے۔'' ماں نے غصے سے سرزنش کی پھر بولی۔ ''سکندر کتنا ہی بہادر کیوں نہ ہو ہمارے قلعے کو سر نہیں کر سکتا۔ اسی لئے تمہارے باپ نے ہمیں یہاں پناہ لینے کی ہدایت کی تھی۔''

''یہ قلعہ۔'' میری چھوٹی بہن نے غصے میں کہا۔ ''خدا غارت کرے اس قلعے کو میں تو اس سے عاجز آ چکی ہوں اس تنہائی سے تو یہی بہتر تھا کہ مقدونی اس کو بھی فتح کر لیں۔''

''زبان کو لگام دے لڑکی۔'' ماں نے گرج کر کہا ''خدا نہ کرے اگر کبھی ایسا ہوا تو ہماری آبرو تک لوٹ لیں گے۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو، ہم کب تک آبرو کے خوف سے قید تنہائی برداشت کریں گے، میں تو دعا کرتی ہوں کہ سکندر جلد سے جلد اس قلعہ کو بھی فتح کر لے۔''

میں نے غصے سے بے قابو ہو کر ایک تھپڑ اپنی بہن کے رخسار پر رسید کیا اور بولی ''کیا تجھ پر کسی بدروح کا سایہ ہو گیا ہے گمایہ، بابا مقدونیوں سے جنگ کر رہے ہیں اور تو دشمن کی فتح کی دعا مانگ رہی ہے۔''

''تمہارے جذبات تو سرد ہو چکے ہیں۔'' میری چھوٹی بہن گمایہ سسکیاں لیتی ہوئی چیخی۔ ''تم نے مرد کی طرح پرورش پائی ہے کیا جانو تم تنہائی کیا چیز ہوتی ہے، خدا کرے تم کسی مقدونی کی سیج کی زینت بنو۔'' گمایہ نے چلا کر مجھے گالی دی، وہ غصے سے پاگل ہو رہی تھی، میری ماں رونے لگی میں نے انہیں تسلی دی اور وہاں سے اٹھ کر اپنی خواب گاہ میں آ گئی۔ گمایہ کی اس بے ہودہ حرکت نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ میرا سر درد سے پھٹنے

www.pdfbooksfree.pk

لگا، میں نے صبا کو استاد کے پاس بھیجا کہ وہ مجھے خواب آور شربت لا کر دے، شربت پی کر میں بے خبر سو گئی۔

نیند کے عالم میں مجھے ایک عجیب سا خواب نظر آیا۔ میں نے دیکھا کہ میں بابل میں ہوں۔ شاہانہ لباس پہنے ہوئے میں شاہ دارا کے تخت پر بیٹھی ہوں لیکن محل میں ایک بھی ایرانی نہیں ہے، میرے گرد سکندر کے مقدونی کمانڈر باادب کھڑے ہیں لیکن میں ان سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوں، اچانک محل کے باہر کچھ شور شرابہ کی آوازیں بلند ہوتی ہیں جیسے ہزاروں لوگ غم واندوہ سے نڈھال آہ وبکا کر رہے ہوں، کمانڈر ایک دوسرے کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھتے ہیں، پھر ایک کمانڈر چلا کر کہتا ہے۔

''امنا کیہ کا حمل چھ ماہ کا ہو چکا ہے، خدا نے اگر اسے بیٹا عطا کیا تو اب وہی اصلی وارث اور جانشین ہوگا۔'' میں گھبرا کر بیدار ہوئی تو تمام جسم پسینے سے تر تھا، میں سوچنے لگی کہ خدا را یہ کیسا بھیانک اور منحوس خواب ہے، جانے کیا مصیبت آنے والی ہے، میں نے کنیز کو آواز دے کر مجھور کی شراب منگوائی اسے پیا تو طبیعت ذرا سی سنبھلی، پھر بھی بدن خوف سے کانپ رہا تھا، البتہ شراب کے اثر میں پھر سو گئی، جب صبح کو بیدار ہوئی تو طبیعت بحال تھی، لیکن بھیانک خواب کی یاد اب تک تازہ تھی، میں سیدھی عبادت گاہ تک پہنچی اور میں نے اپنے استاد ہاروس سے خواب کی تفصیل بتائی، وہ گہری سوچ میں ڈوب گئے اور انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بولے۔

''امنا کیہ! میں کئی ماہ سے تمہارے ستاروں کا مطالعہ کر رہا ہوں، مجھے معلوم تھا کہ قسمت تمہیں بہت جلد اس مرتبے پر لے جانے والی ہے جس کے لئے تم پیدا ہوئی ہو، لیکن اس خواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ منزل اب قریب آ گئی ہے، میں خدائے بزرگ وبرتر کے اس اشارے سے سمجھ گیا ہوں، اس نے تمہیں جس مقصد کے لئے منتخب کیا ہے اس کی تعبیر مل چکی ہے، سنو امنا کیہ اس خواب کی تعبیر بہت واضح ہے تمہارے گرد وپیش مقدونی کمانڈروں کی موجودگی اور ان کا خائف نہ ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ تم دوستوں کے درمیان ہو اور تمہارے بطن میں سکندر کا بچہ پرورش پانے کا مطلب یہ ہے کہ اگر خدا کو منظور ہوا تو تم اس کی ملکہ ہوگی اور تم سے جو بیٹا پیدا ہوگا وہ سکندر کا جانشین اور فارس کے تخت کا وارث ہوگا۔''

''نہیں.....'' میں غصے سے چیخی۔ ''یہ وقت آنے سے پہلے میں مرجانا پسند کروں گی۔'' میں نے کانپتے ہوئے کہا۔

''خدا کی مرضی میں انسان کا دخل ممکن نہیں ہے۔'' استاد نے کہا۔ ''اس نے یہی بشارت دی ہے کہ سکندر جیسے عظیم فاتح کا وارث ایرانی شہزادی کے بطن سے پیدا ہوگا اور ایک دن یہی بچہ پھر فارس کی سرزمین کا وارث ہوگا۔ اس طرح مقدونیوں کی فتح کے باوجود تم فارس کو اس کے جائز وارثوں کو واپس دلانے کا ذریعہ ثابت ہوگی۔''

''نہیں استاد ہاروس! یہ ناممکن ہے، میں کبھی اس پر رضامند نہ ہوں گی۔'' میں نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ ''میں فاتح دشمن سے شادی ہرگز نہیں کروں گی، سکندر.....'' میرا جملہ نامکمل رہ گیا، باہر اچانک شور سنائی دینے لگا۔

''سکندر آ گیا، سکندر آ گیا، مقدونیہ نے قلعے کا محاصرہ کر لیا ہے۔'' لوگ محل کے باہر چیخ رہے تھے، میں نے گھبرا کر ہاروس کی طرف دیکھا۔

''خدا نے تمہیں جواب دے دیا ہے امنا کیہ۔'' ہاروس نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''خواب کی تعبیر مل گئی ہے اور بہت جلد سکندر تم سے یہاں اسی قلعہ میں شادی کرے گا۔''

''نہیں ہو سکتا، یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، وہ کبھی اس قلعے کو سر نہیں کر سکتا۔'' میں غصے سے چلائی، ہم جب محل سے باہر نکلے تو قلعے کی ساری آبادی فصیلوں کی سمت بھاگی چلی آ رہی تھی، محافظ دستوں نے مورچے سنبھال لئے تھے ہاروس اور ہم سب نے بھی قلعے کی فصیل پر پہنچ کر نیچے جھانکا۔ سکندر کے لشکر نے واقعی قلعے کا محاصرہ

www.pdfbooksfree.pk

کرلیا تھا، لیکن قلعے کی سپاٹ دیواریں اتنی بلند تھیں کہ کسی انسان کے لئے ان پر چڑھنا ناممکن تھا اس لئے میں مطمئن تھی، قلعے کے لوگ فصیلوں سے جھانک کر دشمن کو للکار رہے تھے اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔ اچانک دشمن کے لشکر سے ایک سوار آگے بڑھا اور بیرونی پھاٹک کے نیچے پہنچ کر اس نے بلند آواز سے پکارا۔

''قلعہ کے حاکم کو سکندر کا سلام پہنچے، سکندر اعظم کا یہ حکم ہے کہ قلعہ کو پرامن طور پر ہمارے حوالے کردیا جائے، ہمارا یہ وعدہ ہے کہ سب کو مکمل امان ملے گی۔''

سالار ہارلیس نے حقارت آمیز انداز میں قہقہہ لگا کر جواب دیا۔'' سکندر سے کہہ دو کہ جب اس کے سپاہیوں کے پرنکل آئیں تو اڑ کر قلعہ پر قبضہ کرلیں، اس وقت تک قلعہ ہمارے پاس رہے گا۔''

تماشائیوں نے اس جواب سے پرجوش نعرے لگا کر تالیاں بجائیں میں بھی بے ساختہ ہنس پڑی، لیکن ہاروس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

''خدا کی مرضی یہی ہے کہ سکندر قلعہ کو تسخیر کرلے۔''

میں نے حیرت اور غصے سے اپنے استاد کو دیکھا اور کہا۔ ''یہ قلعہ ناقابل تسخیر ہے محترم ہاروس، ہم دو سال تک محاصرہ برداشت کرسکتے ہیں سکندر اس دوران خود بھاگ جائے گا۔''

ہاروس نے غصے کے عالم میں میرا بازو اتنی زور سے دبایا کہ میں دہشت سے چیخ اٹھی۔ ''اصنا کیہ میری بات مانو، میں کاہن ہوں، تمہارے ستاروں کے مطابق سکندر کا قلعہ پر قبضہ ہونا لازم ہے تم خدا کی مرضی کو نہیں بدل سکتی ہو، سکندر کو قلعہ میں داخل ہونے کی اجازت ملنی چاہئے۔''

اس سے پہلے میں نے اپنے استاد کی ہمیشہ اطاعت کی تھی لیکن اس وقت برداشت نہیں کرسکی اور سخت لہجے میں بولی۔ ''تو جایئے جاکر ہارلیس کو میرے خواب اور اپنے الہامی حکم کی تفصیل بتادیجئے، محافظ دستوں کے سپاہیوں سے کہہ دیجئے کہ خدا کا حکم یہی ہے کہ ہم قلعہ سکندر کے حوالے کردیں ان سے کہیئے کہ سکندر کے خیرمقدم کے لئے پھاٹک کھول دیں پھر دیکھئے وہ کیا کرتے ہیں۔''

''ایسی صورت میں مجھے غداری کرنا ہوگی۔'' ہاروس نے کہا۔

''محترم ہاروس، خدا کے لئے ایسا نہ کیجیے۔'' میں نے التجا کی۔

ہاروس کی آنکھوں میں ایک سرخی مائل چمک نمایاں ہوئی تھی'' میں غدار بن کر بھی وہی کروں گا جو اس کی مرضی ہے۔ میں ایک غدار کے ذریعہ سکندر کو یہ بتاؤں گا کہ کس طرح اس کے وہ آدمی جو کوہ پیمائی کے ماہر ہیں کمندوں کے ذریعہ پہاڑی کی اس کگر تک پہنچ سکتے ہیں جو آبادی سے اوپر واقع ہے اس کے بعد قلعہ پر قبضہ کرنا آسان ہوگا۔''

''نہیں، اس طرح غداری نہ کریں محترمہ ہاروس۔'' میں تڑپ کر زور سے چلائی۔

''تقدیر کے لکھے پر عمل ہو کے رہتا ہے اصنا کیہ۔'' ہاروس نے سرد لہجے میں کہا اور چلا گیا۔

میں شدید غم وغصہ کے عالم میں اپنی خواب گاہ کے اندر ٹہل رہی تھی، رات کافی گذر چکی تھی ہرسمت سناٹا طاری تھا، اچانک ہاروس اندر داخل ہوا۔'' خدا کی مرضی پوری ہوگئی اصنا کیہ۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''اوہ ہاروس، یہ آپ نے کیا کہا؟'' میں نے تڑپ کر کہا۔

''وہی جو خدا کی مرضی ہے، آؤ ہم عبادت کرتے ہیں، میں نے غلاموں سے کہہ دیا ہے کہ کسی کو بھی اندر داخل نہ ہونے دیں، عبادت تمہاری بے چین روح کو تسکین پہنچائے گی۔'' انہوں نے میرے گرد ایک بڑا سا حصار کھینچ دیا تاکہ بدروحیں اندر داخل نہ ہوسکیں۔ ان کی انگاروں جیسی سرخ آنکھیں مجھ پر مرکوز تھیں، وہ آہستہ آہستہ کچھ پڑھ رہے تھے، مجھے اپنا جسم ہلکا ہوتا محسوس ہونے لگا، کچھ دیر بعد میں نے یوں محسوس کیا جیسے میں فضا میں پرواز کررہی ہوں۔ میرے کانوں

www.pdfbooksfree.pk

میں ہاروس کی آواز گونج رہی تھی۔ ''اصانا کیہ! تیرا ہر حکم تیرے غلاموں کے لئے مقدس فریضہ ہے اور وہ وہی سب کچھ کریں گے جو تیری مرضی ہے۔''

میں شاید خود بھی یہی الفاظ دہرانے لگی تھی، لیکن اس کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں رہا۔ میری آنکھ کھلی تو صبح نمودار ہو چکی تھی، ہاروس میرے سامنے کھڑے مسکرا رہے تھے۔ ''اٹھو اصانا کیہ۔'' انہوں نے کہا۔ ''خدا کی مرضی پوری ہو چکی ہے، ہارلیس نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں، مقدونی سیاہ قلعہ پر قابض ہو چکی ہے، سکندر کے استقبال کی تیاری کرو۔''

صبا اور مشاطاؤں کے سنگھار کے بعد جب میں دربار میں داخل ہوئی تو ہال میں سناٹا طاری ہو گیا، ہال مقدونی کمانڈروں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ قلعہ کے محافظ دستے کے افسران بھی مقدونیوں کے ساتھ گھل مل کر فتح کا جام پی رہے تھے، لیکن میری آنکھیں سکندر کو تلاش کر رہی تھیں اور بالآخر میں نے اسے ڈھونڈ لیا، وہ سردار ہارلیس کے ساتھ کھڑا مبہوت نگاہوں سے مجھے گھور رہا تھا۔ اپنے پستہ قد کے باوجود سب میں نمایاں تھا اس کی نیلی آنکھوں میں ایک سحر تھا، اس کی شخصیت میں شہنشاہوں کا وقار اور دبدبہ تھا، اس کی نگاہیں ملیں تو میرے جسم میں برقی لہریں دوڑ گئیں۔

''عظیم فاتح'' برابر کھڑے ہوئے ہاروس نے سکوت توڑا۔ ''اجازت دیجیے کہ میں سردار آختریس کی دختر شہزادی اصانا کیہ سے آپ کا تعارف کراؤں۔''

''یہ لڑکی واقعی حسن کی شہزادی ہے اسکندر۔'' سکندر نے برابر کھڑے ہوئے یونانی کمانڈر سے کہا اور پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔ ''خوش آمدید حسن کی دیوی تم پہلی عورت ہو جس نے میری تعظیم میں جھکنا پسند نہیں کیا۔''

میں نے اپنے خشک لبوں پر زبان پھیری اور پھر بے باکی اور جرأت کے ساتھ اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''سکندر اعظم! تم ایرانی نہیں یونانی ہو، اس لئے میں نے تمہارا استقبال مقدونیوں کی طرح کیا ہے؟''

سکندر کی آنکھیں چمک اٹھیں کیونکہ میں نے جواب اسی کی زبان میں دیا تھا۔ ''اصانا کیہ! تم جتنی حسین ہو اتنی ہی ذہین اور خوش زبان بھی۔'' سکندر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ تم اتنی شستہ یونانی بولتی ہو۔''

میرے دل میں نفرت کی آگ لگ رہی تھی لیکن لبوں سے شیریں بیانی جاری تھی۔ ''میرے آقا، میں ہمیشہ ویرانوں میں نہیں رہی ہوں۔'' میں نے دلکش لہجے میں کہا۔ ''صرف ایک سال پہلے میرے باپ نے مجھے یہاں اس لئے بھیج دیا تھا کہ میں دشمنوں کی زد سے محفوظ رہوں۔''

''ایسا ہی ہوگا اصانا کیہ۔ میں زیوس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایسا ہی ہوا ہوگا باوجود یہ کہ تمہارا باپ مجھ سے اب بھی برسرِ پیکار ہے، لیکن تم میری دشمن نہیں ہو۔''

میں دل ہی دل میں اس کی دیوانگی پر مسکرا رہی تھی، لیکن سکندر نے اچانک اپنی کلائی سے ایک طلائی کڑا نکال کر میری کلائی میں پہنا دیا۔ ''یہ ادنیٰ سا تحفہ قبول کرو اصانا کیہ، یہ میری دوستی کا ثبوت ہے۔''

''میرے آقا، آپ واقعی ایک فراخدل فاتح ہیں۔''

''لیکن تمہارے حسن نے مجھے فتح کر لیا ہے، میں فاتح کے بجائے ایک ادنیٰ غلام بن گیا ہوں، مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ ان چٹانوں کے درمیان ایسا نایاب ہیرا پوشیدہ ہوگا۔''

''مجھے یوں شرمندہ نہ کریں میرے آقا، سکندر اعظم کے قدموں پر مجھ جیسی کنیزیں سجدہ کرتی ہیں۔'' میں نے سر جھکاتے ہوئے کہا ''آج مجھے میزبانی کا شرف عطا کریں۔''

''واہ تمہاری یہ دعوت مجھے ہمیشہ یاد رہے گی حسین اصانا کیہ۔'' سکندر نے خوشی سے مخمور ہو کر جواب دیا۔

سکندر کا یہ حکم تھا کہ فتح کے بعد بھی خواتین کی بے حرمتی نہ کی جائے اس لئے ایرانی حرم کا رخ کسی نے نہ کیا تھا، شاندار ضیافت کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں، میرا دل اپنی بے بسی پر تڑپ رہا تھا، میں نے بھی

www.pdfbooksfree.pk

سوچا بھی نہ تھا کہ اپنے وطن کو تاراج کرنے والے فاتح کا خیر مقدم بھی مجھے خود کرنا ہوگا۔ اس کا دیا ہوا طلائی کڑا میری کلائی میں چمک رہا تھا، مجھے یہ غلامی کی زنجیر لگ رہا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں اور خدا سے دعا کرنے لگی کہ مجھے حالات سے نمٹنے کی قوت اور صلاحیت عطاء فرمائے اس طرح کچھ سکون ہوا تو ہارپس کی دانش مندی سمجھ میں آئی، اگر سکندر نے اجازت دی ہوتی تو اب تک اس کے لشکری ہم سب کی عزت لوٹ چکے ہوتے اس سے بہتر یہ تھا کہ ہم باعزت طریقے سے ان کو اپنانے کی کوشش کریں۔

میں جب کمرۂ ضیافت میں داخل ہوئی تو ایک بار پھر سب مبہوت ہوگئے، مجھے اپنے حسن پر پہلی بار غرور اور بے پناہ مسرت کا احساس ہوا تھا، ضیافت کے کشادہ ہال میں ہر مست شاہانہ سجاوٹ تھی، بزم قائین اور غالیچوں پر پیر دھنستے تھے، دیواروں پر شیر کی کھالیں لٹک رہی تھیں ہال کے آتشدانوں میں آگ روشن تھی۔ درمیان میں رکھی ہوئی گول میز پر سونے کے جام وساغر رکھے ہوئے تھے، میں سکندر اور اس کے سردار کے درمیان بڑے وقار سے بیٹھی ہوئی تھی۔ میری بہن کمایہ بڑی بے شرمی کے ساتھ ایک اور مقدونی سردار سے ہنس ہنس کر باتیں کررہی تھی، زرق برق پوشاکوں والے غلام کھانا لگا رہے تھے ہال میں ہر مست جشن مسرت کا رنگین ماحول تھا، سکندر کی مخمور نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''اصنا کیہ، میں دیوتاؤں کا شکر گزار ہوں، اگر طوفان کچھ دیر اور جاری رہتا تو میرا لشکر اس قلعہ کو دیکھے بغیر آگے بڑھ جاتا، لیکن شاید دیوتاؤں کو ہماری ملاقات مقصود تھی جو ہم یہاں پہنچ گئے۔''

''میرے آقا، یہ ملاقات تو نوشتہ تقدیر تھی، بہت عرصہ قبل بابل میں ایک کاہنہ نے مجھ سے پیشگوئی کی تھی کہ روئے زمین کا ایک عظیم بادشاہ اپنی تلوار کے ذریعے تجھ تک دسترس حاصل کرے گا۔''

''زیوس کی قسم اصنا کیہ، تجھے حاصل کرنے کے لئے تو میری تلوار ہزار راستے تلاش کرلیتی، مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ میں نے آج تک تجھ جیسی حسین عورت نہیں دیکھی تھی۔'' اس نے اور قریب ہوتے ہوئے والہانہ انداز میں میری آنکھوں میں جھانکا: ''تمہاری نیلی آنکھیں تو بالکل میری ماں کی طرح ہیں۔''

مجھے بہت جلد انداز ہوگیا کہ سکندر اعظم جیسا فاتح مجھ پر دیوانہ وار فریفتہ ہو چکا ہے، یہ میرے حسن کی ایک عظیم فتح تھی، غرور حسن سے میں سرشار ہوگئی، ہم ایک دوسرے کی ستائش میں سبقت لے جانے میں مصروف رہے، میں نے گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھایا تو سکندر نے میرے عریاں بازو کو پکڑ لیا، میرے جسم میں برق سی دوڑ گئی اس نے اپنی گردن آگے بڑھائی تو میں نے ہنستے ہوئے نوالہ اس کے منہ میں رکھ دیا۔

''تمہارے ان خوبصورت ہاتھوں نے کھانے کا ذائقہ اور زیادہ کردیا ہے اصنا کیہ۔'' اس نے مجھے اور قریب کرتے ہوئے کہا۔ میں اسے کھلاتی رہی، شراب کے کئی جام میرے ہاتھوں سے پی کر وہ آہستہ سے بولا۔ ''تم نے جانے کون سی شراب مجھے پلادی ہے اصنا کیہ، ایسا لگا ہے کہ میں تمام زندگی تمہارے حسن کی پوجا کرتا رہوں گا، مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔''

میں نے اسے اپنے بارے میں بتایا وہ بڑے انہماک سے سنتا رہا۔ ''ایسا لگتا ہے کہ تمہارا کاہن اعظم بھی ارسطو سے کم دانشمند نہیں ہے۔ اس نے تمہیں حسن سلوک میں بھی ماہر بنادیا ہے۔'' اس نے میرے دونوں شانے پکڑ کر بوسہ لینا چاہا تو میں گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی، پھر میں نے بااخلاقی پر خوف زدہ ہوکر بولی۔

''میرے آقا، میں سر عام اس بے تکلیف کی عادی نہیں ہوں۔''

سکندر بے ساختہ ہنس پڑا۔ ''اطمینان رکھو اصنا کیہ، میں آئندہ اس کا خیال رکھوں گا۔'' اور پھر ضیافت کے بعد رقص وموسیقی کے جشن کے دوران بھی اس نے احتیاط برتی اور بیشتر وقت اپنے کمانڈر سے مصروف گفتگو رہا۔ ضیافت ختم ہونے پر جب میں اپنی خواب گاہ میں پہنچی تو میرے استاد ہارپس میرا منتظر تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

''میری بچی تم نے سکندر پر جادو کر دیا ہے، مجھے یقین ہے کہ وہ ہمیشہ تمہارا غلام رہے گا۔ لیکن بڑی احتیاط سے کام لینا ہوگا، اس کی خواہشات کا احترام تم پر لازم ہے۔''

دوسری شب بھی سکندر کی نگاہیں والہانہ انداز میں محبت کا پیغام دے رہی تھیں کہ کس طرح میں ایک مملکت کی ساری ذمہ داریاں ادا کرتی تھی، اچانک اس نے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا۔

''اصنا کیہ! کافی عرصہ تک تم صرف ایک ملک پر حکمرانی کرتی رہی ہو، لیکن سچ پوچھو تو تم دلوں پر حکمرانی کے لئے پیدا ہوئی ہو، حیرت ہے کہ اب تک کسی کی نگاہ انتخاب تم پر نہیں پڑی۔''

''میرے آقا، اب تک آپ نے ہمیں چین سے بیٹھنے کب دیا جو کسی اور جانب توجہ دے سکتے۔''

''اصنا کیہ! آج تک کسی عورت نے مجھے اس طرح متاثر نہیں کیا، کسی کو اپنانے کی خواہش اس شدت سے محسوس نہیں ہوئی، اس لئے آج میں ایک مثال قائم کرنا چاہتا ہوں۔'' سکندر اچانک اچھل کر کھڑا ہو گیا اس نے میز پر زور زور سے ہاتھ مار کر سب کو متوجہ کیا، ہال میں سناٹا چھا گیا سب سکندر کو دیکھنے لگے۔

''میرے کمانڈروں۔'' اس نے گرجدار آواز میں کہا۔ ''میں تمہارے سامنے ایک فیصلے کا اعلان کرنے والا ہوں جو ممکن ہے تم سب کو حیران کر دے، تم جانتے ہو میں کتنی تیزی سے فیصلے کرتا ہوں ہماری بیشتر فتوحات میری اس عادت کی مرہون منت ہیں، ایک مرتبہ پھر میں نے ایک اہم اور فوری فیصلہ کیا ہے، بہت غور کرنے کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اپنی سلطنت کو مستحکم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مقدونی سردار ایرانی خواتین سے شادی کرتیں، صرف اسی صورت میں مقدونیوں کے ذہن سے غرور اور ایرانیوں کے ذہن سے شکست کی شرمندگی دور ہو سکتی ہے۔''

''میرے خدایا۔'' میں نے حیرت زدہ ہو کر سوچا، میرے خواب کی تعبیر ملنے والی ہے، لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئی تھیں لیکن سکندر نے ہاتھ اٹھا کر سب کو خاموش کر دیا۔

''اپنے فیصلے کی عملی مثال پہلے میں خود پیش کروں گا، میرے کاہن نے میری شادی کے لئے وقت کا تعین کر دیا ہے اور میں آج اور ابھی شہزادی اصنا کیہ سے شادی کا اعلان کرتا ہوں۔''

میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے سکندر کے مسکراتے ہوئے چہرے کو گھور رہی تھی۔ ''سکندر پر اس عورت نے جادو کر دیا ہے، سکندر سحر زدہ ہو گیا ہے۔'' لوگ سرگوشیاں کرنے لگے۔

''ہاں سکندر سحر زدہ ہو گیا ہے۔'' سکندر نے بلند آواز میں کہا۔ ''اور اس بات پر خوش ہے کہ اصنا کیہ نے اس پر جادو کر دیا ہے۔'' اس نے میرا بازو پکڑ کر مجھے کھڑا کر دیا، میرا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ ''روٹی..... مجھے روٹی دو'' وہ چلایا اور اسکلس نے جلدی سے ایک روٹی اس کی سمت بڑھائی سکندر نے روٹی میز پر رکھ کر اپنی تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور ایک ٹکڑا میرے ہاتھ میں دے دیا۔

''کھاؤ اصنا کیہ۔'' اس نے کہا۔ ''میں مقدونیوں کے رواج کے مطابق شادی کی رسم ادا کرنا چاہتا ہوں۔''

میں نے جیسے ہی روٹی دانتوں سے کاٹی سکندر خوشی سے چلایا۔ ''رسم ادا ہو گئی، اب شہزادی اصنا کیہ سکندر کی بیوی ہے۔''

سارا ہال تالیوں اور خوشی کے نعروں سے گونج اٹھا، پھر مجھے کچھ یاد نہ رہا اور میں بے ہوش ہو کر سکندر کے بازوؤں میں جھول گئی۔ میری آنکھ اپنی خواب گاہ میں کھلی، میرے بستر کے گرد استاد ہاروس شاہی طبیب اور پریشان سکندر کھڑا تھا۔ میرے ذہن میں ہاروس کے الفاظ گونج اٹھے۔ مجھے سکندر کو اس کا جانشین دینا تھا۔

''زیوس تیرا شکر ہے۔'' سکندر نے اطمینان کی سانس لے کر کہا اور میں مسکراتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

''میرے آقا، آپ نے اچانک مجھے اتنا بڑا

www.pdfbooksfree.pk

اعزاز بخش دیا تھا کہ خوشی سے بے ہوش ہوگئی، لیکن اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

پھر سب کے جانے کے بعد صبا مجھے شب عروسی کے لئے تیار کرنے آئی تو میں نے اس سے کہا۔''شاہی طبیب سے میرے لئے کوئی انتہائی مفرح اور مدہوش کن شربت لے آؤ۔''

صبا اور دو مشاطاؤں نے بناؤ سنگھار کے لئے تیار کیا، سکندر جب حجلہ عروسی میں داخل ہوا تو دم بخود ہو کر رہ گیا اس کے لئے میرے حسن کی تاب لانا مشکل ہو رہا تھا۔

''شاید میرے کمانڈر ٹھیک کہتے ہیں اصنا کیہ، تمہارے حسن نے مجھ پر جادو کر دیا ہے۔''

عظیم فاتح اور شہنشاہ سکندر میرے سامنے پرستار بنا کھڑا تھا، وہ پرستش بھری نگاہوں سے میرے حسن کی فتنہ سامانیوں کو گھور رہا تھا، اس کے سنہرے بال مجھے بڑے خوبصورت لگ رہے تھے اس کی نیلی آنکھوں میں بچوں جیسی معصومیت جھلک رہی تھی۔

''میرے آقا، میں آپ کی کنیز ہوں مجھے اپنا بنا کر آپ نے ہمیشہ کے لئے مجھے خرید لیا ہے۔'' میں نے جھک کر اس کے قدم چوم لئے۔ اس نے جلدی سے شانے پکڑ کر مجھے اٹھایا اور دیوانہ وار اپنی محبت کی پہلی مہر میرے لبوں پر ثبت کر دی۔''تم کنیز بننے کے لئے نہیں بلکہ پرستش کے لئے پیدا ہوئی ہو اصنا کیہ۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

اور اس رات میں نے اپنے حسن و جمال کے سحر سے سکندر کو ہمیشہ کے لئے غلام بنا لیا، قدرت نے مجھے اپنے حسن کے ساتھ ساتھ محبت کے فن سے بھی نوازا تھا، سکندر کو میرے اوپر شبہ تک نہ ہو سکا، لیکن تمام تر کوشش کے باوجود میں اس سے نفرت نہ کر سکی، بے شک میں نے اپنے حسن و جمال سے اس کو دیوانہ بنا دیا تھا، لیکن اس نے مجھے وہ تمام مسرتیں اور لذتیں عطا کیں جن کی کوئی عورت تمنا کر سکتی ہے۔

سکندر کو ایک لمحہ کے لئے بھی میری جدائی گوارا نہ تھی، اس لئے وہ مجھے اپنے ساتھ بابل لے گیا، خود اپنے ہی محل میں میری حیثیت ایک محکوم کی سی تھی، یہاں مقدونیوں کا دور دورہ دیکھ کر میرا دل خون کے آنسو روتا تھا۔ لیکن میں بے بس تھی، میرے اہل خاندان شہر کے ایک دوسرے محل میں مقیم تھے میرے بابا کو جب میری شادی کی خبر ملی تو انہیں سخت حیرت و صدمہ ہوا۔ لیکن جلد ہی انہیں اس فخر کا احساس ہوا کہ سکندر جیسے عظیم فاتح نے پورے ایران سے ان کی بیٹی کو شادی کے لئے منتخب کیا ہے۔ انہوں نے سکندر سے صلح کر لی اور باختر اور سگودیہ کے دوسرے سرداروں کو بھی صلح پر آمادہ کر لیا۔

چونکہ سردیوں کا موسم شروع ہو گیا تھا اور برف باری ہونے لگی تھی اس لئے سکندر نے اپنا قیام بابل میں جاری رکھا۔ میری شادی کے ساتھ دن پلک جھپکتے گزر گئے، سکندر سے نفرت کی جگہ اب میرے دل میں اس کے لئے احترام پیدا ہونے لگا تھا۔ وہ مجھ سے ایسی والہانہ محبت کرنے لگا تھا کہ اکثر خود شرمندہ ہو جاتی تھی، سچ پوچھو تو وہ میری پرستش کرنے لگا تھا، اس نے میرے ایک بھائی کو اپنے خاص مخالصین میں شامل کر لیا تھا، ایرانی رؤسا کو شاہانہ اعزازات سے نوازا تھا، سرداروں کو گورنر نامزد کر دیتا تھا اور ان کو مقدونیوں کے برابر کا درجہ دیا تھا اور ایک دن سکندر یہ سب مجھے بتا رہا تھا، میں نے جرأت کر کے پوچھ لیا۔

''سچ سچ بتایئے، کیا آپ نے مجھ سے شادی صرف ایرانیوں کو خوش کرنے کے لئے کی تھی؟'' اس کی آنکھوں میں نرمی سی پیدا ہو گئی۔''اصنا کیہ، تم سے شادی میں نے صرف اپنی خوشنودگی کے لئے کی ہے۔'' سکندر نے بڑے پیار سے کہا۔''تم نے پہلی نظر میں ہی میرے دل کی گہرائیوں میں جگہ حاصل کر لی تھی، مجھے خود نہیں معلوم تھا کہ تم نے مجھ پر کیسا جادو کر دیا ہے، تمہارے بغیر مجھے اپنی زندگی نامکمل محسوس ہوتی ہے، سچ پوچھو تو اس محبت میں تمہاری ذہانت کا بھی بڑا دخل ہے۔''

سکندر کے جانے کے بعد میں نے استاد باروس کو بلا بھیجا۔''محترم استاد، اب تک خواب کی تعبیر مکمل نہیں ہوئی ہے۔'' میں نے کہا۔''سردیاں کم ہوتے ہی

www.pdfbooksfree.pk

سکندر یہاں سے روانہ ہو جائے گا، اس کی بیوی اور بچہ ایک مخصوص جگہ موجود ہیں، ممکن ہے وہاں جا کر میری یاد کے نقوش مدہم پڑ جائیں۔''

ہاروس نے بڑے مطمئن انداز میں مجھے دیکھا ''روانگی سے قبل تمہارے وطن میں سکندر کا جانشین وجود میں آ جائے گا، کسی تشویش کی ضرورت نہیں ہے ،البتہ تم سکندر کو ہندوستان فتح کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتی رہو۔''

''لیکن بیشتر کمانڈر اور مقدونی ہندوستان پر فوج کشی کے مخالف ہیں اور واپسی کے لئے بے تاب ہیں۔''

''گھبراؤ نہیں ،خدا نے چاہا تو وہ واپس نہیں جائے گا۔'' ہاروس نے اطمینان دلایا۔ ''سکندر کے کابن سے میری بات ہوگئی ہے، وہ ہندوستان پر فوج کشی کی راہ ہموار کرے گا۔''

مجھے جلد اندازہ ہوگیا تھا کہ سکندر کتنی خوبی اور دانشمندی کے ساتھ مملکت کے کاروبار کو چلاتا ہے، صبح سے شام دور دراز شہروں کے قاصد آتے رہتے تھے اور وہ ان کی اطلاعات کی روشنی میں احکامات صادر کرتا رہتا تھا، مقدونیہ سے اس کی ماں بار بار اسے وطن واپسی کے لئے پیغام روانہ کرتی رہتی وہ اپنے خطوط میں گورنر کی نااہلی کا شکوہ شدت سے کرتی رہتی تھی، ادھر گورنر بھی ہمیشہ اس کی ماں اولمپیئن کی بے جا مداخلت کا شاکی رہتا تھا سکندر کو اپنی ماں کا یہ رویہ بالکل ناپسند تھا۔ یہ شخص گوناگوں صلاحیتوں کا مالک تھا، وہ پیدائشی جرنیل تھا۔ اتنے بڑے لشکر پر اس کا مکمل کنٹرول رہتا تھا، مقدونیہ سے روانگی کے وقت وہ اپنے لشکر کے ہمراہ مختلف فنون کے ماہرین لے کر چلا تھا، ان میں بہترین انجینئر اور ماہر معدنیات اور سائنسداں شامل تھے۔ ان کی تحقیق کی رپورٹیں وہ اپنے استاد اور وقت کے عظیم سائنسداں ارسطو کو روانہ کرتا رہتا تھا جس کے لئے اس نے ایک بہت بڑی تجربہ گاہ بنوا رکھی تھی۔

استاد اعظم سے گفتگو کے بعد والی شب میں سکندر کے ساتھ کھانے کی میز پر بیٹھی تھی میرے دوسری جانب ایمملش بیٹھا تھا، اس کمانڈر سے سکندر کی محبت کی مختلف داستانیں مشہور تھیں، یہ ایک دراز قد اور گھنگھریالے بالوں والا خوبرو نوجوان تھا جس کی لانبی بھوری آنکھوں میں ہمیشہ شوخی چمکتی رہتی، وہ مقدونی نہیں تھا، ہمیشہ خوش وخرم رہتا تھا اور بانسری بڑی اچھی بجاتا تھا۔ سکندر اور ایمملش دونوں نے ایرانی لباس پہن رکھا تھا، سکندر نے کہا۔

''ایمملش اور آریل ایسے نوجوان ہیں جنہوں نے ایرانی لباس کو اپنایا ہے، صرف تم دونوں میرے اس خیال کے حامی ہو کہ ہمیں اپنی خواتین کی طرح ایرانی خواتین کا بھی اتنا ہی احترام کرنا چاہئے۔''

''میرے آقا، اگر ایرانیوں کی خواتین کا احترام نہ کیا گیا تو آپ کبھی ان کی حمایت نہ حاصل کر سکیں گے۔'' میں نے کہا۔

''میں جانتا ہوں صنا کیہ، اس لئے آج میں نے یہ فرمان بھی جاری کر دیا ہے کہ ایران کی تمام معزز خواتین کا پورا پورا احترام کیا جائے۔'' سکندر نے خوش ہو کر کہا۔ ''اور یہی نہیں ایک مشترک تہذیب کی بنیاد رکھنے کے لئے میں اور بھی اقدامات کر رہا ہوں، پیلا سے بہت سے نامور فنکار سنگتراش ماہر زبان اور دانشور بہت جلد آ کر ایشیاء میں آباد ہونے والے ہیں۔''

''آپ ایک عظیم اور دانشور حکمران ہیں میرے آقا۔'' میں پرجوش لہجے میں بولی۔

''ہاں ہاں بے شک جان من تم سچ کہتی ہو۔'' سکندر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''جب میں ٹرائے کے ساحل پر اترا تو محسوس ہوتا تھا مجھ میں ایک لیز کی قوت ہے اور جب طاہر فتح کیا تو بازوؤں میں ہرا قل کی توانائی محسوس کی تھی اور اب مجھے یقین ہے کہ میں دیوتاؤں کے سب سے طاقتور بیٹے ڈیونی سیوس کا اوتار ہوں۔''

''روایت کے مطابق ڈیونی سیوس نے ہندوستان فتح کر لیا تھا میرے آقا۔'' میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ ''پھر کوئی وجہ نہیں کہ آپ اس عظیم اور دولت سے مالا مال ملک کو فتح نہ کر سکیں۔''

www.pdfbooksfree.pk

میں نے ہندوستان کے بارے میں اسے وہ تمام تفصیلات بتانا شروع کردیں جو استاد اعظم نے بیان کی تھیں۔ سکندر اچانک اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ ''تب پھر سکندر کو اس سرزمین پر قدم رکھنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔'' وہ جوش وخروش کے ساتھ چلایا۔

''سکندر..... سکندر۔'' ایملش ہنستے ہوئے بولا۔ ''خدا نے تم کو جتنی آرزو اور حوصلہ دیا ہے اس کے لحاظ سے پوری دنیا بھی بہت مختصر ہے۔''

''تم مجھے جانتے ہو ایملش، میرے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔'' سکندر مسکرا کر بولا۔ ''میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ جیسے ہی برف پگھلے گی ہندوستان پر فوج کشی کروں گا۔''

میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا اور اس کے بعد سکندر کے ارادوں کو ہوا دیتی رہی، سکندر نے مجھے اپنی بے پناہ محبت کے ساتھ بے انتہاء عزت اور وقار بھی عطاء کیا تھا، میں دربار میں اس کے برابر جگہ پاتی تھی، مجھے معلوم تھا کہ یہ بات اس کے دوسرے کمانڈروں کی بیویوں کو بہت شاق گزرتی تھی، لیکن عام طور پر وہ سب مجھ سے بڑے احترام کے ساتھ پیش آتی تھیں سوائے ہیراس کے، یہ حسین عورت کسی زمانے میں ایتھنز کی نامور طوائف تھی، لیکن کمانڈر بطلیموس نے اس کے حسن سے متاثر ہوکر وشادی کرلی تھی جس کی وجہ سے ہیراس کو سکندر کے دربار میں جگہ ملنے لگی۔ سکندر نے ایک دن بڑی ضیافت کا اہتمام کیا، میرے اور ایملش کے علاوہ کسی کو یہ راز نہیں معلوم تھا کہ اس بہانے وہ مقدونیوں کو ایک سبق دینا چاہتا ہے، میں دعوت میں سکندر اور بطلیموس کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی۔ ہیراس اپنے شوہر کے برابر بیٹھی تھی، دعوت کے بعد شراب کا دور چلنے لگا، جب نشہ چھانے لگا تو آداب واحترام کے لحاظ بھی ختم ہونے لگا، دعوت میں سکندر کے استاد ارسطو کا بھتیجا کیلیستھینز بھی موجود تھا جو نامور فلسفی تھا۔ اس کے گرد بہت سے افراد کا ہجوم ہوگیا تھا لوگ بڑی توجہ سے اس کی عالمانہ گفتگو سن رہے تھے موسیقی کی ہلکی دھن بج رہی تھی، شراب کے جام پہ جام لنڈھائے جارہے تھے میں نے سکندر کو شاعر سیلو اور اگیز کو آنکھوں سے اشارہ کرتے ہوئے دیکھا جس کے بعد وہ اٹھ کر چلا گیا، سکندر کے جاتے ہی سیلو نے بلند آواز میں کہا۔

''دیوتاؤں کی مہربانی ہے جس نے ہمیں اتنا مہربان اور عظیم شہنشاہ دیا، ذرا سوچو تو سکندر نے ہمیں کیا نہیں دیا، دولت عزت اور شہرت عطا کی، اس کے جواب میں کیوں نہ ہم اسے دیوتا تسلیم کرلیں اور ایرانیوں کی طرح اس کے سامنے قدم بوس ہوکر تعظیم دیں۔'' اس نے آخری جملہ کیلیستھینز کی سمت دیکھ کر کہا۔

''سیلو کا خیال درست ہے۔'' اگیز نے تائید کی ''سکندر زیوس کا بیٹا ہے اور بلاشبہ اس اعزاز کا مستحق ہے، میں آج اس کے سامنے قدم بوس ہوکر تعظیم دوں گا، کیا خیال ہے کیلیستھینز''

سب کی نگاہیں کیلیستھینز پر مرکوز ہوگئیں، اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''سیلو، اگیز اگر سکندر نے تمہاری باتیں سن لیں تو سخت برہمی کا اظہار کرے گا، سکندر کو دیوتا بنانے کی کوشش مت کرو تم چاہتے ہو کہ سکندر اپنی قومی روایات چھوڑ کر غیروں کی رسمیں اپنالے، ہم اپنے بادشاہ کو ایرانیوں کی طرح تعظیم پیش کرنے لگیں، میں اس بات کو پسند نہیں کرتا۔''

مقدونی کمانڈروں نے اس بات پر نعرہ ہائے تحسین بلند کیا کیونکہ کیلیستھینز نے ان کے دل کی ترجمانی کی تھی، مجھے معلوم تھا کہ سکندر پردے کے پیچھے بیٹھا ہوا یہ سب کچھ سن رہا ہے اور اسے یہ بات ناگوار گزری ہوگی۔ اسی لمحے وہ اچانک باہر آیا اور تمام ایرانی قدم بوس ہوگئے، میں بھی ان میں شامل تھی، ہم اٹھنے والے تھے کہ ایک کمانڈر ایشون نے زوردار قہقہہ لگایا۔

''دوبارہ سجدہ کرو۔'' سکندر کے لبوں سے مسکراہٹ غائب ہوگئی، ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا وہ شیر کی طرح ایشون پر جھپٹا۔

www.pdfbooksfree.pk

''تم دوسروں کا مذاق اڑاؤ گے، لیکن خود تعظیم نہ کرو گے۔'' سکندر دہاڑا۔ کمانڈر نے گھبرا کر صفائی پیش کرنا چاہی لیکن سکندر نے اسے گردن سے پکڑ کر فرش پر پھینک دیا، وہ سر کے بل سکندر کے سامنے گرا۔ ''اب تم خود سجدہ کر رہے ہو، اس لئے آئندہ کسی کا مذاق نہ اڑاؤ گے۔'' سکندر نے گرج کر کہا۔ ''گرفتار کر لو اسے مجلس برخواست کی جاتی ہے۔''

سب پر سناٹا طاری ہو گیا تھا، کمانڈروں نے ناگواری کے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھا اور اس دن مجھے سکندر کے غیض و غضب کو دیکھنے کا پہلی بار موقع ملا۔ پھر دس بارہ دن تک سکندر کا مزاج بہت برہم رہا، جب میں بطلیموس یا ایمیلش تنہا اس کے پاس ہوتے تو وہ قسمیں کھا کر الزام لگاتا کہ فلسفی کیلیستھینز اس کے خلاف سازش کر رہا ہے وہ اپنی چرب زبانی کے ذریعہ لوگوں کو بغاوت پر اکسا رہا ہے، سکندر کو اس بات پر بھی سخت غصہ تھا کہ ارسطو اب تک گرفتار نہیں ہو سکا باختر کا یہ بہادر شہزادہ اب تک مزاحمت کر رہا تھا اور اپنی مختصر جماعت کے ساتھ چھاپے مار کر سکندر کی فوجوں کو بھاری نقصان پہنچا تا رہتا تھا، سکندر نے اسکی فوری گرفتاری کا حکم دے رکھا تھا، شاہی خواب گاہ میں جب وہ تھکا ماندہ آ کر لیٹتا تو میری عادت تھی کہ اس کی گردن کی مالش شروع کر دیتی۔

اس نے ایک دن مجھے بتایا کہ ہندوستان پر حملے کے لئے پوری مملکت سے تیس ہزار جنگجو جوانوں کو جمع کرنے کا حکم دے دیا ہے ''میرے لشکر میں ایک لاکھ بیس ہزار پیادہ سپاہی اور پندرہ ہزار سوار ہوں گے۔'' اس نے بتایا اور پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ''تمہارے ہاتھوں میں جانے کیا جادو ہے کہ میری ساری تھکان دور ہو جاتی ہے۔'' اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''امنا کیہ! تم تو کسی دیوتا کی بیوی ہونے کی مستحق تھیں، لیکن یہ بتاؤ تم میری نسل سے نہیں ہو پھر بھی کیا میں تمہاری وفا پر بھروسہ کر سکتا ہوں، میرے ہر جانب سازشیں ہو رہی ہیں، کیلیستھینز بھی اس میں شریک ہے۔''

''میرے آقا آپ نے یہ الفاظ کہہ کر میرے دل کو بڑی ٹھیس پہنچائی ہے۔'' میں نے غمزہ لہجے میں شکوہ کیا۔ ''آپ کسی نسل کے بھی ہو لیکن میرے محبوب شوہر ہیں، آپ میرے لئے صرف بادشاہ نہیں سکندر میرے محبوب ہیں۔''

''مجھے معاف کر دو امنا کیہ۔'' سکندر نے والہانہ محبت کے ساتھ کہا۔ ''کیلیستھینز نے مجھے ہر ایک سے مشکوک کر دیا ہے، آہ جان من دنیا میں بادشاہ سے زیادہ تنہا شخص کوئی نہیں ہوتا''

دوسرے دن ہم دربار میں بیٹھے ہوئے تھے سکندر اپنے معمول کے مطابق کاروبار سلطنت چلا رہا تھا، مشورے کے لئے ایمیلش اس کے برابر بیٹھا تھا، کچھ فاصلے پر مشہور مجسمہ ساز میٹھا ہوا سکندر کی تصویر کندہ کر رہا تھا، پیلا کے گورنر نے اپنے خط میں سکندر کی ماں کی زیادتیوں کی شکایت کی تھی۔

''یہ گورنر بھی بڑا بے وقوف ہے۔'' سکندر نے مسکراتے ہوئے ایمیلش کی سمت دیکھا۔ ''اسے نہیں معلوم کہ اس کی ساری شکایتیں ماں کے ایک آنسو سے دھل جاتی ہیں۔'' سکندر نے کہا اسی لمحہ ایک محافظ نے آ کر اطلاع دی کہ ایک ایرانی خاتون باریابی کی اجازت چاہتی ہے۔ سکندر نے فوراً حکم دیا کہ اسے آنے دیا جائے، ذرا دیر بعد ایک دراز قد اور بے حد خوبصورت ایرانی خاتون کمرے میں داخل ہوئی اس کی سیاہ زلفیں شانوں پر بکھری ہوئی تھیں گداز جسم شباب کی فتنہ سامانیوں کے ساتھ نمایاں تھا، سکندر کو تعظیم دے کر اس نے مسکراتی نظروں سے سکندر کو دیکھا۔

''بتاؤ خاتون، تم پر کس نے ظلم کیا ہے، میں اسے عبرتناک سزا دوں گا۔'' سکندر نے کہا۔

''سکندر اعظم جیسے طاقتور اور منصف حکمران کی سلطنت میں کس کی مجال ہے جو کسی پر ظلم کرے۔'' عورت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میں تو ایک تحفہ لے کر آئی ہوں اور آپ سے انعام کی طالب ہوں۔''

www.pdfbooksfree.pk

''کیسا تحفہ خاتون؟'' سکندر نے حیران ہو کر پوچھا۔''صاف صاف بتاؤ کیا بات ہے؟''

''میرا نام زورا ہے اور میں آپ کے بدترین دشمن ایراش کی بیوی ہوں۔'' سکندر اچھل پڑا، تمام لوگ اس انکشاف پر حیران رہ گئے تھے زورا نے فاتحانہ انداز میں گردو پیش پر نظر ڈالی۔

''گزشتہ دو برس سے میں ایراش اور اس کی فوج کے ساتھ جنگلوں پہاڑوں اور ریگستانوں کی خاک چھانتی پھر رہی تھی، میں اس خانہ بدش سے عاجز آ چکی تھی، میں نے بار بار ایراش سے التجا کی کہ وہ آپ کے سامنے ہتھیار ڈال دے لیکن وہ بضد رہا کہ میں کسی غیر قوم کے سامنے سر نہ جھکاؤں گا۔'' زورا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔''سکندر اعظم میرا شوہر حاسد تھا، اسے یہ ڈر تھا کہ میں اسے چھوڑ کر آپ کے بازوؤں میں آ جاؤں گی۔'' اس نے بے خیالی کے ساتھ سکندر کو گھورا۔

''اس حسد کی بناء پر اس نے میرا بستر چھوڑ کر بازاری عورتوں کے ساتھ داد عیش دینا شروع کر دی لیکن وہاں سے وہ لذت نہ مل سکی جو میں دیتی تھی اس لئے وہ پھر خوشامد کرتا ہوا میرے پاس آ گیا، لیکن اسے نہیں معلوم تھا کہ عورت کیسے انتقام لیتی ہے۔''

سکندر نے غصے میں ایک ترجمان سے کہا۔''اس سے کہو کہ کام کی بات کرے ان بیکار باتوں میں وقت کیوں برباد کر رہی ہے؟''

زورا نے ترجمان کو غصے سے دیکھا۔''میرے خواجہ سرا کو حاضر کرو۔'' اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور نوکر کی کاڈھکن ایک جھٹکے سے علیحدہ کیا اور ہاتھ ڈال کر اندر سے ایک کٹا ہوا سر نکالا خون آلود سر کو بالوں سے پکڑ کر اسے سکندر کے سامنے کر دیا۔

''اسے پہچانیے سکندر اعظم! یہ ہے آپ کا دشمن.....ایراش۔''

سارے دربار پر سکوت چھا گیا۔ لوگ دہشت زدہ ہو کر سرگوشیاں کرنے لگے، سکندر وحشت زدہ انداز میں چلایا۔''زیوس..... زیوس..... یہ کیسی درندہ صفت عورت ہے، کیا یہ واقعی ایراش کا سر ہے؟''

''ہاں میرے آقا.....'' میں نے غصے اور کرب کے عالم میں کانپتے ہوئے کہا۔''میں شہزادہ ایراش کو پہچانتی ہوں، وہ اکثر میرے باپ کے پاس آیا کرتے تھے۔'' اور پھر میں غیض وغضب کے عالم میں زورا کی سمت مڑی اور اسکے چہرے پر تھوک دیا۔''غدار..... چڑیل ..... خدا تجھے جہنم رسید کرے، تو نے ایران کے آخری بہادر کو تہہ تیغ کر کے پوری قوم کا سر کاٹ لیا ہے۔''

''بے شک ایراش میرا دشمن تھا۔'' اچانک سکندر کی آواز گونجی۔''لیکن بہادر دشمن کی موت پر خوش ہونا جواں مردی نہیں ہے، یہ بے حیا عورت اپنے شوہر کی قاتل ہے، لے جاؤ اس شیطان صفت فاحشہ کو، اس سے پہلے کہ میری تلوار اس کا سر قلم کر دے، اسے میری نظروں سے دور کر دو۔'' وہ طیش کے عالم میں دہاڑا۔

میں سکندر کی اس انصاف پسندی پر حیران رہ گئی تھی بلاشبہ وہ ایک دلیر سپاہی تھا اس واقعہ سے سکندر کی قدر و منزلت میرے دل میں اور بڑھ گئی۔ اسی شب ایک اور واقعہ رونما ہوا، میں بے خبر سو رہی تھی کہ کسی نے لیمپ کی روشنی میرے چہرے پر ڈالی اور میں گھبرا کر اٹھ بیٹھی، صبا اور میرا بھائی میرے پاس کھڑے تھے۔

''خیریت تو ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''بہت آہستہ بولو۔'' میرے بھائی نے سرگوشی کی اور صبا کو باہر جانے کا اشارہ کیا پھر آہستہ سے بولا۔'' ایک خوشخبری لے کر آیا ہوں اصنا کیے، تم اس لڑکے شارلیس کو جانتی ہو نا جو سکندر کے خدمت گاروں میں شامل ہے، اس نے اپنے ساتھی لڑکوں سے مل کر آج رات سکندر کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔''

اس کی بات سن کر میرے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں، میں سخت دہشت زدہ ہو گئی تھی۔

(جاری ہے)

www.pdfbooksfree.pk

خونی مخلوق

ضرغام محمود۔کراچی

خوبرو لڑکی کی جھلکتی شہ رگ میں دوران خون پر جب خونی مخلوق کی نظر پڑی تو اس کی آنکھوں میں عجیب چمک پیدا ہوئی اس کے انگ انگ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور پھر وہ ہوگیا جو تصور میں نہ تھا۔

ایک خونی مخلوق کی لرزہ خیز داستان حیرت جو کہ پڑھنے والوں کو تھرا کر رکھ دے گا

میں دیوار سے چپکا بیٹھا تھا پہلی نظر میں میں دیوار کا ہی حصہ معلوم ہوتا تھا جب تک کوئی غور سے نہ دیکھے تو میرا وجود نظر نہیں آتا تھا یہ صلاحیت مجھ میں قدرتی طور پر موجود تھی کہ میں آسانی سے کسی کو نظر نہیں آتا تھا اس لئے کہ میں اگر کسی جگہ بیٹھ جاؤں تو پہلی نظر میں میں اس جگہ کا حصہ ہی معلوم ہوتا ہوں۔اگر یہ صلاحیت مجھ میں نہ ہوتی تو انسان اب تک میرا خاتمہ کر چکا ہوتا اس انسان نے میری قوم کا تقریباً خاتمہ کر دیا ہے۔بس مجھ جیسے کچھ ہی افراد باقی بچے ہیں میری قوم کے بوڑھے بتاتے ہیں کہ" وہ وقت بھی کتنا خوش کن تھا جب اس دنیا پر ہمارا راج تھا ہر طرف ہم ہی ہم تھے مگر پھر قدرت نے انسان کو پیدا کیا اور اسے عقل و دانش کی قیمتی دولت سے مالا مال بھی کیا اور انسان نے اپنی عقل و دانش کو استعمال کرتے ہوئے ہم جیسی خطرناک مخلوق پر

www.pdfbooksfree.pk

بھی قابو پالیا، پھر بھی ہم اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں، اس جنگ میں صرف ہمارا ہی نقصان نہیں ہوا، انسانوں کا بھی بہت نقصان ہوا اور ہماری وجہ سے کروڑوں انسان اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

مگر قدرت نے انسان کو عقل و دانش کا جو علم دیا ہے اس سے فائدہ اٹھا کر انسان نے ہمیں ہلاک کرنے کے لئے ایسے ایسے ہتھیار ایجاد کئے جس کی وجہ سے ہماری آبادی بہت کم ہو گئی۔ اب اس مکان میں میں تنہا رہ رہا ہوں حالانکہ کچھ عرصہ پہلے تک یہاں میرے کئی ساتھی میرے ساتھ رہائش پذیر تھے مگر اس انسان نے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا، میری قسمت اچھی تھی جو میں انسان کے خطرناک ہتھیاروں سے بچ گیا، اب میں تنہا ہی اس مکان میں رہتا ہوں وہ بھی چھپ چھپا کر اور صرف رات کے اندھیرے میں شکار کے لئے نکلتا ہوں۔

میں ایک خونی مخلوق ہوں انسانی خون میری غذا ہے پہلے تو میں کسی جانور وغیرہ کا خون پی کر بھی زندہ رہ لیتا تھا مگر ایک مرتبہ جب میں نے انسانی خون پیا تو مجھے اتنا مزا آیا کہ میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا، بس اس دن کے بعد سے مجھے کسی اور جاندار کا خون اچھا ہی نہیں لگتا اور تب سے میں انسانوں کی تاک میں رہنے لگا، جب کوئی انسان مجھے اکیلا مل جاتا ہے تو میں اسے دبوچ لیتا ہوں اور اس کا خون پی لیتا ہوں۔

میں اس مکان میں کافی عرصے سے رہ رہا ہوں آج کل یہ مکان خالی ہے پہلے یہاں ایک فیملی آباد تھی، میں نے موقعہ پا کر ان کے جوان لڑکے کو دبوچ لیا اور اس کا خون پی لیا، وہ لڑکا چند دن بیمار رہ کر مر گیا، بس اس دن سے وہ فیملی ایسی ڈری کہ پھر اس مکان کو چھوڑ کر کہیں اور شفٹ ہو گئی۔

اب میں کئی دن سے بھوکا ہوں، میرے ہاتھ پیر سست ہو رہے ہیں، میں نے اس مکان سے باہر نکل کر شکار کرنے کی کوشش بھی کی مگر باہر تو میری اپنی جان کے ہی لالے پڑ گئے اس انسان نے بھی کیا کیا ہتھیار ایجاد کر لئے ہیں ہمیں مارنے کے لئے، اس انسان کا بس نہیں چلتا ورنہ وہ ہمیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیں۔

ایک شام میں بھوک سے بلبلا کر پڑوس کے مکان میں گھس گیا، مکان چاروں اطراف سے مکمل طور پر بند تھا مگر میں چھوٹی سے چھوٹی جگہ سے بھی بآسانی گزر سکتا ہوں مجھ میں یہ خاص قسم کی صلاحیت ہے لہٰذا میں ایک نہایت تنگ راستے سے مکان میں داخل ہو گیا، مکان میں داخل ہو کر میں ہر کمرے کو دیکھتا جا رہا تھا آخر کار ایک کمرے میں ایک موٹی سی عورت ٹی وی دیکھتی ہوئی مجھے نظر آئی، میں دبے قدموں اس کی جانب بڑھا اس موٹی عورت کی گردن کی نس صاف نظر آ رہی تھی اور اس نس میں دوڑتا لہو مجھے للچا رہا تھا، میں اس عورت کی جانب بڑھا اچانک نہ جانے کیا ہوا کہ اس عورت نے اپنے پیچھے دیکھا اور اس کی نظر مجھ پر پڑی، مجھے دیکھتے ہی اس عورت نے ایک زوردار چیخ ماری، اس کی چیخ سن کر ایک تنومند آدمی کمرے میں داخل ہوا جب اس آدمی کی نظر مجھ پر پڑی تو اس کے منہ سے میرے لئے انتہائی غلیظ گالی نکلی اور اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہتھیار اٹھا لیا وہ خاص ہتھیار جو انسان نے ہمیں مارنے کے لئے بنایا ہے، ہتھیار دیکھ کر میری روح فنا ہو گئی میں سمجھ گیا کہ میرا آخری وقت آ گیا ہے خوف اور ڈر کے مارے میرا کلیجہ منہ کو آ گیا اس شخص نے ہتھیار اٹھا کر اس کا رخ میری جانب کیا اور ہتھیار چلا دیا۔ میری خوش قسمتی کے اس شخص کا ہاتھ ہل گیا اور اس کا نشانہ خطا ہو گیا اور مجھے وہاں سے بھاگنے کا موقع مل گیا۔ میں واپس اپنے ٹھکانے پر آ گیا میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا میں سمجھ گیا تھا کہ انسان کوئی آسان شکار نہیں ہے، اکثر اوقات انسان شکار ہونے کے بجائے خود بہت خوفناک شکاری بن جاتا ہے جس کے وار سے بچنا بہت مشکل ہے۔ آج تو میری قسمت اچھی تھی جو اس موٹے انسان کا نشانہ خطا ہو گیا ورنہ۔۔۔۔۔۔ مجھے اس کے آگے کا سوچ کر ہی جھرجھری آ گئی اور میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ اب میں اس مکان سے باہر شکار کے لئے کبھی نہیں جاؤں گا۔

میں صبر کے ساتھ اپنے ٹھکانے پر بیٹھا شکار کا

www.pdfbooksfree.pk

انتظار کرنے لگا میں کئی دن سے بھوکا تھا لہٰذا مجھ پر غشی طاری ہورہی تھی اسی وقت مجھے کچھ آوازیں آئیں میں چوکنا ہوگیا، آوازوں کا مطلب ہے کچھ انسان اس مکان میں داخل ہوئے ہیں اس لئے میں پوری طرح چوکنا ہوگیا، میں نے سوچ لیا تھا کہ آنے والے انسانوں میں سے کسی نہ کسی کو آج اپنا شکار ضرور بناؤں گا۔ میں نے آنے والی آوازوں پر پورا دھیان لگا دیا مختلف کمروں کے دروازے کھلنے اور پھر بند ہونے کی آوازیں آرہی تھیں پھر اس کمرے کا دروازہ کھلا جہاں میرا ٹھکانہ تھا اور تین نفوس کمرے میں داخل ہوئے ان میں دو آدمی تھے اور ان کے ساتھ ایک لڑکی تھی۔

''یہ کمرہ اس مکان کا سب سے بہترین کمرہ ہے۔'' آنے والے آدمیوں میں سے ایک بولا

''واقعی کمرہ تو بہت شاندار ہے۔'' لڑکی نے جواب دیا۔

''ادھر کھڑکی سے آپ دریا کا نظارہ بھی کر سکتے ہیں۔'' ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کمرے کی کھڑکی کھولی تو دوسرا آدمی اور لڑکی کھڑکی سے باہر جھانکنے لگے۔

میں دیوار پر بیٹھا تھا، میں نے اپنے آپ کو اس طرح دیوار سے چپکا لیا تھا کہ میں کسی کو نظر نہ آؤں کیونکہ اس کمرے میں تین تین افراد موجود تھے اور تین افراد سے شائد میں مقابلہ نہ کر پاؤں۔ اس لئے میں خاموشی سے دیوار پر بیٹھا موقع کا انتظار کر رہا تھا۔

''چھت سے دریا کا نظارہ بہت شاندار دکھتا ہے۔'' تھوڑی دیر بعد ایک آدمی بولا تو دوسرا آدمی لڑکی کی جانب مڑا اور لڑکی سے کہنے لگا۔

''چلو چھت بھی دیکھ لیتے ہیں۔''

''نہیں۔ میں تھک گئی ہوں آپ دیکھ آیئے۔'' لڑکی نے جواب دیا اور کمرے میں موجود اسٹول کو صاف کر کے اس پر بیٹھ گئی۔

''ٹھیک ہے تم تھوڑی دیر آرام کر لو میں چھت دیکھ کر آتا ہوں۔'' اس آدمی نے جواب دیا اور دوسرے آدمی کے ساتھ کمرے سے نکل گیا اب کمرے میں

دوستی

جب تم کسی کو اپنا دوست بناؤ تو اس سے جنگ نہ کرو۔ اس پر اپنی برتری کا اظہار نہ کرو۔ اس کی نگرانہ نہ کرو اور دوسروں سے اس کے بارے میں پوچھتے نہ پھرو، کیونکہ ممکن ہے اس کا دوست تمہیں کوئی غلط بات بتا دے اور یہ غلط فہمی تمہاری جدائی کا سبب ہے۔ (حضرت محمد ﷺ)

(محمد ارمان۔ کراچی)

صرف لڑکی موجود تھی وہ آہستہ آواز میں کوئی گانا گنگنا رہی تھی میں لڑکی کو اکیلا پا کر اپنی کمین گاہ سے باہر نکلا اور انتہائی آہستگی سے لڑکی کی جانب بڑھا، لڑکی کا منہ دوسری جانب تھا، میں لڑکی کے پیچھے سے دبے قدموں اس کی جانب بڑھ رہا تھا، لڑکی میری موجودگی سے بے خبر گانا گنگنا رہی تھی وہ بہت خوش نظر آرہی تھی، میں انتہائی خاموشی اور احتیاط کے ساتھ اس لڑکی کے پیچھے سے اس کے قریب پہنچ گیا۔ میں لڑکی کے اتنے قریب پہنچ چکا تھا کہ مجھے اس کی گردن صاف نظر آرہی تھی اس کی سفیدی مائل سنہری گردن میں خون سے بھری نس مجھے للچا رہی تھی اس نس میں خون بھرا ہوا تھا جو میری بھوک کو ابھار رہا تھا، لڑکی کی گردن کی نس پر نظر پڑتے ہی میری بھوک دو چند ہوگئی اور میں ایک جست لگا کر لڑکی کے بہت قریب پہنچ گیا، میرے چھلانگ لگانے سے ایک ہلکی سی آواز پیدا ہوئی چونکہ کمرے میں چاروں طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی لہٰذا لڑکی نے اس آواز کو محسوس کر لیا وہ چونکی مگر اس سے پہلے کے وہ ہوشیار ہوتی میرا منہ کھلا اور میرے دانت باہر نکلے اور میں نے اس لڑکی کی گردن کی نس پر اپنے نوکیلے دانت گاڑ دیئے، سناٹے میں لڑکی کی سسکاری گونجی اور اس نے مزاحمت کی کوشش کی مگر اب وہ پوری طرح میرے قابو میں تھی

www.pdfbooksfree.pk

لہذا میں نے اس کا خون پینا شروع کر دیا۔

''آہ۔۔۔کتنا مزیدار ہے اس کا خون۔۔۔ مجھے بہت دن بعد مزا آ گیا۔'' مجھے میری پسندیدہ غذا مل گئی تھی مجھ پر نشہ سا طاری ہو رہا تھا، میں جب بھی کسی انسان کا خون پیتا ہوں تو مجھ پر ایسا ہی نشہ طاری ہو جاتا ہے اگر انسان جوان ہو تو نشہ دو آتشہ ہو جاتا ہے اور۔۔۔ یہ لڑکی بھی جوان تھی لہٰذا میرا نشہ بڑھتا ہی چلا گیا اور میں نے جی بھر کر اس کا خون پیا اور پھر اپنے ٹھکانے پر واپس آ گیا۔ میں نے اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری اور لڑکی کے خون کا مزا لیا۔ محنت تو لگتی ہے مگر انسان کے خون میں مزا بہت ہے، میں نے سوچا اور تصور میں لڑکی کے خون کا مزا لینے لگا۔

لڑکی کے خون میں ایسی تاثیر تھی کہ میں کئی دن اس کے سرور میں رہا پھر رفتہ رفتہ وقت گزرتا گیا۔ لڑکی کا خون پیئے مجھے کئی دن گزر گئے اب مجھے پھر بھوک ستا رہی تھی اور میری غذا انسانی لہو تھا، رفتہ رفتہ میرے ہاتھ پیر سست ہو رہے تھے مجھے فوری طور پر غذا کی ضرورت تھی کئی دن گزر چکے تھے مگر کوئی بھی انسان اس مکان کو دیکھنے نہیں آیا، میں منتظر تھا کہ کوئی انسان اس مکان کو دیکھنے آئے اور میں اسے اپنا شکار بناؤں مگر کئی دن گزر گئے کوئی بھی انسان اس مکان میں نہیں آیا مکان سے باہر نکل کر شکار کرنا میرے لئے بہت مشکل تھا انسان نے مجھے مارنے کے لئے جگہ جگہ جال بچھا رکھا تھا لہٰذا میں صبر اور سکون کے ساتھ اپنے ٹھکانے پر بیٹھا انتظار کر رہا تھا کہ کوئی انسان اس مکان میں آئے اور میں اسے دبوچ کر اس کا خون پی لوں۔ اسی وقت مجھے مکان کا مین گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔

''شکار آ رہا ہے۔'' میرے ذہن نے مجھے ہوشیار کیا، میں چوکنا ہو کر بیٹھ گیا، میں منتظر تھا کہ شکار میری رینج میں آئے اور میں اسے دبوچ لوں۔ میری زبان پر انسان کے خون کا ذائقہ آنے لگا۔ میں انتہائی چوکس انداز میں بیٹھا انتظار کرنے لگا کہ کوئی انسان اس کمرے میں داخل ہو اور میں اسے اپنا شکار بناؤں۔ اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک لڑکا کمرے میں داخل ہوا اس کے پیچھے دوسرا لڑکا بھی کمرے میں داخل ہوا۔

''یہ میرے اچھے شکار بن سکتے ہیں۔'' میں نے سوچا مگر پھر میری نظر ان کے ہاتھوں پر پڑی ان کے ہاتھوں میں مخصوص ہتھیار تھے وہ مخصوص ہتھیار جو انسان نے مجھے مارنے کے لئے بنائے ہیں۔ ان دونوں لڑکوں نے کمرے میں داخل ہونے کے بعد کمرے کا دروازہ بند کیا اور اپنے ہتھیاروں کا رخ دیوار کی جانب کر کے ہتھیا رچلا دیئے، اس مخصوص ہتھیار سے ایک پھوار نکلی اور میری جانب بڑھی، میں نے چھلانگ لگا کر اپنے آپ کو بچایا اگر یہ پھوار مجھ پر پڑ جاتی تو میری موت یقینی تھی، وہ لڑکے مسلسل دیوار کی جانب رخ کر کے ہتھیار چلا رہے تھے۔

اور میں مسلسل ان کے ہتھیاروں سے نکلنے والی زہریلی پھوار سے بچ رہا تھا مگر کب تک آخر کار ایک لڑکے کے ہتھیار کی زد میں، میں آ گیا اور پھوار میرے جسم پر پڑی، پھوار پڑتے ہی مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے گرم گرم سلاخیں میرے جسم میں اتار دی ہوں، میرے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکلی اور میں دھپ سے کمرے کے پکے فرش پر گر پڑا، مجھے گرتا دیکھ کر ایک لڑکے نے اپنا ہتھیار کمرے کے فرش پر رکھا اور مجھے ٹانگوں سے پکڑ کر اٹھا لیا، میری ٹانگیں اوپر اور سر زمین کی جانب تھا، مجھے ہر چیز الٹی نظر آ رہی تھی مجھے ٹانگوں سے پکڑ کر اس لڑکے نے دوسرے لڑکے سے کہا۔ ''یہ ہے وہ خونی مخلوق جو اس گھر کے مکینوں کا خون پیتی تھی۔''

دوسرے لڑکے نے مجھے اپنی ہتھیلی پر رکھا اور کہا۔ ''کتنا موٹا مچھر ہے نہ جانے اس نے کتنے انسانوں کا خون پیا ہوگا۔'' اتنا کہہ کر اس لڑکے نے اپنے دوسرے ہاتھ کا انگوٹھا میری جانب بڑھایا، مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اب میں اس لڑکے کے انگوٹھے اور ہتھیلی کے درمیان پس جاؤں گا میری موت یقینی ہے، خوف اور ڈر سے میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔

www.pdfbooksfree.pk

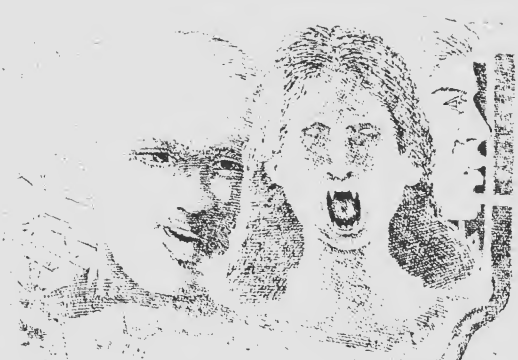

خبیث روح

فلک زاہد-لاہور

رات کے اندھیرے میں ہیولہ نے انسانی روپ دھار لیا اور پھر اس کے قریب سے ایک نوجوان گزرنے لگا تو اس نوجوان کو مخاطب کیا اور جب نوجوان اس کی طرف متوجہ ہوا تو حیران رہ گیا کیونکہ وہ وجود ایک خوبرو لڑکی کا تھا اور پھر.....

زندگی کا طور طریقہ عادت واطوار، کیا مرنے کے بعد بھی برقرار رہتا ہے، کہانی پڑھ کر دیکھیں

وہ لندن کے پوش علاقے کی لمبی چوڑی سڑک تھی جو اس وقت مکمل سناٹے اور ویرانے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ سڑک کے دونوں اطراف میں شاندار وسیع و عریض کوٹھیاں تھیں جن کے باہر لگی اسٹریٹ لائٹس نے اندھیرے میں کچھ کمی کر رکھی تھی۔ سردیوں کی تاریک ترین رات تھی جو اپنے نصف پہر میں داخل ہو چکی تھی ایسے میں ہر کوئی اپنے اپنے گھروں میں بند ہو کر گرم لحافوں میں خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا، آسمان چاند اور ستاروں کی روشنی سے بے نور تھا، رگوں میں خون منجمد کرتی یخ ہوائیں ہر طرف سرگرداں تھیں جن کی آوازیں یوں معلوم ہوتی تھیں جیسے بہت بڑی تعداد میں بدروحیں بین کر رہی ہوں۔ گہری خاموشی اور سناٹا چاروں طرف اپنے ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔ ایسے میں مانچسٹر روڈ پر یخ گرم کپڑوں میں ملبوس ہر چیز سے بے نیاز

www.pdfbooksfree.pk

اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھا۔

مائیکل ایک پرکشش و جیہہ نوجوان تھا جو اس وقت اپنے دوست جیرالڈ کے گھر جارہا تھا۔ تمام دوستوں نے جمعہ والے دن منصوبہ بنایا تھا کہ وہ سب ہفتے کی رات کو جیرالڈ کے گھر اکٹھا ہوتے اور اگلی صبح اتوار ہونے تک خوب ہلاگلا کریں گے۔ محفل چند دوستوں پر مشتمل تھی جو سب کے سب جیرالڈ کے گھر پہنچ چکے تھے اور اب مائیکل کے آنے کا انتظار کررہے تھے۔

مائیکل پچیس سالہ خوبرو بزنس مین تھا اس کے گھر میں اس کی بوڑھی والدہ کے سوا اور کوئی نہیں تھا، دولت اس کے گھر بارش کی طرح برستی تھی جس کی وجہ سے اسے دنیا کی تمام آرام و آسائشیں میسر تھیں کسی چیز کی بھی کمی نہیں تھی، لڑکیاں اس کے آگے پیچھے چکر لگاتی رہتی تھیں، مگر وہ کسی کو گھاس تک نہیں ڈالتا تھا اب تک ایسی کوئی لڑکی اس کی نظر سے نہیں گزری تھی جس کو دیکھ کر وہ یہ کہہ سکے۔ ''مجھے تمہاری ہی تلاش تھی۔''

مائیکل پیدل ہی جارہا تھا کیونکہ جیرالڈ کا گھر زیادہ دوری پر نہ تھا کہ اچانک اس کی نظر ایک لڑکی پر پڑی جو ایک گھر کے باہر کندھے پر پرس لٹکائے پاؤں میں لمبے جوتے اور بدن پر لانگ کوٹ زیب تن کئے کھڑی تھی، رات کے اس پہر اکیلی لڑکی کو یوں باہر دیکھ کر مائیکل سمجھ نہ سکا مگر وہ لڑکی اپنے پہناوے اور شخصیت سے ایک سلیقہ مند اور اچھی لڑکی معلوم ہوتی تھی جس کی وجہ سے بے اختیار مائیکل کے قدم اس لڑکی کی جانب بڑھ گئے اور اپنے اس عمل پر وہ خود کو روک بھی نہ سکا، یہی سوچ کر کہ نجانے کہیں کسی مشکل میں نہ ہو۔ اگر وہ اس کے کام آسکے تو اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی۔

لڑکی کے پاس پہنچ کر مائیکل نے اپنے گلے کو کھنکار کر اس لڑکی کو اپنی جانب متوجہ کرنا چاہا۔ لڑکی نے چونک کر مائیکل کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پر سکون اور اطمینان کی لہر دوڑ گئی جبکہ مائیکل اس حسین و جمیل لڑکی کا خوبصورت چہرہ دیکھ کر لمحے بھر کے لئے لاجواب ہوگیا۔

وہ بہت ہی دلفریب اور دلکش تھی اس کے ہونٹوں پر سرخ رنگ کی لپ اسٹک لگی ہوئی تھی اس نے اپنے سنہری چھوٹے بالوں کو پرانی طرز کی لڑکیوں کی طرح رولر کی مدد سے میرلن مزو کے ہیئر اسٹائل میں تبدیل کررکھا تھا۔

مائیکل نے جلد ہی خود کو سنبھال لیا کہ نجانے وہ اس کے ایسا گھورنے پر کہیں برا ہی نہ مان جائے، وہ نہایت ادب واحترام کے ساتھ اس لڑکی سے مخاطب ہوا۔

''ایکسکیوزمی لیڈی۔ کیا میں آپ کی کوئی مدد کرسکتا ہوں؟''

مائیکل کے ایسا کہنے پر لڑکی کے لبوں پر دل نشیں مسکراہٹ پھیل گئی جسے چاہتے ہوئے بھی مائیکل نظرانداز نہ کرسکا اور اس کی خوبصورت مسکراہٹ میں کھوکر رہ گیا۔

پہلی بار کوئی لڑکی مائیکل کو پیاری لگی تھی، وہ لڑکی اپنی مترنم تشکر آمیز لہجے میں گویا ہوئی۔

''آپ کا بہت بہت شکریہ ڈیئر، دراصل میرا نام نینسی ہے اور میں اس گھر میں رہتی ہوں۔'' نینسی نے اپنے پیچھے گھر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اپنی سہیلی کی شادی سے واپس آئی ہوں، مگر یہاں آکر مجھ پر انکشاف ہوا کہ میں جلدی میں اپنے گھر کی چابی وہیں کہیں بھول آئی ہوں، اسی وجہ سے باہر کھڑی ہوں، بہت پریشان ہوں کچھ سمجھ نہیں آرہا کہ کیا کروں۔'' نینسی نے اپنی پریشانی تفصیل سے مائیکل کے آگوش گزار کردی۔

نینسی کی بات سن کر مائیکل بے اختیار مسکرادیا۔

''بس اتنی سی پریشانی ہے آیئے میرے ساتھ۔'' مائیکل یہ کہہ کر گھر کی جانب بڑھا تو نینسی بھی اس کے پیچھے ہولی۔ گھر کے دروازے پر کھڑے ہوکر نہ جانے مائیکل نے ایسا کیا کیا کہ باآسانی دروازہ کھول کر نینسی کی جانب پیچھے مڑکر دیکھا۔

خوش گوار حیرت کے باعث نینسی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اس نے نہایت خوشی اور تشکر آمیز لہجے میں کہا۔

''اوہ بہت بہت شکریہ ڈیئر۔''

''کوئی بات نہیں یہ تو میرا فرض تھا۔'' مائیکل نے ہلکا

www.pdfbooksfree.pk

سا مسکراتے ہوئے کہا اور واپسی کے لئے پلٹا جب کہ نینسی کی آواز نے اس کے قدم وہیں کے وہیں روک دیے، اس نے پیچھے پلٹ کر نینسی کو دیکھا جو مسکرا رہی تھی۔

''آپ نہیں جانتے کہ آپ نے ایسے وقت میں میری مدد کر کے مجھ پر کتنا بڑا احسان کیا ہے، جب کہ میری مدد کرنے والا کوئی نہیں تھا۔''

''کوئی بات نہیں انسان کے کام انسان کو آنا چاہئے، آپ کچھ نہ سوچیں۔'' مائیکل نے جواباً کہا۔

''کیا میں آپ کا نام جان سکتی ہوں۔'' نینسی نے پیار سے پوچھا۔

''میرا نام مائیکل روڈ ریگز ہے مگر لوگ مختصراً مجھے مائیکل کہتے ہیں۔'' مائیکل نے اپنا تعارف کرایا۔

''مائیکل ایک بار پھر آپ کا مخلوص دل سے بہت بہت شکریہ، میں سوچ رہی تھی کہ اگر آپ برا نہ مانیں تو کیا آپ مجھے کچھ دیر کے لئے کمپنی دے سکتے ہیں؟ میں یہاں اکیلی ہی رہتی ہوں، پلیز! منع مت کیجئے گا، آپ نے میری مدد کر کے مجھ پر احسان کیا ہے جس کے بدلے آپ کی مہمان نوازی کر کے مجھے بہت خوشی ہوگی میں آپ کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اپنا خاص کالے انگوروں سے بنا شروب پلاؤں گی۔'' نینسی نے کہہ کر جواب طلب نگاہوں سے مائیکل کو دیکھا۔

نینسی نے ایک ہی نظر میں مائیکل کے زبردست پہناوے، شخصیت اور اخلاق سے اندازہ لگانے میں بالکل دیر نہیں کی تھی کہ مائیکل ایک اچھے گھرانے کا سلیقہ مند اور امیر ترین چشم و چراغ ہے۔

نینسی کی شخصیت اور اس کے ایسا کہنے میں کوئی کشش ضرور تھی کہ مائیکل کا بے تاب دل ''ہاں کہئے'' کے بنا نہ رہ سکا اور اس نے بخوشی نینسی کی پیش کش قبول کر لی۔

مائیکل کے ہاں کہنے پر نینسی خوشی سے پھولے نہیں سمائی، اس نے مائیکل کی جانب بھرپور مسکراہٹ اچھالی اور گھر کے اندر داخل ہوگئی، مائیکل بھی نینسی کے پیچھے گھر کے اندر داخل ہوگیا گھر میں مکمل اندھیرا تھا، مائیکل نے اپنے موبائل کی فلیش لائٹ، روشن کر لی، جس کی مدد سے نینسی کو سوئچ بٹن ڈھونڈنے میں آسانی ہوگئی اور پھر پورا گھر روشنیوں سے روشن ہوگیا۔

یہ ایک ہال تھا جہاں وہ دونوں کھڑے تھے پورا گھر بے حد خوب صورت اور قیمتی آسائشوں سے آراستہ تھا، جدید قسم کا ہر فرنیچر اپنی جگہ سلیقے سے سجا ہوا تھا۔ نینسی نے دروازہ بند کر دیا اور اپنا براؤن رنگ کا بیگ کندھے سے اتار کر صوفے پر رکھ دیا۔

''اسے اپنا ہی گھر سمجھیں۔'' نینسی نے مائیکل سے کہا تو مائیکل نے اپنی جیکٹ اتار کر صوفے پر رکھ دی۔ وہ بلیو جینز اور بلیو شرٹ میں بہت اسمارٹ اور خوب صورت لگ رہا تھا، گوری رنگت، دراز قد اور گولڈن بالوں نے اس کے خدوخال کو چار چاند لگا رکھے تھے۔

نینسی نے اپنے لانگ بوٹ اتار کر ایک طرف رکھے اور آتش دان کے پاس جا کر اس میں آگ سلگانے لگی۔

مائیکل نے ایک ہی نظر میں پورے گھر کا جائزہ لیا اور اطمینان سے صوفے پر براجمان ہوکر بیٹھ گیا۔

نینسی آتش دان میں آگ سلگا چکی تھی اور اب لوہے کی سلاخ سے لکڑیوں کو الٹ پلٹ کر رہی تھی۔ آگ کے باعث کمرے میں گرماہٹ کا احساس ہونے لگا جس سے مائیکل کو بہت سکون ملا۔

نینسی نے آتش دان کے پاس سے اٹھ کر اپنا لانگ کوٹ اتار کر کھونٹی پر لٹکا دیا وہ اب سرخ رنگ کے شوخ کلر میں مائیکل کے سامنے تھی اس نے گھٹنوں تک سرخ رنگ کا لباس پہنا ہوا تھا جس میں اس کا حسن غضب ڈھا رہا تھا گھٹنوں سے نیچے اس کی ٹانگیں عریاں تھیں۔

مائیکل صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے نینسی کے سپاٹ چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اسے وہ اس وقت دنیا کی حسین ترین لڑکی لگ رہی تھی۔ جس کا وہ اظہار نہیں کر رہا تھا کیونکہ بقول مائیکل کے لڑکیوں کی تعریف کی جائے تو ان کے نخرے آسمان سے باتیں کرنے لگتے ہیں، اگر ان سے دور رہا جائے تو وہ خود پاس آنے کی تگ و دو میں لگی رہتی ہیں۔

www.pdfbooksfree.pk

نینسی نے پورے گھر کی روشنیاں بند کردیں، صرف ایک دودھیا بلب جلتے رہنے دیا اور برتنوں کی الماری میں سے شیشے کے دو گلاس نکال کر مائیکل کے سامنے پڑی شیشے کی میز پر رکھ دیئے، مائیکل بدستور صوفے کی پشت سے سر ٹکائے نینسی کی حرکات وسکنات کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

کمرے میں آتش دان میں سلگتی آگ کی دھیمی روشنی پھیلی ہوئی تھی جس کی وجہ سے ماحول بہت رومانوی لگ رہا تھا۔ نینسی نے اپنے بیگ میں سے مشروب کی شیشے کی بوتل نکالی جو کچھ دیر قبل وہ کندھے پر لٹکا کر باہر کھڑی تھی۔ نینسی مائیکل کے سامنے ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر صوفے پر براجمان ہوگئی اور مشروب کی بوتل کھولنے لگی۔

مائیکل بدستور اپنے انداز میں بیٹھا اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے ان کے درمیان صرف شیشے کی میز حائل تھی۔

''یہ ہے میرا خاص مشروب جو کہ کالے انگوروں سے بنا ہے۔'' نینسی نے یہ کہہ کر دونوں گلاسوں میں مشروب انڈیلنے لگی۔

مائیکل نے اپنی پینٹ کی جیب سے اپنا موبائل فون، اپنے گھر کی چابی اور نوٹوں سے بھرا والٹ نکال کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور پرسکون ہو کر بیٹھ گیا۔

نینسی اب دونوں گلاس مشروب سے بھر چکی تھی وہ ہرنی جیسی چال چلتی ہوئی مائیکل کے پاس آئی اور اس کے سامنے اپنا قیامت خیز سینہ جھکا کر مشروب کا گلاس تھما دیا۔

نینسی کے ہاتھ سے مشروب کا گلاس لیتے ہوئے مائیکل کی آنکھیں نینسی کی آنکھوں میں اور اس کی آنکھیں مائیکل کی آنکھوں میں پیوست تھیں دونوں ایک دوسرے کو نہایت گہری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

نینسی سیدھی ہوئی اور واپس اپنے صوفے پر آ کر براجمان ہوگئی، مائیکل نے نینسی کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے مشروب کا گلاس اپنے ہونٹوں سے لگالیا اور ایک ہی سانس میں پورا مشروب اپنے حلق سے نیچے اتار کر خالی گلاس میز پر رکھ دیا۔

نینسی نے ابھی تک اپنا مشروب ختم نہیں کیا تھا، وہ ہاتھ میں مشروب تھامے حیرت اور گہری نگاہوں سے مائیکل کو دیکھتی رہ گئی۔ اس نے اپنا مشروب سے بھرا گلاس میز پر رکھا اور مائیکل کے گلاس میں مشروب انڈیلنے لگی۔

مائیکل کی نظریں مسلسل نینسی کے سراپے پر جمی ہوئی تھیں، مائیکل نے ایک بار پھر گلاس اپنے ہونٹوں سے لگالیا۔ نینسی چلتی ہوئی ٹیپ کے پاس آ گئی، جس پر اس نے دھیمی آواز میں جذباتی محبت بھرا گانا لگا دیا اور واپس اپنی جگہ پر مشروب کا گلاس ہاتھ میں تھام کر بیٹھ گئی۔

مائیکل نے مشروب کا دوسرا گلاس بھی خالی کردیا جس پر نینسی کو حیرت ہوئی مگر اس کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ پھیل گئی وہ گہری نگاہوں سے مائیکل کو دیکھتی رہی جو مشروب کے خالی گلاس کو غور سے دیکھتے ہوئے اپنی لرزتی زبان میں نینسی سے مخاطب ہوا۔

''تو..... یہ..... ہے..... تمہارا خاص مشروب بہت اچھا ہے۔'' مائیکل نے یہ کہہ کر خالی گلاس میز پر رکھ دیا وہ اس طرح کے مشروب پینے کا عادی نہیں تھا اس لئے اسے نشہ بہت جلدی چڑھ گیا تھا۔

مائیکل کی بات پر نینسی مسکرائی اور مائیکل کے خالی گلاس میں مشروب انڈیلتے ہوئے بولی۔

''مجھے پورا یقین تھا کہ آپ کو میرا خاص مشروب ضرور پسند آئے گا۔'' اور پھر نینسی نے مشروب سے بھرا تیسرا گلاس مائیکل کی جانب بڑھایا اور خود اپنا پہلا مشروب جو اب تک اس نے پیا بھی نہیں تھا تھام کر بیٹھ گئی۔

دونوں اب ایک دوسرے کو گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مشروب کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ اپنے حلق سے نیچے اتار رہے تھے۔ ایسے دلفریب ماحول اور مدھم روشنیوں میں گانے کی آواز کانوں میں رس گھول رہی تھی اور اعصاب پر سحر طاری کررہی تھی، دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہورہی تھیں۔

مائیکل کو کافی حد تک نشہ چڑھ چکا تھا۔ مگر پھر بھی وہ اپنے مکمل ہوش وحواس میں تھا اس نے خود پر بمشکل قابو

www.pdfbooksfree.pk

کر رکھا تھا وہ بے ہوش نہیں ہونا چاہتا تھا۔

نینسی نے مشروب سے بھرا ایک اور گلاس مائیکل کو تھما دیا اور اپنی سریلی آواز میں اسے اپنے بارے میں بتانے لگی۔

''میں یہاں اکیلی ہی رہتی ہوں میرے والدین پچھلے سال مجھے اس دنیا میں بالکل تنہا چھوڑ گئے مگر جانے کے بعد میرے لئے اتنا کچھ ضرور چھوڑ گئے ہیں جس سے میں اپنی باقی کی پوری زندگی سکون سے گزار سکتی ہوں، خیر آپ کیا کرتے ہیں؟''

مائیکل کا سر اور آنکھیں بھاری ہو رہی تھیں مگر پھر بھی وہ کسی طرح خود کو مکمل ہوش میں رکھے ہوئے تھا، وہ اپنی لرزتی زبان میں گویا ہوا۔ ''میں ایک بزنس مین ہوں، میرے گھر میں میری بوڑھی والدہ کے سوا کوئی نہیں رہتا۔''

''تو شادی کیوں نہیں کر لیتے اتنی دولت آخر کس لئے کما رہے ہیں۔'' نینسی نے دھیمی آواز میں کہا۔

''فی الحال اس بارے میں ابھی کچھ نہیں سوچا، آپ اکیلی رہتی ہیں آپ کیوں نہیں کر لیتیں شادی، آپ تو پھر ایک عورت ہیں اور عورت مرد کے بغیر نہیں رہ سکتی۔'' مائیکل نے نشے سے چور لہجے میں کہا۔

''ابھی تک مجھے ایسا کوئی مرد نہیں ملا جس طرح کا میں چاہتی ہوں۔'' نینسی نے کہا۔ ''آپ کس طرح کا لڑکا چاہتی ہیں؟'' مائیکل نے مشروب پیتے ہوئے پوچھا۔

''جو مجھے اور صرف مجھے بے حد پیار کرے۔''

نینسی نے مائیکل کو دیکھتے ہوئے کہا۔ مائیکل نینسی کی نظروں کا مطلب سمجھ نہ سکا۔ وہ کچھ دیر یونہی نینسی کو دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ ''ایسے تو بہت مل جائیں گے آپ کو کیونکہ .....مائیکل نے یہ کہہ کر جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور آنکھیں بند کر کے سر صوفے کی پشت سے لگا لیا۔

''کیونکہ کیا'' نینسی نے بے اختیار کہا۔

مائیکل نے سر اٹھا کر اپنی بند ہوتی آنکھوں کو ایک جھٹکے سے پورا کھولا اور بولا۔ ''کیونکہ تم بہت خوب صورت ہو۔''

حکایت

ایک بادشاہ نے کسی حکیم سے نصیحت چاہی تو اس حکیم نے کہا۔ ''حضور آپ یہ بتائیں کہ آپ مال و دولت کو عزیز رکھتے ہیں یا دشمن کو؟''

بادشاہ نے جواب دیا۔ ''مال و دولت کو۔''

حکیم نے کہا۔ ''حضور آپ کو معلوم نہیں کہ مال و دولت تو آپ یہیں چھوڑ جائیں گے اور دشمن جس سے آپ نفرت کرتے ہیں اسے اپنے ساتھ دنیا سے لے جائیں گے۔''

بادشاہ نے یہ سنا تو بہت افسردہ ہوا اور حکیم سے کہنے لگا۔

''تو نے مجھے جو نصیحت کی اس میں زمانے بھر کی نصیحتیں ہیں۔'' یہ بات ہمیشہ سے دیکھی گئی ہے کہ آدمی کو دولت اتنی عزیز ہوتی ہے۔ کہ اس کے واسطے بہت سے دشمن بنا لیتا ہے۔ نہ وہ حیلہ فریب سے دور رہتا ہے۔ نہ مکر و فریب سے۔ آخر کار اللہ کے ہاں اسے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے دولت سے زیادہ انسانیت کو عزیز رکھنا چاہیے۔

(حسنین حیدر شاہین۔ لالیاں)

www.pdfbooksfree.pk

مائیکل نے دھیمی آواز میں کہا۔ جسے سنتے ہی نینسی کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ مائیکل اسے بغیر کسی تاثر کے ہنستے دیکھتا رہا۔ جب نینسی کا ہنسنا بند ہوا تو وہ مائیکل سے بولی۔ ''واقعی؟''

مائیکل نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہوں..... آپ کے خیال میں مجھے کوئی بھی مل جائے گا تو کوئی میں کون ہو سکتا ہے۔'' نینسی نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''کوئی بھی۔'' مائیکل نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

''کیا آپ بھی؟'' نینسی نے گہری نگاہوں سے مائیکل کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

مائیکل کو نینسی سے اس سوال کی توقع نہیں تھی وہ سپاٹ چہرے سے نینسی کو دیکھتا رہ گیا۔ نینسی بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتی رہی۔ اسی دوران بے خیالی میں مائیکل کی نگاہیں اپنی کلائی پر لگی گھڑی کی جانب اٹھ گئیں جو رات کے دو بجا رہی تھی۔

''اوشٹ'' مائیکل کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

اس نے مشروب سے ادھ بھرا گلاس میز پر رکھا اور صوفے سے اٹھنا چاہا مگر اس کو اپنے پاؤں زمین پر محسوس نہ ہو سکے اور وہ بے اختیار لڑکھڑا کر بڑے صوفے پر چت گر گیا۔ باتوں باتوں میں شاید اس نے کچھ زیادہ ہی پی لی تھی جبھی تو اس کا سر چکرا گیا اور وہ دھڑام سے صوفے پر گر گیا۔ اس کے اعصاب شل ہو رہے تھے، آنکھیں بھاری ہونے لگی تھیں مگر وہ خود کو ہوش میں رکھنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا تھا۔ اسے وقت کا بالکل بھی اندازہ نہیں رہا تھا کہ اسے یہاں آئے ہوئے کتنی دیر گزر گئی ہے۔ نینسی کی قربت میں تو وہ بھول ہی گیا تھا کہ اسے جیراڈ کے گھر جانا تھا۔

دفعتاً مائیکل کا فون بجنے لگا۔ اس نے بہ مشکل اپنی دھندلی آنکھوں کے ساتھ سائیڈ ٹیبل پر اپنا موبائل تلاش کرنے کی کوشش کی مگر اس سے پہلے کہ موبائل مائیکل کے ہاتھ لگتا نینسی نے جلدی سے آگے بڑھ کر سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھالیا اور اسکرین پر دیکھا تو جیرالڈ نام لکھا نظر آرہا تھا۔ نینسی نے فون کاٹ کر موبائل آف کر دیا۔

تھوڑی سی جنگ و دو کے بعد جب مائیکل کو اپنا موبائل نہ مل سکا تو اس کا بازو ڈھیلا پڑ گیا۔ اس کا ایک ہاتھ اور ایک ٹانگ صوفے سے نیچے جھول رہے تھے۔

نینسی نے ٹیپ پر گانا بند کر دیا اور مائیکل کے پاس کھڑی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ اس نے مشروب زیادہ نہیں پیا تھا اس لئے وہ نشے میں نہیں تھی۔ مائیکل بھی دھندلی آنکھوں سے اپنے پاس کھڑی نینسی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ مکمل ہوش کی دنیا سے بیگانہ اپنی ہی مستی میں ڈوب چکا تھا۔ اس کے دماغ کے سوا باقی جسم کا ہر حصہ حرکت میں تھا۔

نینسی صوفے پر مائیکل کے پاس بیٹھ گئی اور اس کے اوپر جھک گئی، مائیکل کو نینسی کی گرم سانسیں اپنے جسم میں اترتی محسوس ہوئیں، نینسی نے اپنے سرخ ہونٹ مائیکل کے ہونٹوں پر رکھ دیئے۔

مائیکل نے بے اختیار نینسی کو اپنی بانہوں میں مضبوطی سے دبوچ لیا اور پھر دونوں نہایت جذباتی انداز میں ایک دوسرے کو پیار کرنے لگے۔ زندگی میں پہلی بار مائیکل کسی لڑکی کے ساتھ اس حد تک گیا تھا وہ بھی نشے میں ورنہ ہوش میں رہتے ہوئے تو مائیکل اس بارے میں سوچنا بھی گناہ سمجھتا تھا۔ ساری رات نجانے کب تک دونوں ایک دوسرے سے من مانی کرتے رہے۔

مائیکل کی جب آنکھ کھلی تو اس نے اپنی دھندلی آنکھوں سے کسی کو اپنے اوپر جھکے ہوئے دیکھا۔ وہ کوئی نوجوان لڑکا تھا جو مائیکل کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مائیکل نے بہ مشکل اپنی پوری آنکھیں کھولیں، آہستہ آہستہ اس کے حواس واپس آنے لگے، مائیکل کو ہوش میں آتا دیکھ کر اس لڑکے کے چہرے پر سکون اور اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے نرمی سے مائیکل کے گال تھپتھپائے تاکہ وہ مکمل ہوش میں آجائے۔ مائیکل اب پوری طرح ہوش میں آچکا تھا اس

www.pdfbooksfree.pk

کا نشہ اتر چکا تھا۔ اس نے اپنے اوپر جھکے انجان لڑکے کو دیکھا تو حیرت سے اٹھنے کی کوشش کی مگر اس سے اٹھا نہ گیا شدید قسم کی درد کی ٹیسیں اس کے سر سے اٹھیں، اس کا سر اب بھی بھاری تھا۔

صبح ہو چکی تھی کھڑکی کے راستے سورج کی کرنیں اندر داخل ہو رہی تھیں۔ مائیکل کو ہوش میں دیکھ کر وہ لڑکا خوشی سے اپنے پیچھے پلٹ کر بولا۔ ''یہ ہوش میں آ چکا ہے۔''

مائیکل کو کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کہاں ہے اور یہ لوگ کون ہیں۔ لڑکے کے ایسا کہنے پر ایک معمر شخص پینٹ کوٹ میں ملبوس مائیکل کے پاس آ کر بولا۔

''مبارک ہو نوجوان کہ تم ہوش میں آ گئے۔''

''مجھے کیا ہوا تھا اور آپ لوگ کون ہیں؟'' مائیکل نے اپنے سر کو ہلکا ہلکا دباتے ہوئے پوچھا۔

''شاید تم اس نینسی لڑکی کے شکنجے میں پھنس گئے تھے۔'' اس معمر شخص نے کہا جس کا نام نارمن تھا تو مائیکل کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا اس کا ہاتھ اس کے سر پر ہی رک گیا اور گزشتہ رات کا سارا واقعہ اس کی آنکھوں کے سامنے کسی فلم کی طرح گھوم گیا۔ مائیکل نے اپنے چاروں طرف حیرت بھری آنکھوں سے دیکھا۔ پھر مسٹر نارمن کو دیکھا جو نرمی سے مائیکل کو دیکھ رہے تھے۔

''آپ لوگ کون ہیں یہ تو نینسی کا گھر ہے، جہاں تک میں جانتا ہوں تو وہ یہاں اکیلی ہی رہتی ہے۔''

مائیکل نے حیرت سے پوچھا، اسے سب کچھ یاد آ گیا تھا۔ جیراڈ کے گھر جاتے جاتے نینسی کی مدد کرنا جس کے بدلے نینسی کا مشروب پلانا، ٹیپ پر لگانا، نینسی سے ہونے والی گفتگو..... سب کچھ ایک ایک لفظ یاد آ گیا تھا۔ مگر یہ اب یاد آیا تھا کہ وہ ساری رات یہاں نشے میں پڑا تھا جس پر مائیکل کو شدید حیرت بھی تھی۔

''نینسی کہاں گئی۔'' بار بار یہ سوال مائیکل کے ذہن میں گردش کرنے لگا۔

مائیکل کے سوال پر ایک معمر خاتون مائیکل سے مخاطب ہوئی جو مسٹر نارمن کی بیوی تھی اور اس کا نام جولیا تھا۔

''نہیں بیٹے یہ نینسی کا گھر نہیں بلکہ ہمارا گھر ہے، میں، میرے شوہر اور میرے تینوں بچے کافی دنوں سے پیرس گئے ہوئے تھے۔'' مسز جولیا نے اپنی فیملی کا تعارف کروایا سب نے مائیکل کو سلام کیا جن میں ایک وہ نوجوان تھا جو مائیکل کے ہوش میں آتے وقت اس پر جھکا ہوا تھا اس کا نام کرس تھا اور دو لڑکیاں تھیں جو اس نوجوان کرس کی چھوٹی بہنیں تھیں اور یہ تینوں اس معمر جوڑے مسٹر نارمن اور مسز جولیا کے بچے تھے۔

مائیکل حیرانی کی تصویر بنا ان سب کو دیکھ رہا تھا، مسز جولیا نے کہنا شروع کیا۔ ''ہم آج ہی صبح پیرس سے واپس لوٹے ہیں۔ جب یہاں آئے تو دروازہ دھکیلنے پر اپنے آپ کھل گیا اور سامنے ہی ہم نے تمہیں صوفے پر بے ہوش پڑا دیکھا۔'' مسز جولیا نے تحمل سے ساری بات مائیکل کو بتائی۔ مائیکل حیرت کا مجسمہ بنا یہ سب سن رہا تھا۔

''بیٹے تم ضرور سوچ رہے ہو گے کہ ہم نے تمہیں چور سمجھ کر پولیس کے حوالے کیوں نہیں کیا؟'' مسٹر نارمن نے یہ کہہ کر مائیکل کی طرف دیکھا جو ان کے سوال پر حیرت سے چونکا تھا کیونکہ وہ یہی سوچ رہا تھا اور اس کی سوچ کے مطابق انہوں نے وہ سوال کر ڈالا تھا۔ مائیکل نے حیرانی سے اثبات میں سر ہلا دیا تو مسٹر نارمن نے بولنا شروع کیا۔

''تم شکل وصورت اور پہناوے کے اعتبار سے پڑھے لکھے اور شریف لڑکے معلوم ہو رہے تھے مگر جب میرے بیٹے کرس نے تمہیں غور سے دیکھا تو اس نے ہمیں بتایا کہ تم مائیکل روڈریگز مشہور بزنس مین ہو۔''

مسٹر نارمن نے یہ کہہ کر کچھ دیر توقف کیا۔

مائیکل کا دل دھک دھک کر رہا تھا اس فیملی نے اب تک جو کچھ بتایا تھا وہ بالکل سچ تھا مگر یہ لوگ اتنا کچھ کیسے جانتے ہیں؟ مائیکل کا دل آگے سننے کو بے چین تھا۔

مسٹر نارمن نے گہری سانس خارج کر کے سلسلہ کلام دوبارہ جوڑا۔ ''میز پر دو گلاس پڑے تھے جو تھوڑے سے مشروب سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ مشروب کالے انگوروں کا بنا ہوا تھا۔ اسی سے ہمیں اندازہ ہو گیا کہ تم اس

www.pdfbooksfree.pk

خبیث بدروح نینسی کا شکار ہو گئے تھے اس لئے ہم کب سے تمہارے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے تھے تاکہ تم خود اس بات کی تصدیق کر سکو جو تم کر چکے ہو۔'' نارمن نے تفصیل سے مائیکل کو ساری بات بتائی۔

مائیکل ابھی بھی پوری بات ٹھیک سے سمجھ نہ سکا تھا کہ مسٹر نارمن کے بیٹے کرس نے ایک پرانا اخبار لا کر مائیکل کے سامنے رکھ دیا۔ مائیکل وہ اخبار اٹھا کر دیکھنے لگا جس میں نینسی کی بڑی سی فوٹو کے ساتھ اس کے متعلق پوری تفصیل لکھی ہوئی تھی۔

کرس کہنے لگا۔ ''اس میں نینسی کے بارے میں ساری تفصیل موجود ہے، یہ لڑکی جس کا نام نینسی ہے کئی بار حوالات کی ہوا بھی کھا چکی تھی مگر پھر بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئی۔ یہ پیشہ ور چور تھی اور راہ چلتے ہر اس لڑکے کو جو شکل وصورت اور پہناوے کے اعتبار سے امیر لگتا، اس کے سامنے اپنی کوئی پریشانی بیان کر کے اپنی مدد کرنے پر مجبور کرتی ہے، پھر اپنے حسن کا بھرپور فائدہ اٹھا کر انہیں پھنسانے میں کامیاب ہو جاتی۔ پھر یہ انہیں اپنا خاص مشروب پلاتی جو کالے انگوروں کا بنا ہوتا تھا، اسے پینے کے بعد جب لڑکے کو ہوش نہیں رہتا تو یہ اپنے حسن سے ناجائز فائدہ اٹھا کر بڑی صفائی سے اس کی قیمتی گھڑی اس کا نوٹوں سے بھرا والٹ اور موبائل ایسی ہی دیگر اشیا چرا کر لے جاتی، وہ اس کام میں اتنی ماہر ہو چکی تھی کہ ایک نظر میں پہچان لیتی کہ کس کے پاس قیمتی چیزیں ہوں گی اور کس کے پاس نہیں۔

اس عورت کا ضمیر مر چکا تھا۔ کرس نے بات مکمل کی تو مائیکل نے فوراً سے پہلے اپنی کلائی پر نظر دوڑائی جہاں سے اس کی قیمتی گھڑی غائب تھی وہ اپنے والٹ اور موبائل کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا جب ہی مسز جولیا بولیں۔

''اس کا کوئی فائدہ نہیں بیٹے وہ سب کچھ لے جا چکی ہے۔ اب کسی اور کو اپنا شکار بنائے گی ہمارے گھر سے بھی نقدی غائب ہے صرف زیور اور چند پیسے محفوظ ہیں جنہیں ہم لاک کر گئے تھے۔'' مسز جولیا نے یہ کہہ کر مائیکل کے آگے اس کے گھر کی چابی بڑھائی۔ ''یہ شاید تمہاری چابی ہے جو وہ یہیں چھوڑ گئی ہے۔''

مائیکل نے شرمندہ سی نظروں کے ساتھ وہ چابی مسز جولیا سے لے لی۔ اب مائیکل کی سمجھ میں ساری بات آ گئی تھی پہلی بار کسی لڑکی کو اس نے لفٹ کروائی تھی وہ بھی اس کی مدد کرنے کے لئے مگر اس کے ساتھ اتنا بڑا دھوکا ہو جائے گا اس نے خواب میں بھی سوچا نہیں تھا۔

نینسی درحقیقت ایک اچھی لڑکی نہیں بلکہ ایک چور تھی جو اپنے حسن کا ناجائز فائدہ اٹھا کر اس طرح کے نچلے درجے کا کام کرتی تھی۔ مائیکل کی دلی کیفیت بھانپ کر مسٹر نارمن بولے۔

''کوئی بات نہیں بیٹے زیادہ نہ سوچو میں سمجھ سکتا ہوں کہ تم اس وقت کیسا محسوس کر رہے ہو، شاید اس سے پہلے تم نینسی کو نہیں جانتے تھے مگر اب آئندہ سے خیال رکھنا، نینسی سے زندگی میں ایسے تلخ تجربات ہوتے رہتے ہیں ان کو بھول جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔'' مسٹر نارمن نے یہ کہہ کر مائیکل کے کندھے پر تھپکی دی۔

''عورت ذات اس حد تک بھی گر سکتی ہے۔'' مائیکل نے سوچا نہیں تھا۔ آج اس کا عورت سے اعتبار بھی اٹھ گیا تھا۔ سب کے سب مائیکل کی حالت پر مسکرا رہے تھے جبکہ مائیکل ان کے درمیان اپنا سامنہ لے کر کھڑا تھا۔

اور پھر مائیکل پر انکشاف ہوا کہ حقیقت میں نینسی ایک چور تھی پھر اچانک وہ کار حادثے میں ہلاک ہو گئی، وہ لاوارث تھی، اور اب نینسی کی روح ایسی حرکتیں کرتی رہتی ہے، سنسان علاقے اور اندھیری راتوں میں اس حقیقت پر مائیکل سٹپٹا گیا اور اس نے عہد کر لیا کہ آئندہ وہ کسی بھی اکیلی لڑکی کی مدد نہیں کرے گا جو کہ رات کے اندھیرے اور سنسان علاقے میں ملے گی۔

www.pdfbooksfree.pk

خونی کہانی

رضوان علی سومرو۔ کراچی

خود کو بچانے والا سفاک قاتل، قتل پر قتل کرتا رہا، اپنے دانست میں اس نے سارے ثبوت مٹا ڈالے تھے مگر وہ قسمت کے ہاتھوں مجبور تھا بھلا قسمت کو اپنے تابع کیسے کرسکتا تھا پھر ایک دل دہلا تا منظر سامنے آیا.....

ایک قتل کا عجیب وغریب داستان حیرت جسے پڑھنے والے ورطہ حیرت میں پڑ جائیں گے

رات کافی گہری ہوچکی تھی۔ چاروں طرف اندھیرے اور سناٹے کا راج تھا مرکزی بینک کی عمارت کے کلاک ٹاور نے رات کے 1 بجے کا گجر بجایا، سناٹا کچھ اور گہرا ہوگیا تھا، دسمبر کی انتہائی سرد اور تاریک رات تھی، سردی کی شدت میدانی علاقہ میں بھی یخ بستہ پہاڑوں کی یاد دلا رہی تھی سناٹا وحشت ناک اور شدید تھا سڑک پر ایک آدھ گاڑی گزرتی تو سکوت یوں ٹوٹتا جیسے کسی مریض نے کراہ کر کروٹ لی ہو پھر بے خبر ہوگیا ہو۔ ایسے میں ایک لال رنگ شیورلیٹ کار اس عمارت کے سامنے آرکی۔

کار سے دو نقاب پوش نیچے اترے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے، کچھ لمحات توقف کے بعد عمارت کے بالکل عقب میں چلے گئے۔ اس عمارت کے عقب میں پہنچ کر وہ سیدھے ہاتھ والی سڑک پر چلنے لگے انہوں نے بے آواز جوتے پہن رکھے تھے ان دونوں کی چال بے

www.pdfbooksfree.pk

حد چوکنی تھی تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ایک عمارت کے گیٹ پر پہنچ کر رک گئے وہاں کا چوکیدار ایک بوڑھا شخص تھا جو کہ زیادہ تر افیم کے نشے میں مست رہتا تھا۔ یہ سوسائٹی شہر کے امیر کبیر لوگوں کی سوسائٹی تھی ہر بنگلے والے کے پاس کتوں کی بہتات تھی جو کہ رات ہوتے ہی کھلے چھوڑ دیئے جاتے جن کی موجودگی میں چوکیدار کی ضرورت نہ رہتی چوکیدار کی موجودگی صرف خانہ پری اور شہری قانون کی پاسداری کے لئے تھی۔ دونوں نقاب پوش نے گیٹ پر پہنچ کر جیب سے تار نکالا اور گیٹ کے تالے پر جھک گئے تھوڑی دیر کی کوشش کے بعد تالا کھل گیا اور دونوں اندر داخل ہو گئے، بوڑھا چوکیدار نشے میں دھت پڑا تھا۔ دونوں نقاب پوش دو تین گلیاں گھومنے کے بعد ایک بنگلے کے گیٹ کے سامنے آ کر رک گئے، اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں انہیں کوئی دشواری نہ ہوئی۔

''یہی بنگلہ ہے! جہاں ہمارا شکار ہے.....'' ایک نے دوسرے سے کہا۔

دوسرے نے جواباً سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا یہ بنگلے کے مالک کی بدقسمتی تھی یا نقاب پوش کی خوش قسمتی کے اس بنگلے میں ایک بھی کتا نہ تھا وہ دونوں بنگلے کی منڈیر پر چڑھ کر آہستگی سے بنگلے کے اندر کود گئے سناٹے کا تسلسل بدستور قائم تھا ان دونوں نے جیب سے ٹارچ نکال کر روشن کر لی اور آگے بڑھنے لگے۔

بنگلے کے مالک کا نام محمود علی تھا، وہ 40 سالہ ایک خوبصورت اور اسمارٹ شخص تھا اس کا شمار شہر کے معروف صنعت کاروں میں ہوتا تھا، رات کا 1:15 بج چکا تھا لیکن محمود علی کی آنکھوں میں نیند بالکل نہ تھی وہ اس وقت مکمل سوٹ میں موجود تھا، شاید کہیں جانے کی تیاری تھی، اس نے الماری سے ایک چھوٹا سوٹ کیس نکالا اور لاکر کی طرف بڑھا اس نے لاکر کھولا ہی تھا کہ اسے قدموں کی آہٹ سنائی دی اس نے سر اٹھایا تو اپنے سامنے دو نقاب پوشوں کو پایا۔

نقاب پوشوں کو دیکھ کر محمود علی کی آنکھوں میں ڈر اور خوف نظر آنے لگا۔

''کک.....کون ہو تم.....'' اور میرے گھر میں اس وقت.....؟'' محمود علی نے ہکلا کر کہا۔

''موت وقت دیکھ کر نہیں آتی محمود علی.....'' ایک نقاب پوش نے جواب دیا جبکہ دوسرا خاموش کھڑا تھا۔

''مگر.....'' وہ ہکلایا۔

''اگر مگر..... کچھ نہیں اچھے بچوں کی طرح مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ، موت کے فرشتے کو انتظار کروانا اچھی بات نہیں۔'' نقاب پوش نے زہر خند سے کہا اور نقاب اتار دیا۔

نقاب پوش کا چہرا دیکھ کر محمود علی کی آنکھوں میں شناسائی ابھری.....''ت.....ت.....تم.....؟'' اس سے قبل وہ مزید کچھ کہہ پاتا کہ دوسرے نقاب پوش نے فائر کر دیا گولی محمود علی کے سینے پر لگی اور وہ کٹے ہوئے شہتیر کی طرح زمین بوس ہو گیا اس کی کھلی آنکھیں چھت کو تک رہی تھیں جس میں حیرت کا عنصر نظر آ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

کامران اپنے آفس میں بیٹھا اخبار پڑھتے ہوئے اپنی خوبصورت سیکریٹری سے گپ شپ کر رہا تھا، کامران کا خیال تھا کہ شازیہ کی آنکھیں بہت خوبصورت ہیں۔

''میرا خیال ہے کہ تمہاری آنکھیں بہت خوبصورت ہیں۔'' کامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا.....کس فلم کا مکالمہ ہے یہ.....'' شازیہ مصنوعی خفگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔

''نہیں.....'' واقعی تمہاری آنکھیں بہت خوبصورت ہیں، کسی پر بہار صبح کی طرح۔

''ویری فنی.....کامران صاحب آپ سراغ راسانی چھوڑ کر شاعر بن جائیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''شاعر تو میں اسی دن بن گیا تھا جب تمہیں دیکھا تھا۔'' کامران نے لمبی سانس بھر کر کہا۔

www.pdfbooksfree.pk

''مجھ پر زیادہ دھیان مت دیں کام پر توجہ رکھیں کوئی کیس نہیں ملا ایک ماہ ہو گیا ہے.....'' شازیہ نے جوب دیا۔ ابھی کامران نے اس بات کا جواب دینے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ ٹیلیفون کی بیل بجنے لگی شازیہ نے لپک کر فون اٹھالیا۔

''جی..... جی..... بہتر..... کل صبح ٹھیک نو بجے.....'' دوسری طرف کی بات سننے کے بعد شازیہ نے فون رکھ دیا۔

''کس کا فون تھا.....؟'' کامران نے پوچھا۔

''ایک نیا کیس.....'' شازیہ نے جواب دیا۔

''کون سا۔''

''وہی محمود علی قتل کیس..... محمود علی جس کمپنی میں پارٹنر تھا..... اس کے مالک اپنے طور پر اس کی تفتیش کروانا چاہتے ہیں۔'' شازیہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''بہت خوب..... اس کا مطلب کہ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہے، جب قتل کی تحقیقات کے لئے پولیس موجود ہے تو اس خاکسار کو یاد کیوں کیا جارہا ہے ایک پرائیویٹ سراغ رساں کی کیا ضرورت ہے.....'' کامران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''یہ تو جا کر پتہ چلے گا، کل صبح نو بجے کی میٹنگ فکس ہے۔''

شازیہ نے جواب دیا۔

''جانا کہاں ہے.....؟''

''جوبلی سلک مل''

جوبلی سلک ملک کا نام۔ ٹیکسٹائل انڈسٹری میں بالکل نیا تھا۔

بہت کم وقت میں اس کمپنی نے سلک کی مصنوعات میں اچھی ساکھ بنالی تھی۔

کامران دوسرے دن صبح نو بجے ہی کمپنی پہنچ گیا تھا اس وقت وہ کمپنی کے شاندار دفتر میں دو مالکان کے سامنے بیٹھا تھا ایک کا نام سلطان احمد تھا دوسرے کا نام احسان احمد تیسرے کا نام محمود علی تھا جو کہ اب آنجہانی ہو چکا تھا، کامران کو ان سے فیس کی مد میں اچھی خاصی رقم ملنے کی امید تھی۔

سلطان احمد بھاری بھرکم شخصیت کے مالک تھے عمر کے تقاضے ان کی کنپٹیوں سے جھلکنے لگے تھے جبکہ احسان احمد نوجوان اور متناسب جسم عمر زیادہ سے زیادہ 30 سال ہوگی۔

''کامران صاحب..... ہم چاہتے ہیں کہ آپ مرحوم محمود علی کے قتل کی تحقیقات کریں، ہم پولیس سے مطمئن نہیں.....'' احسان احمد نے کامران کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''مگر پولیس تو اپنا کام بہتر انداز سے کر رہی ہے۔'' کامران نے کافی کے کپ سے گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے ہم پولیس کو کوئی الزام نہیں دے سکتے ہم نے ایک اہم بات چھپائی ہے تو اس میں پولیس کا کیا قصور۔'' سلطان احمد نے سنجیدگی سے کہا۔

''اہم بات.....'' چھپانے پر کامران کے کان کھڑے ہو گئے۔ ''تو میرا خیال درست تھا ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔'' کامران نے دل میں سوچا مگر چہرے سے ظاہر نہ ہونے دیا۔

''پولیس ایک دائرے کے گرد گھوم رہی ہے۔'' احسان احمد ذرا تیز لہجے میں اپنے ساتھی سلطان احمد

زہر

میاں بیوی کا جھگڑا اتنا بڑھا کہ شوہر نے زچ ہو کر گھر چھوڑ دیا اور دل بہلانے کہیں چلا گیا۔ شام کو جب بھوک نے ستایا تو گھر واپس آیا اور بیوی کی طرف دوستی اور مفاہمت کا ہاتھ بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ ''کھانے کے لئے کیا تیار ہے؟''

بیوی نے تُرش روئی سے جواب دیا۔ ''زہر''

شوہر نے نرمی سے کہا۔ ''میری تو ایک دوست کے ہاں دعوت ہے۔ جو بچے اپنی والدہ کو بھیج دینا۔''

(ڈاکٹر ندیم ساگر۔ کھڈرو ضلع سانگھڑ)

www.pdfbooksfree.pk

کو مخاطب کر کے کہا۔ ''اور تم خود ہی کہہ رہے تھے کہ انہوں نے بنگلے کی تلاش لی ہے۔''

''لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ تلاش کیا کرنا ہے.....'' سلطان احمد نے سخت لہجے میں احسان سے کہا۔

''کامران صاحب پولیس جب ان کے بنگلے کی تلاشی لے رہی تھی تو ہم دونوں وہاں تھے لیکن ہم پولیس کو یہ نہیں بتا سکتے تھے کہ وہ 10 لاکھ روپیہ تلاش کریں جو کہ کمپنی کے سیف سے غائب ہیں، ہمیں شک ہے کہ محمود علی نے کمپنی کے پیسے چرائے ہیں۔'' احسان احمد نے کہا۔

''دس لاکھ روپے.....'' کامران کے ہونٹ سیٹی کے انداز میں سکڑ گئے۔

''تو یہ بات تھی جس کی وجہ سے پرائیویٹ جاسوس کی خدمات لی جا رہی ہیں۔'' کامران نے دل میں سوچا۔

''تو یہ وہ معلومات ہیں جو آپ نے پولیس کو نہیں دیں آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ محمود علی رقم لے آیا اور کسی نے گھر میں گھس کر اسے قتل کیا اور رقم لے کر چلا گیا۔'' کامران نے کہا۔

''جی ہمارے سوچنے کی یہ ٹھوس وجہ ہے کہ پولیس کو ان کے سیٹری سوٹ کیس کے پاس لاش ملی جو کہ سوٹ بوٹ میں تھی اور ان کے پاس دو ہوائی ٹکٹ بھی تھے جو کہ دوسرے شہر کے ہیں۔'' احسان احمد نے کہا۔

''پولیس کو 10 لاکھ کی بابت ہم نے اس لئے بھی نہیں بتایا کہ اگر یہ بات اخبار میں آ جاتی تو کمپنی کی ساکھ خراب ہونے کا خدشہ ہے۔''

''رقم کب سے غائب ہے؟ اور کیا آپ لوگوں کو علم تھا کہ وہ باہر جا رہے ہیں۔'' کامران نے پوچھا۔

''اس بات کا علم ہمیں جب ہوا جب ہمیں محمود علی کے قتل کی خبر ملی اور ہمیں علم نہ تھا کہ وہ باہر جا رہا ہے کل ہم دونوں جلدی چلے گئے تھے ہوسکتا ہے اس نے رقم نکال لئے ہوں، ویسے بھی محمود علی 20% کا پارٹنر تھا ہم دونوں اس کو علیحدہ کرنا چاہتے تھے۔'' سلطان احمد نے کہا۔

''علیحدہ کرنے کی وجہ؟'' کامران نے پوچھا۔

''اس کا رویہ کمپنی کے لئے ٹھیک نہیں تھا۔'' احسان احمد نے کہا۔

''بہت خوب.....'' کامران نے چند لمحے تک سوچنے کے بعد کہا قدرے توقف کے بعد کامران گویا ہوا۔

''میں یہ جاننا چاہوں گا کہ وہ کیا وجہ تھی جس سے آپ کو لگتا تھا کہ وہ کمپنی کے لئے نامناسب ہے؟ ،دوسری بات اس کے پاس سے دو ٹکٹ برآمد ہوئے ہیں کیا آپ بتا سکتے ہیں دوسرا ٹکٹ کس کا ہے۔''

''ہم کیسے بتا سکتے ہیں.....'' سلطان احمد نے کہا کیونکہ یہ انتہائی حیرت انگیز ہے ہمارے لئے بھی کہ اس پاس سے دو ٹکٹ برآمد ہوئے ہیں کیونکہ اس کی بیوی شادی میں شرکت کرنے کے لئے سٹی اسکوائر پر گئی ہوئی ہے، نکاح کی رسم رات کو ادا ہونے والی تھی اس لئے اس کی واپسی کا سوال ہی نہیں ہوتا دوسری بات یہ ہے کہ وہ کمپنی کے اکاؤنٹنٹ سے مل کر ہیر پھیر کر رہا تھا۔

''مسٹر کامران ہم چاہتے ہیں کہ آپ وہ رقم تلاش کریں۔'' سلطان احمد نے پہلی مرتبہ اپنا مدعا بیان کیا۔

''میری فیس آپ جانتے ہیں۔'' کامران نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''جی آپ بتا دیں.....'' سلطان احمد نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''50 ہزار روپے اور 20% فیصد 10 لاکھ میں سے۔'' کامران مسکرایا۔

''جی منظور ہے۔''

ایک بات آپ سے پوچھوں گا مسٹر سلطان احمد اور احسان احمد کہ محمود علی کا کسی عورت سے کوئی تعلق ہوسکتا ہے کیونکہ وہ تنہا فرار نہیں ہو رہا تھا۔''

''ایسا سوچنا مشکل ہے۔'' سلطان احمد نے

www.pdfbooksfree.pk

کہا۔ ’’ہم کافی عرصے سے محمود علی کو جانتے ہیں وہ اپنی بیوی کا وفادار تھا۔ اور اس سے بے حد محبت کرتا تھا۔‘‘

’’بہت خوب۔‘‘ کامران نے مسکرا کر کہا۔

کامران نے چند لمحوں تک واقعات کو ترتیب وار ذہن میں مرتب کرنے کے بعد دوسرا سوال کیا۔

’’یہ بتائیے آپ کو کسی پر شک ہے.....؟‘‘

’’نہیں جی..... ہم کاروباری لوگ ہیں۔‘‘ سلطان احمد نے کہا۔

’’اگر وہ رقم اب بھی گھر میں موجود ہے تو میں دوبارہ اس گھر کی تلاش کا مشورہ دوں گا اس تلاشی کے دوران آپ کسی ایسی چیز کا بھی خیال رکھیں جس سے یہ اشارہ ملتا ہو کہ رقم گھر کے علاوہ کہیں اور رکھی گئی ہو۔‘‘ سلطان احمد نے کہا۔

’’آپ کل رات کہاں تھے؟‘‘ کامران نے سرسری انداز میں سلطان سے پوچھا۔

’’گھر ہی پر تھا کچھ مہمان آئے ہوئے تھے۔‘‘ اس نے جواب دیا۔

’’اور آپ احسان احمد صاحب.....؟‘‘

’’کیا مجھے کوئی گواہ پیش کرنا پڑے گا، ویسے بھی میں اپنے ذاتی معاملات میں دخل اندازی پسند نہیں کرتا۔‘‘

’’کیا آپ نے پولیس کو بھی یہی جواب دیا تھا۔‘‘ کامران نے مسکرا کر پوچھا۔

’’جی ہاں..... میں غیر ضروری طور پر کسی خاتون کو اپنے اس معاملے میں ڈالنا نہیں چاہتا۔‘‘

’’خوب..... پہلے محمود علی عشق کرتا آرہا تھا شاید وہ اپنی محبوبہ کے ہاتھوں عدم آباد سدھار گیا اور اب احسان صاحب عشق کرتے نظر آرہے ہیں شاید یہ بھی آنجہانی ہو جائیں۔‘‘ کامران نے دل میں سوچا۔

’’آپ مجھے کچھ رقم ایڈوانس دے دیں باقی کام ہونے کے بعد۔‘‘

کامران نے ڈیڑھ گھنٹے کی طویل ملاقات کا اختتام کرتے ہوئے کہا۔

☆.....☆.....☆

کامران علی نے اس قتل کیس کی تحقیقات اور رقم ڈھونڈنے کا کام محمود علی کے اسٹاف سے کرنے کا فیصلہ کیا، اس کی نظر میں ان تینوں کی سیکریٹری صوفیا اس کیس کی اہم کڑی ثابت ہو سکتی تھی۔ صوفیہ کے بعد اس نے اس اکاؤنٹنٹ سے بھی ملنا تھا جو کہ محمود علی سے مل کر ہیر پھیر کرر ہا تھا۔

صوفیہ کی عمر 25 سال کے آس پاس تھی وہ ایک طلاق یافتہ عورت تھی وہ اکثر کلب جاتی اور شراب کی بھی عادی تھی۔

’’کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں.....؟‘‘ آواز صوفیہ کے کانوں سے ٹکرائی۔

’’جی نہیں..... اتنی میزیں خالی ہیں آپ وہاں جا کر بیٹھیے۔‘‘ صوفیہ نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

’’جی..... بہت شکریہ لیکن مجبوری ہے دراصل میرا نام کامران علی ہے میں ایک پرائیویٹ جاسوس ہوں۔‘‘ کامران نے اس کی بات کا برا منائے بغیر کہا۔

’’اوہ..... وہی تو نہیں جو صبح آفس آئے تھے۔‘‘

’’جی..... میں وہی ہوں۔‘‘

’’اوہ..... ویری سوری، تشریف رکھیں۔‘‘ صوفیہ نے شرمندگی سے کہا۔

’’اوہ کوئی بات نہیں۔‘‘ کامران نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

’’کہئے وسکی یا رم۔‘‘ صوفیہ نے مسکرا کر کہا۔

’’جی..... نہیں شکریہ..... میں صرف کافی پیتا ہوں۔ شراب ہمارے مذہب میں حرام ہے۔‘‘

’’اوہ میں تو بھول گئی مسلمان شراب نہیں پیتے۔‘‘

’’تو کیا آپ .....؟‘‘ اور کامران نے بات ادھوری چھوڑ دی کیونکہ بیرا آن کھڑا ہوا تھا۔

کامران نے اپنے لئے کافی کا آرڈر دیا آرڈر پلیس ہونے تک دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔

’’آپ آفس میں محمود علی، سلطان احمد احسان احمد کی پرسنل سیکریٹری ہیں؟‘‘

www.pdfbooksfree.pk

''جی..... ہاں۔'' وہ مسکرائی۔

''کتنے سال ہوئے آپ کو.....؟'' کامران نے کافی کا سپ لے کر پوچھا۔

''یہ فرم آپ سے 5 سال پہلے اسٹارٹ ہوئی تھی جب سے میں یہاں ہوں۔''

''گڈ..... بہت خوب..... محمود علی اور وہ دونوں صاحبان کس طرح کے لوگ ہیں۔''

''محمود علی صاحب تو بہت اچھے تھے ہر ورکر کے ساتھ بہت ہی مشفقانہ سلوک تھا ان کا جبکہ سلطان احمد صاحب سخت طبیعت کے آدمی ہیں وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو کہ کام کے وقت اپنی آنکھوں کو ماتھے پر رکھ لیا کرتے ہیں جبکہ احسان احمد صاحب کا مزاج عاشقانہ ، ہر خاتون ورکر کے ساتھ وہ عاشقی جھاڑنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔'' صوفیہ نے قدرے تفصیل سے بیان کیا۔

''احسان احمد کے بارے میں جان کر کامران کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

''تو گویا میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔'' کامران نے دل ہی دل میں سوچا۔

''اچھا محترمہ ایک ضروری بات۔'' کامران مسکرایا۔

''جی ضرور کیوں نہیں۔''

''جب اکاؤنٹنٹ کو نوکری سے برخاست کیا گیا تو محمود صاحب دفتر میں تھے کہ نہیں.....؟''

''نہیں جب اسے نکالا گیا تو وہ دفتر میں نہیں تھے اس روز وہ 12 بجے گھر چلے گئے اور اکاؤنٹنٹ کو 3 بجے نکالا گیا۔''

اس کی بات سن کر کامران کے ماتھے پر سوچوں کا جال بن گیا۔

''اچھا محترمہ بہت شکریہ۔'' یہ کہہ کر کامران اٹھ گیا جاتے جاتے یہ کہتا ہوا گیا۔

''میرا اور اپنا بل ادا کر دینا۔''

☆.....☆.....☆

کامران کے ذہن میں بہت سے سوال تشنہ تھے۔ ''اکاؤنٹنٹ کو محمود علی کے سامنے کیوں نہیں نکالا گیا؟ جس دن اس کو نکالا گیا اسی رات محمود علی کو قتل کر دیا گیا کیا قاتل یہ نہیں چاہتے تھے کہ محمود علی کا اس اکاؤنٹنٹ سے سامنا ہو، آخر اکاؤنٹنٹ کو پولیس کے حوالے کیوں نہیں کیا گیا؟''

محمود علی تو مارا گیا لیکن سلطان احمد اور احسان احمد زندہ تھے۔ ان کو چھیڑنے سے پہلے کامران نے اکاؤنٹنٹ کو چھیڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

کمپنی کے اکاؤنٹنٹ کا نام واجد تھا ہر طرف کئے جانے کے بعد وہ ایک ڈپارٹمنٹل اسٹور میں کام کرتا تھا اس کی چھٹی رات کے 12 بجے ہوتی تھی۔

واجد 40-45 سالہ ایک خوش شکل پڑھا لکھا انسان تھا بیروزگار ہو جانے کے بعد اسے جاب کے لئے زیادہ رکنا نہیں پڑا تھا۔ اس کی جاب دن 12 سے لے کر رات 12 تک کی ہوتی تھی۔

واجد حسب معمول اپنے گھر سے نکلا اور بس اسٹاپ پر جا پہنچا کامران وہاں سے پہلے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

''السلام علیکم.....'' کامران نے اس کے قریب جا کر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔'' واجد جواب دے کر خاموش ہو گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

''مجھے کامران علی کہتے ہیں..... میں پرائیویٹ جاسوس ہوں جو بلی سلک مل کے پارٹنر محمود علی کے قتل کی تفتیش کر رہا ہوں۔''

اتنا سن کر ایک لمحے کے لئے واجد کے چہرے پر خوف نظر آیا دوسرے لمحے یہ کیفیت زائل ہو گئی۔

کامران اس کے چہرے کے تاثرات بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

''مم..... میں نے نہیں مارا اسے..... وہ..... تو.....'' اپنی بات ادھوری چھوڑ کر واجد رک گیا..... اس کے چہرے پر بوکھلاہٹ کے آثار کامران نے صاف محسوس کئے۔

www.pdfbooksfree.pk

''ہم چل کر کسی ہوٹل میں چائے پیتے ہیں۔''
کامران نے نرم لہجے میں کہا۔
''نن..... نہیں..... مجھے کام پر جانا ہے۔''
چلے جانا یار..... چلو تو تم۔'' کامران نے اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔
''مگر.....'' کامران نے اس کے چہرے پر تذبذب کے آثار محسوس کئے۔
''اچھا..... چلو یہ بتادو..... محمود علی کیسا آدمی تھا.....؟''
''وہ..... وہ..... بہت اچھا آدمی تھا۔''
''بہت خوب..... یہ بتاؤ کہ تم دونوں مل کر کمپنی کے ساتھ کب سے بے ایمانی کر رہے تھے۔'' کامران نے پوچھا۔
''بے ایمانی.....؟'' اس نے حیرت سے کہا۔
''ہاں..... بے ایمانی۔'' کامران نے مسکرا کر کہا۔
''محمود علی بہت شریف آدمی تھا۔''
''بہت خوب..... ذرا اپنے بارے میں تو بتاؤ تم کو کیوں نکالا گیا۔''
واجد نے کچھ کہنے کے لئے منہ ہی کھولا تھا کہ اس کے حلق سے دل خراش چیخ نکلی اور وہ پیٹھ کے بل گر کر سڑک پر ڈھیر ہو گیا۔ کامران نے دیکھا کہ اس کی گردن سے خون نکل رہا ہے، دفعتاً کامران کی نظر ایک سفید رنگ کی کار پر پڑی جو کہ اسٹارٹ ہو رہی تھی کامران نے بھاگ کر اس کار کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن سڑک پر جمع ہونے والی بھیڑ کی وجہ سے وہ اس کار تک نہیں پہنچ سکا لوگ تیزی سے واجد کی لاش کے گرد جمع ہو رہے تھے اس سے قبل کہ پولیس آتی کامران نے وہاں سے نکلنے میں عافیت سمجھی، واجد کو لگنے والی گولی اس کار سے چلائی گئی تھی گن میں سائلنسر لگا ہوا تھا اس لئے کامران نے گولی کی آواز نہ سنی۔
واجد علی کے بیان سے یہ بات تو قریب قریب صاف ہو گئی تھی کہ محمود علی کے ہاتھ صاف تھے پھر رقم کس نے چرائی؟ اس بات کا پتہ لگانا ضروری تھا۔

پہلا عشق

پہلی مرتبہ عشق میں گرفتار ہونے کے بعد سلیم صاحب بھاگے اپنے ایک دوست کے پاس گئے۔ حال دل سنانے کے بعد انہوں نے کہا۔
''میں اس پری وش سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ کوئی ایسی ترکیب بتاؤ کہ وہ شادی پر رضامند ہو جائے۔''
''یہ تو بہت آسان بات ہے۔'' دوست نے کہا۔
''اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہو۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں غزالہ! کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟''
سلیم صاحب کا چہرہ لٹک گیا۔ ''مجھے افسوس ہے لیکن میں یہ بات اسے ہرگز نہیں کہہ سکتا۔''
''کیوں؟''
''کیونکہ اس کا نام غزالہ نہیں ہے۔''
(شازیہ ندیم۔ کراچی)

مقتول محمود علی کی بیوی انتہائی حسین تھی، کامران واجد کے قتل کے بعد سیدھا محمود علی کے گھر پہنچا تھا۔
''جی فرمایئے۔ کون ہیں آپ.....؟'' اس کی آواز سے انتہائی غم جھلک رہا تھا۔
''مجھے کامران علی کہتے ہیں۔''
اگر آپ اخباری رپورٹر ہیں تو پلیز..... مجھے معاف کر دیں..... میں پولیس اور پریس رپورٹروں سے تنگ آ چکی ہوں۔''
''نہیں میں ایک پرائیویٹ سراغ رساں ہوں مجھے آپ کے شوہر کے قتل کی تحقیقات پر آپ کے شوہر کے بزنس پارٹنر نے مامور کیا ہے۔''
''پوچھیے.....'' اس نے بوجھل لہجے میں کہا۔
''میرا پہلا سوال یہ ہے کہ آپ کے شوہر کے پاس سے پولیس کو دو مکٹ برآمد ہوئے تھے کیا ان کا سفر کا

www.pdfbooksfree.pk

کوئی ارادہ تھا؟''

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔'' اس نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے کہا۔

کامران نے دیکھا کہ اس کی آواز کانپ رہی ہے۔

''انہوں نے مجھ سے اس طرح کا کوئی ذکر نہیں کیا۔'' اس نے کہا۔

''کسی دوسری عورت کے ساتھ کوئی تعلق.....؟'' کامران نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں.....'' اس نے انتہائی خود اعتمادی سے کہا۔

''میرا شوہر ایک بہترین شوہر تھا اس کا کردار اتنا کمزور نہیں تھا کہ دوسری عورتوں پر نیت خراب ہو جائے۔''

''بہت خوب.....مسز محمود.....کیا میں آپ کے گھر کی تلاشی لے سکتا ہوں۔''

کامران کا مقصد اس دس لاکھ کے سلسلے میں کلیو حاصل کرنا یا اس کی تلاش تھی۔

''تلاشی.....مگر کیوں.....؟'' وہ تقریباً چلاتے ہوئے بولی۔

''آپ کے شوہر نے کمپنی کی سیف سے دس لاکھ چرائے ہیں خیال یہ ہے کہ وہ اسی گھر میں ہے۔'' کامران نے سرد لہجے میں کہا۔

''دس لاکھ.....نہیں.....نہیں.....کبھی نہیں۔''

اس نے دہشت زدہ انداز میں چلاتے ہوئے کہا۔

''میں اچھی طرح جانتی ہوں.....میرے شوہر کبھی چوری نہیں کر سکتے۔'' وہ منہ چھپا کر سسکنے لگی۔

کامران نے اس کی سسکیاں نظر انداز کرتے ہوئے بے حد سرعت سے گھر کی تلاشی لینا شروع کر دی گھر کی ہر چیز دیکھ ڈالی۔ مگر اسے ایسا ثبوت نہ ملا جس سے 10 لاکھ روپوں کے بارے میں روشنی پڑتی دفعتاً اس کی نظر فرش پر بچھے ہوئے قالین پر پڑی الماری والے حصے کا کونا اسے مڑا ہوا نظر آیا۔

کسی خیال کے پیش نظر جیسے ہی اس نے قالین کا کونا اوپر اٹھایا تو فرش کا ٹائل اکھڑا ہوا نظر آتا۔ جیسے ہی اس نے وہ ٹائل اٹھایا ٹائل کے نیچے اس کو ایک مڑا ہوا کاغذ نظر آیا جیسے ہی اس نے کاغذ کھولا، کامران حیرت سے اچھل پڑا اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔

اس کاغذ پر ایک موبائل نمبر اور ایک چابی رکھی تھی شاید یہ چابی دس لاکھ روپوں تک پہنچنے کا راستہ تھی، شاید کامران کے لئے اب قاتل تک پہنچنا آسان ہو گیا تھا، واجد کا قتل بھی کامران کے لئے معمہ سے کم نہ تھا۔ شاید کوئی یہ نہیں چاہتا تھا کہ واجد کمپنی میں ہونے والے گھپلے کے مرکزی کردار کا نام لے سکے۔ دو دن تک کی تحقیقات کے بعد کامران کے ہاتھ ایک چابی لگی تھی جو کہ لاکر وغیرہ کی چابی تھی اب اس بات کا پتہ معلوم کرنا تھا کہ یہ کس کا لاکر تھا آیا یہ کوئی بینک تھا یا پھر پرائیویٹ لاکر فراہم کرنے والی کمپنی کی چابی تھی۔

ویسے واجد علی کا قتل پولیس کے لئے ایک معمہ بن گیا تھا جس سفید رنگ کی کار میں موجود شخص کے ہاتھوں اس کا قتل ہوا تھا پولیس کو وہ جلی ہوئی حالت میں ملی تھی جو کہ ایک درخت سے ٹکرا کر رک گئی تھی گاڑی میں موجود تینوں لوگ مارے گئے تھے تینوں کے چہروں پر انتہائی قریب سے گولیاں ماری گئیں تھیں جس سے پولیس یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ یہ ایکسیڈنٹ نہیں بلکہ قتل تھا۔

☆.....☆.....☆

انسپکٹر عدنان کو واجد علی اور محمود علی قتل کیس کا تفتیشی افسر مقرر کیا گیا تھا انسپکٹر عدنان انتہائی فرض شناس اور دیانت دار پولیس افسر تھا۔

''السلام علیکم'' کامران نے پولیس تھانے میں موجود اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''وعلیکم السلام.....'' انسپکٹر عدنان نے فائلوں سے سر اٹھاتے ہوئے کہا۔

''اوہ.....تو آپ ہیں مسٹر کامران۔'' انسپکٹر عدنان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کامران جانتا تھا کہ انسپکٹر عدنان انتہائی دیانت

www.pdfbooksfree.pk

دار اور صاف گو پولیس انسپکٹر ہے۔

''مجھے محمود علی کے قتل کے سلسلے میں پولیس کی خفیہ معلومات درکار ہیں۔''

''محمود علی.....'' انسپکٹر عدنان نے دیدے پٹ پٹاتے ہوئے کہا۔

''تو تم پولیس کے کیس کی دھجیاں اڑادو گے۔''

''کیا کیا جائے جناب۔'' اس نے لاپروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''خوش آمدید جناب سراغ رساں صاحب، اپنی قابلیت اس کے سامنے رکھیے جو آپ سے واقف نہ ہو۔''

''چھوڑیے صاحب..... آپ نے کیا کہا اب تک۔'' کامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہم فی الحال مقتول کی بیوی پر توجہ دے رہے ہیں۔''

اس کی بیوی کا بیان ہے کہ وہ شادی سے واپس آئی تو اس نے شوہر کو مردہ پایا لیکن یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق قتل 1-12 کے درمیان ہوا اور فون 3 بجے کیا۔ درمیان کا وقت وہ لاش کے ساتھ کیا کررہی تھی۔ جب پولیس وہاں پہنچی تو جائے واردات پر لاش کے ساتھ اس کے پارٹنر بھی تھے؟

''ہوسکتا ہے کہ اس کو شدید قسم کا ذہنی صدمہ لگا ہو اپنے شوہر کی لاش دیکھ کر.....؟''

''ہوسکتا ہے؟ لیکن واجد کی لاش ملنے کے بعد پولیس اب کچھ اور ہی سوچ رہی ہے یہ معاملہ ڈکیتی کا نہیں ذاتی دشمنی کا بھی ہوسکتا ہے۔'' انسپکٹر عدنان نے انتہائی تیز نظروں سے کامران کو گھورا۔

کامران جانتا تھا کہ واجد کے معاملے میں انسپکٹر عدنان سے کسی بھی صورت چھپا نہیں رہے گا کہ وہ اس سے ملا تھا۔

''میں واجد کے معاملے کو نہیں محمود کے معاملے کو دیکھ رہا ہوں۔'' کامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تم محمود کے معاملے کو حل نہیں کرسکو گے، تم تقریباً ہر کیس کو پولیس کو چکمہ دے جاتے ہو مگر اب نہیں۔''

''دیکھتے ہیں عدنان صاحب..... مجھے آپ کا چیلنج قبول ہے۔'' کامران نے اٹھتے ہوئے کہا۔

☆.....☆.....☆

شازیہ اور کامران دونوں ایک کافی ہاؤس میں بیٹھے تھے۔

''کیس کہاں تک پہنچا؟'' شازیہ کافی کا سپ لے کر بولی۔

''جہاں تھا وہیں ہے.....'' کامران نے بھی کافی کا گھونٹ بھرا۔

''کیا مطلب.....؟'' شازیہ چونک کر بولی۔

''مطلب..... یہ جان من..... معاملہ دس لاکھ کا نہیں کچھ اور ہی لگتا ہے۔''

''آپ نے مجھے جان من کیوں کہا.....'' شازیہ منہ بناتے ہوئے بولی۔

''اس لئے کہ تم میری جان ہو..... اس لئے جان من کہا کیس ختم ہوتے ہی تمہاری امی سے تمہارا ہاتھ مانگوں گا۔''

کامران کی بات سن کر ایک لمحے کے لئے شازیہ کی گھنیری پلکوں کے نیچے حیا کے رنگ لہرائے پھر وہی غصہ نظر آنے لگا۔

''آپ اپنے کیس پر دھیان دیں مجھے کیوں بلایا ہے۔'' شازیہ نے غصے سے کہا۔ شازیہ کی بات سن کر کامران یکدم سنجیدہ ہوگیا۔

''تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ یہ چابی لو، سارے بینک اور پرائیویٹ لاکر چھان مارو کسی نہ کسی بینک یا لاکر کی یہ چابی تو ہوگی اور اس کام کا حکم نامہ میں تھانے سے لے کر تمہیں دے دوں گا۔''

شازیہ نے چابی لے کر پرس میں رکھ لی اور سموسوں سے انصاف کرنے لگی۔

''شازیہ..... یہ موبائل نمبر کا ڈیٹا نکلوالو کام کے

www.pdfbooksfree.pk

لئے تمہارے پاس صرف دو دن ہیں۔'' کامران نے سنجیدگی سے کہا۔ اور کافی پینے لگا۔

کامران نے شازیہ کو ذمہ داری سونپ کر کیبنی کے مالکان کی طرف رخ کیا استقبالیہ کاؤنٹر پر بیٹھی صوفیہ کو دیکھنے لگا جو کہ اس وقت فون پر مصروف تھی۔

''مجھے مسٹر سلطان احمد اور احسان احمد سے ملنا ہے۔'' کامران نے صوفیہ سے اپنا مدعا بیان کیا۔

''مسٹر سلطان احمد تو کہیں تشریف لے گے ہیں، احسان صاحب اپنے روم میں ہیں۔'' وہ بولی۔

''شکریہ.....'' کامران نے کہا۔

جواباً صوفیہ نے مسکراہٹ سے نوازا۔

کامران کو دیکھتے ہی احسان احمد کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔

''تشریف رکھئے کامران صاحب ..... کوئی کامیابی.....؟''

''تھوڑی بہت..... میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا اکاؤنٹنٹ کو محمود علی کے سامنے نکالا گیا؟ اور آپ نے اسے پولیس کے حوالے کیوں نہیں کیا؟''

''پہلی بات یہ ہے کہ واجد کو جب برخاست کیا گیا تو میں آفس میں نہیں تھا میں میٹنگ اٹینڈ کرنے گیا تھا جب میں آفس سے نکلا تو محمود علی اس وقت آیا نہیں۔''

''بہت خوب.....؟''

''کیا یہ اتفاق نہیں اس دن صبح اکاؤنٹنٹ کو برخاست کیا گیا اسی رات محمود علی کو زندگی سے۔''

اس بات پر احسان احمد کچھ چونک سا گیا۔

''ہوسکتا ہے اتفاق ہو۔ باقی کمپنی کی بدنامی کے پیش نظر اکاؤنٹنٹ کو نکالنے پر اکتفا کیا تھا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ محمود علی کو مارا بھی اسی نے ہو۔''

''ہوسکتا ہے .....'' کامران نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''مگر وہ اسے مارے گا کیوں .....؟''

''دس لاکھ کے لئے .....'' احسان احمد مسکرائے

کامران کچھ کہنا ہی چاہ رہا تھا کہ اس کا موبائل بج اٹھا۔

''ہیلو.....'' کامران نے شازیہ کا نمبر دیکھ کر فون ریسیو کیا۔

''کامران وہ موبائل نمبر کسی ٹینا نام کی عورت کا ہے۔ اور وہ گولڈن بار میں ڈانسر ہے اس کا ایڈریس میں تمہیں میسج کر رہی ہوں۔''

''بہت بہت شکریہ.....'' یہ کہہ کر کامران نے فون کاٹ دیا۔

''مسٹر احسان احمد کیا محمود صاحب کسی ٹینا نام کی عورت کو جانتے تھے؟''

''معلوم نہیں..... میں کسی صورت یقین کر ہی نہیں سکتا کہ اس کا کسی عورت سے تعلق ہو؟''

''مجھے یقین ہے کہ آپ یہ سوچ رہے کہ وہ دوسرا ٹکٹ اس عورت کا تھا جس کا نام آپ نے ٹینا بتایا۔''

''جی آپ بالکل درست سوچ رہے ہیں لیکن ہوسکتا ہے کہ ٹکٹ پولیس کو گمراہ کرنے کے لئے ہوں۔''

''اس کی بات سن کر احسان مسکرائے تمہارا انتخاب کر کے ہم نے کوئی غلطی نہیں کی۔''

''بس ذرہ نوازی ہے جناب کی۔'' کامران نے انکساری سے کہا۔

''کیا تم سلطان احمد سے ملے ہو۔''

''نہیں ہیں وہ آفس میں.....'' کامران نے جواب دیا۔

''کیا سلطان صاحب باہر گئے ہوئے ہیں .....''

''کم از کم مجھے تو یہی بتایا گیا ہے.....''

''اوہ.....'' احسان احمد نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا۔

''سلطان صاحب..... آپ سے کامران صاحب ملنا چاہتے ہیں۔''

''معذرت کے ساتھ وہ اس وقت بہت زیادہ مصروف ہیں نہیں مل پائیں گے۔'' احسان احمد نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

''اچھا میں چلتا ہوں..... کامران یہ کہہ کر اٹھ

www.pdfbooksfree.pk

کھڑا ہوا جیسے ہی کامران باہر نکلا احسان احمد نے فون کا ریسور اٹھا کر کان سے لگالیا۔

کامران آفس سے باہر نکل کر جیسے ہی پارکنگ لان میں پہنچا اس نے سلطان احمد کو اپنی کار میں بیٹھا دیکھا سلطان کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ کامران جیسے ہی ان تک پہنچا ان کی کار بڑی تیزی سے باہر نکل گئی۔

☆.....☆.....☆

ٹینا کا فلیٹ سی ویو ٹاور کے چھٹی منزل پر واقع تھا۔ سی ویو اسی جگہ واقع تھا جہاں زیادہ تر ملک کی عیسائی برادری رہائش پذیر تھی۔

جیسے ہی کامران آفس کے پارکنگ سے باہر نکلا انسپکٹر عدنان کی جیپ آندھی اور طوفان کی طرح اس کے برابر آرکی۔

''تمہاری اسسٹنٹ نے مجھے فون کیا تھا کہ تم یہاں ہو، اس لئے میں آیا قصہ کیا ہے.....؟''

''ایک چڑیل کو بوتل میں بند کرنا ہے؟''

''بوتلیں تو جنوں کے لئے مخصوص ہیں.....'' عدنان نے جواب دیا۔

اس بار بوتل تمہارا لاک اپ ہوگی جلدی چلو سی ویو ٹاور چند منٹ بعد جیپ سی ویو ٹاور کے گیٹ کے سامنے کھڑی تھی پولیس کی جیپ کا ہارن سن کر اندر سے چوکیدار باہر نکل آیا چوکیدار پولیس جیپ کو دیکھ کر گھبرا گیا۔

''یہاں پر کوئی ٹینا رہتی ہے۔'' کامران نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

''جی چھٹے فلور پر.....'' چوکیدار نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔

وہ دونوں بڑی ہی تیزی سے چھٹے فلور کی جانب بڑھے۔

تو اس فلور پر ایک نقاب پوش شخص بڑی تیزی سے بھاگتا ہوا ان سے ٹکرایا اور بھاگتا ہوا سیڑھیوں سے نیچے اتر گیا، کامران اور عدنان تیزی سے نیچے کی جانب بھاگے لیکن وہ غائب ہو چکا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ یہ شخص کوئی واردات کر کے اس طرح بھاگ رہا تھا؟'' انسپکٹر عدنان نے سنجیدگی سے کہا۔

''کہیں اس نے ٹینا کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا۔'' کامران نے کہا۔

''ہوسکتا ہے.....چلو دیکھتے ہیں۔'' انسپکٹر بولا۔

''جیسے ہی وہ فلیٹ کے پاس پہنچے فلیٹ کا دروازہ کھلا تھا۔

''چوٹ ہوگئی.....انسپکٹر.....''

اندر گھستے ہی کامران کی ناک نے فضا میں رچی ہوئی بارود کی بو محسوس کی۔

''عدنان تم نے بو سونگھی۔''

''ہاں.....بارود کی بو۔''

جیسے ہی وہ دونوں دوسرے کمرے میں داخل ہوئے سامنے ایک۔ لڑکی کرسی پر لڑھکی ہوئی تھی صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مر چکی ہے اس کی پیشانی پر ایک چھوٹا سوراخ موجود تھا جس سے خون نکل کر اس کے چہرے پر جم چکا تھا۔

''عدنان میں لاش کا معائنہ کرتا ہوں تم آس پاس دیکھو شاید کوئی اہم سراغ مل جائے۔''

''گولی کی آواز کسی نے بھی نہیں سنی۔''

''کوئی نہیں ..... سائلنسر کا استعمال آج کل عام ہے۔''

کامران نے لاش کا معائنہ کیا کافی تگ ودو کے بعد کامران کو لاش کے پاس سے کوریئر کی ایک سلپ ملی جسے اٹھا کر اس نے جیب میں رکھ لیا۔

''انسپکٹر تم لاش اٹھوانے کا انتظام کرو شاید یہ کلیو ہمیں قاتل تک پہنچا دے۔''

کامران نے اسے کوریئر کی سلپ دکھاتے ہوئے کہا۔

☆ ... ☆ ... ☆

OCS کاؤنٹر کلرک کے مطابق کوریئر کوئی

www.pdfbooksfree.pk

آدھا گھنٹے پہلے جوبلی سلک مل کے نام بک ہوا تھا چونکہ پیکٹ ابھی گیا نہیں تھا اس لئے انہوں نے وہ کوریئر نکال کر انسپکٹر عدنان کو دے دیا۔

وہ کوریئر کمپنی کے نام پر بک ہوا تھا کوریئر جس کو دیا جانا تھا اس کا نام موجود نہیں تھا انسپکٹر عدنان نے لفافہ کھولا تو اس میں سے خط برآمد ہوا جس میں لکھا تھا۔

''جان من..... تم نے کئی دن ہوئے مجھ سے رابطہ نہیں کیا۔

اب تو وہ بھی اس دنیا میں نہیں رہا جس کی وجہ سے ہم دونوں پریشان تھے..... یہ مت سوچنا کہ تم کباب میں سے ہڈی کی طرح اپنی زندگی سے باہر نکال دو گے..... اگر ایسا کیا تو میں تم کو بدنام کر دوں گی..... ''ٹینا''

''بہت خوب.....'' انسپکٹر عدنان مسکرایا۔

''کون ہو سکتا ہے.....؟'' کامران نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

''جونہی ہو لیکن ٹینا نے اس خط کے ذریعے اس کی قبر کھود دی ہے۔'' انسپکٹر عدنان نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

''اس لفافے کو ویسے ہی پیک کر کے کوریئر والوں کو دے دو تاکہ یہ ہمیں قاتل تک پہنچا دے اور جو ہم سے بھاگتے ہوئے ٹکرایا اس نے محمود علی کو مارا ہے ٹینا کو بھی۔'' انسپکٹر نے کہا۔

کامران کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس کے موبائل کی گھنٹی بج اٹھی کامران نے فون اٹھایا دوسری طرف شازیہ تھی۔

''وہ لاکر'' نیشنل لاکر کمپنی سے کرایہ پر لیا گیا تھا اور وہ محمود علی کے نام پر بک تھا مجھے تھوڑے سے پیسے خرچ کرنے پڑے ہیں۔ اندر سے ایک ڈبہ برآمد ہوا ہے جس میں سے بہت سے خطوط اور کچھ سی ڈیز ہیں جس کے مطالعہ کے بعد یہ ظاہر ہوتا ہے کہ محمود علی ایک بلیک میلر تھا۔ تم آ کر خود ہی دیکھ لو۔''

☆.....☆.....☆

خطوط کے مطالعہ کے بعد یہ ثابت ہو گیا تھا کہ محمود علی ایک مجرم تھا جو کہ لوگوں کو بلیک میل کیا کرتا تھا اسی ڈیز میں انتہائی قابل اعتراض مواد موجود تھا جس کو دیکھ کر انسپکٹر عدنان اور کامران کی نظریں شرم سے جھکنے لگی تھیں۔

کامران نے سب سے آخری والی سی ڈی پلے کی تو اس کا منظر کچھ یوں تھا شاید وہ کوئی ہوٹل کا کمرہ تھا جس کے بیڈ پر ٹینا نیم برہنہ لیٹی تھی دفعتاً دروازہ کھلتا ہے ٹینا چونک کر دروازے کی جانب دیکھتی ہے ایک شخص اندر داخل ہوتا ہے۔

آنے والے کو دیکھ کر ٹینا اپنی بانہیں پھیلا کر مخمور لہجے میں کہتی ہے۔

''جان من تم آ گئے.....''

نوارد کا چہرہ جیسے ہی روشنی میں آتا ہے تو اس کو دیکھ کر عدنان کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''تو یہ ہے اصل مجرم..... جو محمود علی کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہا تھا۔''

''ہاں میں تو پہلے ہی جانتا تھا معاملہ دس لاکھ کا نہیں۔''

☆.....☆.....☆

جوبلی سلک مل کے دونوں پارٹنر کمپنی کے میٹنگ روم میں بیٹھے تھے سلطان احمد کے چہرے پر پریشانی تھی جبکہ احسان احمد مطمئن نظر آ رہا تھا۔ ''کمپنی کا سارا مال مارکیٹ میں فیل ہو گیا..... ہمارے دام کافی گر گئے۔'' سلطان احمد نے تشویش سے کہا۔

''کوئی بات نہیں..... کاروبار میں تو سب چلتا ہے۔'' احسان بولا۔

''مگر.....''

''اکاؤنٹنٹ کی پوسٹ خالی پڑی ہے۔'' احسان احمد نے کہا۔

''اکاؤنٹنٹ سے زیادہ ہمیں بزنس ایگزیکٹو کی ضرورت ہے جس کی پالیسز سے ہمارا ڈوبتا ہوا کاروبار بچ سکے۔''

''ہمیں دونوں کی ضرورت ہے۔'' احسان احمد

www.pdfbooksfree.pk

نے کہا۔

دفعتاً میٹنگ روم کا دروازہ کھلا انسپکٹر عدنان اپنے بہت سے پولیس اہلکاروں کے ساتھ اندر داخل ہوگیا ان کے ہاتھوں میں اسلحہ تھا، اس کے پیچھے پیچھے کامران بھی تھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے'' احسان احمد نے غصے سے کہا۔

''اسے بدتمیزی نہیں پولیس کارروائی کہتے ہیں۔''

''مگر ہمارے ساتھ کیوں.....؟'' سلطان احمد نے کہا۔

''ایک کہانی سناتا ہوں.....'' کامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''محمود علی، احسان احمد اور سلطان احمد نے ایک کاروبار شروع کیا سلطان احمد اور احسان احمد یہ نہیں جانتے تھے کہ محمود علی اس کاروبار میں صرف اس لئے شامل ہوا کہ وہ اپنے کالے دھندے کو قانونی طور پر سفید کرے کیونکہ وہ ایک بلیک میلر اور عشیات فروش تھا.....'' کامران ڈرامائی لہجے میں بولا۔

''ایک روز اس نے سلطان احمد کو ایک عورت کے ساتھ دیکھا اور ان کی قابل اعتراض ویڈیو بنالی۔

''کیوں سلطان صاحب سچ ہے ناں.....'' کامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نن.....نہیں..... یہ جھوٹ ہے.....'' سلطان احمد کے چہرے پر خوف دکھائی دینے لگا تھا۔

''انہوں نے یہ ویڈیو آپ کی کروڑ پتی بیوی کو دکھانے کی دھمکی دے کر ہر ماہ دس لاکھ کا مطالبہ کیا تھا۔''

''بلیک میلر کون ہے؟ آپ رقم دیتے رہے۔''

''کیوں سلطان صاحب.....؟''

سلطان احمد کچھ نہ بولا۔

ایک روز آپ کے پاس پیسے ختم ہوگئے آپ کی بیوی نے بھی پیسے دینے سے انکار کردیا پھر آپ نے کمپنی کی سیف سے پیسے چوری کئے اور نام لگادیا محمود علی پر لیکن آپ نہیں جانتے تھے کہ محمود علی بلیک میلر ہے؟ اس روز آپ کو پتہ چل گیا کہ بلیک میلر محمود علی ہے جب آپ نے پیسے اٹھاتے ہوئے دیکھ لیا جو کہ اسے آپ ایک سنسان مقام پر دیتے تھے؟ وہاں سے جانے کے بجائے آپ ایک جگہ چھپ گئے پھر آپ نے دیکھ لیا کہ محمود علی پیسے اٹھا رہا ہے۔

پھر آپ نے پلان بنایا۔

آپ نے ٹیٹا کے ساتھ مل کر محمود علی کو اس کے گھر میں گھس کر مارا اور مجھے لگادیا وہ ثبوت ڈھونڈنے میں، آپ ٹیٹا کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں تھے اور مجھ سے جھوٹ بولا کہ دس لاکھ غائب ہیں جو آپ نے چرائے تھے۔''

''جھوٹ ہے یہ سب.....'' سلطان احمد نے کمزور لہجے میں اپنا دفاع کیا۔

''پھر اکاؤنٹنٹ کو آپ نے مارا؟ ٹیٹا کو بھی آپ نے مارا، میں نے ٹیٹا کا ذکر آپ کے سامنے کیا تو آپ ڈر گئے آپ کار میں بیٹھ کر اسے سمجھانے گئے لیکن وہ بپھر گئی، آپ سے شادی کا کہنے لگی، کوئی راستہ نہ دیکھ کر آپ نے اسے بھی مار دیا؟ آپ نے اکاؤنٹنٹ کو مار کر غلطی کی اور سب سے بڑی غلطی ان کرائے کے قاتلوں کو مار کر کی۔'' کامران نے کہا۔

''کیا ثبوت ہے کہ میں نے ٹیٹا کو مارا؟'' سلطان احمد نے مسکرا کر کہا۔

''ثبوت ہے پستول پر آپ کی انگلیوں کے نشان.....'' عدنان نے کہا۔

''مگر..... پستول تو میرے پاس ہے.....'' بے دھیانی میں سلطان حمد کے منہ سے سچ نکل گیا۔

اس کی بات سن کر کامران کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''یہ جھوٹ میں نے اس لئے بولا تھا تاکہ آپ بے دھیانی میں سچ بولیں۔'' عدنان مسکرایا۔

''گرفتار کرلو اسے۔'' انسپکٹر نے سخت لہجے میں اپنے ماتحتوں سے کہا۔

سلطان احمد نے اپنے ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔ اس کے لہجے میں افسردگی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

بوسیدہ ڈائری

ملک این اے کاوش۔سلانوالی سرگودھا

اچانک آواز سنائی دی، خاموش ذلیل انسان تو دوشی ھے، نردوش تو وہ لوگ تھے جنھیں تیری وجہ سے ابدی نیند سونا پڑا، اب تو اپنے بھیانک اور عبرتناک انجام کے لئے تیار ھوجا اور پھر درد ناک چیخ سنائی دی

کرب واذیت سے دوچار لخراش دل فگار جسم کے رونگٹے کھڑے کرتی حیرت انگیز کہانی

اس کا نام مقصود احمد تھا۔شہر کے اندرمین شاہراہ پر اس کا آفس تھا۔وہ شہر کا ایک مشہور اور جانا پہچانا آرکیٹیکٹ تھا۔اسے متعلقہ فیلڈ میں کافی عرصہ بیت چکا تھا۔شروع سے اس نے یہاں ہی آفس کھولا تھا۔اس کا تعلق بھٹی گھرانے سے تھا۔اس کے والد شہر کے مشہور پراپرٹی ڈیلر تھے۔اس کے علاوہ بھی تین بھائی تھے۔تینوں اپنے اپنے کاموں میں جتے ہوئے تھے۔مقصود احمد کی عمر تیس پینتیس کے قریب پہنچ چکی تھی لیکن ابھی تک اس کا سنگل سے ڈبل ہونے کا کوئی موڈ نہیں بن پارہا تھا۔بات یہ نہیں تھی کہ اس کا کسی کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہوا تھا۔

اس کا اپنی ماموں زاد حنا سے نکاح ہو چکا تھا۔حنا رحمان بھی تقریباً اسی کی عمر کی ہی تھی۔وہ ایم فل کررہی تھی اور ابھی اس کا بھی شادی کا کوئی موڈ نہیں تھا۔ایک بات جو دونوں میں ایک جیسی تھی وہ یہ تھی کہ دونوں کے مزاج ایک جیسے تھے،سرد مزاج۔مقصود کی ایک خواہش بھی تھی اور وہ یہ تھی کہ وہ غریبوں کا بڑا احساس کرنے والا تھا۔جبکہ حنا غریبوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔گھر میں کام کرنے والے ملازموں تک کو وہ منہ نہیں لگاتی تھی۔یہی نہیں اپنی غریب کلاس فیلوز کو بھی منہ لگانا پسند نہیں کرتی تھی۔اس کی اس خصلت سے سب بھاگتے تھے۔اس کے دل میں اپنے والد کے عہدے (کمشنر ائے رحمان سکندر بھٹی) اور اپنی دولت کا گھمنڈ تھا۔لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس کا یہی غرور و گھمنڈ اسے دوسروں سے دن بدن دور کرتا چلا جارہا تھا۔

مقصود احمد فارغ اوقات میں کسی نہ کسی کتاب کے مطالعے میں مگن رہتا تھا۔یہ نہیں کہ اس کے پاس کام کی کمی تھی کام تو اتنا تھا کہ سر کھجانے تک کی فرصت نہیں ملتی تھی۔بس جب کام کرتا کرتا تھک جاتا تو کتابوں کے مطالعے میں مگن ہو جاتا تھا۔یا پھر ایل سی ڈی چلا کر کوئی پروگرام دیکھنے لگ جاتا تھا۔

آج صبح جب وہ گھر سے آفس آرہا تھا۔تو اس نے راستے میں اپنے ایک دوست جس کی کباڑیہ کی دکان تھی اس کے پاس گاڑی روکی۔اس کا صرف ایک ہی دوست تھا۔ملک دلاور حسین جو کباڑیہ کا کام کرتا تھا۔ملک دلاور حسین کے پاس بھی پیسے کی فراوانی تھی۔دو چار ایکڑ زمین حصے میں باپ سے مل گئی تھی۔جس سے اچھا خاصا زر مبادلہ آجاتا تھا۔مقصود احمد کو دیکھتے ہی ملک دلاور حسین نے اپنا کام چھوڑا اور

www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk

اپنی کرسی سے ایستادہ ہوکر آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا۔ دونوں دوست آپس میں بغل گیر ہوئے۔

''چھوٹے دو چائے فوراً بنوا کے لاؤ اور اچھی طرح بنوا کے لانا۔۔۔۔۔'' ملک دلاور حسین نے دکان میں کام کرنے والے لڑکے کو بلند آواز سے کہا اور مقصود احمد کی طرف متوجہ ہوا۔

''تمہیں کارڈ تو مل ہی گیا ہوگا میری شادی کا۔؟''

اس کی بات سن کر مقصود حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہوا۔

''تمہاری شادی۔۔۔ واؤ نائس سرپرائز یار کب کر رہے ہو۔ مجھے تو کارڈ نہیں ملا۔ کہیں غلط ایڈریس پہ تو نہیں بھیج دیا۔۔۔۔۔؟'' مقصود نے خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں یار کل شام کو دیئے تھے بڑوہی حجام والے کو امید ہے تھوڑی دیر میں تمہارے آفس پہنچ جائے گا۔۔۔۔۔'' دلاور حسین نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو یہ بتا کہ تمہیں کس نے رشتہ دے دیا ہے۔۔۔۔۔؟'' مقصود نے ہونٹ بھینچے اور اپنی ہنسی روکتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں کیا مجھے کوئی رشتہ نہیں دے سکتا، سینگ نکل آئے ہیں میرے یا پچھواڑے میں دم نکل آئی ہے۔۔۔۔۔؟'' دلاور حسین نے جواباً مسکراتے ہوئے کہا۔

مقصود کے بولنے سے پہلے دلاور حسین کی دکان پر کام کرنے والا لڑکا چائے لے آیا اور ان دونوں کے سامنے رکھ دی۔ مقصود نے ایک انگڑائی لی اور گردن گھما کر پیچھے دیکھا تو اس کی نگاہ یک لخت ایک طرف ردی میں پڑی ایک بوسیدہ سی ڈائری پر پڑ گئی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اس ڈائری کی طرف لپکا۔

دلاور حسین نے اسے اچانک اٹھ کر ردی کی طرف جاتے دیکھا تو چنداں حیران و ششدر رہ گیا۔ وہ اس کی حرکات و سکنات کو دیکھنے لگا۔ مقصود نے اس ڈائری کو اٹھایا اور ساتھ ہی ٹیبل پر پڑے ایک پرانے کپڑے سے اس کے اوپر سے گرد کو جھاڑا اور لے کر واپس اپنی نشست پر آ کر برا جمان ہوگیا۔

اب اس ڈائری کے اندر جناب کو ایسی کون سی بات دکھائی پڑ گئی کہ آناً فاناً اٹھ کر اسے جا کے اٹھا لائے۔۔۔۔۔؟ دلاور حسین نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

نجانے کیوں اس ڈائری میں ایسی کوئی کشش تھی کہ میں نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی طرف بڑھا۔۔۔۔ مقصود نے ڈائری کا پہلا ورق الٹتے ہوئے کہا۔

پہلا ورق جیسے ہی اس نے الٹا تو اسے ایک تحریر پڑھنے کو ملی جو یہ تھی:

''اس ڈائری کے ہر ورق پر حقیقت سے لبریز تحریر لکھی ہے۔ مجھے اس ڈائری کو لکھنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ آنے والی نسل کو ایک سبق حاصل ہو جائے۔ میری زیست کے دن ختم ہونے کو ہیں کسی بھی وقت صدائے اجل میری قوت سماعت پر دستک دے سکتی ہے۔ اور پلک جھپکتے میں فرشتۂ اجل میری روح کو میرے جسم سے نکال کر جہنم کی گہری کھائیوں کی نذر کر دے گا جہاں نازیست میری روح آتش جہنم کا ایندھن بنے گی۔ میرے کیے کی مجھے سزا ملے گی۔ میں نے جو کچھ دنیا میں رہ کے بویا اس کا پھل مجھے اسی صورت میں ملے گا۔ میں نے نجانے کتنی زندگیاں برباد کیں۔

کتنی ہی بے گناہ دوشیزاؤں کو میں نے اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھایا تھا۔ پیسے کی ہوس میں، میں یہ بھول ہی گیا تھا کہ وہ ظالم ان دوشیزاؤں کے ساتھ نجانے کیا کرتا ہوگا مجھے تو بس غرض تھی پیسے سے جو مجھے اس کام کے عوض انتامل جاتا تھا کہ میں نے سپنوں میں بھی نہ سوچا تھا۔۔ میں نے اپنی آخرت کو اپنے ہی ہاتھوں جہنم بنا ڈالا ہے۔ دو رافقی پر مجھے ایک پرندہ دکھائی دے رہا ہے جو بڑی سرعت سے میری طرف بڑھ رہا ہے۔ یوں لگ رہا ہے کہ جیسے وہ اپنی لمبی اور تیز نوکدار چونچ سے میرے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔ مجھے تہس نہس

www.pdfbooksfree.pk

کرکے رکھ دے گا۔ میرا نام ونشان اس دنیا سے مٹا ڈالے گا۔ کسی کو میری موت کی خبر بھی نہیں ہوگی اور وہ مجھے ہڑپ کر جائے گا۔

اوہ !اب تو اور بھی بھیانک منظر میری آنکھوں کے سامنے عیاں ہو رہا ہے۔ آسمان کی وسعتوں میں بڑے بڑے گدھ اڑتے ہوئے مجھے دکھائی دے رہے ہیں۔ میری موت کتنی بھیانک موت ہوگی۔ یہ سوچ سوچ کر ہی میں تو سر سے پاؤں تک پسینے میں شرابور ہوئے جا رہا ہوں۔ اور یہ مشرق کی طرف سے چڑھتی لال آندھی کسی انہونی کا واضح بتا رہی ہے۔ کتنی سرعت سے یہ لال آندھی پورے آسمان کو اپنی آغوش میں بھر رہی ہے۔ یہ ہو کیا رہا ہے؟ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ لال آندھی پورے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے اور اب میں ایک اور بھیانک منظر دیکھ رہا ہوں۔

بھیانک چہرے والے درجنوں انسان نما پرندے جن کے بڑے بڑے پر ہیں۔ اور ان پروں کی پھڑپھڑاہٹ میری قوت سماعت تک سنائی دے رہی ہے۔ ان کے چہرے مسخ شدہ ہیں۔ لیکن ہیں انسانوں کے جیسے۔ باقی جسم پرندوں کی مانند ہیں لیکن اتنے بڑے پرندے تو میں نے زندگی میں نہ دیکھے تھے۔ یہ کیا ان بھیانک چہروں والے پرندوں کے خدوخال یکبارگی تبدیل ہونے لگ گئے ہیں۔ یہ سب تو وہ ہیں جن کو میں نے اپنے ہاتھوں سے کالی چرن کے سپرد کیا تھا۔ مطلب یہ سب مل کر آج میری تکہ بوٹی کرنے کے موڈ میں ہیں۔ میں کوئی جن بھوت، جادوگر یا کوئی ایسا انسان تو ہوں نہیں جس کے قبضے میں کچھ شکتیاں ہوں اور اور وہ ان شکتیوں کے بل بوتے پر اس عفریت سے نجات حاصل کر سکے۔ میں تو ایک عام انسان ہوں بس میرے کام ایسے تھے کہ میں نے کئی چراغوں کو اپنے ہاتھوں سے گل کر دیا تھا۔''

اس سے آگے کی تحریر اگلے ورق پر تھی لیکن مقصود احمد یہ ڈائری خلوت میں بیٹھ کر پڑھنا چاہتا تھا اس لیے اس نے اس ڈائری کو سنبھال لیا۔ اس کے چہرے کے بدلتے تیوروں کو دلاور حسین متواتر دیکھ رہا تھا۔

''تو ایسی کونسی بات جناب کو ڈائری میں نظر آئی ہے جس نے اپنی طرف کھینچا ہے۔۔۔۔۔؟ دلاور حسین نے زیر لب مسکراتے ہوئے چائے کا خالی کپ میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

''چھوڑو اس بات کو یہ بتاؤ شادی کس تاریخ کو کر رہے ہو اور کہاں کر رہے ہو۔۔۔۔۔؟'' مقصود احمد نے ہاتھ بڑھا کر میز پر پڑا چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔ چائے ٹھنڈی پڑ چکی تھی لیکن اسے اس بات سے کوئی غرض نہ تھی وہ تو بس کسی طرح جلد سے جلد یہاں سے جانا چاہتا تھا تاکہ آفس میں جا کر سکون سے ڈائری کا مطالعہ کر سکے۔

''جب کارڈ مل گیا تو دیکھ لینا۔۔۔۔۔'' دلاور حسین نے اس کی بات کو مذاق میں ڈالتے ہوئے کہا۔

مقصود احمد اس کے پاس تھوڑی دیر ہی رکا۔ ادھر ادھر کی دو چار باتوں کے بعد اس نے وہاں سے نکلنا ہی مناسب سمجھا۔ گاڑی گیئر میں ڈال کر اس نے اسپیڈ بڑھا دی۔

☆.....☆.....☆

''ایکسکیوزمی مسٹر یہ کوئی وقت ہے آفس میں آنے کا۔۔۔۔۔'' مقصود احمد جیسے ہی آفس میں داخل ہوا خنار حسن نے غصے سے تقریباً دھاڑتے ہوئے پوچھا۔

ایک بار تو اسے اتنی سویرے دیکھ کر وہ دنگ ہی رہ گیا کیونکہ وہ جب بھی اس کے آفس میں آتی تھی دوپہر کے تین چار بجے ہی آتی تھی اور آج صبح صبح اسے دیکھ کر انگشت بدنداں ہونا لازمی امر تھا۔ ملازم آفس کھول کر جھاڑ پونچھ کر دیتا تھا۔ وہ ہمیشہ نو دس بجے کے قریب ہی آفس آتا تھا۔

''مسٹر میں تم سے مخاطب ہوں، یہ کوئی ٹائم ہے آفس آنے کا۔ میری بات کا جواب دینے کی بجائے تم بونگوں کی طرح کھڑا میرا منہ کیوں تکے جا رہے ہو؟''

حنا نے دوبارہ سرزنش کرتے ہوئے کہا تو وہ سر کو جھٹکتا ہوا اپنی نشست کی طرف لپکا۔

www.pdfbooksfree.pk

''آج صبح صبح کیسے آن وارد ہوئی تم۔۔۔۔۔؟''
اس نے اپنا بیگ ٹیبل پر ایک سائیڈ پر رکھتے ہوئے نشست پر براجمان ہوتے ہوئے پوچھا۔
''کیوں میں یہاں نہیں آسکتی، کیا آخر میں تمہاری منکوحہ ہوں اور جلد ہی تمہاری اہلیہ بننے والی ہوں۔۔۔۔۔'' حنا چہرے پہ آئے بالوں کی لٹ کو کان کی لو کے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔
''اچھا جی ابھی اہلیہ بنی نہیں اور رعب جھاڑنا شروع کردیا۔۔۔۔'' مقصود نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔
''اچھا پہلے یہ بتاؤ کہ کیا لوگی چائے یا کافی''
''تھینکس۔۔۔۔'' حنا نے ہیپر ویٹ ٹیبل پر گھماتے ہوئے کہا۔''ایکچوئلی میں تم سے کچھ بات کرنے آئی ہوں۔''
''ایسی بھی کیا خاص بات ہے جو صبح صبح آن دھمکی فون کردیتی یا گھر آجاتی۔۔۔۔؟'' مقصود نے بھنویں اچکاتے ہوئے کہا۔
''ایکسکیوزمی۔ ابھی اتنی بھی صبح نہیں ہے خیر سے آفتاب سوا نیزے کی دوری پر شعلے برسا رہا ہے اور تمہیں ابھی صبح لگ رہی ہے۔۔۔۔'' حنا نے سرزنش کرتے ہوئے کہا۔
''اچھا بتاؤ کیا خاص بات ہے۔۔۔۔۔؟'' مقصود نے ٹیبل پر رکھے اپنے بیگ سے فائلوں کا پلندہ نکالا اور خالی بیگ کو کرسی کے ساتھ ہی نیچے زمین پر رکھتے ہوئے بولا۔
''گڈ نیوز یہ ہے کہ میرا ایم فل اچھے نمبروں سے کلیئر ہوگیا ہے۔۔۔۔۔'' حنا نے خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوئے کہا۔
''اچھا تو یہ بات تم فون پر بھی بتا سکتی تھی۔۔۔۔۔'' مقصود نے اس کو سرزنش کرتے ہوئے کہا۔
''یہ آج تمہیں کیا ہوگیا، کیا ناشتہ نہیں ملا ہے، چلو کوئی بات نہیں میں آگئی تو سب سنبھال لیا کروں گی۔۔۔۔۔'' حنا نے ہیپر ویٹ چھوڑ کر کرسی کی پشت سے کمر ٹکاتے ہوئے کہا۔
''تو اب کیا پی ایچ ڈی کرنے کا موڈ ہے۔۔۔۔۔؟'' مقصود نے ہاتھ فائلوں کے پلندے کے اوپر رکھی ڈائری کو اپنے دراز میں رکھتے ہوئے کہا۔
''جی نہیں میں فی الحال تم سے کچھ اور ہی کہنے آئی ہوں۔۔۔۔۔'' حنا نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔
اس کی بات سن کر مقصود نے اسے سوالیہ نگاہوں سے گھورا۔ وہ جان چکا تھا کہ حنا کا صبح صبح اس کے آفس میں آن دھمکنا کوئی خیر کی علامت تو لگتی نہیں۔ اور ویسے بھی زندگی کا یہ پہلا چانس تھا جب وہ اتنی صبح اس کے آنے سے بھی پہلے اس کے آفس میں آئی بیٹھی تھی۔ مقصود کی چھٹی حس اسے خبردار کررہی تھی کہ آج معاملہ کچھ اور ہی ہے لیکن حنا کے چہرے کی کیفیت بتا رہی تھی کہ کوئی بہت ہی خاص بات ہے۔ کیونکہ بات کرتے کرتے وہ اس سے آنکھیں نہیں ملا پا رہی تھی۔ مقصود نے منہ سے تو کوئی الفاظ نہ نکالے بس متواتر اس کی طرف دیکھنے لگا۔
''بات یہ ہے کہ میں نے بہت سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ لیا ہے کہ اب ہمیں ایک ہوجانا چاہیے۔''
''واٹ یو مین۔۔۔۔؟'' مقصود اس کی بات سن کر تقریباً حیرت سے اچھل پڑا۔
''اٹس مین کہ اب ہمیں شادی کرلینی چاہیے۔'' آج میں نے صبح کے وقت آئینے میں دیکھا تو حیران رہ گئی کیونکہ مجھے تو اپنے سر میں سفیدی کی علامتیں دکھائی دینے لگ گئی ہیں، یہ نہ ہو پچھلی عمر شادی کے بعد ہمارے بچوں پر جگ ہنسائی ہی شروع ہوجائے۔''
حنا تو متواتر بولے ہی جارہی تھی جبکہ مقصود حیرت کے سمندر میں غوطہ زن اس کی باتیں سنے جارہا تھا۔ دوسری طرف اس کا من چاہ رہا تھا کہ کسی طرح یہ افتاد سر سے ٹلے اور وہ اس بوسیدہ ڈائری کا مطالعہ شروع کرے۔ لیکن وہ تو ٹلنے کی بجائے اس کے سر پر قابض ہونے والی تھی۔
''کیا شادی اور اتنی جلدی۔۔۔۔۔؟'' مقصود

www.pdfbooksfree.pk

نے اس کی بات سن کر حیرت سے کہا۔

''ہاں ہاں شادی ۔تم تو ایسے حیران ہورہے ہو جیسے میں نے تم پر کوئی بم گرادیا ہو۔۔۔۔۔'' حنا نے ناک بسورتے ہوئے کہا

''یہ بات کسی بم سے کم لگتی ہے تمہیں کیا۔۔۔۔۔؟'' مقصود نے سوال داغا۔

''مجھے ان باتوں سے کوئی غرض نہیں بس میں بتارہی ہوں کہ تم لوگ تیاری کرو، آج شام میرے ماما پاپا تمہارے گھر بات پکی کرنے آرہے ہیں۔ ویسے بھی اب میں نے Decision لے لیا ہے تو بات ختم او کے اب میں چلتی ہوں۔۔۔۔۔'' حنا بات مکمل کرکے چپت ہوگئی جبکہ مقصود حیران وششدر بس اسے جاتا دیکھتا رہ گیا۔

مقصود احمد ابھی مزید چند سال بناشادی کے گزارنا چاہتا تھا۔ وہ اتنی جلدی غلامی کی زنجیروں میں خود کو مقید ہوتا دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ حنا ایک سلجھے ہوئے گھرانے کی لڑکی ہے لیکن بیوی کسی عفریت سے کم تو نہیں ہوتی۔ اسے ابھی سے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔ کرسی سے سرٹکا کر اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔ پھر ہاتھ بڑھا کر اس نے بیل دبائی تو ملازم لڑکا اندر داخل ہوا۔ اسے چائے کا کہہ کر اس نے دوبارہ کرسی سے سرٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

☆.....☆.....☆

ڈائری کافی بوسیدہ تھی۔ اگر تھوڑی سختی سے دبائی جائے تو امید ہے دو تین پارٹس میں بٹ جائے۔ مقصود ڈائری کو سامنے رکھے ہوئے تھا۔ ایک بار پھر دوبارہ اس نے ڈائری کے پہلے ورق پر تحریر شدہ عبارت کو پڑھا۔

''اس ڈائری کے ہر ورق پر حقیقت سے لبریز تحریر لکھی ہے۔ مجھے یہ ڈائری لکھنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ آنے والی نسل کو ایک سبق حاصل ہوجائے۔ میری زیست کے دن ختم ہونے کو ہیں کسی بھی وقت صدائے اجل میری قوت سماعت پر دستک دے سکتی ہے۔ اور پلک جھپکتے میں فرشتۂ اجل میری روح کو میرے جسم سے نکال کر جہنم کی گہری کھائیوں کی نذر کردے گا جہاں تازیست میری روح آتش جہنم کا ایندھن بنے گی۔ میرے کیے کی مجھے سزا ملے گی۔ میں نے جو کچھ دنیا میں رہ کے بویا اس کا پھل مجھے اسی صورت میں ملے گا۔ میں نے نجانے کتنی زندگیاں برباد کیں۔

کتنی ماؤں کے لالوں کو لقمۂ اجل بنادیا۔ کتنی بہنوں سے ان کے بھائیوں کو اور کتنی دوشیزاؤں کے سپنوں کے شہزادوں کو ابدی نیند سلایا۔ میں کالی دنیا کا ایک من مانا انسان جس کی روح شاید جسم سے نکلنے کے بعد دنیا میں ہی رہ جائے اور شیطانی طاقتیں اسے اپنی انگلیوں پر نچاتی رہیں میں کچھ نہیں جانتا۔ میں نے اپنی آخرت کو اپنے ہی ہاتھوں جہنم بناڈالا ہے۔ دورافق پر مجھے ایک پرندہ دکھائی دے رہا ہے جو بڑی سرعت سے میری طرف بڑھ رہا ہے۔ یوں لگ رہا ہے کہ جیسے وہ اپنی لمبی اور تیز نوکدار چونچ سے میرے ٹکڑے ٹکڑے کردالے گا۔ مجھے تہس نہس کرکے رکھ دے۔ میرا نام ونشان اس دنیا سے مٹاڈالے گا۔ کسی کو میری موت کی خبر بھی نہیں ہوگی اور وہ مجھے ہڑپ کرجائے گا۔

اوہ! اب تو اور بھی بھیانک منظر میری آنکھوں کے سامنے عیاں ہورہا ہے۔ آسمان کی وسعتوں میں بڑے بڑے گدھ اڑتے ہوئے مجھے دکھائی دے رہے ہیں۔ میری موت کتنی بھیانک موت ہوگی۔ یہ سوچ سوچ کر ہی میں تو سر سے پاؤں تک پسینے میں شرابور ہوئے جارہا ہوں۔ اور یہ مشرق کی طرف سے چڑھتی لال آندھی کسی انہونی کا واضح بتارہی ہے۔ کتنی سرعت سے یہ لال آندھی پورے آسمان کو اپنی آغوش میں بھر رہی ہے۔ یہ ہوکیا رہا ہے؟ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ لال آندھی پورے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے اور اب میں ایک اور بھیانک منظر دیکھ رہا ہوں۔

بھیانک چہرے والے درجنوں انسان نما پرندے جن کے بڑے بڑے پر ہیں ۔اور ان پروں کی پھڑپھڑاہٹ میری قوت سماعت تک سنائی دے رہی ہے۔ ان کے چہرے مسخ شدہ ہیں۔ لیکن ہیں انسانوں

www.pdfbooksfree.pk

جیسے۔ باقی جسم پرندوں کی مانند ہیں لیکن اتنے بڑے پرندے تو میں نے زندگی میں نہ دیکھے تھے۔ یہ کیاان بھیانک چہروں والے پرندوں کے خدوخال یکبارگی تبدیل ہونے لگ گئے ہیں۔ یہ سب تو وہ ہیں جن کو میں نے اپنے ہاتھوں سے ابدی نیند سلایا تھا۔ مطلب یہ سب مل کر آج میری تکہ بوٹی کرنے کے موڈ میں ہیں۔ میں کوئی جن بھوت، جادوگر یا کوئی ایسا انسان تو ہوں نہیں جس کے قبضے میں کچھ شکتیاں ہوں اور اور وہ ان شکتیوں کے بل بوتے پر اس عفریت سے نجات حاصل کر سکے۔ میں تو ایک عام انسان ہوں بس میرے کام ایسے تھے کہ میں نے کئی چراغوں کو اپنے ہاتھوں سے گل کر دیا تھا۔''

اسے کچھ سمجھ نہ آرہی تھی کہ اس ڈائری کا مطالعہ کرے بھی کہ نہ کرے۔ اس کا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔ اس میں اتنی ہمت پیدا نہیں ہو پا رہی تھی کہ وہ ڈائری کا ورق الٹ کر اگلے ورق کا مطالعہ کر سکے۔ بالآخر اس نے اپنے پست ہوتے حوصلوں کو یکجا کیا اور ورق الٹ ہی دیا۔ اگلا منظر دیکھ کر اس کی حیرت ہویدہ ہوئی کہ ڈائری کا ورق بالکل خالی تھا۔ ایک اور ورق الٹا وہ بھی خالی پھر اس نے چند سیکنڈوں کے اندر تقریباً ڈائری کے سارے ورق الٹے مگر کسی پر بھی کوئی تحریر نہ لکھی تھی۔ وہ غصے سے پیچ وتاب کھا کر رہ گیا۔

خبیث انسان جھوٹا۔ یہ ڈائری لکھی ہے اس نے ۔۔۔۔۔ اس نے ڈائری کو اٹھا کر ڈسٹ بن میں پھینکتے ہوئے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

ڈائری کو ڈسٹ بن میں پھینک کر اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں اور لمبی سانس خارج کی۔ پھر آنکھیں کھولیں تو اس کے قدموں تلے زمین سرک گئی۔ اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ کیونکہ منظر ہی ایسا تھا۔ تھوڑی دیر قبل جس ڈائری کو اس نے ڈسٹ بن کی نظر کیا تھا وہی ڈائری اس کی ٹیبل پر پڑی تھی۔ اس نے سرعت سے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی لیکن اس کے علاوہ کمرے میں اور کوئی نہ تھا۔ اس کی پیشانی عرق آلود ہوگئی۔ اگلا منظر اس سے بھی زیادہ حیران کن تھا۔ اس نے دیکھا کہ ڈائری خود بخود کھلی اور اس کا ایک ورق الٹا گیا۔ ورق الٹنے والا اسے دکھائی نہ دے رہا تھا۔ لیکن وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ ڈائری کا ورق الٹا گیا اور اس کے سامنے وہی تحریر آگئی جسے وہ دوبار پڑھ چکا تھا۔

وہ انگشت بدنداں نگاہیں ڈائری پر مرکوز کیے ہوئے تھا۔ اس کے سوچنے سمجھنے کی تمام تر صلاحیتیں مفقود پڑ چکی تھیں۔ اسے کچھ بجھائی نہ دے رہا تھا کہ وہ کرے تو کیا کرے۔ بس وہ ٹکٹکی باندھے بونگوں کی طرح اس بوسیدہ ڈائری کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ڈائری کا دوسرا ورق بھی الٹا گیا۔ جو کہ خالی تھا۔ لیکن اب وہ خالی نہ تھا۔ اس پر کوئی تحریر نہ تھی۔ بلکہ اس پر ایک منظر دکھائی دینے لگا۔ اس نے زندگی میں کبھی بھی ایسی ڈائری نہ دیکھی تھی جس پر تحریر کی بجائے کردار دکھائی دیں۔ مختلف کردار جو اپنے اپنے انداز میں مختلف رول ادا کر رہے تھے۔ اس کی نگاہوں کے سامنے ڈائری کے اگلے تین اوراق پر ایک فلم سی چلنے لگی تھی۔ جسے وہ حیران و ششدر بونگوں کی طرح دیکھے جا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

اسے کسی بھی کام کا کوئی ایکسپیریئنس نہ تھا۔ وہ اتنا مالدار بھی نہ تھا کہ کوئی اچھا سا کام کر سکتا۔ بس اتنے پیسے تھے کہ وہ کوئی چھوٹا موٹا کام کرتا تاکہ تین وقت کا کھانا ہی میسر آتا رہے۔ اس نے دو تین دنوں کے اندر کئی کام دیکھ لیے تھے لیکن کوئی بھی ایسا کام نہ تھا جو تھوڑی لاگت سے چلایا جا سکتا۔

وہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا چشم وچراغ تھا۔ اس کے باپ کی ساری زندگی گرلز کالج کے سامنے ریڑھی لگاتے گزر گئی تھی۔ کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ اسٹیشنری کا تھوڑا بہت سامان بھی اس کے پاس ہوتا تھا۔ یہی نہیں چند میک اپ کی چیزیں بھی اس کی ریڑھی پر پڑی دکھائی دیتی تھیں۔ اس کی ماں اس کی پیدائش کے اگلے دو سال بعد ہارٹ اٹیک کی وجہ سے

www.pdfbooksfree.pk

خالق حقیقی کو جا ملی۔ اس وقت وہ انیس برس کا تھا جب اس کا باپ بھی خالق حقیقی سے جا ملا۔ اس کے باپ کے گردے ختم ہو گئے تھے۔ اب اس کا اس دنیا میں کوئی بھی نہ تھا۔

باپ سے ورثے میں ایک چھوٹا سا دو تین مرلے کا مکان ضعفے میں ملا تھا۔ ریڑھی والے کام سے باپ نے اس کے لیے تھوڑی تھوڑی کر کے کچھ جمع پونجی بھی بچا رکھی تھی۔ اس نے باپ کے کام کو شروع کرنا چاہا لیکن کاج والوں نے اس کو انکار کر دیا اور اس کے باپ کی ریڑھی سامان سمیت اس کے سپرد کر کے اسے وہاں سے رخصت کر دیا۔ یہ ایک نیا دھچکہ تھا اب تو اس کے لیے سوچ و بچار کے لمحات شروع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ اپنی بیٹھک میں ہی چھوٹی سی پرچون کی دکان کھول لے لیکن پھر اس نے نگاہ دوڑائی تو اس نے کونوں، کھدروں میں ایک ساتھ کئی پرچون کی دکانیں دکھائی دیں۔

اس وقت بھی وہ اپنے گھر کی بیٹھک میں تنہا چارپائی پر لیٹا سوچ کے بھنور میں پھنسا ہوا تھا جب اس نے باہر کسی رکشے کی آواز سنی۔ دروازہ کھلا تھا نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی نگاہ باہر رکشہ پر رکی۔ اس نے دیکھا کہ رکشے والے رکشہ سے ایک ادھیڑ عمر کا آدمی اترا۔ اس کے بے ترتیب بال، پرانے کپڑوں سمیت اس کی حالت رحم طلب تھی۔ وہ متواتر اس پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ اس شخص کے ہاتھ میں ایک پرانا سا بیگ بھی تھا۔ رکشہ والے کو کرایہ ادا کرنے کے بعد وہ اس کی طرف پلٹا جبکہ رکشہ واپسی کے راستے پر ہو لیا۔

اس شخص نے ایک بھرپور نگاہ اس پر ڈالی اور پھر اس کی طرف بڑھا۔ وہ اس شخص کو حیرت سے اپنی طرف لپکتا ہوا دیکھنے لگا۔ اس شخص نے اجازت لینے تک کی زحمت گوارہ نہ کی اور سیدھا اس کی بیٹھک میں آن دھمکا اور اندر داخل ہوتے ساتھ ہی اس نے دروازہ بند کر دیا۔

''یہ کیا طریقہ کار ہے کسی کے گھر میں آنے کا۔۔۔۔۔؟'' اس نے چارپائی پر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''چپ کرو نادان تمہیں نہیں معلوم کہ میں کون ہوں۔ فی الحال چپ کرو تمہیں نہیں پتہ کہ لکشمی تمہارے گھر کے آنگن میں قدم رکھ چکی ہے۔۔۔۔۔'' اس شخص نے اپنا پرانا بیگ ایک طرف رکھ کر بوسیدہ سی پڑی کرسی پر براجمان ہوتے ہوئے کہا۔ کرسی پر براجمان ہونے کے بعد اس نے چہار سو نگاہیں دوڑائیں پھر اس کی نگاہیں سامنے چارپائی پر آلتی پالتی مار کر بیٹھے نوجوان پر جیسے ٹک سی گئیں۔

''مسٹر ہری چند تمہیں سوچنے کی یا پریشان ہونے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں کہ میں تمہارے نام سے کیسے آشنا ہوں۔ یہ سمجھ لو کہ میں تمہاری پیدائش سے لے کر آج تک تمہارے بارے میں مکمل جانکاری رکھتا ہوں۔ تم نے تا زیست غربت کی زندگی گزاری ہے لیکن خود سوچو آخر کب تک تم غربت کے مدار کے گرد چکر کاٹتے رہو گے۔ اچھی زندگی جینا اور زندگی کی تمام تر آرائش و زیبائش پر تمہارا بھی اتنا حق ہے جتنا ایک عام منش کا ہے۔ تھوڑے پیسے جیب میں لیے تم تردد کرتے پھر رہے ہو کہ ان پیسوں سے میں کونسا کام شروع کروں۔ تو یاد رکھنا مہنگائی کے اس دور میں یہ چند ہزار نوٹ سے تم کوئی بزنس نہیں کر پاؤ گے۔ ہاں البتہ اگر تم میرا ساتھ دو تو راتوں رات تم کو اتنی دولت سے نوازوں کہ تمہاری سات نہیں بلکہ درجنوں پشتیں پاؤں پہ پاؤں جما کر کھاتی اور لٹاتی رہیں گی تب بھی وہ پیسہ ختم نہیں کر پائیں گی۔''

''لیکن تم ہو کون اور میری مدد کرنا کیوں چاہتے ہو اور میرے بارے میں اتنی جانکاری تمہیں کس لیے ہے۔۔۔۔۔؟'' ہری چند نے محو حیرت سے اسے تکتے ہوئے پوچھا۔

''مورکھ نہیں کا۔۔۔۔۔'' اس نے طنزیہ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں کہا

''دنیا ترقی کی منازل طے کرتی چلی جا رہی ہے اور تم ہو کہ سوچوں کے یلغار میں پھنستے چلے جا رہے ہو۔''

www.pdfbooksfree.pk

ہری چند کے پاس اب سوائے جیب رہنے کے کوئی چارہ نہ تھا۔ ویسے بھی کونسا وہ اس سے کسی قسم کی کوئی زبردستی کررہا تھا کہ وہ بلہ گلہ کرتا لہٰذا اس نے فی الوقت چپ رہنے کی ٹھان لی اور اس کی حرکات وسکنات دیکھنے لگا۔ اس شخص نے اپنی پرانے بیگ سے نوٹوں کی ایک ساتھ کئی گڈیاں نکالیں تو ہری چند کی آنکھیں چندھیا سی گئیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسے بوسیدہ اور فالتو بیگ کے اندر اتنے نوٹ بھی ہوں گے۔ ہری چند نے تو کبھی زندگی میں اتنے نوٹ دیکھے تک نہ تھے۔ وہ محوِ حیرت سے اس شخص کے ہاتھوں میں دبے نوٹوں کی گڈیوں کو دیکھنے لگا۔

''سنو۔۔۔۔۔۔'' اس شخص نے ہری چند کو مخاطب کیا۔ ''یہ سارے نوٹ میں تمہارے لیے لایا ہوں۔''

اتنا کہہ کر اس نے نوٹوں کی گڈیاں ہری چند کی طرف اچھالیں جو ہری چند کے سامنے چارپائی پر پھیل گئیں۔ ہری چند کے پاس بولنے کے لیے کچھ نہ تھا۔ اسے اب آسوں سے غرض تھی نہ کہ گٹھلیوں سے۔ نوٹوں کی ساری گڈیاں اس نے بلک جھپکتے میں اکٹھی کرلیں۔ پھر نہ جانے کیا سوچتے ہوئے اس شخص کی طرف دیکھا جس کی نگاہیں اسی پر مرتکز تھیں۔

میرا نام کالی چرن ہے۔ آبادی سے باہر جو دیوہیکل کالے پہاڑ ہیں ان میں میرا مسکن ہے۔ یہ پیسے میں نے صرف تمہیں اس لیے دیئے ہیں کہ تم چاہو تو اپنا کوئی اچھا سا گھر خرید لو، یہی نہیں ان پیسوں سے ایک اچھا سا کاروبار بھی کرسکتے ہو۔ ان پیسوں کے عوض تو تمہیں کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا ہاں اگر تمہیں ہر روز نوٹوں کی ایسی گڈیاں چاہئیں ہوں تو پھر تمہیں میرے ساتھ ڈیل کرنا ہوگی۔ کام مشکل نہیں ہے لیکن شروع میں تھوڑا خوف، ڈر اور جھجک ضرور رہتی ہے۔ اگر تم اپنا کام ایمانداری سے سرانجام دیتے رہو گے تو وہ دن دور نہیں جب تمہارے نام کا ڈنکا بجے گا۔ اب خود دیکھو تم ہندوستان کے ایک ایسے علاقے میں رہتے ہو جہاں رات تو درکنار دن کو بھی کوئی بھٹکنا گوارہ نہیں کرتا یہ سب وجوہات پیسے کی وجہ سے ہیں۔ کیونکہ یہ علاقہ غریبوں کا علاقہ گردانا جاتا ہے۔ ہاں اگر کبھی کبھار کوئی امیر منش کوئی منت وغیرہ مانگنے تو یہاں غریبوں میں آکر یا تو دو چار نوٹ بانٹ جاتا ہے یا پھر کچھ کھانے کی اشیاء بانٹ دی جاتی ہیں۔ لیکن تم خود سوچو ساری زندگی کولہو کے بیل کے جیسے غربت کے مدار میں چکر لگانے والے منش کا کوئی مستقبل تو نہیں ہوتا۔ کیا یہ تمہیں گوارہ ہے کہ تم تازیست ایسے ہی سوچوں کے بھنور میں پھنسے رہو اور آج نہیں تو کل جونوٹ تمہاری جیبوں میں ہیں ایک ایک کر کے یہ سب خرچ ہو جائیں گے اور پھر تم تہی دست ہو کر بھیک مانگنے والوں کی لائن میں کھڑے دکھائی دو گے۔''

کالی چرن بول رہا تھا اور ہری چند کو اس کی باتوں میں حقیقت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ خود کو حقیقت میں بھکاریوں کی لائن میں کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اس نے جھٹ سے کالی چرن کی طرف دیکھا۔

''نہیں نہیں ایسا نہیں ہوسکتا میں کسی طور یہ برداشت نہیں کرسکتا۔ میرے باپ دادا نے کبھی بھیک نہیں مانگی تو میں کیسے کشکول تھام سکتا ہوں۔۔۔۔۔۔'' ہری چند کے لہجے میں التجا تھی۔ کالی چرن اسی موقع کے ہی تو انتظار میں تھا اس کا تیر نشانے پر جا لگا تھا۔ اس نے ہری چند کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے موٹے اور بھدے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''اس دنیا میں سوائے اپنے ماں باپ کے کوئی کسی کا نہیں ہوتا۔ بھائی بھائی کا دشمن ہے۔۔۔۔۔۔'' کالی چرن نے ایک اور تیر چھوڑا۔

''آج تمہارے اوپر غربت کے بادل منڈلا رہے ہیں تو تمہیں کوئی پرنام کرنے کو تیار نہیں۔ کل جب تمہارے حالات چنداں بہتری کی جانب سرکیں گے تو جو تمہیں جانتے تک نہیں وہ سب بھی تمہارے آشنا ہو جائیں گے۔ اور تمہیں جتائیں گے کہ ہم تمہارے کیا لگتے ہیں لیکن ایسی آشنائی کا کیا فائدہ جو بھلے وقتوں میں یاد آجائے اور کڑے حالات میں بھول جائے۔''

''میں کچھ سمجھا نہیں کہ آپ کہنا کیا چاہتے

www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔۔۔۔۔۔؟'' ہری چند تم سے آپ پر آ گیا تھا۔ اور یہ سب ان نوٹوں کی تپش سے ہوا تھا وگرنہ پہلے تو وہ اس شخص کو کھا جانے والی نگاہوں سے بیکسر تک رہا تھا۔

''میں تم سے جس کام کے لیے ڈیل کرنا چاہتا ہوں اس کے اندر پہلی شرط یہ ہے کہ اپنے اندر سے احساس کے مادے کو یکسر ختم کر دو۔ اگر تمہارے دل میں کسی کے لیے تھوڑا سا بھی احساس بیدار ہو گیا تو سارے کیے پر پانی پھر جائے گا۔ جس کام کے لیے میں تمہیں آفر دے رہا ہوں، اس کے اندر معافی کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ تھوڑی سی بھول ہمیں موت کے منہ میں پہنچا سکتی ہے۔ لیکن اگر ہم لوگ پھل ہو گئے تو میں تمہیں اتنی دولت دوں گا کہ دنیا میں تمہارے مدمقابل کسی کو کھڑا ہونے کی سکت نہیں پیدا ہو پائے گی۔ لوگ تمہارے چرنوں کو چھوئیں گے۔ اور ایسی خوشگوار زندگی کا کون متمنی نہیں ہوتا ہری چند۔۔۔۔۔۔؟'' کالی چرن نے ہری چند کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

اس کا دوسرا تیر بھی نشانے پر لگا تھا۔ وہ ہری چند کا دماغ پڑھ چکا تھا۔ ہری چند خیالوں میں خود کو بہت ہی امیر کبیر دیکھنے لگ گیا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ لوگ اس کو بہت عزت دے رہے ہیں۔ بڑے بڑے جاہ وجلال والے لوگ اس کے سامنے سر تسلیم خم کیے کھڑے ہیں اور وہ بڑے فخر وغرور سے ان کے سامنے ایک شاہانہ انداز میں موجود ہے۔ اس کے پاس پیسے کی ریل پیل ہے۔ یہی نہیں اس کے پاس ایک شاندار محل نما کوٹھی ہے جس میں درجنوں ملازم ہیں۔

''مجھے آپ کی ہر شرط منظور ہے بس میں اس گندگی سے باہر نکلنا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔۔'' ہری چند نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔

ہری چند کی بات سن کر کالی چرن کے موٹے بھدے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ کالی چرن کو ایسے ہی تو جوان چاہیے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ ہری چند اس کے معیار پر پورا اترنے والا منش ہے۔ ہری چند کے ماتھے پر ستارہ بنا ہوا ہے۔ اور جس کے ماتھے پر ستارہ ہوتا ہے وہی کالی دنیا کا شہنشاہ بنتا ہے۔ اماوس کی کالی راتوں میں جو بھی منش جنم لیتا ہے۔ شیطان دیوتا کی اس پر مہربانیاں ہوتی ہیں۔ ایسے لوگ اس بات سے آشنا نہیں ہوتے کہ ان کے اندر کیسی کیسی شکتیاں پوشیدہ ہیں۔ اگر وہ اس بھید سے آشنا ہو جائیں تو دنیا میں تہلکہ مچا کر رکھ دیں۔ ایسے ہی لوگ کالی دنیا کے باسیوں کے ہتھے چڑھ کر کٹھ پتلی غلاموں کی طرح ان کے سامنے دم ہلاتے پھرتے ہیں۔ اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے۔ جب وہ ایسے لوگوں کو شیطان دیوتا کے چرنوں میں بلی چڑھا کر شیطان دیوتا کی عنایتیں اور مہربانیاں حاصل کرتے ہیں۔

ٹھیک ہے تم میرے ساتھ چلو ممبئی شہر کے اندر میں نے تمہارے لیے ایک محل نما کوٹھی خریدی ہے جس کے مالک تم ہو یہی نہیں وہاں درجنوں ملازم تمہاری خدمت پر مامور ہوں گے اور تمہارے لیے اعلیٰ قسم کی گاڑیاں بھی خریدی ہیں۔ بس تمہاری کمی ہے۔ ٹھیک وقت پر تم نے اچھا فیصلہ کر کے اپنی قسمت کو سنوار لیا ہے۔ تم قسمت کے دھنی ہو ہری چند۔ تم بہت جلد ممبئی شہر میں اپنے نام کا ڈنکہ بجتے دیکھو گے یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔۔۔۔۔۔'' کالی چرن نے ہری چند کو مزید سبز باغ دکھاتے ہوئے کہا تو ہری چند نے سرعت سے نوٹوں کی گڈیاں اٹھائیں۔

''یہ مکان اور یہاں کی ہر چیز یہیں چھوڑ دو۔ ایسی گھٹیا چیزیں تمہاری شان کے قابل نہیں ہیں ہری چند۔''

کالی چرن نے اس کی طرف الفت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ ہری چند نے جواباً اس کی طرف تشکرانہ نظروں سے دیکھا۔ کالی چرن اس کے لیے کسی مسیحا سے کم نہ تھا۔ اس کی زندگی میں تبدیلی آ گئی تھی۔ وہ حقیقت میں خود کو قسمت کا دھنی گردانے لگا تھا۔ اس نے کبھی تصور میں بھی نہیں سوچا تھا کہ کبھی وہ بھی اعلیٰ اور شاہانہ زندگی گزار پائے گا۔ وہ جو ایک ایسے انسان کا سپوت ہے جس کی ساری زندگی غربت کے مدار میں چکر لگاتے ہوئے گزری تھی وہ بھلا اس کی ضروریات کو کیسے پورا کر سکتا تھا۔ شاہانہ زندگی کیسی ہوتی ہے۔ اس نے کبھی بھی نہ سوچا تھا۔ بس اتنا جانتا تھا کہ امیر لوگوں کے پاس بہت

www.pdfbooksfree.pk

کچھ ہوتا ہے۔ رہنے کے لیے اچھے اچھے مکان اور لمبی لمبی گاڑیاں۔ ان کے کپڑے اور جوتے نئے ہوتے ہیں۔ ان کے پاس اتنا پیسہ ہوتا ہے کہ وہ ہر آئے دن نئی نئی چیزیں خریدتے ہیں اور اپنی پرانی چیزیں غریبوں میں بانٹ دیا کرتے ہیں۔ وہ بھی اب ایسا ہی کرے گا۔

''ایک منٹ کالی چرن ۔۔۔۔۔۔'' اس نے اچانک کالی چرن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا جو اپنا بوسیدہ بیگ اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کی بات سن کر کالی چرن نے رک کر اسے حیرت سے دیکھا۔

''میں اس مکان سے اور تو کچھ نہیں لے جاؤں گا لیکن اپنے ماتا پتا کی تصویر ضرور لے جاؤں گا۔ میں وہ کمرے سے اتار کے آتا ہوں۔''

اتنا کہہ کر ہری چند کمرے میں چلا گیا جبکہ کالی چرن لبوں پر مسکراہٹ بکھیرے کھڑا تھا۔ اس کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ جلوہ گر تھی۔ اس نے بہت بڑا کام کیا تھا۔ وہ ہری چند کو اپنا کٹھ پتلی غلام بنا کر اس سے بہت کچھ کروا سکتا تھا اور جب ہری چند سے خطرے کی بو محسوس ہونے لگے گی تو وہ پلک جھپکتے میں اسے شیطان دیوتا کے چرنوں میں بھینٹ چڑھا کر شکتیاں حاصل کرلے گا۔

☆.....☆.....☆

مقصود احمد ڈائری میں رونما ہونے والے واقعات کو دیکھنے میں اس قدر مگن تھا کہ اس کے موبائل پر بجنے والی ٹون نے اسے چونکا کر رکھ دیا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ خیالوں کی دنیا سے لوٹا ہو۔ ہر کردار میں وہ خود کو دیکھ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ڈائری میں ہونے والے واقعات کا وہ از خود بھی ایک کردار ہو۔ اس نے بے دلی سے موبائل اٹھایا تو موبائل پر حنا کا نام دکھائی دیا۔ اس نے بدستور بے دلی سے کال ریس کر کے موبائل کان سے لگایا۔

''سنو! تیار رہنا میں نے امی سے بات کی ہے۔ انہوں نے پاپا سے بھی بات کی ہے۔ دونوں بہت خوش ہیں۔ انہیں تو میری بات کا یقین ہی نہیں ہو رہا تھا کہ میں انہیں یکبارگی ایسا سرپرائز دوں گی۔۔۔۔۔'' حنا نے خوشی سے چہکتے ہوئے کہا۔

''او کے۔۔۔۔۔'' مقصود نے مختصر جواب پر ہی اکتفا کیا۔ وہ تو اس سے جان چھڑانا چاہتا تھا تاکہ ڈائری کا مطالعہ مکمل کرے۔

''کیا او کے۔۔۔۔۔؟'' حنا نے استفسار کیا۔ ''یہ تمہارا موڈ کیوں خراب ہے اتنا؟''

''ایسی کوئی بات نہیں بس آج تھوڑی طبیعت ناساز ہے۔۔۔۔۔'' مقصود نے سفید جھوٹ بولتے ہوئے کہا

''اگر طبیعت خراب ہے تو آفس خاک چھاننے گئے ہو ایک دن ریسٹ کرلینے میں حرج ہی کیا تھا۔۔۔۔۔'' حنا غصے سے دانت پیستے ہوئے بولی۔

''اچھا سنو! کسٹمر بیٹھے ہیں میں بعد میں خود تم سے رابطہ کرتا ہوں۔۔۔۔۔'' مقصود نے دوبارہ جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔

''چلو ٹھیک ہے مگر یاد سے میڈیسن لے لو۔۔۔۔۔'' حنا نے تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔

''او کے بائے ٹیک کیئر۔۔۔۔۔'' مقصود نے دھیمے لہجے میں کہا اور سلسلہ کلام اختتام کو پہنچا۔

☆.....☆.....☆

اس نے کندھے پر ایک جوان اور خوبصورت دوشیزہ کو بے ہوش کر کے اٹھایا ہوا تھا۔ اس کے قدم سرعت سے کالی چرن کے ٹھکانے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ یہ آج اس کا پہلا کام تھا۔ اس کا دل دھک دھک دھڑک رہا تھا۔ اس کو خوف کھائے جا رہا تھا کہ اگر وہ کسی کی نگاہوں میں آ گیا تو اسے فی الفور واصل جہنم کردیں گے۔ دوسری طرف پیسوں کا لالچ اسے اکسائے جا رہا تھا کہ منزل مشکل اور کٹھن ضرور ہے لیکن اس منزل کو پانا ناممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رات کی تاریکی میں اس نے کالی چرن سے کیے وعدے کو پورا کرنے کے لیے آج اس کے لیے پہلا شکار تلاش کیا تھا۔

ہری چند اس بات سے قطعاً آشنا نہ تھا کہ کالی چرن اس سے یہ کام کیوں لے رہا ہے اور اس کے عوض اچھی خاصی رقم اسے تھما رہا تھا۔ ویسے بھی اسے آموں سے

www.pdfbooksfree.pk

غرض تھی نہ کہ ٹھیلوں سے۔ لیکن اس نے سوچ بچار بھی کرنی مناسب نہ سمجھی تھی۔ اگر اسے اس بات سے آشنائی ہوجاتی کہ کالی چرن ان لڑکیوں کو شیطان کے دیوہیکل بت کے چرنوں میں بلی چڑھا کر کالی شکتیاں حاصل کرے گا اور ایک دن جب وہ اس کے لیے سوڑ کیاں پوری کرلے گا تو کالی چرن اسے بھی شیطان کے چرنوں میں بھینٹ چڑھا کر شکتی شالی ہوجائے گا تو وہ قطعاً کالی چرن سے معاہدہ نہ کرتا۔ لیکن اس کی آنکھوں پر تو پٹی بندھ چکی تھی اسے مطلب تھا تو بس صرف یہ کہ اس کام کے عوض اسے اچھی خاصی رقم ملے گی۔

ادھر کالی چرن شیطان دیوتا کے قدآدم بت کے سامنے آلتی پالتی مارے براجمان تھا۔ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائے جارہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ بس وہ خودکلامی کے انداز میں بڑبڑائے جارہا تھا۔ تہہ خانے کی خاموش فضا میں اس کی آواز کی بازگشت گھوم رہی تھی۔ تبھی آناً فاناً اس نے بند آنکھوں کو کھولا اور سامنے پڑی طشتری پر پھونک ماری۔ اس طشتری میں پانی بھرا ہوا تھا۔ پھونک مارنے کی دیر تھی کہ پانی میں بھونچال سا برپا ہوگیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس میں ایک منظر دکھائی دینے لگا جسے دیکھتے کے ساتھ ہی کالی چرن کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس منظر میں کالی چرن دکھائی دے رہا تھا جس کے کندھے پر ایک خوبصورت دوشیزہ تھی۔ وہ تیز تیز قدموں سے اس کے ٹھکانے کی سمت بڑھ رہا تھا۔ اس کی سانس دھونکنی کی طرح پھولی ہوئی تھی۔ وہ بار بار مڑ کر دیکھتا تھا اور پھر تیز تیز ڈگ بھرنا شروع کردیتا تھا۔ کالی چرن جانتا تھا کہ اب اسے کیا کرنا ہے۔ اگر وہ یکبارگی اس پر یہ بھید عیاں کر ڈالے کہ وہ شیطان کا پجاری ہے تو ممکن ہے وہ اس کی بات سن کر سکتے میں آجائے اور اس سے کیے وعدے کو نبھانے کی بجائے چیخت ہوجائے۔ ہرکام دھیرج سے کیا جائے تو اس میں بہتری ہوتی ہے۔ کالی چرن بھی جانتا تھا کہ ہری چند اس کے لیے کتنا قیمتی ہے وہ اسے کسی قیمت پر بھی کھونا نہیں چاہتا تھا کیونکہ ایسے گوہر ہائے آبدار صدیوں بعد ہی ملا کرتے ہیں۔ ممکن ہے اس کی ایک چھوٹی سی خطا کی وجہ سے وہ کسی اور کے ہتھے چڑھ جائے اور اس کے کیے کرائے پر پانی پھر جائے۔ وہ جانتا تھا کہ سفلی اور کالے علم کے علاوہ ہر علم کے ماہر لوگ ایسے نوجوانوں کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں جو اماوس کی کالی رات کو جنم لیتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

ہری چند ہانپتا کانپتا جب کالی چرن کے ٹھکانے پر پہنچا تو اس وقت کالی چرن مین گیٹ پر اس کا انتظار کررہا تھا۔ کالی چرن نے اپنے پرانے ٹھکانے کو خیرآباد کہہ دیا تھا۔ اور خود بھی اسی حویلی میں آگیا تھا جو اس نے ہری چند کے لیے خریدی تھی۔ اس نے اپنے لیے تہہ خانہ تجویز کیا تھا جس پر ہری چند نے بھی کوئی واویلا نہیں مچایا تھا کہ اس کا محسن تہہ خانے میں رہے۔ کالی چرن نے جادو کے زور سے شیطان اور کالی ماتا کے بت کو تہہ خانے میں لاکھڑا کیا تھا۔ ہری چند جیسے ہی گیٹ سے اندر داخل ہوا کالی چرن نے پلک جھپکتے میں گیٹ کو بند کردیا۔ ہری چند کے آنے سے قبل کالی چرن نے جادو کے زور سے تمام ملازمین کو پتھر کا بنا دیا تھا تاکہ اس کے اور ہری چند کے کسی فعل کو کسی کی نگاہ نہ دیکھ سکے۔ دوسری طرف ہری چند اس لڑکی کو کالی چرن کے سپرد کرکے ٹی وی لان میں جاکر صوفے پر براجمان ہوگیا۔ وہ بری طرح سے ہانپ رہا تھا۔ وہ اپنی کیفیت پر قابو پانے کی یکسر سعی کررہا تھا۔ جب تک اس کا سانس بحال ہوا تب تک کالی چرن جادو کے زور سے اس لڑکی کو تہہ خانے میں مقید کرکے اس کے پاس پہنچ چکا تھا۔

''کیا ہوا مسٹر ہری چند تم اتنے مضطرب کیوں دکھائی دے رہے ہو۔۔۔۔۔۔؟'' کالی چرن نے ہری چند کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

ہری چند جو اس کی طرف پشت کیے براجمان اس بات سے ناآشنا تھا کہ وہ شیطان اس کے سر پر پہنچ چکا ہے

www.pdfbooksfree.pk

یکبارگی اس کی بات سن کر چونک سا گیا اور تقریباً صوفے سے اٹھ کر دوبارہ براجمان ہو گیا۔

''نجانے کیوں دل بہت زیادہ پریشان ہے کالی چرن۔۔۔۔۔'' ہری چند نے ہونٹ سکیڑتے ہوئے جواب دیا۔ اتنی دیر میں کالی چرن اس کے سامنے صوفے پر براجمان ہو چکا تھا۔ اس کی بات سن کر کالی چرن نے اس کا دماغ پڑھا تو وہاں ایک ہی سوال گونج رہا تھا۔ ''اگر کسی نے اسے لڑکی اٹھاتے دیکھا ہوگا تو جلد بہت جلد لوگوں کا ایک جم غفیر نازل ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ اس عالیشان محل نما بنگلے کو بھی نیست و نابود کر کے رکھ دے گا۔'' اس کی سوچ احمقانہ تھی۔ کیونکہ کالی چرن جانتا تھا کہ اس کے اس کام کی کسی کو بھنک تک نہیں لگی۔

''ہری چند۔۔۔۔۔!'' کالی چرن نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''تم خوامخواہ پریشان ہو رہے ہو، کسی نے بھی تمہیں نہیں دیکھا اور نہ ہی ایسی تاریک رات میں کوئی گھروں سے باہر قدم نکالتا ہے۔ بے شک۔ تم محسن جیسے ایک معروف شہر میں مقیم ہو لیکن یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تمہیں ایسی حالت میں کسی نے نہیں دیکھا اور اب میں تمہیں تنبیہ کیے دیتا ہوں کہ آئندہ کبھی بھی ایسی بھول تم سے سرزد نہ ہو۔ تم ایک عام منش نہیں ہو بلکہ تم ایک مالدار منش ہو۔ کندھوں پر بوجھ اٹھانے کی بجائے تم گاڑی میں جایا کرو۔ یہ شہر گناہوں کا شہر مانا جاتا ہے۔ یہاں غربت ہر طرف رقصاں ہے۔ مختلف رنگوں کی تتلیاں تمہیں گھومتی پھرتی مل جائیں گی۔ تمہارا مقصد بآسانی پورا ہوتا رہے گا۔ تمہیں اتنا بڑا رسک لینے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں پیسہ بولتا ہے۔ تم اپنی جیبیں پیسوں سے بھر کے نکلا کرو۔ بھرے ہوئے مشکیزے سے جب پانی اچھل کر باہر نکلتا ہے تو ہر پیاسا اس مشکیزے کی طرف دوڑتا ہے۔ ایسے ہی جب تمہاری جیب میں پیسہ دکھائی دے گا تو کتنی ہی الہڑ مٹیاریں تمہارے اردگرد گھومتی دکھائی دیں گی۔ تم خود بھی ان کی قربت حاصل کر سکتے ہو اور اپنا کام بھی باحسن و خوبی سرانجام دے سکتے ہو۔ تم میری بات کو سمجھ رہے ہو ناں؟''

کالی چرن نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تو ہری چند سوچوں کے بھنور میں پھنس گیا۔ کالی چرن کی بات میں وزن تھا۔ وہ خواہ مخواہ ایسا رسک لیتا تھا۔ اسے کونسا روپے پیسے کی کمی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے بھی لٹانے لگ جاتا تو ختم ہونے والا نہیں تھا کیونکہ کالی چرن اسے اتنا پیسہ دینے کو تیار تھا کہ اس نے کبھی اتنے پیسے کا تصور میں بھی نہ سوچا ہوگا۔

''میرے ساتھ آؤ ہری چند۔''

کالی چرن نے صوفے سے اٹھ کر کہا اور فرسٹ فلور کی طرف چڑھنے والے زینے کی طرف لپکا۔ ہری چند بھی بنا چوں چراں کے اس کے پیچھے ہو لیا۔ فرسٹ فلور پر پہنچتے ہی کالی چرن نے پہلے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ اس محل نما بنگلے کے اندر گراؤنڈ فلور اور فرسٹ فلور میں کمروں کی بہتات تھی۔ کئی خادم گرد شیں تھیں۔ یہ بنگلہ خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھا۔

کالی چرن کمرے کے اندر بنی ایک لوہے کی الماری کے پاس جا کے کھڑا ہو گیا۔ یہ الماری ایسی تھی جیسے بنکوں کے اندر پیسے رکھنے کے لیے بنائی ہوتی ہیں۔ کالی چرن نے اپنی جیب سے چابیوں کا ایک گچھا نکالا اور الماری کے لاک میں ایک چابی گھمائی۔ الماری کا لاک آواز پیدا کرتا ہوا کھل گیا۔ پھر کالی چرن نے لاک کے ساتھ لگے ہینڈل کو گھما کر الماری کا دوسرا پٹ کھولا تو ہری چند کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہ انگشت بدنداں بونگوں کی طرح الماری میں بھری رقم کو دیکھنے لگا۔ الماری کے تینوں خانے نوٹوں سے بھرے پڑے تھے۔ سوئی تک رکھنے کی جگہ نہ تھی۔

کالی چرن نے ایک فاتحانہ نگاہ ہری چند پر ڈالی اور پھر اس کے لبوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ہری چند پیہم اس دولت کو دیکھے جا رہا تھا۔ اسے وشواس نہیں

www.pdfbooksfree.pk

ہو رہا تھا کہ کالی چرن کے پاس اتنی دولت بھی ہوگی۔ اتنی دولت تو واقعی اس نے تخیل میں نہ سوچی ہوگی اور نہ کبھی تصور کیا ہوگا کہ کبھی وہ اتنی دولت کا مالک بن پائے گا۔

''آج جو تم نے کارنامہ سرانجام دیا ہے ہری چندیہ اس کا ایک ادنیٰ سا انعام ہے۔''

ہری چند کو کالی چند کی بات پر وشواس نہ ہو رہا تھا۔ اگر یہ ادنیٰ سا انعام تھا تو اعلیٰ انعام کیسا ہوگا؟ اس نے ایک بھرپور نگاہ کالی چرن پر ڈالی۔

''کیا واقعی کالی چرن یہ ساری دولت میری ہے۔۔۔۔۔؟'' اس نے کالی چرن کی طرف بے یقینی کے عالم میں دیکھتے ہوئے پوچھا

''کیوں کوئی شک ہے کیا۔۔۔۔۔؟'' کالی چرن نے بھنویں اچکاتے ہوئے پوچھا۔ ''تم چاہو تو اس ساری دولت کو اپنے بنک اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کر سکتے ہو ہری چند۔''

کالی چرن کی بات سن کر ہری چند خوشی سے پھولے نہ سما رہا تھا۔ کالی چرن نے اس کا فی الغور دماغ پڑھا۔

''اگر واقعی یہ ساری دولت میری ہے تو میں تو دنیا کے امراء کی لسٹ میں سرفہرست آجاؤں گا۔ کالی چرن تو میرے لیے کسی مسیحا سے کم نہیں ہے۔ اگر یہ میری زندگی میں نہ آتا تو میں تو ہمیشہ بھکاریوں کی زندگی گزارنے پر مجبور رہتا۔ کہاں وہ غربت کے دن کہ ایک وقت کا بھی جی بھر کر کھانا مل جاتا تو ہزار بار بھگوان کا شکر بجالاتا اور کہاں یہ دن کہ اس کالی چرن کی وجہ سے اس کی دنیا ہی پلٹ گئی تھی۔ دن پھر گئے تھے۔ وارے نیارے ہو گئے تھے۔''

کالی چرن اس کے دماغ کو پڑھ کر ایک بار پھر زیر لب مسکرا دیا۔ وہ جس طرح چاہ رہا تھا ویسے ہی ہو رہا تھا۔ اب اس کا ایک اور اہم کام ابھی باقی تھا۔ تب جا کر ہری چند مکمل طور پر اس کے قبضے میں آجاتا تھا۔ اس نے الماری کے پٹ بند کیے اور ہینڈل گھمایا اور پھر لاک لگا کر چابیوں کا گچھا ہری چند کی طرف اچھال دیا جسے ہری چند نے اس چیل کی طرح جھپٹ لیا جو آسمان کی وسعتوں میں اڑتی ہوئی اپنے شکار کو دیکھ کر ایسے جھپٹتی ہے کہ کسی کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیتی۔ اور سنبھلنے تک وہ ایک بار پھر آسمان کی وسعتوں میں پہنچ چکی ہوتی ہے۔

''آداب بھوک بہت لگی ہے ہری چند کھانا کھالیں۔۔۔۔۔۔'' کالی چرن نے ہری چند کی پھیلی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا اور ہری چند یوگیوں کی سی کیفیت سے دوچار اس کے پیچھے ہولیا۔

کھانا ملازم ٹیبل پر سجا چکے تھے۔ کالی چرن بہت ہی مکار شخص تھا۔ اس نے تمام ملازمین کو ہری چند کی غیر موجودگی میں پرکشش تنخواہ دے کر فارغ کر دیا تھا۔ ویسے بھی اسے پہلے ہی اس بات پر پچھتاوا ہو رہا تھا کہ وہ ایسے لوگوں کو ملازم کیوں رکھ رہا ہے۔ جن کو اگر اس کے کرموں کی بھنک بھی لگ گئی تو اس کے لیے قیامت کھڑی ہو جائے گی۔ وہ کوئی بھی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا تھا جس کی وجہ سے کسی کے ہاتھ میں کوئی ثبوت آئے اور اس کے لیے کوئی مصیبت کھڑی ہو جائے۔ اس نے ملازموں کو فارغ کر کے اپنے کالی شکتیوں کو ان ملازموں کے روپ میں حویلی میں چھوڑ دیا تھا۔ اب اسے کسی بھی بات کی کوئی چنتا نہ تھی۔

ہری چند کو بھی بھوک ستا رہی تھی۔ پیٹ میں چوہے دوڑتے محسوس ہو رہے تھے۔ جب دونوں ڈائننگ روم میں پہنچے تو ٹیبل پر گرما گرم کھانا سجا ہوا تھا۔ گرما گرم کھانے سے اٹھنے والی بساند دونوں کی بھوک کو ہوا دے رہی تھی۔ ہری چند بھوکے بھیڑیے کی طرح کھانے پر ٹوٹ پڑا۔ وہ اس بات سے قطعی واقف نہ تھا کہ اسے کھانے میں کیا کھلایا جا رہا ہے اور کیا پلایا جا رہا ہے۔ بھوک اور نیند پر انسان کا بس نہیں چلتا۔ کہیں بھی اور کسی بھی وقت حملہ آور ہو سکتی ہیں اور ان میں سے جو بھی حملہ آور ہو انسان کے پرخچے اڑا کے رکھ دیتی ہے۔

ہری چند فٹافٹ کھانا کھائے جا رہا تھا۔ اور ساتھ جگ میں رکھا گہرے لال رنگ کا شربت غٹاغٹ پیے جا رہا تھا۔ جب اس نے پیٹ بھر کر کھانا کھالیا تو اسے محسوس ہوا جیسے کچھ عجیب سی بساند اس کے نتھنوں سے ٹکرا رہی ہے۔ اس کی نظر فوراً سے بھی پیشتر اس جگ پر پڑی جس

www.pdfbooksfree.pk

میں گہرے سیال رنگ کا شربت تھوڑا بہت بچا ہوا تھا۔

''کالی چرن یہ کیسا شربت ہے۔کیسی عجیب سی بساند اس میں سے آرہی ہے۔۔۔۔؟'' اس نے کالی چرن کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہری چند یہ شربت بہت لذت بخش اور طاقت والا ہے۔تھکن اور کمزوری کو رفع دفع کرتا ہے۔یہی نہیں ایسا لذیز شربت اور ایسا لذیذ کھانا تم نے زندگی میں پہلے نہیں کھایا ہوگا۔دراصل تمہارا اجس طبقے سے تعلق رہا ہے وہاں ایسا کچھ کھانے پینے کو میسر ہی کہاں آتا ہے۔یہ کھانے بڑے لوگوں کے ہوتے ہیں۔اب تم غریب نہیں بلکہ ایک امیر کبیر منش ہو۔اور تمہارے شایان شان ایسے ہی امراء کے کھانے ہیں نہ کہ وہی غریبوں والے روکھے سوکھے۔۔۔۔۔'' کالی چرن نے اپنے لومڑی دماغ کا استعمال کرتے ہوئے جواب دیا تو ہری چند اس کی بات سے یکسر متاثر ہوا۔

''ہوں۔۔۔۔۔'' ہری چند نے خوشی سے ہونٹ بھینچتے ہوئے کالی چرن کی طرف دیکھا۔''کیا واقعی بڑے لوگوں کے کھانے ایسے ہوتے ہیں؟''

''ہاں ہاں،ابھی تو ہری چند تم نے بڑے لوگوں کے کھانے کھائے ہی کہاں ہیں۔۔۔۔۔'' کالی چرن نے پہلا تیر نشانے پر لگتا دیکھ کر ایک اور چھوڑا۔

''اب تم جیسے محسن کے ساتھ ہوں تو کیے بعد دیگرے باقی کھانے بھی کھا ہی لوں گا۔۔۔۔۔'' ہری چند نے معنی خیز نگاہوں سے کالی چرن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔۔۔۔۔'' کالی چرن اس کی بات سن کر مسکراتے ہوئے بولا۔

☆.....☆.....☆

ڈائری سے نگاہیں ہٹانے کو اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔اگر گھر میں ہوتا تو کمرے کو اندر سے مقفل کر کے ڈائری کے اندر رونما ہونے والے حقیقی واقعات کو اختتام پذیر ہونے تک دیکھے بنا کمرے سے باہر نہ نکلنا چاہے باہر قیامت ہی کیوں نہ برپا ہو جاتی لیکن اب اس سے یہ غلطی سرزد ہو چکی تھی کہ وہ اپنے کمرے میں نہیں بلکہ آفس میں تھا۔وہ ڈائری میں رونما ہونے والے واقعات کو پڑھنے میں اس قدر مگن تھا کہ اسے پتہ ہی نہ چلا کہ ملازم نے اسے کتنی آوازیں دی تھیں۔پھر چار و ناچار ملازم نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر ہلایا۔تو اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے تمہاری جرأت کیسے ہوئی ایسی حماقت کرنے کی۔۔۔۔۔؟'' الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مواقف وہ ملازم پر تقریباً برس پڑا۔

سر آپ کو کتنی ہی آوازیں دیں لیکن آپ سن نہیں رہے تھے۔مجھے تجسس اور حیرانگی ہوئی تو مجبوراً آپ کے ساتھ ایسی حرکت کرنا پڑی۔۔۔۔۔'' ملازم نظریں جھکا کے بولا۔

''بولو کیا مسئلہ ہے۔۔۔۔۔؟'' وہ متواتر پر رعب لہجے میں بولا۔

''سر کوئی صاحب آئے ہیں نقشہ تیار کروانا تھا انہوں نے ویٹ ہال میں بٹھایا ہے۔۔۔۔۔'' ملازم نے نظریں اٹھا کر دھیمے لہجے میں کہا۔

''او کے اندر بھیج دو اسے اور دو کافی بھی لیتے آنا۔۔۔۔۔'' مقصود نے ڈائری ٹیبل کے دراز میں رکھتے ہوئے کہا۔ملازم اس کی بات سن کر دبے قدموں واپس لوٹ گیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک کڑیل جوان جس نے بڑی بڑی مونچھیں چہرے پہ سجا رکھی تھیں کمرے میں داخل ہوا۔مونچھوں کے ساتھ ساتھ چھوٹی چھوٹی داڑھی بھی اس کی پرسنالٹی میں اضافہ کر رہی تھی۔اس نے تو پیس سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔وہ بڑے شاہانہ انداز میں چلتا ہوا مقصود کے سامنے خالی کرسی پر براجمان ہوا۔کرسی پر براجمان ہونے سے قبل اس نے مقصود سے مصافحہ بھی کیا۔

''کیسے ہیں مقصود صاحب آپ۔۔۔۔۔؟'' اس نے براجمان ہوتے ساتھ ہی حال احوال دریافت کیا۔

''میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ٹھیک ٹھاک

www.pdfbooksfree.pk

ہوں۔آپ سنائیں کیسے ہیں۔۔۔۔۔؟'' مقصود نے جواباً پوچھا

''میں بھی ٹھیک ہوں مقصود صاحب۔ایکچوئلی پچھلے دنوں میرے چھوٹے بھائی حافظ محمد بلال اسلم نے آپ سے ایک نقشہ تیار کروایا تھا۔اس کا ویو (View) دیکھا پسند آیا۔میں حافظ محمد بلال اسلم کا بڑا بھائی ملک اللہ بخش اسلم ہوں۔میں بھی ایسا ہی ایک نقشہ تیار کروانا چاہتا ہوں۔میرے اور میرے چھوٹے بھائی کی اراضی ایک ہی جگہ ہے۔شہر کے وسط میں،آپ نے جگہ دیکھی ہی ہوگی۔کچہری موڑ سے تھوڑا آگے جا کر پٹرول پمپ کی بیک سائیڈ پہ دو کنال کی جگہ ہے۔اس کے لیے ایک اچھا سا نقشہ تیار کردیں۔دو چار ویو بنا کے دکھانا جو بھی پسند آیا سلیکٹ کرلیں گے۔۔۔۔۔۔'' کرسی پہ براجمان نوجوان نے مختصر تعارف کے بعد ڈائریکٹ موضوع پہ آتے ہوئے کہا۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے پہلے آپ بتائیں کیا لیں گے۔۔۔۔۔'' مقصود نے ملک اللہ بخش کی بات ختم ہوتے ساتھ ہی سوال کیا۔

''کچھ بھی چلے گا۔۔۔۔۔'' ملک اللہ بخش اسلم نے پاؤں پہ پاؤں دھرتے ہوئے کرسی کی پشت سے کمر ٹکاتے ہوئے کہا۔

''میں نے پوچھا اس لیے ہے کہ مجھے کافی کی طلب ہو رہی تھی اور میں نے ملازم کو پہلے ہی دو کافی کا کہہ دیا تھا۔میں نے سوچا شاید آپ پسند نہ کریں تو کچھ اور منگوا لیتے ہیں۔۔۔۔۔'' مقصود نے لیپ ٹاپ سامنے رکھ کر اسے آن کرتے ہوئے کہا۔

''میں سادہ مزاج انسان ہوں مقصود صاحب۔جو روکھی سوکھی مل جائے اسی پر گزارہ کرلیتا ہوں۔۔۔'' ملک اللہ بخش نے ہاتھ میں پکڑے موبائل فون کو ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

''کیسا ویو چاہیے آپ کو ملک صاحب۔ایکچوئلی کچھ ویوز تو ہمارے پاس آل ریڈی بنے ہوئے ہوتے ہیں۔موسٹلی ہم انہی کے اندر ردوبدل کرلیا کرتے ہیں لیکن اس سے پہلے کسٹمر کی رائے اور کسٹمر کی پسند کو ضرور ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔۔۔۔۔'' مقصود نے لیپ ٹاپ سے ویوز کا فولڈر سلیکٹ کرتے ہوئے کہا اور پھر لیپ ٹاپ کو ملک اللہ بخش اسلم کی طرف موڑ دیا۔

''یہ کچھ ویوز ہیں آپ ایک نگاہ ان پر ڈالیں ممکن ہے انہی میں سے کوئی آپ کو پسند آجائے۔''

ملک اللہ بخش منہ سے کچھ نہ بولا اور لیپ ٹاپ کو اپنی طرف کر کے ایک ایک کر کے تمام ویوز دیکھنے لگا۔سارے ویوز دیکھنے کے بعد اس نے لیپ ٹاپ واپس مقصود احمد کی طرف موڑ دیا۔

''یہ جتنے بھی ویوز آپ نے دکھائے ہیں بہت پیارے ہیں۔لیکن میں نے پہلے بتایا ہے کہ میں سادگی پسند ہوں۔اتنے زیادہ کام والے جن میں اتنی زیادہ ڈیزائننگ ہو مجھے ایسا بنگلہ نہیں چاہیے۔میں ایسا بنگلہ چاہتا ہوں جس کے اندر ایک تو مجھے اوپن ٹو سکائز کچھ زیادہ ہی میسر آسکیں۔تو دوسرا پائپ کا زیادہ استعمال ہو۔آپ نے شاید دیکھا ہی ہوگا رضا کارڈن میں ایک کوٹھی تیار کی گئی ہے جس میں یہ سب چیزیں میسر ہیں۔میں برادرانہ طور پر آپ سے اپیل کروں گا کہ ایک بار ہم دونوں کیوں نہ اس کوٹھی کو جا کر دیکھ آئیں۔آپ میرے ساتھ چلیئے،اسی بہانے کچھ کپ شپ بھی ہو جائے گی اور مجھے کچھ خدمت کا موقع بھی میسر آجائے گا۔۔۔'' ملک اللہ بخش نے نہایت ہی ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''ہوں۔کوئی بات نہیں آج ایکچوئلی میں تھوڑا بزی ہوں کیوں نہ کل کا پروگرام بنا لیا جائے۔مل کے دیکھ آئیں گے۔۔۔۔۔'' مقصود احمد نے ملک اللہ بخش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

قبل اس کے کہ دونوں میں سے کوئی گفت وشنید کے اس جاری سلسلے کو جاری وساری رکھتا ملازم کافی لیے اندر داخل ہوا۔ٹرے میں کچھ لوازمات بھی اس نے سجائے ہوئے تھے۔کافی کے کپ دونوں کے آگے رکھ کر اس نے لوازمات بھی ٹیبل پر رکھے اور الٹے قدموں لوٹ گیا۔

www.pdfbooksfree.pk

''ایسے بھی تکلف کی کیا ضرورت تھی مقصود صاحب! میں تو ابھی ابھی ناشتہ کر کے آیا تھا۔۔۔۔۔'' اللہ بخش نے ایش ٹرے ٹیبل کی ایک سائیڈ سے اٹھا کر اپنے سامنے ایک طرف رکھتے ہوئے کہا اور جیب سے سگریٹ کی ڈبی نکال کر ایک سگریٹ سلگا کر اس کا دھواں ہوا میں چھوڑا۔

''سگریٹ کی وجہ سے آپ کو کوئی دشواری تو نہیں ہو رہی؟''

کش لگانے کے ساتھ ہی اللہ بخش نے فوراً مقصود سے پوچھا تو اس نے کہا: ''ڈونٹ وری! میں خود سگریٹ پیتا ہوں۔''

☆.....☆.....☆

لالچ، شک اور وہم یہ تینوں ایسی موذی بیماریاں ہیں کہ ان کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے۔ یہ تینوں بیماریاں انسان کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہیں بس احساس نہیں ہوتا۔ ان تینوں میں سے جس کو ایک بیماری بھی لگ جائے تو اسے آخر میں سوائے پچھتاوے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن یہ حضرت انسان ہے ہی کچھ ایسا کہ جب تک اسے کچھ سبق حاصل نہ ہو یہ باز نہیں آتا، چاہے اس بازی میں سب کچھ ہی کیوں نہ نقصان کر جائے۔ انسان کا پیٹ اور زبان دونوں بہت ہی خطرناک ہیں۔ کبھی کبھی انسان پیٹ کی خاطر ایسے راہوں پر چلنا شروع کر دیتا ہے کہ جس کے آخر میں اسے ایک عبرت ناک انجام سے دوچار ہونا پڑتا ہے تو کبھی کبھی زبان سے نکالے لفظوں کی وجہ سے اسے شرمساری سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

کبھی کبھی یہی زبان اس کے لیے زندگی و موت کا موجب بن جاتی ہے۔ لیکن ہم لوگ پھر بھی نہیں سدھرتے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ وقت ہم پہ نہیں آیا ہوتا۔ دوسروں کو مصیبت میں دیکھ کر ہم یہ تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ اس کے اپنے کرموں کا نتیجہ ہے۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی لیکن حقیقت اس کے متضاد ہوتی ہے۔ کوئی بھی شخص اپنی مرضی سے غلط راستے کا انتخاب نہیں کرتا۔ ہر شخص کو غلط راستے پر لانے کے پیچھے بھی کئی وجوہات کارفرما ہوتی ہیں۔ کبھی وہ اپنی مرضی سے ایسے راستوں کا انتخاب کرتا ہے جس کا اسے بھی پتہ ہوتا ہے کہ اس کام کی وجہ سے اس کا انجام کیا ہوگا۔ لیکن ایسی باتوں کا پتہ فوراً کہاں چلتا ہے ایسی باتوں کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب پانی سر سے گزر جاتا ہے۔ کسی نے غلط نہیں کہا کہ ''اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔''

☆.....☆.....☆

ہری چند کا شمار ممبئی کے امراء کی لسٹ میں سرفہرست تھا۔ بڑے بڑے امراء و رؤسا سے اس کے تعلقات پیدا ہو چکے تھے۔ کالی چرن کے مشورے پر اس نے شہر کے وسط میں اپنی ذاتی ایک دوکان خرید کر کے اس میں سپیئر پارٹس کا کام شروع کر دیا۔ یہ کام بے شک اس کی شان کے مترادف نہ تھا لیکن کالی چرن کے مشورے کے علاوہ وہ کوئی کام کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے جو دوکان خریدی تھی وہ دو دوکانوں کے برابر تھی۔ یہی نہیں اس دوکان کے ساتھ ہی منٹ کی سہولت بھی تھی۔ جسے اس نے سٹور روم کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ مہمانوں کی آمد و رفت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس نے فرسٹ فلور خود بنوالیا تھا۔ پھر اس نے ساتھ ہی پراپرٹی کا کام شروع کر دیا جس کی وجہ سے فرسٹ فلور کو اس نے اپنے آفس کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔

ہری چند کی شہرت میں دن بدن اضافہ ہونے لگا تھا۔ اس کے پاس اتنا پیسہ ہو چکا تھا کہ وہ ممبئی شہر کو خرید لیتا۔ وقت گزاری کے لیے اس کا کوئی مشغلہ نہ تھا۔ شہر کے ایک مشہور تاجر سے اس کے کچھ تعلقات بڑھے تو دونوں میں دوستانہ تعلقات کی ہوا پیدا ہو گئی۔ یہ دوستی ایک دن اسے اس دوست کے گھر تک لے گئی۔ اس کا نام پریم ملہوترا تھا۔ وہ اپنی پتنی، دو بیٹوں اور اپنے پتاجی کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کا کام بھی بہت تھا۔ وہ کپڑے کی تجارت کرتا تھا۔ اس کا کاروبار ملک کے کونے

www.pdfbooksfree.pk

کونے تک پھیلا ہوا تھا۔ ابھی اس نے اپنے کام کو اتنی وسعت نہ دی تھی کہ انٹرنیشنل لیول تک لے جائے۔

پریم ملہوترا کا باپ راج ملہوترا ممبئی شہر کے ایک بڑے مندر کا پنڈت تھا۔ اس کے پاس علم کافی تھا۔ اس کے بارے میں یہ بات بھی مشہور تھی کہ وہ کالے علم کا ماہر تھا۔ لوگ اس کے پاس اکثر و بیشتر گھر پر بھی فریادیں لے کر آجاتے تھے لیکن جب وہ مندر میں جاتا تھا تو وہاں تو لوگوں کا تانتا بندھ جاتا تھا۔ لوگ جوق در جوق اس کے پاس اپنی مرادوں کے حل کے لیے آتے تھے۔ لوگ اسے شکتی شالی مانتے تھے اور اس بات میں کوئی شک بھی نہ تھا کہ اس کے پاس ایسی شکتیاں تھیں کہ جن کی بدولت وہ انسان کے من میں ابھرتے خیالات سے نہ صرف آشنائی حاصل کر لیتا تھا بلکہ دوسروں کی خواہش بھی جان لیتا تھا۔

ہری چند جب پریم ملہوترا کے ساتھ اس کے گھر میں گیا تو اس وقت پریم ملہوترا کے پتاجی فرسٹ فلور سے نیچے اتر رہے تھے۔ ان کی نگاہ جیسے ہی ہری چند پر پڑی تو وہ وہیں کے وہیں ٹھٹھک کر رک گئے۔ نجانے کیوں انہیں اپنے پتر کے ساتھ آنے والا نوجوان کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ قبل اس کے کہ وہ اس سے آشنائی حاصل کرتے پریم ملہوترا نے ان کو چونکایا۔

''پتاجی! یہ ہری چند ہے۔ بہت ہی مشہور و معروف انسان ہے۔ امراء ورؤسا کی لسٹ میں سرفہرست نام آتا ہے اس کا۔ آپ سے ملاقات کی غرض سے آیا ہے۔ کچھ عرصہ قبل ہی ممبئی شہر میں شفٹ ہوا ہے تو اتفاق سے سب سے پہلے اس کی مجھ سے ہی علیک سلیک ہوگئی ہے۔۔۔۔'' پریم ملہوترا نے ہری چند کا مختصر تعارف کرواتے ہوئے کہا اور دونوں ٹی وی لاؤنج میں پڑے صوفوں پر براجمان ہوگئے۔ جبکہ راج ملہوترا ابھی ان کے سامنے جا کر صوفے پر براجمان ہوگئے۔

''خوشی ہوئی بیٹا تمہیں دیکھ کر۔۔۔۔'' راج ملہوترا نے بغور ہری چند کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے بھی بہت خوشی ہوئی ہے آپ لوگوں سے مل کر۔ پریم آپ کی بہت تعریف کرتا تھا سو چا آپ سے بالمشافہ ملاقات کا شرف حاصل کرنا چاہیے۔ اسی لیے پریم کے ساتھ آگیا۔۔۔۔'' ہری چند نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہوں۔ بہت اچھا کیا۔ تم پریم کے دوست ہو تو میرے پریم جیسے ہی ہو جیتے رہو۔'' (پریم ملہوترا کو مخاطب کرتے ہوئے) ''اچھا بیٹا میں تھوڑا آرام کر لوں رات بھر کی تھکاوٹ ہے۔ ساری رات مندر میں ہی بیت گئی تھی۔ رات لوگوں کا رش ہی بہت تھا۔۔۔۔ اتنا کہہ کر راج ملہوترا وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرہ' خاص میں جا پہنچے۔

کمرے میں پہنچتے ہی راج ملہوترا نے اپنی الماری کھولی اور اس میں سے ایک مالا منکوں سے پروئی نکال کر کمرے کے وسط میں بھگوان کی مورتی کے پاس براجمان ہوگئے۔ ان کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائے جا رہے تھے۔ جیسے جیسے تالا کے دانے نیچے گرے جا رہے تھے کمرے کا ماحول تبدیل ہونا شروع ہوگیا تھا۔ کمرے میں یکبارگی گرمی کا احساس شدت پکڑنے لگا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے راج ملہوترا پوری طرح سے پسینے میں شرابور ہوگئے۔

آناً فاناً کمرے میں دھواں بھرنا شروع ہوگیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس دھوئیں نے ایک انسانی روپ اختیار کر لیا۔ یہ انسانی ہیولا ایک عورت کا تھا۔

''کیسے یاد کیا ہمیں راج ملہوترا۔۔۔۔۔؟''

دھوئیں سے روپ اختیار کرنے والی عورت کے لب ہلے تو یوں لگا جیسے اس کی آواز دور کسی کنویں سے آرہی ہو۔

''شانتری مجھے تم سے کچھ جانکاری درکار ہے۔۔۔۔'' راج ملہوترا نے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

حکم کرو راج ملہوترا ایسی بھی کونسی جانکاری تمہیں درکار ہے کہ اس وقت تم نے ہمیں حاضر کر لیا حالانکہ اس سے قبل کبھی بھی تم نے ہمیں دن کے وقت حاضر نہیں کیا۔۔۔۔ شانتری چڑیل گویا ہوئی۔

www.pdfbooksfree.pk

''شانتری، میرے پتر کے ساتھ اس کا ایک دوست آیا ہے نجانے کیوں اسے دیکھتے ہی میری چھٹی حس بیدار ہوگئی ہے اور میری چھٹی حس نے مجھے خبردار کیا ہے کہ اس نوجوان میں کچھ نہ کچھ ضرور ایسا ہے جس کی وجہ سے میرے من میں خطرے کی گھنٹیاں بجنی شروع ہوگئی ہیں۔بس تم مجھے اس کے بارے میں مکمل جانکاری دو۔۔۔۔۔'' راج ملہوترا نے ایک ہی سانس میں ساری بات کہہ ڈالی۔

تھوڑی دیر کے لیے دونوں کے درمیان خاموشی کی فضا طاری رہی۔پھر شانتری نے بولنا شروع کیا تو راج ملہوترا کو اپنی قوت سماعت پر وشواس نہیں ہو رہا تھا کہ ان کے پتر کے ساتھ آنے والا انسان کوئی عام انسان نہیں تھا بلکہ بہت ہی خاص انسان تھا اور اگر اس کی وجہ سے کالی چرن اپنے مقصد میں پھل ہو جاتا ہے تو کالی چرن نہ صرف اسے شیطان کے چرنوں میں بلی دے دے گا بلکہ دنیا میں تہلکہ مچا دے گا۔اسی لیے جتنی جلدی ہو سکے اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی تو اپائے نکالنا ہی تھا۔ورنہ وہ وقت دور نہیں جب کالی چرن خون کی ہولی کھیلے گا اور خون کی اس ہولی میں نجانے کتنے ہی بے گناہ مارے جائیں گے۔

☆.....☆.....☆

اکتیس دوشیزاؤں کو کالی چرن شیطان کے چرنوں میں بھینٹ چڑھا چکا تھا۔کالی چرن جانتا تھا کہ اب اسے اپنے اس مقصد کو عملی جامہ ہر صورت میں پہنانا ہے بصورت دیگر وہ ایک عبرت ناک موت مرے گا۔اسے پہلے سے ہی شیطان دیوتا نے تنبیہ کی تھی کہ وہ اس کام کو نہ چنے اگر اس کام میں ایک دن کا بھی ناغہ ہو گیا یا کوئی مسئلہ درپیش آ گیا تو سوائے موت کے کوئی اپائے نہیں ہوگا لیکن کالی چرن ہمیشہ مشکلات سے کھیلتا چلا آ رہا تھا۔اس لیے اس نے یہ سوچ کر کہ آج تک اسے ناکامی سے دوچار نہیں ہونا پڑا اور نہ ہی کبھی وہ ناکامی سے نبرد آزما ہوگا اس نے اس کام کو کرنے کی حامی بھر لی۔اکتیس دنوں میں ہری چند نے اکتیس دوشیزائیں اس کے سامنے لا پھینکی تھیں اور یہ ہری چند اور اس کی کامیابی تھی کہ کسی کو رتی برابر بھنک نہیں پڑی تھی۔

کالی چرن جہاں اس کامیابی سے خوش تھا وہیں اسے ہر وقت پریشانی بھی لاحق رہتی تھی کہ اگر کوئی رکاوٹ آڑے آ گئی تو اس کے لیے قیامت برپا ہو جائے گی۔اس کی برسوں کی محنت پر پانی پھر جائے گا اور شیطان دیوتا کے شراپ سے اسے کوئی بھی بچا نہیں پائے گا۔وہ کبھی کبھی اس بات کو سوچ کر خوف سے کانپ اٹھتا تھا کہ اگر اس کا ناکامی سے سامنا ہوا تو اس کے تو پرخچے اڑ جائیں گے۔

ادھر ہری چند کے ذہن کو راج ملہوترا نے واش کرنا شروع کر دیا تھا اور اس بات سے کالی چرن یکسر ناآشنا تھا۔اگر اسے اس بات کی بھنک بھی پڑ جاتی کہ ہری چند اور اس کا بھید عیاں ہو چکا ہے تو وہ فی الفور اس کا کوئی نہ کوئی اوپائے ضرور نکال لیتا لیکن وہ اپنے سے زیادہ ہری چند پر بھروسہ کرنے لگا تھا وہ یہ سمجھنے لگا تھا کہ ہری چند ایک نہایت ہی ہوشیار اور عقل مند انسان ہے۔اور یہی بات ہمیشہ انسان کو نقصان دیتی ہے۔جب انسان حد سے زیادہ کسی پر اعتماد اور بھروسہ کرنے لگتا ہے تو وہ ضرور خسارے میں جاتا ہے۔کیونکہ انسان دھوکہ نہیں دیتے انسانوں سے وابستہ امیدیں ضرور دھوکہ دے جاتی ہیں۔اور یہی دھوکہ کالی چرن بھی کھا چکا تھا لیکن ابھی تک وہ اس بات کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

دوسری طرف راج ملہوترا شانتری کے ساتھ مل کر اس مسئلے کا اوپائے تلاش کر چکا تھا۔راج ملہوترا جان چکا تھا کہ اگر کالی چرن کو شکست سے دوچار کرنا ہے تو جب تک وہ اس کے سامنے نہ آ جائے اس وقت تک کالی چرن کو ناکوں چنے چبوانا وقت طلب امر ہے۔اس کے لیے دونوں نے ایک ٹھوس پلان تیار کر لیا تھا اور یہ ایسا پلان تھا کہ جس کی وجہ سے کالی چرن اور اس کے ناپاک ارادوں کی ارتی نکالنے میں دیر نہیں لگنی تھی۔اس کے لیے ہری چند کو موت کے گھاٹ اتارنا لازمی امر تھا۔جب تک ہری چند کو موت کے گھاٹ نہ

www.pdfbooksfree.pk

اتارا جاتا اس مسئلے کا واحد حل تلاش کرنا ناممکن تھا۔ کیونکہ اگر ہری چند کی جگہ راج ملہوترا خود بھیس بدل کر ہری چند بن کر اس کے سامنے جاتا تو ہری چند اس کے شریر کی بو سے فوراً سے بھی پیشتر اسے پہچان لیتا اور اس حالت میں کالی چرن سے نبرد آزما ہونا سہل کام نہ تھا۔

اس کے لیے ہری چند کو موت کے گھاٹ اتار کر اس کے جسم پر راج ملہوترا قابض ہو کر شانتری کو نیا شکار بنا کر اس کے پاس لے جانے کا منصوبہ بنانے لگا۔ یہ ایک ایسا خطوں منصوبہ تھا جس کے بارے میں سوچ کر دونوں کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ جلوہ گر ہو چکی تھی۔

ہری چند اس وقت اپنی دوکان میں براجمان حساب کتاب کر رہا تھا۔ اس کی دوکان پر اس کے علاوہ تین ملازم کام کرتے تھے۔ اچانک اس کو یوں لگا جیسے اس کے دماغ پر بوجھ پڑنے لگ گیا ہو۔ اس کی آنکھوں کے سامنے دھندلاہٹ پھیلنے لگی پھر آنکھوں کے سامنے چھائی دھند ختم ہوئی تو اس کے من میں ایک ہی بات قدم جما چکی تھی کہ اسے فی الفور پریم ملہوترا کے گھر جا کر اس کے پتاجی سے ملنا ہے۔ اس خیال کے آتے ساتھ ہی اس نے سارا حساب کتاب وہیں پر چھوڑ دیا۔ دکان پر کام کرنے والے لڑکے اس کی اچانک اس کیفیت پر انگشت بدنداں رہ گئے اور حیران و ششدر رہ کر اسے دیکھنے لگے۔ وہ کسی سے کوئی بات کیے بنا آناً فاناً اپنی گاڑی میں جا بیٹھا اور پھر دوسرے ہی پل اس کی گاڑی فراٹے بھرتی پریم ملہوترا کے گھر کی طرف اڑتی ہوئی جا رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

ویلڈن ہری چند تم ایک کامیاب انسان ہو۔ تم زندگی کی بھاگ دوڑ میں کبھی بھی پیچھے رہنے والے انسان نہیں ہو۔ تمہارا مستقبل بہت روشن ہے۔ تم جلد ہی اس دنیا پر راج کرو گے۔۔۔۔۔۔ کالی چرن نے ہری چند کی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بے ہوش لیٹی دوشیزہ کو اٹھاتے ہوئے کہا۔

''یہ سب آپ کا احسان ہے کالی چرن۔۔۔۔۔''

ہری چند نے ہمیشہ کی طرح پرانا فقرہ دہرایا۔

''نہیں ہری چند۔ سب کچھ احسان پر منحصر نہیں ہے اس سارے کام میں تمہاری محنت بھی شامل ہے۔ میں تم پہ کوئی احسان نہیں کرتا اگر میں تمہیں کچھ دیتا ہوں تو اس کے عوض تم سے اپنا مطلب بھی تو نکال رہا ہوں۔۔۔۔۔'' کالی چرن نے لڑکی کو اپنے کندھوں پر لادتے ہوئے کہا

''بس کالی چرن آج سے یہ ساری لینے دینے کی باتیں ختم ہو جائیں گی۔ نہ رہے گا کوئی احسان اور نہ اس کے عوض کوئی زر مبادلہ۔۔۔۔۔'' ہری چند کے جسم پر قابض راج ملہوترا نے دل ہی دل میں کہا جبکہ اتنی دیر میں کالی چرن اس دوشیزہ کو لے کر تہہ خانے میں چلا گیا۔

وہ ہری چند کے سامنے ہی آنے والے شکار کو لے کر تہہ خانے میں چلا جاتا تھا۔ ہری چند نے کبھی بھی اس بارے میں استفسار تک نہ کیا تھا کہ وہ ان دوشیزاؤں کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ کہاں جاتی ہیں یہ دوشیزائیں؟ کالی چرن نے دوشیزہ کا روپ دھارے شانتری کو شیطان کے بت کے سامنے تختہ دار پر لٹا دیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں کس کے باندھ دیئے اور ٹب جس میں شہ رگ کٹنے کے بعد خون اکٹھا ہوتا تھا اسے اپنی جگہ پر رکھا۔ تبھی اس کی قوت سماعت سے پاؤں ٹھمیٹ کر چلنے کی بازگشت سنائی دی تو اس نے آناً فاناً زینے کی طرف دیکھا۔

وہاں ہری چند حیرت کا لبادہ اوڑھے کھڑا تھا۔ کالی چرن اچانک اس افتاد کو سامنے دیکھ کر ٹھٹکا پھر فوراً ہی اپنے حواس بحال کیے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر اس کا بھید ہری چند نے افشاں کر دیا تو اس کے کیے کرتے پر پانی پھر جائے گا۔ اور وہ اپنی برسوں کی محنت پر پانی پھرتا دیکھ نہیں سکتا تھا۔

''ارے ہری چند تم آؤ آؤ۔ میں تو خود چاہتا تھا کہ کسی دن تمہیں اپنے تہہ خانے میں بلاؤں اور تمہیں

www.pdfbooksfree.pk

بہت کچھ بتانے کے لیے میرے پاس باتیں ہیں بس وقت نہیں ملا تھا آج تم آہی گئے ہو تو یہ بھی سلجھا ہی دیتے ہیں۔ ایکچوئلی میں تمہیں اپنے بارے میں بہت کچھ بتانا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔۔'' کالی چرن نے ہاتھ میں پکڑے تیز دھار آلے کو واپس اپنی جگہ پر رکھتے ہوئے کہا تو ہری چند زینہ عبور کرتا ہوا اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

اس کی آنکھوں میں ابھی تک حیرت تھی۔ شاید وہ اس اچانک واقعہ کو دیکھ کر بوکھلا گیا تھا۔ کالی چرن نے فوراً اس کا ذہن پڑھنا چاہا لیکن یہ دیکھ کر اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے کہ ہری چند کا دماغ بالکل کورے کاغذ کی مانند صاف تھا۔ اس کی کیفیت سے اضطرابیت عیاں تھی لیکن اس کے ذہن میں کوئی سوال نہ تھا۔ کالی چرن نے سوالیہ آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔ اسے ہری چند میں تھوڑی بہت تبدیلی کے آثار نمایاں ہوتے دکھائی دیے۔ لیکن اس نے اپنا وہم سمجھ کر سر کو جھٹکا۔

''تم اتنے پریشان کیوں کھڑے ہو ہری چند؟''

کالی چرن نے ہری چند کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کرتے ہوئے پوچھا جواباً ہری چند زیرلب مسکرایا اور بولا:

''میں اس لیے پریشان ہوں کالی چرن کہ آج تم ہری چند کے دماغ کو نہیں پڑھ پائے جانتے ہو کیوں؟ کیونکہ ہری چند کے شریر میں آج اس کا دماغ ہے ہی نہیں۔''

کالی چرن حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہری چند کو تکنے لگا اسے اپنی قوت سماعت پر وشواس نہیں ہو پا رہا تھا۔ زبان تو ہری چند کی ہی ہل رہی تھی لیکن بول کوئی اور رہا تھا۔ کالی چرن کی بولتی بند ہو چکی تھی۔ کالی چرن منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگا اور پھر اس نے ہری چند کی طرف پھونک ماری لیکن یہ دیکھ کر اس کے حواس باختہ ہو گئے کہ ہری چند کے شریر پر قابض اس کے مدمقابل پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے کئی منتر پڑھ کر پھونکے لیکن وہ اپنے مدمقابل کا بال تک بیکا نہ کر پایا۔ اس نے تہہ خانے سے چھپت ہونا چاہا لیکن بے سود۔

کالی چرن گناہ تادیر قائم و دائم نہیں رہ سکتا۔ تم نے دنیا میں ہی اپنے لیے نرک میں جگہ بنالی ہے۔ تمہارا کوئی بھی جادو ٹونہ میرا بال تک بیکا نہیں کر پائے گا۔ تمہاری برسوں کی محنت پر پانی پھر گیا ہے کالی چرن۔ میں نے جس وقت اس نوجوان کو دیکھا تھا اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔ اور پھر اسی کھوہ میں لگ گیا اور بجھ پہ سب کچھ طشت از بام ہو گیا کہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔ تم نے اپنی زندگی میں نجانے کتنے ہی بے گناہوں کو ابدی نیند سلا دیا ہے کالی چرن۔ اب تمہارا وقتِ اجل آ گیا ہے کالی چرن۔۔۔۔۔۔ مدمقابل کے الفاظ اس کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح داخل ہو رہے تھے۔

''تم میری شکتیوں سے آشنا نہیں ہو میں تمہیں تہس نہس کر کے رکھ دوں گا۔۔۔۔۔۔'' کالی چرن تقریباً چلاتے ہوئے بولا اور تیز دھار آلے کو اٹھا کر جیسے ہی بے ہوش پڑی لڑکی کو ہمیشہ چڑھانے کے لیے بڑھا اگلا منظر دیکھ کر اس کے قدموں تلے زمین سرک گئی۔

ابھی چند ثانیے قبل جس دوشیزہ کو اس نے اچھی طرح سے رسیوں میں جکڑ کے باندھا تھا اب وہاں سوائے رسیوں کے کچھ نہ تھا۔ کالی چرن کو چکمہ دیا جا چکا تھا۔ اس نے محسوس کیا جیسے تہہ خانے میں ارتعاش پیدا ہونے لگا تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت و خوف سے پھیل گئیں۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی عبرت ناک موت ناچنے لگی۔

''افسوس کالی چرن! تم سرابوں کے پیچھے دوڑتے دوڑتے اپنے آپ کو تباہ کر بیٹھے ہو۔ اب تم اسی تہہ خانے میں مقید ہو چکے ہو۔ تم اور تمہاری کالی شکتیاں سب کچھ اسی تہہ خانے میں دفن ہو جائیں گی۔ تھوڑی ہی دیر میں تم ماضی کی ایک یاد بن جاؤ گے اور تمہارا دنیا سے نام و نشان تک مٹ جائے گا۔۔۔۔۔۔'' اتنا کہہ کر اس کا مدمقابل گدھے کے سر سے سینگوں کے جیسے غائب

www.pdfbooksfree.pk

ہوگیا۔

کالی چرن نے اپنے منتر پڑھنے چاہے لیکن وہ یہ دیکھ کر گنگ رہ گیا کہ اس کی زبان نے ہلنا تک چھوڑ دیا۔اس کا دماغ بھی کام کرنے سے فارغ ہو چکا تھا۔اسے کوئی منتر یاد نہیں آرہا تھا۔اس نے بھاگ کر تہہ خانے سے باہر نکلنا چاہا لیکن ابھی اس نے قدم اٹھایا ہی تھا کہ اگلا منظر دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی۔زینہ گراؤنڈ فلور سے علیحدہ ہو کر تہہ خانے کی زمین پر آگرا دوسرے ہی لمحے کالی چرن کی آخری چیخ تہہ خانے کی دیواروں سے ٹکرا کر تہہ خانے میں دفن ہو چکی تھی۔کالی چرن کا محل نما بنگلہ زمین بوس ہو چکا تھا۔اور کالی چرن اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

راج ملہوترا اور شانتری نے ہری چند کو موت کے گھاٹ نہیں اتارا تھا بلکہ اس کی آتما کو اس کے شریر سے الگ کر دیا تھا۔اپنے کام کو پورا کرنے کے بعد اس کی آتما کو اس کے شریر میں واپس لوٹا دیا گیا۔اس وقت ہری چند ان کے سامنے بے ہوش پڑا تھا۔اگر وہ ہوش میں ہوتا اور سب کچھ نیست و نابود ہوتا دیکھ لیتا تو اس کا دماغ ضرور چل جاتا۔پھر راج ملہوترا نے کوئی منتر پڑھ کر اس پر پھونک ماری تو اس نے آنکھیں کھولیں اور اپنے سامنے راج ملہوترا اور شانتری کو دیکھ کر وہ حیران و ششدر رہ گیا۔

میں کہاں ہوں۔۔۔۔؟اس نے ہوش میں آتے کے ساتھ ہی کہا

''تم ہمارے پاس ہو ہری چند۔تمہارہ محسن کالی چرن ابدی نیند سو چکا ہے۔پہلے تو ہمارا ارادہ تھا کہ تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیں لیکن اتنی آسان موت کے تم قابل نہیں ہو تمہاری موت ایک عبرت ناک موت ہوگی۔ہم تمہیں ممبئی شہر کے بیچ چوراہے پر ایسی حالت میں پھینکیں گے کہ لوگ تمہاری حالت پر ترس کھائیں گے۔وہیں ہری چند جس کا نام امراء ورؤسا کی لسٹ میں سرفہرست آتا تھا اب بھکاریوں کی لسٹ میں سرفہرست آئے گا۔۔۔۔۔'' راج ملہوترا نے غصے سے دھاڑتے ہوئے کہا تو ہری چند کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''بھگوان کے لیے مجھ پر رحم کھاؤ میرا کوئی دوش نہیں ہے میں نردوش ہوں۔۔۔۔۔'' ہری چند رحم طلب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''خاموش ذلیل انسان تو دوشی ہے نردوش تو وہ لوگ تھے جنہیں تیری وجہ سے ابدی نیند سونا پڑا۔کتنی ہی بے گناہ دوشیزاؤں کو تو نے اس خبیث انسان کے ہاتھوں بھینٹ چڑھوایا۔ابھی تک تو خود کو نردوش مانتا ہے۔۔۔۔۔'' راج ملہوترا بدستور غصے سے دھاڑتے ہوئے بولا۔

''میں مانتا ہوں مجھ سے غلطی ہوگئی تھی بھگوان کے لیے مجھ پر رحم کھاؤ۔۔۔۔۔'' ہری چند دھواں دھار روتے ہوئے بولا۔

''تجھ پر رحم ہی تو کھایا ہے وگرنہ کب کا تجھے بھی جہنم واصل کر چکے ہوتے اب اپنے انجام کے لیے تیار ہو جا۔۔۔۔۔'' راج ملہوترا غصے سے دھاڑا اور دوسرے ہی لمحے کمرہ ہری چند کی چیخوں سے گونج اٹھا۔

☆.....☆.....☆

کتنی ہی بے گناہ دوشیزاؤں کو میں نے اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھایا تھا۔پیسے کی ہوس میں میں یہ بھول ہی گیا تھا کہ وہ ظالم ان دوشیزاؤں کے ساتھ نجانے کیا کرتا ہوگا مجھے تو بس غرض تھی پیسے سے جو مجھے اس کام کے عوض اتنا مل جاتا تھا کہ میں نے سپنوں میں بھی نہ سوچا تھا۔۔میں نے اپنی آخرت کو اپنے ہی ہاتھوں نرک بنا ڈالا ہے۔دور افق پر مجھے ایک پرندہ دکھائی دے رہا ہے جو بڑی سرعت سے میری طرف بڑھ رہا ہے۔یوں لگ رہا ہے کہ جیسے وہ اپنی لمبی اور تیز نوکدار چونچ سے میرے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔مجھے تہس نہس کر کے رکھ دے گا۔میرا نام و نشان اس دنیا سے مٹا ڈالے گا۔کسی کو میری موت کی خبر بھی نہیں ہوگی اور وہ مجھے ہڑپ کر جائے گا۔

www.pdfbooksfree.pk

اوہ بھگوان اب تو اور بھی بھیانک منظر میری آنکھوں کے سامنے عیاں ہو رہا ہے۔ آسمان کی وسعتوں میں بڑے بڑے گدھ اڑتے ہوئے مجھے دکھائی دے رہے ہیں۔ میری موت کتنی بھیانک موت ہوگی۔ یہ سوچ سوچ کر ہی میں تو سر سے پاؤں تک پسینے میں شرابور ہوئے جا رہا ہوں۔ اور یہ مشرق کی طرف سے چڑھتی لال آندھی کسی انہونی کا واضح بتا رہی ہے۔ کتنی سرعت سے یہ لال آندھی پورے آسمان کو اپنی آغوش میں بھر رہی ہے۔ یہ ہو کیا رہا ہے؟ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ لال آندھی پورے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے اور اب میں ایک اور بھیانک منظر دیکھ رہا ہوں۔

بھیانک چہرے والے درجنوں انسان نما پرندے جن کے بڑے بڑے پر ہیں۔ اور ان پروں کی پھڑپھڑاہٹ میری قوت سماعت تک سنائی دے رہی ہے۔ ان کے چہرے مسخ شدہ ہیں۔ لیکن ہیں انسانوں کے جیسے۔ باقی جسم پرندوں کی مانند ہیں لیکن اتنے بڑے پرندے تو میں نے زندگی میں نہ دیکھے تھے۔ یہ کیا ان بھیانک چہروں والے پرندوں کے خدوخال یکبارگی تبدیل ہونے لگ گئے ہیں۔ یہ سب تو وہ ہیں جن کو میں نے اپنے ہاتھوں سے کالی چرن کے سپرد کیا تھا۔ مطلب یہ سب مل کر آج میری تکہ بوٹی کرنے کے موڈ میں ہیں۔ میں کوئی جن بھوت، جادوگر یا کوئی ایسا انسان تو ہوں نہیں جس کے قبضے میں کچھ شکتیاں ہوں اور اور وہ ان شکتیوں کے بل بوتے پر اس عفریت سے نجات حاصل کر سکے۔ میں تو ایک عام انسان ہوں بس میرے کام ایسے تھے کہ میں نے کئی چراغوں کو اپنے ہاتھوں سے گل کر دیا تھا۔''

مقصود احمد کے ہاتھوں سے ڈائری گرتے گرتے بچی۔ اس کا حلق سوکھ چکا تھا۔ اس نے فوراً سے بھی پیشتر ٹیبل کے ساتھ لگی ڈور بیل پر ہاتھ رکھا تو ملازم تقریباً دوڑتا ہوا اندر داخل ہوا۔

''یس سر۔۔۔۔۔'' ملازم نے اندر داخل ہوتے ہی پوچھا۔

''ایک گلاس ٹھنڈے پانی کا لاؤ جلدی۔۔۔'' مقصود احمد نے ڈائری کو ڈسٹ بن میں پھینکتے ہوئے کہا تو ملازم واپس ہٹا اور پھر پانی کا گلاس بھر کر لایا جسے ایک ہی سانس میں مقصود احمد حلق سے نیچے اتار گیا۔

یہ جو ڈسٹ بن میں ڈائری پڑی ہے اسے اٹھا کر گندے نالے میں پھینک آؤ ابھی جاؤ۔۔۔۔۔'' مقصود احمد نے ڈائری کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا تو ملازم نے آگے بڑھ کر ڈائری اٹھالی اور باہر نکل گیا۔ مقصود احمد کو بائیک اسٹارٹ کرنے کی بازگشت سنائی دی۔

''تیری تکہ بوٹی کریں یا جو بھی جیسا تو نے کیا ہے اس کا ثمر تو تجھے ملنا ہی چاہیے۔ تو ہے ہی اسی قابل تجھے تو ایسی موت ملنی چاہیے کہ تیری روح بھی کانپ اٹھے۔۔۔۔۔'' مقصود احمد منہ ہی منہ میں بڑبڑائے جا رہا تھا۔ پھر اس نے موبائل فون اٹھایا اور حنا کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ دوسری طرف سے فوراً کال اٹھالی گئی۔

''ہیلو۔۔۔۔۔'' دوسری طرف سے حنا رحمٰن کی آواز سنائی دی۔

''جانو میں گھر جا رہا ہوں تم ایسا کرو ابھی گھر والوں کو بھیج دو بلکہ ایسا کرو گھر والوں کے ساتھ تم خود بھی آ جاؤ۔۔۔۔۔'' مقصود احمد نے ٹیبل ویٹ گھماتے ہوئے کہا۔

''تم مقصود احمد ہی ہو ناں۔۔۔۔۔؟'' حنا نے بے یقینی کے عالم میں پوچھا۔

''اینی ڈاؤٹ۔۔۔۔۔؟'' مقصود احمد نے استفسار کیا۔

''ڈاؤٹ ہی ڈاؤٹ ہیں۔۔۔۔۔'' حنا گویا ہوئی۔ جواباً مقصود احمد کا قہقہہ فضا میں بلند ہوا۔ پھر دونوں کے درمیان پیار و محبت کی باتیں ہونے لگیں۔

www.pdfbooksfree.pk

انوکھی دوستی

ساجدہ راجہ۔ ہندواں سرگودھا

جنگل کی ایک خاص حدود میں نوجوان کے جاتے ہی ہزاروں اور لاکھوں سانپ نہ جانے کہاں سے آئے اور اپنی اپنی جگہ جھومنے لگے، یہ دیکھ کر نوجوان کی آنکھوں میں بجلیاں سی کوندیں اور سارے سانپوں نے اپنا وجود کھودیا۔

ایک ماورائی مخلوق کا حیرت میں ڈالتا شاخسانہ جو کہ پڑھنے والوں کو ورطہ حیرت میں ڈالے گا

وہ بہت خوب صورت نوجوان تھا بالکل نوعمر اور وجیہہ اتنا کہ اسے دیکھتے رہنے کو دل کرتا تھا، لڑکیاں تو لڑکیاں، ہم لڑکے بھی اسے دیکھ کر مبہوت رہ جاتے۔

وہ نہ جانے کہاں سے آیا تھا لیکن اب ہمارے قصبے میں اس نے رہائش اختیار کر رکھی تھی۔ جنگل کے بالکل سرے پر ہمارا قصبہ تھا بہت خوب صورت لیکن خطرناک بھی۔ خاص کر سانپ کے کاٹنے کے واقعات بہت ہوتے تھے، جنگل چونکہ قریب تھا اس لئے سانپ بھی کثیر تعداد میں پائے جاتے تھے۔ کچھ زہریلے اور کچھ بہت زہریلے۔

حیرت انگیز بات یہ تھی کہ جب سے وہ ہمارے گاؤں میں آیا تھا۔ سانپ کے کاٹنے کے واقعات ختم ہو گئے تھے اور سب نے شکر کا کلمہ پڑھا تھا کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں تھی کہ ایسا اس نوجوان کی وجہ سے ہوا

www.pdfbooksfree.pk

ہے اس کا اندازہ صرف میں نے لگایا تھا اور کسی سے ذکر بھی نہیں کیا۔

نام اس کا شیرو تھا صرف قصبے والوں کے لئے، لیکن اس کا اصل نام صرف مجھے پتہ تھا جو اس نے ایک بار باتوں باتوں میں مجھے بتایا تھا لیکن میں اسے صرف شیرو ہی کہتا تھا۔ اس کی بہت سی باتیں صرف مجھے پتہ تھیں کیونکہ پورے قصبے میں، میں واحد اس کا دوست تھا اور میرا نام بھی واحد ہی ہے۔ ہے نا دلچسپ بات.....؟

یہ نہیں تھا کہ وہ کسی سے بات نہیں کرتا تھا یا مغرور تھا بلکہ وہ بہت دلچسپ اور عمدہ حس مزاح رکھنے والا نوجوان تھا اور خوش قسمتی سے میں بھی انہی صفات کا مالک اور اس نے نہ جانے کیسے پہلی ہی نظر میں میرے بارے میں ہر اندازہ لگایا تھا اور خود ہی میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔

وہ میرا اتنا اچھا دوست ثابت ہوا کہ ہر کوئی ہماری دوستی پر رشک کرتا۔ لڑکوں کی رشک بھری نظریں کبھی کبھار مجھے مغرور کر دیتیں۔ اس نے کبھی کسی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا جبکہ لڑکیاں اس کی نظر کرم کی منتظر رہا کرتیں۔ اس کی طرف سے کوئی پیش قدمی نہ پا کر اس کا نام سب لڑکیوں نے باضابطہ طور پر سڑیل رکھ دیا تھا.....!!

ہم ایسی باتوں پر بہت ہنسا کرتے، اس کی ہنسی بہت خوب صورت لیکن پراسرار سی تھی اس کی آنکھیں اتنی خوب صورت تھیں کہ دنیا میں کیا ہی کسی کی ہوں گی، میں دیر تک کبھی اس کی آنکھوں میں دیکھ نہ پایا..... میری اس کیفیت کو وہ بہت انجوائے کرتا۔

''یار کیا لڑکیوں جیسی عادتیں پائی ہیں تم نے۔'' وہ میرا مذاق اڑاتا۔

''تو تمہاری آنکھیں اتنی خوب صورت کیوں ہیں اس میں میرا کیا قصور۔'' میں جواب دیتا۔

وہ مسکراتی دلکش آنکھوں سے مجھے یک ٹک تکتا اور میں جھینپ جاتا۔

''شیرو یار تم نے کبھی اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟'' میں نے سوال کیا۔

''تم نے جان کر کیا کرنا ہے واحد.....؟''

''جواب کے بجائے پھر سوال کچھ نہیں، رہنے دو۔'' میں اکتا جاتا۔

تھوڑی دیر خاموشی کے بعد وہ بولتا۔ ''کیا ناراض ہو۔''

''نہیں..... کوئی اور بات کرو۔''

وہ گہری نظروں سے میری طرف دیکھتا اور ہلکا سا مسکرا کر کوئی اور بات چھیڑ دیتا اور جو بات وہ کرتا نہ اس کا کوئی سر ہوتا نہ پیر اور میں اسے خاموش کروا کر خود بولنے لگ جاتا جسے وہ نہایت شوق سے سنتا۔ کبھی کبھی مجھے لگتا کہ جیسے وہ جان بوجھ کر اونگیاں بونگیاں مارتا ہے تاکہ مجھے بولنے پر اکسا سکے اور وہ اس میں خاصی حد تک کامیاب بھی رہتا۔ میں شروع سے بولنے کا شوقین اور جب اتنا اچھا سامع مل جائے تو باتیں کرنے کا اپنا ہی مزہ ہوتا ہے۔

ہم ایک جگہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ ہمیں رحیم آتا دکھائی دیا اس کا گلہ مرغیوں کا ذریعہ تھا۔ اتنی مرغیاں..... ہم دیکھ کر حیران ہوئے اور اس وقت بھی اس کی بغل میں ایک مرغی دبی تھی۔

''کیا ہوا بھائی رحیم.....؟'' میں نے اس کی اتری شکل دیکھ کر پوچھا۔

''یار واحد یہ مرغی بیمار ہے ٹھیک ہی نہیں ہو رہی ہے۔''

''بھائی رحیم آپ تو جانتے ہیں مجھے اس بارے میں کچھ نہیں پتہ۔ اب میں کیا کروں۔'' وہ مایوسی سے بولا۔

''چھری تیز کرو بھائی..... اور کیا..... یہ تو بچنے والی نہیں۔''

میری بات پر شیرو جو ہنسنا شروع ہوا تو بڑی مشکل سے چپ ہوا۔

رحیم کی شکل دیکھنے والی تھی مجھے اس پر بڑا ترس آیا کیونکہ اسے اپنی مرغیاں بہت پیاری تھیں۔

www.pdfbooksfree.pk

''یہ لورانی کھیت کی گولیاں..... آٹے میں ڈال کر کھلا ڈ ٹھیک ہو جائے گی۔'' شیرو نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور چند گولیاں نکال کر رحیم کی طرف بڑھائیں..... اس نے جلدی سے پکڑلیں..... وہ مرغیاں رکھنے کا شوقین تھا لیکن ان کے علاج کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ جو بیمار ہوئی اسے پکڑ کر ذبح کر دیا اور سالن بنا کر کھالیا..... مفت کی انجوائمنٹ! لیکن ذبح کرنے سے پہلے تک رحیم دکھی رہتا پھر نارمل ہو جاتا..... سالن کھا کر تو اور بھی تازم دم.....

رحیم گولیاں لے کر چلا گیا اور میں نے سوالیہ نظروں سے شیرو کی طرف دیکھا۔

''تمہارے پاس یہ گولیاں کہاں سے آئیں.....!'' وہ گڑبڑا گیا پھر مسکرا کر بولا۔

''تم نے پوچھ کر کیا کرنا ہے۔''

''ہمیشہ والا سوال بجائے جواب کے.....!''

میں نے خون خوار نظروں سے اسے دیکھا۔

''اے.....'' اس نے میرا کندھا ہلایا۔

''نہیں ہوں میں ناراض.....'' میں نے اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی سیز فائر کر دیا..... وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

''بڑے ہو تم.....!''

''اور تم کون ہو.....!''

پھر زور سے قہقہہ..... جس میں میری ہنسی کی آواز بھی شامل ہو گئی۔ ''یار یہ بسائیوں کا کتا بڑا ڈراؤنا ہے بالکل شیر جیسی جسامت، یقین مانو اگر کبھی وہ کھلا پھر رہا ہو تو میں گھر سے بھی نہیں نکلتا۔ ویسے تو وہ کچھ نہیں کہتا لیکن کوئی اسے چھیڑے تو اس بندے کی خیر نہیں ہوتی کیا کبھی تمہارا اس سے سامنا ہوا.....؟''

''ہاں بہت بار..... لیکن وہ مجھے کچھ نہیں کہتا۔'' شیرو کے جواب پر میں نے اسے حیرت سے دیکھا پھر میری ہنسی چھوٹ گئی۔

''بہادری کا رعب مجھ پر جمار ہے ہو..... جیسے میں تمہیں جانتا ہی نہیں۔''

''ہاں..... تو تم کیا جانتے ہو میرے بارے میں۔'' شیرو نے مسکرا کر مجھ سے پوچھا۔

''تم نے کبھی بتایا ہی نہیں.....'' میں بولا۔

''تم نے کیا کرنا ہے جان کر.....؟''

''اوہ..... ہمیشہ والا سوال جمع جواب.....!''

''تو پھر اس موضوع کو چھیڑتے کیوں ہو.....'' میری آواز خفگی سے بھرپور تھی۔

''تمہارا یہ بھولا بھنہ دیکھنے کے لئے۔''

وہ محبت پاش نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ میں کچھ نہ بولا۔

''اے.....'' اس نے کہنی مجھے ماری۔

''کیا ہے؟'' میں نرد ٹھے پن سے بولا۔

''ناراض ہو.....؟'' حسب توقع سوال۔

''نہیں.....!'' حسب توقع جواب۔

اور پھر ہماری زوردار ہنسی آس پاس گونجنے لگی.....!

ہم تقریباً سارا وقت اکٹھے ہوتے تھے لیکن رات میں نہ وہ کبھی میرے پاس رکا نہ اس نے کبھی مجھے اپنے پاس آنے کی دعوت دی۔ میں نے بھی کبھی اصرار نہیں کیا۔ اس نے کبھی میرے گھر سے کھانا نہیں کھایا ہاں..... دودھ کا وہ بہت شوقین تھا..... ہماری بھینس کا خالص میٹھا دودھ وہ بہت شوق سے پیتا تھا۔

شانو میری بہن مجھ سے بہت محبت کرتی تھی میرا ہر طرح کا خیال رکھتی تھی۔ شیرو جب سے میرا دوست بنا تھا وہ اس کا بھی یونہی خیال رکھنے لگی۔ شانو کی وجہ سے وہ بہت کم ہمارے گھر آتا تھا اور مجھے اس کی یہ عادت بہت اچھی لگتی تھی۔ اس کے شب و روز میرے سامنے تھے۔ اس کے کردار کا میں گواہ تھا اس لئے گھر آنے پر بھی کبھی اتنا اصرار نہیں کیا۔ بس کبھی کبھار ہی وہ میرے گھر آتا تو خاموش بیٹھا رہتا اور پھر کچھ عرصہ بعد اس نے بالکل ہی آنا چھوڑ دیا..... نہ جانے کیوں.....؟ اور میرے بے حد اصرار پر بھی وہ نہ آتا.....

اس کی وجہ بہت عرصے بعد مجھے پتہ چلی.....!!

☆.....☆.....☆

www.pdfbooksfree.pk

''یار کیا لسوڑے جیسا منہ بنایا ہوا ہے تم نے..... کیا ہوا.....؟'' شیرو نے میرا لٹکا ہوا منہ دیکھا تو بولا۔

''کچھ نہیں بس بوریت ہو رہی ہے۔''

میرا منہ ہنوز لٹکا ہوا تھا۔

''چلو کچھ سوچتے ہیں۔'' اس نے سوچنے کی اداکاری کی۔

''جنگل چلیں..... بہت اندر تک..... جہاں تم آج تک نہیں گئے..... بلکہ بہت کم لوگ گئے ہوں۔'' اور میرا چہرہ جوش سے تمتمانے لگا۔

''بالکل ٹھیک..... چلو۔''

میں نے اس کا ہاتھ پکڑا جو اس نے میری طرف بڑھایا تھا اور پھر دوپہر تک ہم جنگل میں کافی آگے آ گئے۔

جنگل کافی گھنا تھا، دھوپ زمین تک پہنچنے کی کوشش میں ناکام ہو کر ہانپ رہی تھی۔

اور میں اپنی زندگی میں پہلی بار جنگل کے اس حصے میں آیا تھا، ابھی ہم آگے بڑھنے جا رہے تھے چونکہ ہماری منزل تو تھی کوئی نہیں اس لئے ہم سستے کا تین کئے بغیر آگے بڑھتے رہے۔

مجھے تھکن تو ہو رہی تھی لیکن جنگل دیکھنے کا جنون اس تھکن پر حاوی تھا۔ لیکن مجھے فکر واپس گھر جانے کی تھی۔

سہ پہر ڈھلنے کو تھی اور اگر ہم اب واپس پلٹتے تو رات تک بمشکل گھر پہنچ پاتے اور اس کا ذکر میں نے شیرو سے بھی کیا۔

''تو کس نے کہا کہ ہم آج واپس گھر جائیں گے.....؟'' شیرو کے سوال پر میں نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

''یار آج رات ہم اسی جنگل میں گزاریں گے جنگل کی راتوں کا مزہ بھی لگے ہاتھ لے لو ذرا۔'' شیرو کی بات پر میں نے لرز کر اسے دیکھا۔

''تیرا دماغ ٹھکانے پر تو ہے.....؟'' میں نے کہا۔

میں نے خفگی سے اسے گھورا۔ ''میرا بھری جوانی میں مرنے کا کوئی ارادہ نہیں اس خطرناک جنگل میں رات گزار کر..... مجھے معاف ہی رکھو اور واپس چلو.....!''

''نہیں واحد آج میں تجھے ایک بہت اچھی جگہ پر لے کر جاؤں گا جو تم نے اس سے پہلے نہیں دیکھی ہوگی..... بس کچھ دیر کے بعد ہم اس علاقے میں پہنچ جائیں گے۔''

اس کی بات پر مجھے اطمینان ہوا کہ چلو اس خطرناک جنگل کے بجائے ہم کسی آبادی میں رات گزاریں گے ورنہ تو اس جنگل میں رات گزارنے کا سوچ کر ہی میرا خون خشک ہونے لگا تھا۔

شام کے قریب ہی ہم اک عجیب وغریب علاقے میں پہنچ گئے، علاقہ تو بہت خوب صورت تھا لیکن مجھے نہ جانے کیوں انسانی دنیا جیسا نہ لگا..... اور پھر جیسے ہی ہم اس علاقے میں داخل ہوئے ہزاروں کی تعداد میں سانپوں نے سر اٹھایا۔ وہ نہ جانے کہاں موجود تھے اچانک ہی ظاہر ہوئے تھے۔

میں لرز گیا جبکہ شیرو بالکل نارمل تھا۔

''چلو یار واپس چلتے ہیں۔ اوہ خدایا اتنے سانپ۔'' میرا لہجہ خوف سے بھرپور تھا۔

''لو..... سانپ غائب ہوئے۔'' شیرو نے اسی نارمل لہجے میں جواب دیا تو میں چونک کر آس پاس دیکھنے لگا۔ واقعی اب وہاں ایک بھی سانپ موجود نہیں تھا۔

''یہ اچانک کہاں چلے گئے سب.....؟'' میرے حیرت بھرے لہجے پر شیرو نے کوئی توجہ نہ دی۔

''چلو آگے.....'' شیرو نے میرا بازو پکڑا۔

''نہیں..... اتنے سانپوں کے درمیان خود کو موت کے منہ میں ڈالنے کا مجھے کوئی شوق نہیں..... میں نہیں جاؤں گا۔''

میری بات پر اس نے کوئی توجہ نہ دی۔

''میرا دوست ہو کر بزدلوں جیسی باتیں.....'' وہ بولا۔

www.pdfbooksfree.pk

''یہ بزدلی نہیں بلکہ میں بیوقوف پکارا جاؤں گا اگر میں جان بوجھ کر ان سانپوں کے بیچ گیا تو..... کون خود کو جان بوجھ کر موت کے منہ میں ڈالتا ہے.....؟''

''او بیوقوف چل، کچھ نہیں ہوگا میں ہوں نا تیرے ساتھ.....؟'' وہ مسکرا کر بولا۔ تو میں اس کی بات پر بڑبڑا کر رہ گیا۔

''یہی تو مسئلہ ہے کہ تو ں ہے ورنہ میں بھلا یہاں کیوں آتا.....!''

''کچھ کہا مجھ سے.....؟'' وہ چونک کر بولا۔

''نہیں.....'' میں جل کر بولا وہ ہنس دیا۔ کیونکہ وہ میری بات سن چکا تھا اور حیرت کی بات تھی کہ وہ میرے بارے میں سارا کچھ جانتا میرے دماغ اور دل کی بات اسے معلوم ہو جاتی۔ میں آہستہ سے کوئی بات کرتا کہ مجھے بھی بمشکل سنائی دیتی لیکن اسے معلوم ہو جاتی تھی کبھی کبھی تو میں غصے سے اس پر گرجنے برسنے لگتا لیکن وہ دھیمی سی مسکان لئے مجھے دیکھتا جاتا اور میں اس پر کچھ اثر نہ ہوتے دیکھ کر اکتا کر خاموش ہو جاتا۔

وہ مجھے لے کر آگے بڑھ گیا۔ میں خوف اور احتیاط سے آس پاس دیکھتا اس کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔

''واحد ڈر کیوں رہے ہو..... کچھ بھی نہیں ہوگا آرام سے پرسکون ہو کے چلو.....'' وہ بولا۔

ارد گرد کی جھاڑیوں، بلوں سے جھانکتے سانپ میرے روئنگٹے کھڑے کر رہے تھے شیرو بالکل خوفزدہ نہیں تھا۔

''اتنے سانپوں کے درمیان، میں کیسے پرسکون رہ سکتا ہوں۔ تو کس مٹی سے بنا ہوا ہے مجھے ڈر نہیں لگ رہا۔''

میری اس بات پر وہ یوں ہنسا۔ جیسے میں نے کوئی لطیفہ سنا دیا ہو۔

''اب خاموش ہو کر چلو.....'' اور میں خاموش ہو کر چلنے لگا۔ اس نے کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا۔

''کیا..... ناراض ہو.....؟''

''نہیں ہوں ناراض.....'' میں نے اکتا کر جواب دیا اور پھر ہم زور سے ہنس پڑے۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا۔

خطرہ

بیٹے کی درخواست پر باپ نے اسے ''خود حفاظتی'' کے سارے گر سکھا دیئے۔ کے بازی کے ہفتے بھر کی مشق کے بعد باپ نے بیٹے سے کہا۔

''اب تم اسکول میں کسی لڑکے سے دب کر نہیں رہو گے۔''

''ابا جان! مجھے لڑکوں سے ڈر لگتا ہی کب ہے، دراصل مجھے تو ماسٹر جی کی طرف سے خطرہ تھا۔''

(یاسمین۔ کراچی)

''وہ خدایا..... اتنے غار..... یہ کہاں سے آ گئے۔ میں نے پہاڑوں میں اتنے غار کبھی نہیں دیکھے تھے۔ جنگل کے درمیان ہی وہ پہاڑی علاقہ تھا اور ان پہاڑوں میں غاروں کی بھرمار تھی۔ نہ جانے ان میں کس کی رہائش تھی۔ یہ افریقہ تو تھا نہیں کہ جنگلی قبائل وہاں موجود ہوتے۔''

''یہاں کون رہتا ہے؟''

وہ خاموش رہا۔

''یار اتنے غار کہاں سے آ گئے۔''

''تم اپنے بے تکے سوالات سے باز نہیں رہ سکتے.....'' وہ اکتا گیا۔

''اور تم جواب نہیں دے سکتے۔'' میں بھی اکتا گیا۔

''کوئی کام کا سوال ہو تب جواب دوں نا.....؟''

''لو جی..... گل ای ختم.....'' میں نے ہاتھ جھاڑے۔ میرے اتنے اہم سوال اس کے لئے غیر اہم تھے تو میں جواب کی کیا امید رکھتا۔

ہم غاروں کے قریب پہنچ چکے تھے اور غاروں میں روشنی ہو رہی تھی ہم اندر داخل ہوئے، مجھے کوئی چراغ جلتا ہوا نظر نہ آیا۔

''یہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے.....؟'' میرا اہم

www.pdfbooksfree.pk

لیکن شیرو کے لئے غیر اہم سوال جواب نہ ملا تو میں منہ بنا کر خاموش ہو گیا۔

پھر وہ مجھے غار در غار اندر لے گیا اور میری آنکھیں حیرت کی شدت سے پھٹنے کے قریب ہو گئیں۔

ہر غار میں ایک بڑا سفید گولا سا موجود تھا اور وہ روشنی اسی میں سے پھوٹ رہی تھی، یہ منکا تو سانپ کا ہوتا ہے اور بہت نایاب بھی..... پھر یہ کہاں سے اتنی تعداد میں آ گئے۔'' میں نے صرف دل میں سوچا، سوال نہ کیا کیونکہ مجھے پتہ تھا کوئی جواب نہیں ملے گا۔

''یہ منکے ان غاروں میں رہنے والوں کی ملکیت ہیں۔'' شیرو کی آواز پر میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ایک تو عجیب بندہ ہے۔ منہ سے سوال کروں تو جواب نہیں دیتا اور دل میں سوچوں تو فٹ جواب حاضر..... میں نے شیرو سے سوال جاری رکھا۔''ان غاروں میں کون رہتا ہے.....؟'' جواب گول..... میرا سر پیٹ لینے کو دل چاہا۔

وہ بہت سے لوگ۔ تھے جو ایک بڑے سے غار میں موجود تھے۔ خوبصورتی میں بے مثال اور حیرت انگیز طور پر سارے ہی نوجوان..... ان میں لڑکیاں لڑکے سب موجود تھے۔ شیرو کے اندر داخل ہوتے ہی وہ سب احتراماً اٹھ کھڑے ہوئے۔ شیرو نے بھی سر جھکایا تو وہ سب واپس اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ فوراً دودھ لایا گیا اور دونوں کو پیش کیا گیا۔ ہم دونوں پینے لگ گئے۔ انتہائی لذیذ دودھ میں نے کبھی اپنی زندگی میں نہیں پیا تھا۔ کٹورا بالب دودھ سے بھرا تھا لیکن میں اسے غٹا غٹ چڑھا گیا۔

شیرو خاصے ادب کے دائرے میں تھا جبکہ میں نے اپنی سرشت جاری رکھی۔ دودھ کو آرام سے پینے کے آداب میں بھول گیا کیونکہ دودھ تھا ہی اتنے مزے دار۔ ''اور پیو گے.....؟'' شیرو نے میری حالت دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔ میں نے شرمندگی سے نفی میں گردن ہلا دی۔

برتن واپس کر دیئے گئے۔ وہ سب یک ٹک میری طرف دیکھ رہے تھے۔ مجھے کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ اتنے میں ایک نہایت حسین لڑکی اندر داخل ہوئی، سب لوگ جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

اس لڑکی نے غور سے میری طرف دیکھا۔ اور پھر شیرو کی طرف۔ ''چلو آج لے ہی آئے دوست کو؟'' شیرو نے اثبات میں سر ہلایا۔

''انسانوں میں بہت دل چسپی لینے لگے ہو۔''

''ہاں..... مجھے شروع سے ہی انسان پسند ہیں۔''

''اور خاص کر شانو..... ہے نا.....؟''

میں شانو کے نام پر چونک اٹھا، شیرو نے جلدی سے میری طرف دیکھا۔

''یہ شانو کا بھائی ہے، تم جانتی ہو۔'' شیرو غصے سے بولا۔

''ہاں مجھے معلوم ہے۔ غصہ مت کرو اسے بھی تو معلوم ہو کہ تم اس کی بہن سے کتنی محبت کرتے ہو۔''

میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

''بس کرو اب چپ ہو جاؤ۔''

''یہ لڑکا بہت خوب صورت ہے۔''

''اور تم بھی اس سے محبت کرتی ہو۔ یہ بھی تو بولو نا.....؟''

''ہاں کرتی ہوں۔ تمہاری طرح بزدل نہیں کہ کہنے میں ہچکچاؤں۔''

''کل ہماری شادی ہے۔''

''مجھے معلوم ہے۔''

''میں اس لئے ہمیشہ کے لئے یہاں آ گیا ہوں اب ایسی ویسی باتوں کو دہرانے کا فائدہ نہیں۔ ہمیں شادی تو ہر حال میں کرنی ہوگی۔''

''میں جانتی ہوں۔'' وہ تھوڑی سی اداس نظر آنے لگی اور شیرو بھی، میں حیران سا کھڑا ان کی باتوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ شیرو نے میری کیفیت کو بھانپ لیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آیا۔

''واحد میں تمہیں ساری بات بتاتا ہوں، تم توجہ سے سننا۔

''میرا تعلق انسانوں سے نہیں بلکہ سانپوں کے

www.pdfbooksfree.pk

قبیلے سے ہے مجھے نہ جانے کیوں انسان بہت اچھے لگتے ہیں۔ اس لئے میں انسانی روپ میں ادھر گیا میرے ساتھ وشالی بھی تھی۔ ہم دونوں نے تمہیں دیکھا اور پسند کرلیا۔ وشالی کو تم سے بہت محبت ہوگئی لیکن اسے یہاں رہنے کی اجازت نہیں تھی اور میں نے تم سے دوستی کرلی۔ تم جانتے ہو کہ سانپ اپنی مادہ کے ساتھ تیپیا کرے تو سو سال کی عمر ہونے کے بعد تو اسے بہت طاقتیں مل جاتی ہیں۔ سو سال کا ہونے کے بعد ہمیں ہر طرح کا روپ اختیار کرنے کی اجازت ہوتی ہے یہ سب لوگ جو تمہیں یہاں نظر آرہے ہیں سانپ ہیں جو سو سال کی عمر پوری کرچکے ہیں اور اب کل ہمارے طریقے کے مطابق شادی کے بعد اپنی مادہ کے ساتھ تیپیا میں مصروف ہوجائیں گے۔ ان سب میں وشالی اور میں نے سب سے پہلے سو سال پورے کئے تبھی یہ سب ہمارا بہت احترام کرتے ہیں ایک طرح سے سردار کہہ لو.....

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ تم سے دوستی کے بعد میں تمہارے گھر جانا شروع ہوا۔ تو میں نے شانو کو دیکھا اور پھر مجھے خود پر کچھ اختیار نہ رہا۔ لیکن جب میں انسان کے روپ میں ہوتا ہوں تو ہمارے جذبات بھی انسانوں جیسے ہوجاتے ہیں۔

مجھے معلوم تھا کہ تمہیں یہ سب اچھا نہیں لگے گا تم نے مجھ پر اعتبار کرتے ہوئے اپنے گھر کے دروازے مجھ پر کھولے تو میں کیوں تمہارے اعتبار کو توڑتا اس لئے میں نے تم لوگوں کے گھر جانا کم اور بعد میں بالکل چھوڑ دیا۔

دوسرا میں بالکل نہیں چاہتا تھا کہ شانو کے دل میں میرے لئے کچھ اور جذبات جاگیں۔

واحد تم کچھ بھی میرے بارے میں غلط نہ سوچنا۔ میں دل سے تمہارے ساتھ مخلص تھا اور ہوں۔ پہلے میں نے تمہیں اس لئے کچھ بھی نہیں بتایا کہ تم خوفزدہ نہ ہوجاؤ اور مجھ سے دور چلے جاؤ، مجھے انسان بہت اچھے لگتے ہیں لیکن مجھے بہت زیادہ اچھے لگتے ہو تم سب سے بڑھ کر اور میں تمہیں کچھ بھی بتا کر کھونا نہیں چاہتا تھا تبھی تمہارے ہر سوال کو ٹال دیتا تھا اور پھر تمہاری پیار بھری خفگی کو خوب انجوائے کرتا۔

وشالی تمہیں دیکھنے کو ترپتی رہتی لیکن اسے اتنا انسانی دنیا میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ بس ایک دو بار وہ ناگن کے روپ میں تمہیں دیکھ پائی اور آج تمہیں یہاں لایا بھی اس لئے ہوں کیونکہ یہ وشالی کی خواہش تھی وہ آخری بار تمہیں دیکھنا چاہتی تھی اس کے بعد یہ ناممکن تھا اور میں بھی تمہیں ایک بار اپنی یہ دنیا دکھانا چاہتا تھا۔ اب زندگی بھر ہمارا ملنا ناممکن ہے۔

واحد مجھے تم سے بے حد چاہت ہے اور تم سے بچھڑنا بہت تکلیف دہ ہے لیکن ہمارا یہ اصول ہے کہ جب ہم تیپیا میں مصروف ہوجاتے ہیں تو سو سال تک ہم ارد گرد بالکل بھول جاتے ہیں یعنی ہمیں بھولنا پڑتا ہے اگر ہم اس تیپیا کو ادھورا چھوڑیں تو ایک لمحے میں جل کر راکھ ہوجائیں اور ہماری روح دائمی عذاب میں آجاتی ہے۔ اس لئے میرے دوست آج ہم آخری بار مل رہے ہیں پھر ہم کبھی بھی نہیں مل پائیں گے۔''

شیرو کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے اور میں حیرانگی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ بچھڑنے کی بات پر تڑپ گیا لیکن اسے روکنا فضول تھا کیونکہ یہ ناممکن تھا اسی وقت وشالی بھی آگئی۔ اس کی بھی آنکھیں لبالب بھری ہوئی تھیں وہ حسرت بھری نگاہوں سے مجھے تک رہی تھی۔ میں نے دکھ سے اسے دیکھا۔ شیرو نے ایک منکا مجھے دیا اور ہمیشہ اپنے پاس رکھنے کی تاکید کی، میرے آنسو متواتر گر رہے تھے، میں واپس لوٹ آیا، ان کی حسرت بھری دکھی نظریں دور تک میرا پیچھا کرتی رہیں۔ میں پھوٹ پھوٹ کر رویا تھا۔

گاؤں والوں نے شیرو کو مردہ سمجھ لیا کیونکہ وہ جنگل سے میرے ساتھ واپس نہیں آیا تھا، میں نے کسی کو کچھ نہ بتایا، اس بات کو تیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن وہ دونوں آج بھی میرے دل میں ہیں۔ وشالی بھی، کیونکہ وہ بھی تو پہلی نظر میں میرے دل میں اتر گئی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

عشق ناگن

ایم الیاس

قسط نمبر: 21

چاہت خلوص اور محبت سے سرشار دلوں کی انمٹ داستان جو کہ پڑھنے والوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دے گی کہ دل کے ہاتھوں مجبور اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے بے شمار جان لیوا اور ناقابل فراموش مراحل سے گزرتے ہوئے بھی خوشی محسوس کرتے ہیں اور اپنے وجود کے مٹ جانے کی بھی پروا نہیں کرتے۔ یہ حقیقت کہانی میں پوشیدہ ہے۔

یہ دنیا رہے نہ رہے لیکن کہانی محبت کی زندہ رہے گی۔ انہی الفاظ کو احاطہ کرتی دلگداز کہانی

کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آ سکتا تھا۔ اس تیر نے اسے جیسے زخمی کر دیا۔

بہر حال جو کچھ بھی ہوا وہ اس قدر غیر متوقع اور اچانک ہوا کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آسمان کی رفعتوں کی طرف سر اٹھاتے ہوئے پہاڑ اور ان کی بے رحم کھائیاں پل بھر کے لئے موت کے نہیب سناٹے میں ڈوب گئیں پھر مختلف سمتوں سے تیز آوازوں کی ہول ناک بازگشت سرد رات کے اس سناٹے کا سینہ مجروح کرنے لگی۔

وادی میں رہنے والے شاید امرتا رانی کی چیخ سن کر ہواؤں کی پروا کئے بغیر اپنے بستروں سے باہر نکل پڑے تھے اور اب پکار پکار کر کسی جواب کی امید میں یہ دریافت کر رہے تھے کہ گرنے والی زندہ ہے ...؟ کون ہے.....؟ کس طرف گری ہے.....؟ لیکن بے سود...

ان کی آوازیں آپس میں اور چٹانوں سے ٹکراتی رہیں.....لیکن امرتا رانی کی آواز سنائی نہ دی۔

ان بے رحم پہاڑیوں میں رہنے والے رحم دل لوگوں کی لالٹین رات کی اتھاہ تاریکی میں روشن نقطوں کی طرح دھیمے دھیمے ادھر ادھر حرکت کرنے لگیں۔ کوئی جواب نہ پانے کے باوجود وہ کسی گمنام زخمی کی تلاش میں انسانی جذبے کے تحت نکل پڑے تھے۔ سرد ہواؤں کی کاٹ دار خوف ناک پہاڑوں، ڈھلانوں سے بے پروا ہو کر... ان کے لئے راستے کی کوئی سی بھی رکاوٹ، کوئی حقیقت نہیں تھی، وہ جیسے اپنے کسی عزیز کی تلاش میں ہوں۔

وہ اپنی جگہ کھوئی کھوئی نظروں سے تاریک فضاؤں میں نامعلوم نقطوں کو گھورتا رہا.....اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے... امرتا رانی کے گرتے ہی اس احساس نے گھیر لیا تھا کہ وہ اب اپنے مصائب کے ہجوم میں تنہا رہ گیا ہے اور بے یار و مددگار.....کسی معذور کی طرح.....

اب اس کے سامنے دو ہی راستے تھے... یا تو اس اندھیرے غار میں جا کر شب بسری کرتا یا کسی طرح پہاڑی باشندوں میں سے کسی ایک کے پاس پناہ حاصل کرتا.....لیکن انسپکٹر نے اسے بتایا تھا کہ وہ اس لئے کسی بھی پہاڑی باشندے کے ہاں جا کر پناہ نہیں لی اور اس غار میں روپوش ہوا کہ اس نے سنا اور یہ بات زد عام تھی کہ اس بستی کے باشندوں کی لڑکیاں، عورتیں، بیویاں اور بہنیں اجنبی مردوں کو مہمان بنانے کے بعد ان پر بڑی فیاضی سے اور ہر طرح سے مہربان ہو کر خوش کرتی ہیں۔

www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk

گھر کا کوئی مرد انہیں روکتا نہیں اور نہ ہی روک سکتا ہے۔ انہیں ہر بات کی آزادی اور اجازت دی جاتی ہے اس لئے کہ وہاں کی روایات اور نظریات، رسم ورواج میں یہ بات شامل ہے۔ اس لئے کہ ان کے دیوتا کا کہنا ہے کہ مہمان بڑا مہمان ہوتا ہے۔ گھر کی جوئر کی عورت بھی مرد کی طرح ہر طرح سے سیوا کرے گی اس گھر میں خوش حالی آئے گی۔ آسودگی ہوگی..... خیر اس سے اسے کوئی لگاؤ نہ تھا اور پھر موقع ملتے ہی فرار ہو کے بستی سے نکل آیا۔ ایک راہ گیر کی مٹھی گرم کرنے سے وہ اسے اس ویرانے میں چھوڑ گیا۔ کیوں کہ ہجرم بھی اس کے تعاقب میں تھے اس لئے وہ اس غار میں روپوش ہو گیا تھا۔

غار میں جا کے وقت گزاری کرنا سوہان روح تھا۔ اسے ایسے میں سنگیت یاد آئی۔ اگر وہ ہوتی تو ایک رات کئی راتیں اس کے قرب اور معیت میں گزار لیتا۔ امرتا رانی کی موت کا صدمہ اور پچھتاوا بھی کم ہو جاتا..... سنگیت اس مشکل میں اس کے کام آ جاتی۔ اب تو اس کے سپنے میں بھی آنے سے رہی تھی.....

انسپکٹر کے کہنے کے باوجود وہ بستی جو پہاڑی باشندوں کی تھی ان میں سے کسی کے ہاں پناہ لیتا۔ وہاں رات رنگین سہی لیکن غار کی ہولناکی سے تو محفوظ رہتا۔

امرتا رانی کے یوں بچھڑ جانے کے بعد اب غار میں دوبارہ گھسنے کا تصور ہی لرزہ خیز تھا۔ اس اندھے غار میں دوبارہ گھسنے کا تصور اس قدر لرزہ خیز تھا کہ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اسے اس بات کا خوب علم تھا کہ اس میں جانے کے بعد اگر وہ ایک بار بھٹک گیا تو زندگی بھر اس سے نکلنا نصیب نہ ہو سکے گا..... اور وہ بھوکا پیاسا اسی غار سے ٹکرا ٹکرا کے ختم ہو جائے گا۔ پھر اس کی لاش کیڑے مکوڑوں کی غذا بن جائے گی۔

پہاڑی باشندوں تک پہنچنے کی کوئی سبل صورت اسے دکھائی نہ دیتی تھی کیوں کہ وہ خطرناک راستوں سے ناواقف تھا۔ پھر جا بجا پھیلی ہوئی برف کے باعث راستہ نہ صرف دشوار بلکہ اور بھی پرخطر بن گیا تھا۔ ایسی صورت میں نیچے نظر آنے والے کسی بھی مکان کی طرف اترنا موت کے منہ میں جانے کے مترادف تھا۔ خودکشی تھا۔ وہ موت کو گلے لگانا اور اپنی زندگی ختم کرنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ زندگی اس کی اپنی نہیں بلکہ ایک طرح سے نیلم کی امانت تھی۔

اس کے ذہن میں ایک تدبیر بجلی کا کوندا بن کے لپکی۔

ایک صورت یہ ہو سکتی تھی کہ کیوں نہ وہ پوری قوت سے چیخ چیخ کر امرتا رانی کی تلاش میں نکلنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرے..... پھر اس نے یہ ارادہ ملتوی کر دیا، کیوں کہ یہ تدبیر لاحاصل تھی۔ کیوں کہ پہاڑوں میں گھرے ہوئے ہونے کے باعث اس کی چیخ بے صدا ثابت ہو اور انہیں اس کی موجودگی کے مقام کا پتا نہ ہوتا۔

نیچے وادی میں کئی ان گنت روشن نقطے جگنوؤں کی طرح ادھر ادھر چکراتے پھرتے ہوئے لگے۔ گویا وہ ابھی تک امرتا رانی کی تلاش سے مایوس نہیں ہوئے تھے اور سرگرداں تھے۔ اسے یقین نہیں آیا تھا کہ وہ اس قدر مخلص بھی ہو سکتے ہیں.....؟ ان کے نزدیک ایک انسانی جان کس قدر قیمتی اور اہمیت رکھتی ہے۔

وہ خاصی دیر تک سوچ میں غرق تدبیریں سوچتا رہا۔ آخر کار وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ان لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ ایک کوشش کرنے میں کیا حرج ہے؟ اس کا دل جو صدمے سے پھٹا جا رہا ہے اسے کم کرنا تھا۔ اس کی حالت تھی کہ غیر ہوتی جا رہی تھی۔ لحہ لحہ روح فرسا ہونے لگا تھا۔

''لوگو میری مدد کرو.....؟'' اس نے اپنی قوت جمع کر کے چیخ کے کہا۔

رات کے اس بے کراں سناٹے میں اس کی آواز نے ایک زبردست گونج پیدا کر دی تھی۔ وہ روشن نقطے پر جگنوؤں کی طرح ادھر ادھر چکرا رہے تھے۔ وہ اپنی اپنی جگہوں پر جامد وساکت ہو گئے۔

اس کی باز گشت معدوم ہوتے ہی کسی نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

www.pdfbooksfree.pk

''تم کہاں پڑے ہوئے ہو.....! زیادہ زخمی تو نہیں ہوئے.....!''

وہ لوگ شاید یہی سمجھے کہ اس نے گرتے ہی چیخ ماری تھی۔ بازگشت کے باعث مرد اور عورت کی آواز میں تمیز کرنا مشکل تھا۔ اور پھر دوسروں کے باعث کملبوں، لہانوں میں دبکے ہوئے تھے۔

''میری ساتھی کھائیوں میں گر چکی ہے۔ اور میں اوپر پھنس کے رہ گیا ہوں.....'' اس نے سناٹا مسلط ہوتے ہی بذیانی لہجے میں چیخ کر بتایا۔ میں نہیں جانتا اس کا کیا حشر ہوا؟ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں.....؟''

''تم کون ہو.....؟'' دوسری آواز نے پوچھا تو اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

''اس علاقے میں اجنبی ہوں.....مسافر ہوں۔'' آکاش نے جواب دیا۔

''تم کس طرف ہو.....! کیا بتا سکتے ہو.....! شمال، جنوب یا مشرق ومغرب کی سمت.....!''

''اندھے غار کے پاس والی پٹڑان پر.....'' اس نے پرامید لہجے میں کہا۔

''یہ کس طرف ہے.....؟'' نیچے سے آنے والی آواز میں تحیر نمایاں تھا۔

''میں اجنبی ہوں اور اس علاقے سے ناواقف بھی ہوں۔'' آکاش نے ایک گہرا سانس لیا۔ ''صرف یہ بتا سکتا ہوں کہ اس غار کے پاس بہت سارے راستے ہیں جس سے نکلنا بہت مشکل ہے۔ صرف وہی نکال کے مجھے لے جاسکتا ہے جو ان راستوں سے واقف ہو.....اور پھر ہر راستہ بڑا ہی پرخطر اور خوف ناک لگ رہا ہے۔

''پتا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا.....'' اس نے جواب دیا۔ ''اچھا یہ بتاؤ کہ کیا تم ہمیں دیکھ سکتے ہو؟ دیکھ رہے ہو.....؟'' اس کے کہنے کے بعد روشن نقطے فضا میں لہرانے لگے۔

''مجھے تم میں سے کوئی نظر نہیں آرہا ہے.....البتہ روشنیاں نظر آرہی ہیں.....'' آکاش بولا۔

''ایسا کرو کہ تم روشنی کرو تاکہ ہم اوپر تمہارے پاس پہنچ جائیں۔''

''اس کے پاس نہ تو ماچس تھی اور نہ کوئی ایسی چیزیں جس کے ذریعے سے وہ روشنی کرسکتا۔ ادھر سردی کی شدت اب اس کے لئے ناقابل برداشت ہوئی جارہی تھی اور وہ ٹھٹھر رہا تھا۔ بری طرح کانپ رہا تھا۔

پھر اس نے نیچے والے پہاڑیوں کے باشندوں کو اپنی شکل اور مجبوری سے آگاہ کیا تو انہوں نے اسے کسی درخت سے مضبوط سی لکڑی کو توڑ کے اس کے سہارے وادی میں اتر آنے کی ہدایت کی تو اس کے لئے یہ امر بھی ناممکن سا لگا تو اس نے انہیں بتایا کہ اس کے لئے اس صورت پر عمل کرنا دشوار ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ وہ رات اس جگہ گزار لے.....ان میں سے دو تین افراد نے یہ جانی لہجے میں چیخ کر کہا کہ تم کیوں موت کو دعوت دے رہے ہو.....؟

انہوں نے غلط نہیں کہا تھا۔ کیوں کہ ان اطراف کی ٹھنڈک بہت ہی مہلک اور جان لیوا تھی.....اور پھر آگ کے بغیر اس کا مقابلہ ناممکن تھا.....انہوں نے اسے بتایا کہ ٹھنڈک غیر محسوس طریقے پر اس کی رگ رگ میں سرایت کر جائے گی اور اجالا پھیلنے سے قبل ہی وہ ٹھٹھر کے موت کے منہ میں اذیت ناک طریقے سے چلا جائے گا۔ ایسی صورت میں یہی بہتر تھا کہ وہ وادی میں اترنے کی کوشش اور ہمت کرے..... چلتے رہنے کے باعث بدن میں بھی حرارت باقی رہتی اور پھر اس طرح اسے پناہ ملنے کی امید ہوجاتی۔

اس کی رہنمائی کے لئے ان لوگوں نے ایک جگہ کوئی بڑی سی مشعل یا الاؤ روشن کردیا تاکہ اسے نشان بنا کے وہ سمت کا تعین کرسکے۔ اس نے ایک نظر وادی میں دوڑائی۔ اس کی دانست میں اندھے غار سے اس روشنی تک نصف گھنٹے کا فاصلہ تھا۔

مضبوط لکڑی کی تلاش میں اسے بنجر اور بھورے پہاڑ پر خاصی دشوار ثابت ہوئی۔ اس عرصے سے نمٹنے

www.pdfbooksfree.pk

کے بعد اسے کافی عرصہ بعد جیسے ایشور کی یاد آئی.....
اور پھر وہ تقریباً کھڑی ڈھلان پر نہایت احتیاط سے پیر جما جما کے نیچے اترنے لگا کہ کہیں توازن بگڑ نہ جائے اور پھر وہ بھی کہیں امرتا رانی کی طرح کھائی کی نذر نہ ہو جائے۔

ایک دو مرتبہ برف سامنے آئی جو ایک ڈھیر کی طرح تھی۔ اس نے اندازہ کرنے کے لئے اس میں چھڑی گھمادی تو وہ برف میں مکھن کی طرح اتر گئی۔ اسے پہلی بار اندازہ ہوا کہ ڈھلانوں پر احتیاط کتنی ضروری ہے ورنہ ٹھوس پتھر کے دھوکے میں پیر کسی دراڑ کے دہانے پر پڑ سکتا تھا۔ جو اس کا توازن برقرار نہ رکھتا۔

گھپ اندھیرے کے باعث اسے اپنی آنکھوں پر کافی زور دینا پڑ رہا تھا۔ کیوں کہ اس کی نظریں بری متاثر ہو رہی تھیں اور اس کی بینائی بری کمزور ہو گئی تھی۔ اس کی یہ کوشش تھی کہ روشنی کی جانب سیدھا اترتا چلا جائے لیکن وہ راستہ تھا کہ شیطان کی آنت کی طرح لمبا ہوتا جا رہا تھا۔ ظاہر نصف گھنٹے کی طوالت رکھنے والی مسافت تین چار گھنٹے گزرنے کے بعد بھی اتنی ہی دور نظر آتی رہی جتنی غار کے پاس والی چٹان سے نظر آ رہی تھی۔ مطلع بالکل صاف تھا اور چاند نہ ہونے کے باوجود تاروں کی اتنی روشنی میسر تھی کہ اسے دس بیس گز تک کی ہر چیز صاف نظر آ رہی تھی۔

کافی نیچے اترنے کے بعد ایک گہری کھائی راہ میں حائل ہو گئی تو اسے ایسا لگا کہ وہ بے بس سا ہو گیا ہے۔ اس کھائی نے اس کے لئے ایک سنگین اور پیچیدہ مسئلہ کھڑا کر دیا تھا۔

یہاں چٹانیں بھی خاصی بھربھری تھیں..... اور اس کے لئے روشنی کی سمت میں سیدھا اترنا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔ پھر اس نے آخر میں روشنی کی سمت کو ذہن میں محفوظ کیا اور کھائی کے کنارے کنارے چلنے لگا۔ چلنے میں ایسا تھا جیسے موت کے راستے پر چل رہا ہو۔ کیوں کہ ذرا سی بے احتیاطی اسے کھائی میں گرا سکتی تھی۔ کھائی عبور کرنے میں اسے خاصی دیر لگی تھی۔ جب وہ اپنی دانست میں دوبارہ روشنی کی سمت والے سیدھے راستے پر آیا تو پریشان اور ہراساں ہو گیا۔ کیوں کہ وہ روشنی گدھے کے سینگ کی طرح غائب ہو چکی تھی۔ لیکن اس نے حوصلہ نہیں ہارا اور پھر بھی حوصلے سے آگے بڑھتا رہا۔ لیکن بے سود..... پہاڑی راستوں پر ستوں کا تعین کس قدر کٹھن ہے.....! اس کا احساس اسے اس روز ہو سکا۔

اسے انسپکٹر کا خیال دفعتاً آیا۔ چوں کہ اس کے پاس بڑی حساس اور طاقت ور ٹارچ تھی اور اس کی روشنی اس قدر تیز تھی کہ آنکھوں کو چندھیا دے۔ جس کے باعث جس طرح وہ روشنی میں غار تک آیا اور واپس چلا گیا۔

پھر اس نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ یہ بستی والے جو اس کی مدد کر رہے ہیں اس میں کون سا جذبہ کار فرما ہو سکتا ہے!

پھر اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ پو پھٹ رہی تھی۔ اس کے اندازے کے مطابق اجالا پھیلنے میں تھوڑی ہی دیر باقی تھی۔ جس سے اس کے دل کو ایک عجیب سی تقویت محسوس ہوئی۔ وہ پوری رات کوہ پیمائی میں گزار چکا تھا۔ نشیب و فراز میں اترتے چڑھتے اس قدر تھک گیا اور نڈھال سا ہو رہا تھا کہ اب اس کا جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا۔

آرام کرنے اور رکنے کی صورت میں آنکھ لگ جائے تو اسے اس بات کا خوف و خدشہ تھا کہ ٹھنڈ سے اکڑ جانے کا قوی اندیشہ تھا۔ چلتے رہنے سے اس کے ہاتھ پیروں اور جسم میں خون کی گردش ہوتی رہی تھی اس لئے اس نے آہستہ آہستہ بڑھتے رہنا ہی مناسب سمجھا۔ وہ اچھل کود اور دوڑ دوڑ کے جسم اور خون کو گرماتا رہا تھا۔ اس تدبیر نے سردی سے قدرے محفوظ رکھا تھا۔

ہواؤں میں اب ٹھہراؤ آ چکا تھا۔ جنگلات میں گونجنے والی آوارہ ہواؤں کی سیٹیاں دم توڑ چکی تھیں۔ اب اس نے تبدیلی کو تائید غیبی سمجھ کر اپنی رفتار اور

www.pdfbooksfree.pk

قدرے تیز کردی۔ آگے بڑھنے کے ساتھ ہی اس کی بے چین نظر کسی مکان یا روشن نقطے کی تلاش میں سرگرداں تھی لیکن وہاں حد نظر تک تاریک پہاڑ اور بلند و بالا درختوں کے تاریک ہیولے ہی پھیلتے چلے گئے تھے۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ راستہ بھٹک کے کسی اور سمت میں آ گیا ہو۔

آخر کار ہوا کا رفتہ رفتہ تھمنا اور سردی کی کمی نے اپنا رنگ جمانا شروع کر دیا اور موسم غیر محسوس انداز سے بدلنے لگا تھا۔ فضا میں برف کے ننھے ننھے سفید ذرات اڑنے لگے اور اب اس کے لئے کوئی پناہ گاہ ضروری تھی۔ کیوں کہ ایسا لگ رہا تھا کہ رفتہ رفتہ تیز ہوتی جائے گی۔ اس سے قبل اسے کوئی ٹھکانہ تلاش کرنا تھا۔ برف باری بھی اس کے لئے پیش خیمہ بن سکتی تھی۔ کوئی نئی افتاد برف باری کی صورت میں پڑنے والی تھی۔ مصائب تھے کہ اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے تھے۔

اس سے قبل کہ وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوتا برف باری زور پکڑنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے آس پاس کی چٹانوں اور جھاڑیوں پر سفید چادر پھیل گئی جس سے منظر نہایت حسین اور دلکش ہو گیا۔

اب آگے بڑھنا خطرناک تھا۔ برف کی دبیز چادر کے اس پار دیکھنا محال ہو رہا تھا۔ دوسری طرف زمین پر نرم نرم برفانی ذرات کی تہہ تیزی کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی اور وہ چھوٹے چھوٹے ٹیلے بننے لگے تھے۔

اس نے چاروں سمت نظریں دوڑائیں تو اسے کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ کھلی فضا میں ایک چٹان پر رک جانے کا فیصلہ کر لیا تاکہ برف باری تھمنے کا انتظار کر سکے۔

بھاگ دوڑ اور جدوجہد سے نجات ملتے ہی ذہن امرتا رانی کے تصور میں الجھ گیا۔

اس نے سوچا کہ برف باری تھمنے تک اس کا بے جان بدن منوں وزنی برف کے نیچے دب کر برف پگھلنے تک محفوظ ہو چکا ہوگا۔۔۔ ایسے نازک موقع پر اس کا ساتھ بچھڑ جانے کا اسے اب تک افسوس ہو رہا تھا..... غصے اور اشتعال کی وہ باتیں اسے یاد آنے لگیں جو پرکھوں نے کہی ہوئی تھیں۔ آج اب اس وقت اس کی سچائی ان پر عیاں ہونے لگی۔ اب نہ صرف اسے ناگ راجہ کی حویلی وہم لگ رہی تھی اور اسے اپنی زندگی تک وہ بھرم لگ رہی تھی وہ بڑا دکھی اور غم زدہ ہونے لگا۔

یہ اندھیری رات کی عنایت تھی کہ وہ یوں آزادی کے ساتھ وادی میں چلتا پھرتا رہا تھا۔ روشنی طلوع ہوتے ہی وہ اپنے کرب کے سائے کا شکار ہو جاتا..... اس کی یادداشت پر دھند کے لہر سے پھیل جاتے..... زبان بندیانی میں مبتلا ہو جاتی..... اور پھر پورا وجود کسی دہکتی بھٹی کی طرح تیز بخار میں الجھتا۔

اس کے ہاتھ بے اختیار اپنے گلے میں لٹکے ہوئے ناگ رانی کے منکے کی طرف گئے اور اس کے شانوں پر پڑی ہوئی برف کی دھول اس کے چرنوں میں آ گری اور وہ اس میں ڈھلک گئے۔

اچانک اس کی پشت پر کسی کا ہاتھ آ ٹکا۔

اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی اور وہ اس طرح اچھل کے کھڑا ہو گیا جیسے برقی جھٹکا لگا ہو۔

اس پر ہول سناٹے میں وہ کس بہت ہی ڈراؤنا تھا۔ اسے لگا کہ کسی بدروح نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا ہو۔ اس کی رگوں میں برف کی طرح لہو منجمد ہو گیا۔ دہشت نے اس پر لرزہ سا طاری کر دیا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ مڑ کے دیکھتا اس کے کانوں میں جل ترنگ کا سا پہاڑ کھنک گیا جو بڑا مدھر تھا۔ کسی سر کی طرح..... وہ سرعت سے مڑا تو وہ شوخ انداز میں پیٹ تھامے کھل کھلا کے ہنستی جا رہی تھی۔

''ڈر گئے بابو.....!'' وہ ہنسی کے دوران بدقت صرف اتنا ہی کہہ سکی..... وہ اپنی خفت اور ندامت چھپانے کے لئے حیرت بھری نظروں سے اسے گھورنے لگا۔ اسے اپنی نظروں پر اختیار نہ رہا تھا۔

دوسرے لمحے آکاش نے حیرت پر قابو پا کے اسے ناقدانہ نظروں سے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔

وہ سرخ و سپید رنگت والی کوئی پہاڑن تھی۔ اس

www.pdfbooksfree.pk

کے بھرے بھرے کومل رخسار اناروں کی طرح سرخ ہو رہے تھے تو ایسا لگ رہا تھا جیسے دہک رہے ہوں۔ ٹھنڈ کے باعث اس کی سرخی اور بھی نکھر گئی تھی۔ اس کے ہونٹوں میں رس بھرا تھا جو شریریں سے لگتے تھے اس پر گلابی رنگت چھلک رہی تھی۔ اس نے گوڈھیلا ڈھالا لباس پہنا ہوا تھا۔ لیکن پھر بھی جسمانی نشیب و فراز بجلیوں سے بھرے بھرے لگتے تھے..... اس پر جا بجا برف پڑی ہوئی تھی۔ جس سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ خاصی دیر سے اس برف باری میں ننگے پاؤں پھر رہی ہو..... اس کے پاؤں سرمریں، سڈول تھے۔

اس کی بھرپور جوان اور تمام تر خوب صورتی اور الھڑپن کے باوجود اس کے اپنے حالات پیش نظر اسے رات کے وقت کے آخری لمحات میں ایسی حالت میں نظر آنا نہ صرف پراسرار بلکہ خاصا غیر فطری سا لگ رہا تھا۔

''کون ہو تم.....؟'' آکاش نے اس کی شوخی کو نظر انداز کرتے ہوئے اشتباہ آمیز لہجے میں دریافت کیا۔

''کیا تمہیں نظر نہیں آرہا کہ میں ایک لڑکی ہوں۔'' وہ جھٹ سے بول پڑی۔ جیسے لڑکی کو پہلے ہی اس کے سوال کا اندازہ ہو رہا ہو اور اس نے برجستہ جواب دیا۔ وہ پھر ہنسی اور مسکرانے لگی۔

''لیکن جوان لڑکیاں تو اتنی رات گئے اس طرح تو گھومتے نہیں نکلا کرتی ہیں۔'' آکاش نے تیز لہجے میں کہا۔ ''تمہارے گھر والوں نے کیسے اجازت دے دی؟ تمہارے گھر والے کیسے ہیں؟''

''پچھلے پہر کوئی لڑکی پہاڑوں سے گر گئی تھی..... اس کا ساتھی مدد کے لئے پکار رہا تھا..... پھر وہ اوپر سے وادی میں بھی اترا تھا لیکن ابھی تک آبادی میں نہیں پہنچا..... سردی کم ہوتے ہی ہم لوگ اس کی تلاش میں نکلے تھے کہ وہ اجنبی کہیں کسی حادثے کا شکار نہ ہو جائے۔ ہر ایک کو بڑی فکر اور تشویش بھی لاحق ہو گئی تھی۔ اس دوران میں برف باری شروع ہو گئی۔'' لڑکی یک بیک سنجیدہ سی ہو گئی۔ اب اس کے لہجے میں شوخی نہیں تھی۔

آکاش نے اس کی بات کے جواب میں گہرا سانس لیا جو غیر ارادی طور پر تھا۔

''لیکن تم کون ہو..... تم بھی مجھے اجنبی ہی لگتے ہو؟'' وہ آکاش کے کپڑوں سے برف جھاڑتی ہوئی بولی۔

''میں وہی بدبخت اجنبی ہوں.....!!'' آکاش نے سر جھکا کے جواب دیا۔ ''گزرنے والی میری ساتھی.....''

''ساتھی.....؟ کیا مطلب.....! تمہارا اس سے کیا رشتہ تھا.....!'' اس نے متجسس لہجے میں دریافت کیا۔

اس وقت وہ نہ جانے کیوں امرتا رانی کے لئے اپنے دل میں ہمدردی محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ متاسفانہ لہجے میں بولا۔ ''وہ میری بہترین دوست اور مخلص ساتھی..... وہ بدنصیب پہاڑ سے گری۔ اس کی ہڈی پسلی سرمہ بن چکی ہوگی۔''

''ایسا لگ رہا ہے کہ تمہیں اس کی موت کا بڑا افسوس اور رنج ہو رہا ہے؟'' لڑکی بہت زیادہ دلچسپی اور تجسس سے بولی۔

''رنج اور افسوس ہی نہیں ایک ایسا صدمہ جسے میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا.....؟'' آکاش نے جواب دیا۔ ''اب تو اس کی تلاش بھی ناممکن ہو کر رہ گئی ہے..... میں کیا بتاؤں.....؟ اس کی موت سے جو صدمہ ہوا اس نے دنیا سے دل اچاٹ کر دیا ہے..... سوچتا ہوں کہ جی کے کیا کروں؟'' وہ جذباتی ہو گیا۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

''تمہاری باتوں اور صدمے سے ایسا لگ رہا ہے اس سے تم بے پناہ محبت کرتے تھے؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی بولی۔ ''کیا واقعی تمہیں اس سے محبت تھی وہ وہ پناہ حسین تھی؟

''اس کا حسن و شباب دو آتشہ تھا لیکن میں اس

www.pdfbooksfree.pk

کے جسم سے نہیں اس سے محبت کرتا تھا۔ اس لئے کہ وہ بڑی مخلص اور بے غرض تھی۔ اس نے مجھے محبت کے بندھن میں ایسا باندھ لیا کہ وہ میری آتما بن گئی۔ میری کمزوری..... اور میں ایسا محسوس کررہا ہوں کہ اسے کھو کے دنیا کا بدنصیب آدمی بن گیا ہوں۔'' وہ جذبات کی رو میں بے ربط الفاظ کہتا تھا۔

''کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم ہمیشہ کے لئے اسے بھول جاؤ؟'' وہ سنجیدہ ہو کر بولی۔

''میں کس لئے ایسی عظیم ہستی کو بھول جاؤں؟'' آکاش نے حیرت سے کہا۔

''اس لئے کہ دنیا میں حسین جسموں کی لڑکیاں ہیں جن سے تم محبت کرسکتے ہو..... میری طرف دیکھو..... کیا میں حسین نہیں ہوں.....؟ تم مجھ سے محبت کرو..... میں تمہیں خوش کروں گی.....؟ اس قدر محبت کروں گی کہ تمہاری ساتھی نے کی نہیں کی ہوگی؟''

''میں جسم کا نہیں محبت کا بھوکا ہوں..... میری ساتھی کا خلا تم کیا؟ دنیا کی حسین سے حسین لڑکی بھی بھر نہیں سکتی.....'' آکاش نے گہرا سانس لیا۔

''اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کے سچ سچ بتاؤ کہ کیا تم واقعی اس سے سچی محبت کرتے تھے.....؟ اس کی موت سے تمہیں دکھ ہوا ہے؟''

''تم مجھ سے جو سوگند لینا ہو لے لو..... مجھے اس کی موت سے جو کچھ دکھ ہوا اسے تم کیا کہو گی.....؟'' آکاش نے کہا۔

''سچ میری جان..... آکاش دیوتا.....؟'' وہ یک بیک اس کے سینے سے لگ کر جذب ہونے لگی۔ ''اگر تم اس سے کہہ دیتے کہ میری موت سے تمہیں خوشی ہوئی ہے تو میں خود ہی ہتھیا کرلیتی.....''

آکاش نے حیرت اور خوشی سے دیکھا۔ اسے یقین نہیں آیا۔ اسے لگا کہ وہ کوئی سہانا سپنا دیکھ رہا ہے..... اس کی نظروں کے سامنے پہاڑن لڑکی نہیں بلکہ امرتا رانی اپنی تمام خشر سامانیوں کے ساتھ کھڑی تھی۔

آکاش نے اسے بے اختیار اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔ ''امرتا رانی.....! میری جان.....! تم زندہ ہو.....؟''

پھر ان دونوں کو دیر تک جذبات پر اختیار نہیں رہا۔ پھر کچھ دیر بعد امرتا رانی اسے بتانے لگی۔

''میں دو چار چٹانوں پر لڑھکتے ہی اپنے اصل روپ میں آکر ایک دراڑ میں پھنس گئی تھی۔'' اس نے آکاش کا ہاتھ تھام کے اسے چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ پھر اپنی باہیں اس کے گلے میں حمائل کردیں۔

''پھر تم میرے پاس کیوں نہیں آئیں..... کیا تمہیں احساس نہیں ہوا کہ مجھ پر کیا بیت رہی ہے؟'' اس نے امرتا رانی کو الگ کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر میں بھی جان دیتا تو.....؟''

امرتا رانی کی انگلیوں نے اس کے ہونٹوں کو جملہ پورا کرنے نہیں دیا۔ پھر وہ شکایتی لہجے میں بولی۔

''تم نے مجھے بلایا کیوں نہیں.....؟ میں تو اس انتظار میں تھی کہ تم مجھے بلاؤ گے؟ کیا تم مجھ سے ناراض ہوگئے تھے؟''

''اس لئے کہ صدے اور پچھتاوے نے میرا ذہن معطل کردیا تھا اور مجھے امید نہیں تھی کہ تم زندہ ہوگی.....؟'' آکاش نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ دل میں لمحے کے لئے سوچا کہ امرتا رانی نے اس کی حرکت کو نظر انداز کردیا اور الزام نہیں لگایا۔ شاید وہ سمجھی کہ غصے اور ناراضگی میں اس نے امرتا رانی کو آغوش میں لینا چاہا تو وہ گر پڑی تھی۔ اس لئے کہ کھائی میں گرنے کے بعد آدمی پاش پاش ہوجاتا ہے..... ''میں تمہیں بتا نہیں سکتا کہ اس احساس اور صدمے نے مجھے نڈھال کردیا کہ میری وجہ سے تم گر پڑیں۔''

''برف باری تیز ہوتی جارہی ہے..... یہاں سے نکل چلیں تو اچھا ہوگا۔'' اس نے مٹھی میں برف کے ذرات کا گولہ بناتی ہوئی مسکرادی..... ''تم ساری رات سردی سے ٹھٹھرتے رہے ہو۔ کہیں تمہیں ٹھنڈ نہ لگ جائے۔''

''یہ لمحے نہ صرف یادگار بلکہ ناقابل فراموش

www.pdfbooksfree.pk

ہیں..... اس ماحول میں تمہارا روپ کیسا سندرتا ہوتا جارہا ہے..... برف باری کے اس طوفان کو گزر جانے دو اور یہ لمحات امر ہو جائیں۔''

آکاش نے اسے پھر سینے سے لگالیا۔ اس کی کٹی ہوئی زلفیں اس کی نظروں کے سامنے آگئیں جو برف کے ذرات کی آغوش میں تھیں۔ یہ زلفیں اس وقت کی نشانی جب امرتا رانی نے جوتپسیا کے روپ میں تھی اس کی زلفیں کاٹ کے اس کی تسخیر کی تھی۔ اب وہ کسی بھی لڑکی اور عورت کے روپ میں آئے بالوں کی یہ علامت اس کی شناخت تھی۔

''میری سندرتا کا یہ داغ تمہارا ہی دیا ہوا ہے۔ میرے من کے دیوتا..... میری جان..... میرے آکاش دیوتا.....!'' وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بڑے جذباتی لہجے میں بولی۔

''میری جان امرتا رانی.....! تم یہ کیوں بھولتی ہو کہ چاند پر بھی ایک داغ ہے.....!'' وہ جذباتی لہجے میں بولا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اسے اپنے ہمراہ لے کر ایک سمت چل پڑی۔ برف باری اب بھی عروج پر تھی۔ ان کے دہانوں اور نتھنوں سے بخارات کی دھند نکل رہی تھی۔ خاصی مسافت طے کرنے کے بعد نرم نرم برف کا ایک سطحی ٹکڑا نظر آیا اور اس نے امرتا رانی کی غفلت سے فائدہ اٹھا کے اسے اس پر دھکیل دیا۔ وہ کھل کھلا کے توازن قائم نہ رکھ سکی۔ برف کے دلدل میں دھنستی اور لڑھکتی چلی گئی۔

اس سے قبل کہ امرتا رانی سنبھلتی وہ اسے جالیا۔

امرتا رانی اس کی گرفت کے شکنجے میں کسمسائی اور بازوؤں کا حلقہ توڑ کے نکلنا چاہا۔ اسے کامیابی نہ ہوسکی۔ اس وقت چہرے اور بدن پر گرتے ہوئے برف کے ذرات سے آکاش نے ایک عجیب سا کیف و سرور محسوس کیا۔ امرتا رانی کے آنے سے قبل جو جس صدمے، فکر اور تشویش سے دوچار تھا بس اس قرب سے اس نے ایک نیا لطف محسوس کیا۔

''کیا برف کے اس تالاب میں نہانے کا ارادہ ہے میری جان.....!'' وہ شوخ لہجے میں بولا۔ اس کی گرفت سے نکل کے دوڑ پڑی۔ اس نے جلد ہی لپک کے امرتا رانی کو دبوچ لیا۔ ''ہم دونوں ہی نہائیں گے۔''

آکاش کو گویا دلی مراد ہاتھ آئی۔ بادلوں کی اوٹ میں چھپے ہوئے چاند کی تابانیاں دھیمے دھیمے عیاں ہونے لگیں۔ برف باری سے موسم ٹھنڈ سے گرمی اور حبس میں بدل گیا تھا۔ وہ برف پر چت لیٹا امرتا رانی کی جانب دیکھتا رہا اور برف اس پر گرتی رہی۔ امرتا رانی اس سے دو ایک قدم کے فاصلے پر موجود تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کسی دودھیا بستر پر دراز ہے۔

پھر وہ برف پر لڑھکتا اس کے قریب جا پہنچا۔ وہ اس کے تیور بھانپ کے انٹھ کے آگے بھاگی۔ لیکن اس نے چند قدم طے کئے تھے کہ اس کے پیر کئی فٹ برف میں دھنس گئے تو وہ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا سکی۔ پھر وہ نہایت سکون اور اطمینان سے غالب آگیا۔

اس کے اور امرتا رانی کے بدن سے چپکی ہوئی برف گزرتے ہوئے رنگین لمحوں کا فسانہ سنا رہی تھیں اور دونوں اب کسی عمارت کے آراستہ کمرے میں موجود تھے جہاں کا ساز و سامان خواب گاہ سے مشابہ تھا۔

''اب تم بستر پر لیٹ جاؤ۔'' امرتا رانی نے کہا۔ ''مجھے تمہاری آنکھ کی بینائی لانی ہے۔''

وہ بستر پر لیٹ گیا۔ امرتا رانی اس کی آنکھ کی بینائی کی بات نہ کرتی تو وہ اسے بستر سے اترنے نہیں دیتا۔ اسی وقت امرتا رانی نے تالی بجائی اور ایک دروازے سے سنگیت ایک نوجوان لڑکے کو اپنی بانہوں میں سنبھالے اندر داخل ہوئی۔ نوجوان کے قدموں کی لڑکھڑاہٹ اور آنکھوں کے بوجھل پن سے صاف ظاہر تھا کہ اس نے بری طرح شراب پی ہوئی ہے۔

یہاں ایک بار اسے پھر اس عمل سے دوچار ہونا پڑا۔ جس سے سون ہاٹ کے جنگلات میں سابقہ پڑ چکا تھا۔ اور اس کی دوسری آنکھ کی بینائی بھی واپس لوٹ

www.pdfbooksfree.pk

آئی۔ اس نوجوان کا کہیں پتا نہیں تھا جسے سنگیت لائی تھی۔ وہ غائب تھا۔

ہوش میں آنے کے بعد اسے اتنی جرات ہوئی کہ اس نوجوان کے بارے میں کچھ دریافت کرتا بلکہ موضوع بدلنے کی خاطر اس لڑکی کا تذکرہ چھیڑ دیا جو امرتا رانی نے اندھے غار میں اس کے حوالے کی تھی اور جسے سنگیت وہاں سے نکال لائی تھی۔

''شنکر ناتھ ٹھیک ہی کہتا تھا۔'' امرتا رانی کہنے لگی۔ ''وہ لڑکی بھی ناگن ہی تھی اور سنگیت اس کی دم کاٹ کر اس میں پگھلا ہوا سیسہ بھر چکی ہے۔ تم سے ملنے سے پہلے ایک مرد میرے نیوان میں ایسا بھی آیا تھا جس سے پریم نہ ہونے کے باوجود اس کے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔ پھر وہ میرے راستے میں آ گئی۔ ..... اس کی دم میں سیسہ اتارنے کے بعد اب میں ناگ دیوتا کی خاص پوجا کروں گی۔ کیوں کہ میں نے ناگ دیوتا کی سوگند کھا کے شنکر ناتھ کو بھروسا دلایا تھا کہ میں اس سے تمہاری پرچھائیں آزاد کرنے پر اسے نہیں ماروں گی پر میں نے اس موذی کا کام تمام کر دیا۔ اب تک دودھ کے پیالوں میں اپنا زہر نکال دوں ناگ دیوتا مجھے شما نہیں کریں گے۔''

''مگر اس ناگن کا سیسہ بھرا بدن کس کام آئے گا؟'' آکاش نے متعجب لہجے میں پوچھا۔

''بس..... دیکھتے رہنا..... پوجا ابھی شروع ہونے ہی والی ہے۔'' اس نے جواب دیا اور مسکرا کے دلربانہ انداز سے اس کے پاس آئی تو اس کے ہونٹوں کی مٹھاس اپنے ہونٹوں میں بھر کے چلی گئی۔ آکاش نے چاہا کہ اسے لپک کے دبوچ لے اور اسے جانے نہ دے۔ لیکن وہ اس کے ہاتھ سے مچھلی کی طرح پھسل کے کمرے سے نکل گئی۔

''تمہیں اپنی پتنی کی بھی کچھ خبر ہے.....!''

سنگیت کمرے کے ایک کونے میں کھڑی ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس لمحے وہ سنگیت کو بھول گیا تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ سنگیت کو امرتا رانی سے من مانی کرنے سے رقابت نہیں ہوئی ہوگی۔ سنگیت نے سرگوشی میں رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

''کیا.....؟'' آکاش نیلم کے نام سنتے ہی بے چین اور مضطرب سا ہو گیا۔

''وہ ناگ راجہ کی حویلی نما محل میں اپنا پہلا بچہ جنم دینے والی ہے..... اور جل منڈل سے جل کماری کے دو گرگے وہ بچہ لینے ناگ راجہ کی حویلی پہنچ چکے ہیں..... یعنی اوئی گنگر.....'' سنگیت نے اس کے اور قریب ہو کر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اسے ہراساں لہجے میں کہا۔ وہ بڑی محتاط سی تھی۔ جیسے اس کی بات کوئی سن نہ رہا ہو۔

''لیکن امرتا رانی نے اتنی اہم بات مجھے کیوں نہیں بتائی؟'' آکاش نے حیرت سے سرگوشی کی۔

''اس کے غم میں یہ خبر نہیں ہے..... ورنہ وہ سب سے پہلے تمہیں بتاتی؟''

''وہ کیوں ؟'' آکاش کو یقین نہ آیا۔ ''اسے اور اس بات کا علم نہ ہو؟''

''اس لئے کہ وہ جب تک اپنی توڑی ہوئی سوگند کا اپائے نہیں کرتی اسے کچھ خبر نہ ہوگی۔'' سنگیت پر اعتماد لہجے میں بولی۔

''یہ بہت برا ہوا..... بہت ہی برا.....'' وہ مضطربانہ انداز میں ہتھیلیاں مسلتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ کے ٹہلنے لگا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کی پیشانی پر شکنوں کا جال پھیل گیا۔ آنکھوں سے وحشت جھانکنے لگی۔

''بس ذرا دھیرج سے کام لو..... اس قدر پریشان اور متفکر تو نہ ہو میری جان زندگی.....!'' سنگیت نے تشفی آمیز لہجے میں کہا اور اس کے اور قریب ہو کے اپنی مرمریں اور سڈول بانہیں اس کے گلے میں حمائل کر کے اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔ ''یوں سوئیکار ہوتے ہی امرتا رانی بھی جلد ہی اس کا کوئی اپائے کرے گی۔ جب تک سنگیت اور اس کی محبت ہے تمہاری نیلم پر اور بچے پر آنچ نہیں آ پائے گی۔ مجھے اندازہ اور احساس ہے کہ تم نیلم کو کس قدر چاہتے ہو۔''

www.pdfbooksfree.pk

''پھر بھی تم میرے قریب ہو کے اپنے آپ کو ہر طرح سے میرے حوالے کر دیتی ہو.....؟ اس سے میں کیا سمجھوں.....؟ کیا اس لئے نہیں کہ میں اس دھرتی پر دنیا کا سب سے خوب صورت مرد ہوں.....'' وہ بھی اس کی خمار آلود آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

''محبت..... صرف محبت..... من مندر کے دیوتا!'' سنگیت نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''میری محبت جس میں کوئی کھوٹ اور تصنع نہیں ہے۔ میں تمہیں پریشانی، متفکر اور وحشت زدہ نہیں دیکھ سکتی۔ میری یہ کوشش ہوتی ہے کہ تمہیں میں ہر طرح خوش رکھوں تاکہ تم شانتی محسوس کرو..... اذیت ناک کرب میں مبتلا نہ ہو جاؤ..... میں اس لئے تمہارا خیال رکھتی ہوں..... تمہیں دکھی دیکھ کے میں بھی دکھی ہو جاتی ہوں۔ میں بھی چوں کہ محبت آشنا اور تمہارے عشق میں دیوانگی چاہتی ہوں اس لئے تمہارا دکھ میرا دکھ..... تمہاری خوشی میری خوشی..... تم مجھے دل میں نہ سہی..... چرنوں میں جگہ دو.....''

سنگیت کی محبت بھری باتوں نے آکاش کو ایسا متاثر کیا کہ وہ قابو میں نہ رہ سکا۔ اس نے سنگیت کو سینے میں جذب کیا تو اس کے دل نے بڑی شانتی محسوس کیا۔ پھر دونوں دیر تک بہکتے اور چہکتے رہے۔ سنگیت اسے اپنی محبت اور وجود سے سرفراز کر کے چلی گئی۔

آکاش گو کہ کمرے میں تنہا رہ گیا۔ لیکن سنگیت کی محبت اور قربت اور بانہوں کے کس نے جو اس کے گلے میں حمائل کئے تھے اس سے اس کے دل کو بڑی شانتی ملی تھی۔ محبت بھرے بول نے اس کی بے چینی اور اضطراب کو کم کر دیا تھا۔ وہ بڑی مہربان عورت تھی۔ نہ صرف کمرا بلکہ وہ مہک رہا تھا۔ اپنی خوشبو چھوڑ گئی تھی جو بستر کی چادر میں بسی ہوئی تھی۔ سنگیت کو وہ زیادہ دیر تک روک نہیں سکا تھا جب کہ اس کی خواہش تھی۔ سنگیت بھی یہی چاہتی تھی لیکن امرتا رانی کسی بھی لمحے واپس نہیں آ سکتی تھی۔ پھر بھی سنگیت خاصی دیر رکی رہی تھی۔ وہ بڑی محتاط تھی۔ گو کہ امرتا رانی ان دونوں کو ساتھ دیکھ کے نہ رقابت کی آگ میں جلتی بلکہ خوش بھی ہوتی۔

اس کمرے میں روشنی کا ایسا بندوبست تھا کہ کسی بھی چیز کا سایہ تک نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی پریشانی اور اذیت کا شکار نہیں ہوا۔ پھر اس نے بستر کی چادر کی شکنیں اور بے ترتیبی کو ٹھیک کیا جو سنگیت کے ساتھ گزرے فسانہ کو ظاہر کر رہی تھی۔

جب تک امرتا رانی نے اسے نہیں بلایا وہ اسی ادھیڑبن میں مبتلا رہا کہ نیلم کے ساتھ کی جانے والی گھناؤنی سازش کا مقابلہ کس طرح سے کیا جائے.....؟ وہ سوچ تو بہت کچھ سکتا تھا لیکن کچھ کر نہ اس کے بس سے باہر تھا۔ عمل کے لئے امرتا رانی کا مشورہ اور رہنمائی ضروری تھی۔ کوئی قدم اٹھا کے کسی مصیبت کا شکار ہونا نہیں چاہتا تھا۔ امرتا رانی ایک مخلص دوست کی طرح بھی تھی۔

جب وہ امرتا رانی کے پوجا والے کمرے میں پہنچا تو وہاں طرح طرح کی مختلف خوشبویات کے دھوئیں سے فضا بوجھل بوجھل ہو رہی تھی۔ مٹی کے ایک چبوترے پر مٹی سے ہی بنا ہوا ناگ دیوتا کا قد آدم بت نصب تھا۔ جس کا پھن پوری طرح پھیلا ہوا تھا۔ اس بت کے سامنے مٹی کے تین بڑے بڑے پیالے دودھ سے لبالب بھرے ہوئے رکھے تھے اور ان کے برابر میں اسی جسامت کے تین خالی پیالوں کی قطار نظر آ رہی تھی۔ کمرے کے وسط میں ایک چھوٹی سی چتکبری ناگن کا بے جان وجود عجیب انداز میں کھڑا ہوا تھا۔ اس کی دم کا کئی انچ طویل حصہ لمبائی میں کٹا ہوا تھا۔ پورا بدن کسی خشک لکڑی کی طرح پھیلے ہوئے پھن کے سارے فرش پر جما ہوا تھا۔

اس کمرے میں اس سے قبل سنگیت موجود تھی اور مختلف برتنوں میں دہکتی ہوئی آگ پر خوشبودار جڑی بوٹیاں چھڑک رہی تھی۔ چند ثانیوں بعد ہی وہ کراہیت ناک پھنکار سے گونج اٹھا۔ وہ ان آوازوں کا عرصہ دراز سے عادی ہو چکا تھا۔ اس لئے اثر نہ لیا۔ اس لئے اس گونج کے اثر سے بڑے بڑے سورماؤں کے پتے پانی ہو سکتے تھے۔

www.pdfbooksfree.pk

امرتا رانی اپنے اصل اور پرشکوہ روپ میں پورا پھن کاڑھے اس کمرے میں داخل ہوئی۔

پھر وہ چنتکبری ناگن کے بے جان بدن کے قریب سے گزر کے مٹی کے پتلے کے سامنے کنڈلی مار کے بیٹھ گئی۔

کنڈلی درست کرنے کے بعد اس نے اپنے جسم کو ہلکورے دیتے ہوئے اپنا چاندی کی طرح چمچماتا ہوا فرکی پھن اوپر اٹھایا اور ناگ دیوتا کے خاکی مجسمے کی جانب رخ کر کے دھیمی دھیمی آوازوں میں ایک خاص انداز میں پھنکار مارنے لگی۔ اس کا پورا بدن اب بالکل ساکت تھا..... چنتکبری ناگن کے بے جان بدن کی طرح.....

امرتا رانی کو کافی دیر تک اسی عالم میں گزر گئے..... پھر اس نے پھنکاروں کے ساتھ ساتھ اپنا پھن اوپر اٹھانا شروع کیا..... حتیٰ کہ اس کا سر کمرے کی چھت سے جا لگا..... چھت سے سر کے لگتے ہی اس نے ایک مہیب پھنکار ماری اور یکبارگی فرش پر یوں گری جیسے دم نکل چکا ہو۔ فرش پر گر کے اس نے کنڈلی ٹھیک کی اور خاموشی سے اپنا پھن دودھ سے بھرے ہوئے ایک پیالے میں ڈال دیا..... دودھ کا وہ پیالہ اس نے غیر معمولی سست رفتاری سے خالی کیا۔ پھر پھن اٹھا کے ناگ دیوتا کے مجسمے کے سامنے یوں جھومنے لگی جیسے اس پر خمار طاری ہو رہا ہو.....

آخر کار اس کا پھن نیچے آیا اور اس نے نیلے رنگ کا جھاگ دار اور رقیق سیال خالی رکھے ہوئے مٹی کے پیالوں میں سے ایک میں اگل دیا۔ کچھ دیر تک فرش پر ٹہلال پڑی رہنے کے بعد اس نے یہی عمل دودھ کے دوسرے اور تیسرے پیالے کے ساتھ بھی کیا۔ ان دونوں بار خالی پیالوں میں اگلے جانے والے سیال میں نسبتاً کم جھاگ تھے اور نیلاہٹ میں بھی کمی تھی۔ وہ چند لمحوں تک اس نیلاہٹ کو دیکھتی رہی۔

تیسری مرتبہ سیال اگلنے کے بعد امرتا رانی کا سفید بدن بالکل بے جان ہو کر دیوتا کے سامنے فرش پر پڑے رہا۔

اچانک نیلے سیال سے بھرے ہوئے وہ تینوں پیالے حیرت ناک طور پر خود بخود زمین سے اٹھ کے فضا میں تیرتے آہستہ آہستہ ناگ دیوتا کے پتلے پر پہنچے اور پھر ان کا سیال پیندے کے ذریعے رس رس کے پتلے پر ٹپکنے لگے..... وہ سیال ٹپکنے کے ساتھ ہی ناگ دیوتا کے پتلے کا رنگ حیرت ناک طریقے پر سرخی میں بدلنے لگا اور جب وہ پیالے خالی ہو کر خود بخود فرش پر گرے تو مٹی کا وہ پتلا انگاروں کی طرح سرخ ہو رہا تھا اور اس میں سے دھیمی دھیمی آنچ نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔

ان پیالوں کے ٹوٹتے ہی امرتا رانی کا بے سدھ بدن تیزی سے جنبش میں آیا اور اس کے گرد چاروں طرف چکر کاٹنے لگی۔

پہلے تو یہ سمجھا کہ وہ شاید مسرت کے عالم میں ایسا کر رہی ہے..... لیکن جب وہ سات چکر پورے کرنے کے بعد دوبارہ ناگ دیوتا کے پتلے کی طرف گئی تو اسے اپنا خیال تبدیل کرنا پڑا۔

ناگ دیوتا کے مجسمے کے سامنے پہنچ کے امرتا رانی باریک سرسراہٹوں کے ساتھ بار بار اپنی زبانیں باہر نکالنے لگی۔ اس کی زبانیں کبھی امرتا رانی کے بدن پر جاتی تھیں..... کبھی مٹی کے پراسرار اور دہکتے ہوئے پتلے پر مرغولے ہوتی تھیں..... اور کبھی چنتکبری ناگن کے بے جان بدن پر جم جاتی تھیں..... آخر کار چنتکبری ناگن کی دم سے کثیف دھواں نکلنا شروع ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا بدن بھی گھٹتا جا رہا تھا۔ دھوئیں کے وہ مرغولے اٹھ اٹھ کے فضا میں ایک ہی جگہ جمع ہوتے رہے..... حتیٰ کہ چنتکبری ناگن کا پورا بدن غائب ہو گیا۔

پھر اس دھوئیں نے بہت ہی آہستہ آہستہ اور غیر محسوس طریقے پر پھیلنا شروع کر دیا۔ اس کی حیرت بھری نگاہیں اسی طرف مرکوز تھیں۔ طویل اور صبر آزما انتظار کے بعد آخر اس دھوئیں نے انسانی سائے کی شکل اختیار کر لی اور اس کا دل اچھل کے بے اختیار اس کے گلے میں دھڑکنے لگا۔

www.pdfbooksfree.pk

پھر وہ سایہ حرکت میں آیا اور نیچے آ کر آہستگی کے ساتھ اس کے قدموں میں غائب ہونے لگا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دھوئیں کا وہ سایہ پیروں کے راستے اس کے جسم میں داخل ہو رہا ہے۔

جوں ہی وہ سایہ مکمل طور پر غائب ہوا۔ امرتا رانی نے تیزی کے ساتھ کمرے کے فرش پر لوٹ لگائی اور پھر وہ حسین نسوانی پیکر میں آ گئی۔ پھر اس نے محبت پاش نظروں سے آکاش کو دیکھا۔ پھر آکاش کے قریب آ کر بے ساختہ اس سے لپٹ گئی۔

''مبارک ہو آکاش جی..... تمہارا سایہ واپس مل گیا ہے۔'' اس نے اپنے ہونٹوں کی مٹھاس آکاش کے ہونٹوں میں جذب کر دی۔ اور گداز مرمریں بانہیں اس کے گلے میں حمائل کر دیں۔ پھر دوسرے کمرے میں گھستے ہی امرتا رانی بری طرح چونکی اور اس کے ہاتھوں سے اس طرح نکلی جیسے اسے اچانک برقی جھٹکا لگا ہو۔ اس کے چہرے سے اور آنکھوں کے خوف سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے اس نے کوئی ان دیکھی سی تحریر دیکھی ہو۔ جس سے اس کا سارا جسم سنسنا گیا ہو۔

''کیا بات ہے میری جان امرتا رانی!'' آکاش نے حیرت سے دریافت کیا۔ اس کی حرکت کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔

''تمہاری پتنی نیلم تمہارے بچے کو جنم دینے والی ہے..... لیکن ناگ راجہ اور جل کماری نے اس کی گود ہری ہوتے ہی اسے اجاڑ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے.....؟'' وہ فضا میں کسی نامعلوم نقطے پر نگاہیں مرکوز کر کے بولی۔

آکاش کو سنگیتا کو کہی ہوئی بات یاد آ گئی تو وہ شفقت پدری سے جیسے تڑپ اٹھا۔

''ایسا کسی قیمت پر ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا امرتا رانی.....! میں جان سے بھی گزر جاؤں گا..... اگر نیلم کو جیتے جی اتنا گہرا زخم..... صدمہ..... کبھی نہ بھرنے والا گھاؤ لگنے دوں گا..... اس کی خوشی ملیا میٹ کرنے والوں کو ملیا میٹ کر دوں گا۔''

''کہنا تو بہت آسان ہے میرے دیوتا.....! لیکن یہ اتنا کٹھن اور ناممکن سا ہے کہ اس کا تصور بھی محال ہے۔'' امرتا رانی نے صاف گوئی سے کہا۔ ''تم اس قدر جذباتی ہو رہے ہو اور غصے میں کہہ رہے ہو.....؟ تمہیں کچھ سجھائی نہیں دے رہا ہے؟''

''آسان ہو یا مشکل..... دشوار اور ناممکن..... مجھے اس کی زرہ برابر پروا نہیں اور نہ ہی مجھے خوف زدہ کرو..... میں نے دل میں تہیہ کر لیا ہے کہ میں ہر قیمت پر اس ناگ حویلی میں گھس کر دم لوں گا.....'' وہ مٹھیاں بھینچ کے بولا۔ اس کی آواز کرخت تھی۔ ''میری نیلم کی گود اجاڑ دی جائے۔ ان کی یہ مجال.....؟''

''بچوں جیسی باتیں نہ کرو..... تم سمجھ دار ہو..... جانتے ہو کہ اس حویلی میں گھسنا موت کو دعوت دینا ہے۔'' امرتا رانی نے اس کا ہاتھ تھام کے خوشامدانہ لہجے میں اسے سمجھایا۔ ''تمہاری جان اس قدر ارزاں نہیں ہے جو یوں..... تباہ کر دو۔''

''جو سچی بات ہے وہ تمہیں بتا رہی ہوں..... اس لیے کہ میں نہیں چاہتی کہ اپنی زندگی یوں بھینٹ چڑھا دوں۔'' وہ پیار بھرے لہجے میں بولی۔ ''جب دوسرا راستہ سامنے ہو تو جان پر کھیل جانے کی حماقت کیوں کی جائے؟''

''دوسرا راستہ.....؟'' آکاش نے اس کے چہرے پر نظریں جما کے بے یقینی کے لہجے میں دہرایا۔

''ہاں..... ہم جل کماری کے گرگوں کو حویلی تک پہنچنے ہی نہیں دیں گے۔'' امرتا رانی ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی۔

''مگر سنگیتا تو بتا رہی تھی کہ وہ گرگے اونی نگر سے حویلی تک پہنچ چکے ہیں۔'' اسے ابھی تک ناگ رانی کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔ ''سمجھ کا پھیر ہے..... اسے سمجھ سے زیادہ خبر نہیں ہوتی۔ میں تمہیں ابھی ابھی کی بات بتا رہی ہوں۔'' وہ بے چارگی کے ساتھ بولی۔

''لیکن ہم انہیں کس طرح اور کیسے روک سکیں گے؟ تمہارے ذہن میں کیا تدبیر ہے؟''

''وہ جل تاگ ہیں..... جل سے باہر آتے ہی

www.pdfbooksfree.pk

ان کی تمام شکتیاں بیکار ہو جاتی ہیں۔ اس لئے انہیں روکنا کٹھن کام نہیں ہوگا؟''

''لیکن تم نہیں روکو گی ...؟'' آکاش نے پوچھا۔ ''تمہارے ذہن میں منصوبہ کیا ہے؟''

''وہ مون مندر کے راستے ناگ حویلی جائیں گے..... ہم اسی اور چلیں گے اور انہیں کوئی موقع دیئے بغیر اپنے جال میں جکڑ لیں گے..... اتنا جان لو کہ جل کماری ناگ حویلی کے لئے اپنے خاص گرگے بھیجے گی..... ہم نے انہیں پکڑ لیا تو جل کماری پیروں میں آگرے گی۔''

''ٹھیک ہے..... ایسی بات اگر ہے تو ہمیں پل بھر کی دیر بھی نہیں کرنی چاہئے.....؟'' اس نے ہیجان انگیز لہجے میں کہا۔

''تم یہیں رک کے میرا انتظار کرو..... میں سون ہاٹ کی خبر لے کر آتی ہوں۔'' اس نے تائید طلب میں کہا۔

امرتا رانی کی بات معقول تھی۔ اس لئے وہ خاموش ہو گیا۔ امرتا رانی سنگیت کو اس کے پاس چھوڑ کے اس وقت وہاں سے چلی گئی۔

سنگیت کا قرب اور اس کی موجودگی اور حشر سامانیاں بھی اس وقت اس کے شدید کرب اور بے چارگی کے کرب کو دور نہ کر سکی۔ ابھی تک اسے صرف نیلم کی فکر تھی لیکن بھگوان کو اس کی آزمائش ہی مقصود تھی۔ نیلم کے ساتھ ہی اسے اب ہونے والے بچے کی حفاظت بھی اس پر لازم ہو چکی تھی۔ اسے پورا یقین تھا کہ اگر نیلم نے لڑکے کو جنم دیا جل کماری اپنے ہوس ناک عزائم کی تکمیل کی خاطر اسے پروان چڑھا کے اپنی عیاشیوں کی بھینٹ چڑھا دے گی اور اگر لڑکی نے جنم لیا تو شاید وہ کمینی مخلوق اسے آوارگی کی راہ پر لگانے کی کوشش کرے گی۔ ان ہولناک اندیشوں سے نجات کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ وہ ہر قیمت پر جلد از جلد اپنی بیوی نیلم اور اپنے بچے تک رسائی حاصل کر لے۔

تھوڑی دیر بعد وہ سنگیت کے چہرے پر جھک رہا تھا کہ سنگیت کی چیخ نے اسے چونکا دیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک مانوس اور انتہائی مکروہ قہقہہ سنائی دیا تو وہ ہڑبڑا سا گیا۔ اس نے سنگیت کو اپنے بازوؤں کی گرفت سے نکال کے دروازے کی سمت دیکھا تو حیرت سے چند ثانیوں کے لئے سکتے کے عالم میں رہ گیا۔

آنے والا موذی شیو ناگ ہی تھا۔ اس کے سر پر بالوں کی جگہ باریک باریک سیاہ سانپ ایک بار پھر لہرا رہے تھے۔ اس نے جل منڈل اوتی مگر سے رہائی کے بعد جزیرہ اجل بھومی کی سرزمین پر اس موذی کا سر موڈھ کے اسے تمام پراسرار قوتوں سے محروم کر دیا تھا اور اسے یقین تھا کہ وہ کمینہ دشمن کئی ہفتوں تک سون مندر کی خوف آور ویرانی سے باہر نہ آسکے گا۔ لیکن آکاش دیکھ رہا تھا کہ شیو ناگ کے سر پر بنے سانپ بہت جلد اگ آئے تھے۔ اس بار وہ زیادہ چمکیلے اور پرجوش نظر آرہے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ شیو ناگ کا حوصلہ اور جارحانہ انداز لیا ہوا تھا۔

''آکاش جی.....! میں نے بہت سے مردوں کو دیکھا جو بہت خوب صورت وجیہہ اور دراز قد تھے لیکن وہ اس قدر خوش نصیب نہ تھے لڑکیوں اور عورتوں کے معاملے میں.....'' اس نے بڑے شستہ لہجے میں خلاف توقع کہا۔

''کیا تم یہ بات کہنے کے لئے آئے ہو.....! جتانا چاہتے ہو۔'' آکاش نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

''میں یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ تم لڑکیوں، عورتوں کے لئے ہمیشہ سے خوش رہے..... امرتا رانی اور سنگیت سے کھلونے کی طرح کھیل رہے ہو..... خوب مزے لوٹ رہے ہو..... اور یہ دونوں کمبیاں ہیں کہ تم پر مرتی ہیں اور ہر طرح سے خوش کرتی رہتی ہیں..... امرتا رانی اور سنگیت نے آپس میں سمجھوتہ کیا ہوا ہے کہ ہم ایسی سوکنوں کی طرح پیار و محبت سے آکاش کو خوش کرتی اور محبت کرتی رہیں گی..... حسد و جلن کو..... قریب آنے نہیں دیں گی۔ وہ ہم سے کسی کو بھی وقت گزارنا چاہے تو خوشی سے دان کر دیں گی..... تمہاری پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑھائی میں.....'' اس کے لہجے میں زہر بھرا ہوا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

''بکواس بند کرو اور نظروں کے سامنے سے دفع ہو جاؤ۔'' آکاش دہاڑا۔ سنو... میری بات غور سے اور دھیان سے سنو... میں یہ کہنے کے لئے تمہارے دل کی بات، خواہش اور آرزو دل ہی میں رہ جائے گی۔''

اس نے آکاش کی دہاڑ کو نظر انداز کر کے بولا تو اس کا لہجہ بڑا ستھرا تھا۔ ''تم اس خوش فہمی میں نہ رہنا کہ جل کماری کے ہرکاروں کا راستہ روک لو گے... میں نے تمہارے ہاتھوں جو زک اٹھائی ہے وہ اس قدر تکلیف دہ تھی کہ میں اسے کبھی نہیں بھول سکتا اور میں اب ہر طرح سے چوکنا ہوں۔ اس بار مجھے پہلے کی طرح چونیں اور جل دینا آسان نہیں ہوگا۔''

''ناہکار..... تو میرے لئے ایک ناسور بن کر رہ گیا ہے..... ایک مستقل روگ... میرے اور ناگ حویلی کے درمیان تیری منحوس صورت رکاوٹ بنی ہوئی ہے.....'' آکاش نے حقارت بھری نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''یہ سچ ہے میرے جیتے جی تو اس ناگ حویلی کی پوتر بھومی پر قدم نہ رکھ سکے گا۔'' اس نے درمیان میں بات کاٹ کے بھونڈی مگر وہ آواز میں کہا۔

''اس لئے اس بار میں تیرا قصہ تمام کر دوں گا تو دیال بنا ہوا ہے...'' آکاش نے اس کے بڑھتے ہوئے قدموں کو نظروں کی گرفت میں لے کے کہا۔ ''تو نہ زندہ رہ سکے گا اور نہ ہی مجھے روک سکے گا۔''

''کیا نادان چھوکرے تو شیوناگ کو مٹی کا کھلونا سمجھا ہوا ہے.....؟'' وہ یک بیک طیش میں آ گیا۔ ''تو اس لئے اکڑ رہا ہے اور زور دکھا رہا ہے کہ تیرے پاس امرتارانی کا منکہ ہے..... اے ایک طرف ڈال دے تو پھر تجھے اپنی حقیقت کا پتا چلے گا۔''

''اوہ گنواروں کے پجاری تو تو کیا تیرا باپ بھی اس منکے کو مجھ سے حاصل نہ کر سکے گا۔'' آکاش مشتعل ہو گیا اور اس کی نگاہیں کمرے کا طواف کرنے لگیں کہ شاید اسے کوئی مہلک اور خطرناک ہتھیار مل جائے جس سے وہ شیوناگ کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں کو کھلا دے۔ اس طرح شیوناگ کی موت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا..... ورنہ شاید اسے ہمیشہ تنگ، پریشان اور ہراساں کرتا رہے گا۔

شیوناگ نے اچانک ہی اپنی پشت پر چھپی ہوئی مٹھیاں اس کی جانب سیدھی کر کے کھول دیں۔

آکاش سراسیمہ ہو کر کئی قدم پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ اس کے ہاتھ کھلتے ہی پورے کمرے میں سیاہ رنگ کے بھونروں کا ہجوم ابھرنے لگا۔ اس کی کھردری ہتھیلیوں کے وسط سے بھونروں کے بادل بھنبھناتے ہوئے نکل رہے تھے۔ کمرے میں پھیلتے ہوئے سے ان کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ اس کا خون پی جائیں گے..... نس نس سے لہو چوس کر قطرہ بھی نہیں رہنے دیں گے۔

چند ہی ثانیوں میں پورے کمرے میں بھنوروں کے غول کے غول بکھر گئے۔ فضا ان کے پتلے پتلے پروں کی خوف ناک بھنبھناہٹ سے لرز رہی تھی۔ جیسے کوئی طوفان آ گیا ہو۔ اندھا شیوناگ ان کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

آکاش کی بوکھلاہٹ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی تھی۔ کمرے میں بھونرے ہی بھونرے پھیل چکے تھے لیکن وہ سب اس کے بدن سے قدرے دور اس کے گرد اس طرح منڈلا رہے تھے جیسے موت منڈلاتی ہے۔ ان میں سے کوئی بھی اس کے بدن سے لپٹ پڑنے اور قریب آنے کی جرات نہ کر سکا تھا۔ کیوں کہ امرتارانی کا پراسرار منکہ اس کے گلے میں جھول رہا تھا۔ ''تیرے یہ ہتھکنڈے میرا بال تک بیکا نہیں کر سکیں گے.....! اگر تو بہادر ہے تو میرے سامنے آ کر مقابلہ کر.....'' آکاش نے طنز بھرے لہجے میں اسے چیلنج کیا۔

لیکن آکاش کی آواز بھنوروں کے پروں کی تیز آواز کی بھنبھناہٹ میں دب کے رہ گئی تھی۔

آکاش خاصی دیر تک اپنے چیلنج کے جواب کا منتظر رہا کہ شیوناگ برہم اور مشتعل ہو کر مدمقابل آ جائے گا۔ لیکن اسے کوئی دوسری آواز سنائی نہیں دی۔ شیوناگ گدھے کے سر کے سینگ کی طرح غائب ہو چکا

www.pdfbooksfree.pk

تھا لیکن پھر بھی وہ ہوشیار اور محتاط تھا کہ یہ دشمن ناقابل اعتبار ہے۔ مکار اور کمینہ ہے۔ شاید وہ کسی اور اچانک حملے کے لئے منصوبہ بنا رہا ہوگا۔ وہ اس لئے یہ نہیں سمجھا کہ شیونا گ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا ہے۔ شیونا گ جتنا خطرناک تھا اتنا ہی چال باز بھی.....

جلد ہی آکاش کا خیال درست ثابت ہوا.....

جب وہ اندازہ کر کے نکاسی کے راستے کی طرف قدم بڑھانے لگا..... لیکن بہ مشکل چند ہی قدم طے کئے ہوں گے کہ اسے اپنی پشت پر شیونا گ کا سرد سفاک بھیانک قہقہہ سنائی دیا..... قبل اس کے کہ وہ پیچھے ہٹتا اچھل کر اس کے بدن سے کسی جونک کی طرح لپٹ گیا اور وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔

آکاش منہ کے بل گرا اور شیونا گ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً ہی اس کی پشت پر اس طرح سے سوار ہوگیا جیسے گھوڑے پر سوار ہوا ہو۔ شیونا گ اسے اس طرح قابو میں کرے گا اس کے ذہن میں نہیں آیا تھا۔

شیونا گ کے یخ بستہ بدن سے ایسی عجیب سی بدبو پھوٹ رہی تھی کہ اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ ایسی سڑاند تھی کہ اس نے کبھی کسی آدمی کے جسم میں محسوس نہیں کی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ بہت ساری مچھلیاں سڑ رہی ہوں اور ان میں سے تعفن اٹھ رہا ہو۔ اس نے اچھل کر شیونا گ کو پشت سے گرا دینا چاہا لیکن شیونا گ نے اس کے بال مضبوطی سے اپنی مٹھیوں میں جکڑ لئے کہ وہ بے بس سا ہو کر رہ گیا۔ پھر وہ اس کے بالوں کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا جو اس کے لئے ناقابل برداشت ہونے لگے۔

آکاش کے منہ سے پے در پے کئی چیخیں نکلیں اور اس نے تمام قوتیں یکجا کر کے اسے اوپر سے دھکیل دیا۔ اب کمرے میں بھونروں کا کوئی نام ونشان نہیں رہا تھا۔ اور وہ پراسرار طور پر ایسے غائب ہو چکے تھے جیسے ان کا وجود ہی نہ رہا تھا اور وہ جیسے اپنا کام کر کے دفع ہو چکے ہوں۔ اس کی دانست میں شیونا گ نے بھونروں کی آڑ لے کر اس پر وار کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اور اس کا یہ حربہ کارگر ہوتے ہی اس کے مسلط کئے ہوئے ان گنت بھونرے روپوش ہو چکے تھے۔

اس کے سنبھلنے سے قبل ہی شیونا گ کے ہاتھ میں آگ کریدنے والی آہنی سلاخ آگئی تو اس نے بغیر کسی تامل کے وہ سلاخ اس کے سر پر دے ماری۔ اس طرح سے جیسے وہ اپنی اندھی آنکھ سے سب کچھ دیکھ رہا ہو۔

آکاش کے حلق سے ایک کرب ناک چیخ نکلی اور اس نے بے ہوش ہوتے ہوئے شیونا گ کے بھیانک فاتحانہ قہقہہ سنا۔ پھر وہ بے ہوشی کی تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔ پھر اسے کوئی ہوش نہ رہ سکا تھا۔

جب وہ دوبارہ ہوش میں آیا تو اس کے وجود پر اذیت کا ایک ناقابل برداشت احساس طاری تھا۔

دل کی دھڑکنیں مستقبل کے غیر یقینی اندیشوں سے ناتراج ہو چکی تھیں۔ اس کا سارا بدن پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ اس نے کراہ کے آنکھیں کھولیں تو اس نے اپنے آپ کو گھپ اندھیرے میں پایا۔ پھر جب اس کی آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہوئیں تو اسے صرف روشن نقطے نظر آئے..... دوسرے لمحے اسے ایسا محسوس ہوا کہ وہ کسی کھردرے فرش پر لیٹا ہوا ہے۔

''تم کون ہو.....؟'' اچانک اسے قریب ہی ایک کرخت مردانہ آواز سنائی دی۔

وہ اس آواز کو سن کے چونک پڑا۔ پہلے تو وہ یہ سمجھا کہ یہ شیونا گ کی آواز ہے۔ لیکن یہ شیونا گ نہیں تھا اور نہ اس کی آواز ہو سکتی تھی۔ یہ آواز نانوس اور اجنبی سی تھی۔ اسے حیرت بھی ہوئی کہ یہ آواز کس کی ہو سکتی ہے۔

''میں ایک بدنصیب شخص ہوں..... قسمت کا مارا..... لیکن بھائی یہ کون سی جگہ ہے..... تم کون ہو.....؟''

آکاش نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے اور پھر وہ مضطربانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔

''ابھی پتا چل جائے گا.....؟'' اندھیرے میں استہزائیہ لہجہ سنائی دیا۔ ''اور پھر تم دیکھ بھی لو گے.....؟''

دوسرے لمحے قدموں کی دھمک اور بجلی کے کھٹکے

www.pdfbooksfree.pk

کی آواز سنائی دی۔

اس کے ساتھ ساتھ کمرے میں چھت سے لٹکا ہوا بلب جل اٹھا تو اس کی آنکھیں اک دم تیز روشنی سے چندھیا سی گئیں تو اس نے دو ایک مرتبہ پلکیں جھپکائیں۔ جب اس کی آنکھیں روشنی میں دیکھنے کے قابل ہوئیں تو وہ ششدر ہو کے رہ گیا۔

وہ ایک کوٹھری تھی اسے کمرا نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اس کے در و دیوار سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ اس کوٹھری کی داہنی جانب اور عقب میں پتھروں کی دیواریں تھیں۔ سامنے اور بائیں جانب والی سیاہ آہنی سلاخوں کے اس پار ایسی ہی تنگ تاریک کوٹھریوں کا سلسلہ جن میں سے بیشتر خالی نظر آ رہی تھیں۔ سامنے والا حصہ سلاخوں کے دروازے پر مشتمل تھا۔ جن میں سے بیشتر خالی نظر آ رہی تھیں۔ سامنے والا سلاخوں کے دروازے پر مشتمل تھا اور مقفل نظر آ رہا تھا۔ ..... اسے مخاطب کرنے والا شخص سلاخیں تھامے پرتجسس نگاہوں سے اس کی جانب نگراں تھا۔ اس کے بدن پر پولیس کی سرکاری وردی تھی اور شانے سے رائفل جھول رہی تھی۔ اسے یہ سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی کہ وہ اس وقت پولیس کی حراست میں ہے..... سرکاری مہمان ہے۔

''عقل مند کو اشارہ کافی ہوتا ہے اور تمہاری کھوپڑی میں یہ آ گیا ہوگا کہ یہ کون سا سرکاری مہمان خانہ ہے؟'' جالیوں کے سہارے کھڑے سخت گیر چہرے والے سپاہی نے طنزیہ آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''لیکن مجھے کس جرم میں قید کیا گیا ہے.....؟''

اس نے حیرت اور خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

''یہ تو تم خود ہی بہت اچھی طرح جانتے ہو اور کیا اب بھی اس کی وضاحت ضروری ہے؟'' اس نے زہر آلود لہجے میں جواب دیا۔ ''لیکن میرا یہ خیال ہے کہ قتل سے کم کوئی جرم نہ کیا ہوگا..... کیوں کہ یہ کوٹھریاں خونی اور خطرناک قاتلوں کے لئے ہی مخصوص ہیں..... ان کی یہاں مہمان داری کی جاتی ہے.....''

اس کی نگاہوں کے سامنے بے اختیار اندھیرا چھا گیا اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے فرش پر لڑھک گیا..... اپنا جرم سن کے اسے ایسا لگا کہ اس کے دماغ پر کسی نے آہنی چوٹ لگائی ہو۔

''یہ ناٹک بند کرو.....'' اس سپاہی نے طنز بھرے لہجے میں کہا۔ ''انسپکٹر صاحب کے سامنے بڑے بڑے خطرناک مجرم بھی پناہ مانگتے ہیں۔ وہ ایسی ترکیب جانتے ہیں کہ زبان سے سچ بات نکل ہی جاتی ہے..... وہ اگلوانے کی آٹومیٹک مشین ہے مشین.....''

انسپکٹر کے بارے میں سنتے ہی اس کے ذہن میں روشنی کا ایک کوندا سا لپکا۔ اس کے سارے بدن پر ایک سنسناہٹ چاقو کی نوک کی طرح کاٹتی ہوئی اتر گئی۔ اس نے پوچھا۔ ''کیا میں اپنے قصبے کی کوتوالی میں ہوں۔''

وہ زور سے قہقہہ مار کے ہنسا۔ ''کیا تم ہندوستان کی راج دھانی میں سمجھ رہے ہو؟''

آکاش اس سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ وہ اپنی گردن ہلاتا ہوا وہاں سے چل دیا۔ وہ دور تک اس کے بوٹوں کی دھمک سنتا رہا۔

انسپکٹر سے وابستہ کہانی کی کڑیاں عرصہ دراز بھی اس کے ذہن میں اس طرح ابھرنے لگیں جیسے کل کی بات ہو۔ اسے بے اختیار وہ ابتدائی دن یاد آئے جب وہ اپنی جیون ساتھی کی جدائی کے بعد اپنی زندگی سے بے زاری کے دن گزار رہا تھا کہ سادھو بابا نے امرتا رانی کی تسخیر کر کے منکہ اس کے حوالے کر دیا تھا..... پھر امرتا رانی ایک البڑ بنجارن چمپا کے دل فریب روپ میں اس کی خواب گاہ تک آ پہنچی اور اس پر بڑی فیاضی سے مہربان ہوتی رہی اور جب ایک رات اس کے لاوارث ملازم نے چمپا کے گداز بدن سے خراج وصول کرنا چاہا تو وہ بیدار ہو گیا اور اشتعال کے عالم میں اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اس کے بعد ہی انسپکٹر اپنے آدمیوں اور کھوجی کتے کے ہمراہ اس کے مکان کی تلاشی لینے کے لئے آیا تھا..... عین اس وقت جب انسپکٹر کا کتا اس خفیہ قبر تک پہنچنا چاہتا تھا اس نے امرتا رانی کی پراسرار قوتوں کے

www.pdfbooksfree.pk

سہارے اسے ہلاک کردیا تھا۔ اس کے بعد انسپکٹر اپنے خوف زدہ آدمیوں سمیت بے نیل ومرام اس کے مکان سے لوٹ گیا تھا۔ پھر دوبارہ اس نے آکاش کے ملازم کے قتل کے سلسلے میں ادھر کا رخ نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد تو ویسے ہی حالات کے تیز وتند دھارے میں پھنس کے وہ اپنے قبضے سے باہر ہی رہا تھا۔

اب اسے حیرت اس بات کی تھی کہ وہ تو امرتا رانی کے ہمراہ اپنے قصبے سے سینکڑوں میل دور ایک عمارت میں مقیم تھا اور وہیں شیوناگ کے مقابلے میں پہلی بار اسے زک ہوئی تھی اور اب وہ یہاں انسپکٹر کا قیدی تھا۔ اس کا واضح مطلب تو یہی تھا کہ شیوناگ اس بار بہت طاقتور ہوچکا تھا اور شخص اسے الجھنوں میں ڈالنے کے لئے عالم بے ہوشی میں انسپکٹر کے حوالے کرگیا تھا۔

شیوناگ کے ساتھ ہی اسے منکہ کا خیال آیا اور اس کا ہاتھ بے اختیار اپنے گلے کی جانب گیا اور یہ جان کر اس کا دل دھک سے رہ گیا منکہ اس کے گلے سے غائب ہے.....

دہشت اور مایوسی کی اس نئی لہر نے اسے بے چین کرکے رکھ دیا۔

اس نے دل ہی دل میں امرتا رانی کو طلب کیا لیکن بے سود.....اس سے ذہنی رابطہ قائم نہ ہوسکا۔ اگر ہوتا تو لمحوں کی دیر نہ ہوتی وہ آجاتی.....انتظار کے طویل اور روح فرسا لمحات گزرتے گئے۔ ہر لمحہ کسی صدی کی طرح اس پر بھاری ہونے لگا۔ وہ پھر بھی نہ آئی۔ کوئی پل ایسا نہ تھا جو اس نے رابطہ قائم نہیں کیا ہو..... وہ جان گیا کہ شیوناگ نے اسے بے ہوش اور زخمی کرکے یقیناً اس کے گلے سے وہ منکہ نکال کے اپنے قبضے میں کرلیا اور اس کے بل بوتے پر اس نے امرتا رانی کو اپنے چنگل میں جکڑ لیا ہوگا۔ امرتا رانی اس کے قبضے میں چوں کہ بے بس ہوچکی ہوگی اس لئے اس کا مسلسل رابطہ بے سود ہوگیا تھا۔

اب صورت حال اس قدر پیچیدہ اور سنگین ہوگئی جو اس کے لئے خوف و ہراس اور تشویش کا باعث بنتی گئی۔ اس کے اعصاب میں سنسنی اور دہشت بھر گئی تھی۔ اب اوٹی نگر کی گمنام اور پراسرار سرزمین سے رابطے کی ہر کڑی اس کے ہاتھوں سے نکل چکی تھی اس کی جان از عزیز جیون ساتھی ناگ راجہ کی حویلی میں قید تھی۔ شاید اب تک اس کے بچے کو جنم دے چکی ہوگی..... ادھر جل کماری کے گرگے اس کی اولاد کو یرغمال کے طور پر لینے کے لئے پہنچنے والے تھے۔ یہ سب یادیں اتنی اذیت ناک تھیں کہ اس کا کلیجہ منہ کو آرہا تھا۔

ایک بار ان پراسرار دیناؤں کے پھیر میں پڑنے کے بعد یوں ہر قوت سے محروم ہوجانے پر اس کی حالت ابتر تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ کاش.....! اس نے نیلم کو مردہ ہی سمجھ لیا ہوتا۔ اس کی مصنوعی موت اور اغوا کا راز نہ جانتا ہوتا۔ اس حالت میں شاید کچھ عرصہ غمگین رہنے کے بعد حالات سے سمجھوتہ کرلیا ہوتا۔ لیکن اب اس کے دل کو سمجھانا اس کے بس میں نہیں رہ گیا تھا۔

پوری رات اس سوچ و بچار میں گزر گئی۔ آخر کار ایک نیا سپاہی ایک تھالی میں چاول لئے ہوئے اس کی کوٹھری کے دروازے پر آیا۔ پھر اس نے بندوق کی زد پر اسے ایک سنے کمرے میں پہنچادیا۔ وہ کمرا ساخت کے اعتبار سے ایک عقوبت خانہ معلوم دیتا تھا۔ اس کی سنگین دیواریں بہت ہی بلند و بالا تھیں۔ چھت کی کڑیوں سے جا بجا خون آلود رسیاں لٹکی ہوئی تھیں جیسے ان کے سہارے ٹکا کے قیدیوں کو نہ صرف بے دردی سے مارا جاتا ہے اور بربریت کی جاتی ہے..... تشدد کیا جاتا ہے اور ایذائیں دی جاتی ہیں۔ در و دیوار پر خون کی چھینٹیں پڑی ہوئی تھیں جو ایک طرح سے نقش و نگار لگتی تھیں۔ اس کمرے کا سب سے زیادہ خون خوار اور ڈراؤنا انسپکٹر تھا جو کمرے کے وسط میں ایک آہنی کرسی پر بیٹھا کینہ توز اسے گھور رہا تھا۔

وہ اس کے سامنے پہنچ کر اس کے سامنے اس طرح کھڑا ہوگیا جیسے حقیقی مجرم ہو۔

''تمہارا نام آکاش ہے.....'' انسپکٹر نے اپنی گود میں رکھی ہوئی فائل کی ورق گردانی کرتے ہوئے اس سے

www.pdfbooksfree.pk

سوال کیا۔

''ہاں..... اور میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ مجھے کس جرم کی پاداش میں قید کیا گیا.....؟'' آکاش نے قدرے نڈر ہو کر بڑے اعتماد سے پوچھا۔ ''کیا یہ ایک طرح سے مجھے جبس بے جا میں نہیں رکھا گیا ہے.....؟ یہ بھی تو ایک غیر قانونی حرکت ہے۔''

''ہوش میں رہ کر بات کر..... تو مجھے قانون سکھا رہا ہے؟'' انسپکٹر نے اپنی خباثت سے بھری آنکھیں اس کے چہرے پر گاڑ دیں۔ ''تمہارے مکان کے لان سے تمہارے نوکر کی لاش برآمد کر لی گئی تھی۔ تم پھانسی کے خوف سے اپنا سب کچھ چھوڑ کے فرار ہو گئے تھے..... تمہاری جائیداد ضبط کی جا چکی ہے۔ تمہارا نام مجرموں کی فہرست میں شامل کر لیا گیا ہے..... تم جانتے ہو گے فرار ہونا بھی کیا جرم ہے؟''

''لیکن تم مجھے میرے شہری حقوق سے محروم نہیں کر سکتے۔'' وہ آہستہ آہستہ اپنی قوت ارادی واپس بحال ہوتے ہوئے محسوس کر رہا تھا۔ حالات کا رخ تعین ہو جانے کے بعد اس کا ذہن بھی اس راہ پر کام کرنے لگا تھا۔

''شہری حقوق.....؟'' وہ نفرت اور تضحیک آمیز انداز میں قہقہہ مار کے ہنسا۔ ''تم دوسرے درجے کے محکوم شہری ہو..... ہماری نظروں میں تمہارا مقتول ملازم ہر حیثیت سے تم سے لاکھ درجے برتر تھا..... کیوں کہ ہنگامی قوم حکومت کی وفادار نہیں ہے..... میرا بس چلے تو میں تم سب کی گردنوں میں طوق ڈال کے تمہیں مجرموں کے کٹہرے میں ڈال دوں۔''

آکاش نے محسوس کیا کہ اس کے لہجے میں سیاسی بغض اور نفرت کا زہر سرایت کیا ہوا ہے۔

''ظلم کی یہ سیاہ رات زیادہ لمبی نہیں ہو گی انسپکٹر.....!'' آکاش اپنے غصے پر قابو نہ پا سکا۔ ''تم کچھ بھی کہہ لو قانون کی حکمرانی قائم ہے۔ عدالت میرے ساتھ انصاف کرے گی۔ تم میرا بال تک بیکا نہیں کر سکتے۔''

''بکواس بند کرو میں جو جو سوال کروں اس کا صحیح صحیح جواب دیتے جاؤ.....'' وہ ہونٹ بھینچ کے غرایا اور اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ وہ خاموش ہو کے انسپکٹر کے سوال کا منتظر رہا۔

''کیا تم مقتول کو جانتے ہو.....؟'' اس نے سخت لہجے میں سوال کیا۔

''نہیں.....'' آکاش نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا اور پھر پوچھا۔ ''کون مقتول.....؟ کس مقتول کی بات کر رہے ہو؟''

''تمہارے فرشتوں کو میں سچ بتانے پر مجبور کر دوں گا کہ مقتول کون.....؟ تمہاری سرخ و سفید رنگت ایک ہی دن میں کوئلے کی طرح سیاہ پڑ جائے گی..... تمہارے باپ کی آتما بھی آ کر بتائے گی؟''

''وہ فائل برابر رکھی کرسی پر پٹخ کے ایک جھٹکے سے سیدھا کھڑا ہو گیا۔

''تم مجھ پر تشدد کر کے جو کچھ کہلوانا چاہتے ہو تو تمہیں میری زبان سے سچ سننے کی حسرت ہی رہے گی؟'' آکاش نے تلخی سے کہا۔

انسپکٹر کے اشارے پر تین سپاہی اس کمرے میں گھس آئے اور ایک طرف کھڑے ہو گئے۔

''اس کی انگلیاں شکنجے میں کس دو.....!'' انسپکٹر نے اس کے بوسیدہ لباس پر حقارت بھری نظریں ڈالتے ہوئے ان سپاہیوں سے کہا۔

انہوں نے لمحے بھر کی تاخیر بھی نہیں کی۔ اس کے پیروں میں بیڑیاں ڈالیں۔ کلائیاں پہلے ہی ہتھکڑیوں میں بندھی ہوئی تھیں۔ پھر ذرا سی دیر میں انہوں نے اس کی بائیں آہنی میز پر لگے ہوئے آہنی شکنجے میں کس دی۔

انسپکٹر نے میز کی دراز سے ایک زنبور نکالی اور اس سے اس کی درمیانی انگلی کے ناخن کو چمٹیر نے لگا۔

''مقتول تمہارا ملازم تھا.....؟'' اس نے تڑختے لہجے میں سوال کیا۔

''نہیں.....'' آکاش نے بے خوفی سے جھٹکے دار آواز میں جواب دیا۔

www.pdfbooksfree.pk

انسپکٹر نے پھرتی کے ساتھ اس کے ہاتھ کی وسطی انگلی کے بڑھے ہوئے ناخن کا سرا زور میں تھاما اور اسے پوری قوت سے کھینچنے لگا۔ آکاش نے چند لمحوں تک تو ضبط کیا لیکن جب ناخن گوشت چھوڑنے لگا تو بے اختیار اس کے حلق سے چیخیں نکل پڑیں۔

انسپکٹر نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا۔ اس کی دو انگلیوں کے ناخن اس نے اس قدر بے رحمی سے اکھاڑ ڈالے کہ وہ اس کی سنگ دلی پر لرز کے رہ گیا۔ اس کی ہتھیلی اور آستی خون سے تر تھا لیکن انسپکٹر کے ہونٹوں پر بے رحمانہ مسکراہٹ چپکی ہوئی تھی۔ جیسے یہ سب اس کے معمول میں شامل ہو۔ وہ اقبال جرم کروانے کے لئے ایسی ہی شقاوت پر اتر آتا ہو۔

اور جب اس نے آکاش کی انگلیوں پر نمک چھڑکنا شروع کیا اس کی قوت برداشت جواب دینے لگی اس نے اس میں اپنی عافیت بھی کہ سخت جانی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے بے ہوشی کی اداکاری کر کے اس اذیت سے وقتی طور پر نجات حاصل کی جائے۔ جب وہ آخری چیخ مار کے آنکھیں بند کئے میز پر دھڑ کے بل گرا تو اس کمرے کی فضا میں انسپکٹر کے مکروہ قہقہے گونج اٹھے۔ پھر انسپکٹر نے پوری قوت سے اس کی پسلیوں کی جانب ایک گھونسا رسید کیا اور اس نے بمشکل اپنی چیخ کو حلق سے روک لیا۔

''اسے اس حالت میں پڑا رہنے دو.....'' اس نے کمرے میں انسپکٹر کی آواز سنی۔ ''جب یہ ہوش میں آئے تو مجھے خبر کر دینا۔''

جانے والوں کے قدموں کی آوازوں، دروازہ کھلنے اور بند ہونے کے مدھم شور اور تالا لگانے کی آواز سے اس نے اندازہ لگایا کہ اب وہ وہاں تنہا رہ گیا ہے۔ پھر اس نے غیر محسوس انداز سے آنکھیں کھول دیں۔

آنکھیں کھولتے ہی اسے اپنے قریب ایک سپاہی دکھائی دیا۔ اس نے بوکھلا کے دوبارہ آنکھیں بند کرنا چاہیں وہ لپک کے اس کے قریب آیا۔ ''میں بھی ایک انسان دوست ہوں صاحب ..... ! میرے ہوتے ہوئے آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ شکیتے کی گرفت سے اس کا بایاں ہاتھ آزاد کراتے ہوئے بولا۔ اس کے لہجے میں اپنائیت بھری ہوئی تھی۔

آکاش نے مسرت اور حیرت سے ملے جلے تاثر کے ساتھ آنکھیں کھول دیں۔ وہ اپنی جیب سے رومال نکال کے اس کی زخمی انگلیاں صاف کرنے لگا۔ اس قدر احتیاط سے کہ آکاش کو درد اور تکلیف نہ ہو۔

''انسپکٹر جتنی گوری چمڑی کا ہے اس کا دل بھی اس قدر کالا اور پتھر کا ہے..... جب سے اس کی نوجوان اور انتہائی حسین بہن نے ایک اچھوت لڑکے سے شادی کر لی تو یہ تب سے عام لوگوں کے خون کا پیاسا ہو گیا ہے۔ دراصل یہ کمینہ برہمن ذات کا ہے..... مجھے تو پتا نہیں کہ آپ نے قتل کیا ہے یا نہیں لیکن انسپکٹر جو بہت ہی ذلیل ہے ہر قیمت پر آپ کو پھانسی یا عمر قید کی سزا دلوانے کی کوشش کرے گا۔ اسے بے گناہوں اور غیر ذات کے لوگوں کو اذیت اور موت کی نیند پہنچا کے خوشی ہوتی ہے۔'' وہ نرم مگر بامغیانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک سپاہی کے سینے میں نرم دل ہے۔

''کیا تم مجھے بتا سکتے ہو میں کس طرح اس قید خانے میں پہنچا ہوں؟'' اس کے سینے میں ایک سوال جو پھانس کی طرح گڑ ہوا تھا۔ اس پھانس کو نکال دیا۔

''آپ کو ایک اندھا اور پھولے پھولے چہرے والا سیاہ فام آدمی یہاں لے کے آیا تھا..... اس نے انسپکٹر کو یہ بیان دیا کہ آپ نے اس کے گھر میں گھس کر اس کی نوجوان بیٹی کی بے حرمتی اور چوری کی نیت کی تھی۔ آپ نے خنجر کے زور پر اسے بے لباس کیا اور فائدہ اٹھایا۔ پھر چوری کی کوشش کی تھی کہ اس کے پڑوسی نے دیکھ کر آپ کو محلے والوں کی مدد سے پکڑ لیا۔ آپ کو دیکھتے ہی انسپکٹر چونک پڑا۔ اس آدمی کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اس شخص نے اپنے ملازم کو اس لئے قتل کیا کہ اس کی نوجوان پتنی بہت حسین تھی جس سے وہ دل بہلاتا رہتا تھا۔ جب اس ملازم نے اپنی پتنی کو اس کے ساتھ آدھا ادھا دیکھا تو غصے میں آ گیا۔ پھر اس نے اپنے ملازم کو قتل کر دیا تا کہ

www.pdfbooksfree.pk

راستہ صاف ہوجائے اور یہ مفرور ملزم ہے۔''

''یہ سب جھوٹ اور سراسر بہتان ہے۔'' آکاش نے صفائی پیش کی۔ ''میرے ملازم کو اس کی بیوی کے آشنا نے قتل کیا اور الزام مجھ پر تھوپ دیا۔

''آپ مجھے نہایت نیک، شریف اور بے ضرر آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ آپ قتل تو کیا مرغی بھی ذبح نہیں کرسکتے ہیں۔''

''کیا تم بتاسکتے ہو کہ اس اندھے کے سر بالوں کی جگہ کیا اگا ہوا تھا۔'' آکاش نے بے قراری سے پوچھا۔

''جی میں سمجھا نہیں.....؟'' اس نے متعجب لہجے میں کہا۔ ''سر میں بال اگتے ہیں۔ گھاس اگنے سے رہی۔''

''میری مراد یہ تھی کہ کہیں وہ گنجا تو نہیں تھا۔'' آکاش نے بات گھمائی۔

''یہ تو میں نہیں جانتا کہ وہ گنجا تھا یا نہیں.....اس نے جو ٹوپی پہن رکھی تھی کچھ عجیب اور بدنما سی تھی۔ جس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وہ گنجا ہے یا نہیں.....'' اس نے بتایا۔

''سنو..... میں بالکل بے گناہ ہوں۔'' وہ دفعتہً جوش میں اپنی تکلیف بھول بیٹھا تھا۔ ''اصل بات یہ تھی کہ اس نے دیرینہ دشمنی کی بنا پر مجھے انسپکٹر کے حوالے کیا۔ انسپکٹر کا وہم یہ تھا کہ میری خوب صورتی اور وجاہت پر اس کی بیوی مرمٹی ہے اور میں اس کے ساتھ رنگ رلیاں مناتا ہوں.....میری نوجوان حسین بیٹی کو کسی نے اغوا کرنے کی کوشش میں اسے قتل کردیا۔ میں اس کے غم سے نڈھال ہوں۔ میں بھلا کیوں کسی کی بیٹی کی طرف میلی نظروں سے دیکھوں چھوڑو ان باتوں کو..... یہ بتاؤ کہ تم میری کیا مدد کرسکتے ہو؟''

''مدد.....؟'' وہ گہری سوچ میں غرق ہوگیا۔ آکاش نے اس کا بشرہ بھانپ لیا۔ وہ اسے فرار کرانے کی کوئی تدبیر سوچ رہا تھا۔ چند ساعتوں کے گہرے سکوت کو توڑتے ہوئے اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میرے ذہن میں ایک تدبیر آرہی ہے۔ لیکن میری ایک شرط ہے.....؟ کیا آپ اسے پوری کرسکیں گے؟''

''میں تمہاری ہر شرط پوری کروں گا تاکہ اس اذیت اور قید سے رہائی پاسکوں۔''

''اگر ایسی بات ہے تو آپ کو حوصلے سے کام لینا ہوگا۔ اس صورت میں، میں آپ کو فرار ہونے میں مدد دے سکتا ہوں۔''

''واقعی.....؟'' فرط مسرت سے آکاش کا چہرہ دمک اٹھا۔ ''میں ساری زندگی تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھلاؤں گا۔''

''آپ ایسا کریں کہ لمبی بے ہوشی کی اداکاری ابھی اور اسی وقت سے شروع کردیں۔ انسپکٹر آپ کو اکیلا چھوڑ دے گا..... میں موقع پاتے ہی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں کھول دوں گا۔ آپ اس کمرے کے نیچے سے گزرنے والے تنگ اور گندے نالے سے ہوکر فرار ہوجائیں۔ اس کے علاوہ کوئی تدبیر اور راستہ نہیں ہے۔''

اس نے یہ کہتے ہوئے کمرے کے ایک کونے میں گٹر کے ڈھکنے کی طرف اشارہ کیا۔

''ہتھکڑیاں اور بیڑیاں آپ راستے میں کہیں اور پھینک دیں تاکہ انسپکٹر یہ سمجھے کہ آپ بیڑیوں سمیت فرار ہوئے ہیں۔ ورنہ وہ میری ملازمت ختم کردے گا۔ چابیاں میرے پاس ہی رہتی ہیں۔''

''تم میرے محسن ہو..... میرے عظیم محسن میرے دوست.....!'' آکاش نے اسے پرجوش لہجے میں مخاطب کیا۔

پھر وہ کافی دیر تک بیٹھا آکاش کو اس نالے کی گزرگاہ کا نقشہ سمجھاتا رہا اور شام ہونے کے قریب اس کا بایاں ہاتھ شکنجے میں جوں کا توں کس کر واپس لوٹ گیا اور وہ آہنی میز پر بے ہوش بن کر گر گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد انسپکٹر کی گرج دار آواز سنائی دی۔ اس نے نفرت اور حقارت کے ساتھ آکاش کا جائزہ لیا۔ وہ بالکل بے سدھ پڑا یہ تاثر دیتا رہا کہ وہ موت کے منہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔

''اسے نیچے فرش پر پھینک دو..... اچھا ہے کہ

www.pdfbooksfree.pk

سسک سسک کے یہ خود ہی مرجائے..... ورنہ اس کے مقدمے پر مجھے بہت زیادہ محنت کرنی پڑے گی اور روز ناچے میں اس کے اندراج کی ضرورت نہیں ہے۔'' آکاش نے اس کی آواز سنی۔

اس وقت جب اس کے ماتحت آکاش کو بے دردی کے ساتھ فرش پر ڈال رہے تھے اس نے اپنی آنکھوں میں جھری پیدا کر کے ان کے چہرے دیکھے۔ ان پانچوں میں سے دو تھے جو کافی عرصہ قبل انسپکٹر اور اس کے کھوجی کتے کے ہمراہ اس کے ملازم کے قتل کے سلسلے میں اس کے پاس آئے تھے۔

اپنی دانست میں وہ لوگ اسے بے ہوش سمجھ کے اس کے بدن کو فرش پر پھینک کے واپس لوٹ گئے۔

جب آکاش کو اچھی طرح اطمینان ہو گیا کہ وہ اس کمرے میں تنہا ہے تو اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور اپنے محسن کا بڑی بے چینی اور بے صبری سے انتظار کرنے لگا جس کا نام اسے ابھی تک معلوم نہیں تھا۔

کوئی نصف شب کے قریب اس کا اجنبی دوست، بے آواز قدموں سے اس کے پاس آیا تو اس کی جان میں جان آئی۔

اس نے آتے ہی فوراً ہی اسے آواز آزادی، اس کے بدن کو زنجیر و سلاسل سے آزاد کیا۔ اس کے لئے کھانا بھی لایا تھا اور ایک فلاسک میں گرم گرم دودھ بھی تھا۔ وہ سخت بھوکا تھا جس سے نڈھال ہو رہا تھا وہ کھانے پر ٹوٹ نہیں پڑا تھا لیکن جلدی جلدی کھایا۔ دودھ کوئی دو تین کلاس کے قریب تھا۔ کھانے اور دودھ پینے سے اس کی تھکن اور کمزوری دور ہو گئی۔ توانائی آ گئی۔

کھانے سے فراغت پانے کے بعد اس کے اجنبی محسن نے اس کے ایک ٹارچ حوالے کی جو چھوٹی تھی لیکن اس کی روشنی بہت تیز اور طاقت ور تھی اور اسے گرم جوشی سے بغل گیر ہو کے الوداع کہہ کے رخصت ہو گیا۔

اب اسے اپنے منصوبے کا باقی حصہ تنہا پایہ تکمیل تک پہنچانا تھا۔ پھر اس نے اندھیرے میں ٹارچ روشن کی۔ اس ٹارچ کی خوبی یہ تھی کہ اس کی روشنی بڑھائی اور گھٹائی بھی جا سکتی تھی اور تیزی سے گنر کے ڈھکنے تک پہنچ گیا جس کے نیچے بہنے والا نالہ اس کی نجات کا راستہ تھا۔

ابھی ڈھکنا ہٹانے کے لئے جھکا ہی تھا کہ اس کی چھٹی حس نے اسے کمرے میں کسی اور کی موجودگی کا احساس دلایا۔ وہ بجلی کی سی سرعت سے پلٹا۔ اس کے ساتھ اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی ٹارچ سے خارج ہونے والی روشنی کی لکیر نیم دائرے کی صورت میں پیچھے گھوم گئی۔ کمرے کے وسط میں امرتا رانی موجود تھی۔ اسے اپنی نگاہوں کے سامنے پا کر اس پر شادی مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ غیر یقینی اور مایوس کن حالات کے انتہائی نقطے پر وہ یوں اچانک اور غیر متوقع طور پر سامنے آئی تھی کہ وہ ساعتوں تک اس کی موجودگی کو سپنا سا سمجھا۔ پھر جب اسے یقین ہو گیا کہ یہ سپنا نہیں ہے تو اس کے بدن پر سنسنی طاری ہو گئی۔ اس کا دل یک بیک کنپٹیوں میں دھکنے لگا اور دوران خون تیز ہو گیا اور اس کی نگاہیں اس کے سراپا پر جم گئیں۔

آکاش کو اس کی آمد کی جس قدر خوشی تھی اسی قدر اس کی حالت ایک مفتوحہ اور تاخت و تاراج کی سی تھی جس پر اس کے دل کو گہرا صدمہ پہنچا اور اس کی ساری خوشی کافور ہو گئی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ پراسرار اور نادیدہ قوتوں کی مالک امرتا رانی کی بھی ایسی ناگفتہ بہ حالت ہو سکتی ہے۔ اس کی گھنی ہوئی زلفیں جھاڑ جھنکار کی طرح ابھی ہوئی تھیں۔ سرخ و سفید رخساروں پر لمبی لمبی خراشیں پڑی ہوئی تھیں جو خون خون سی ہو رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ تیز ناخنوں والے کسی درندے سے اس کی زبردست معرکہ آرائی ہوئی ہو۔

امرتا رانی کا لباس تار تار ہو کے دھجیاں بن کے اس کے جسم پر جھول رہا تھا۔ اس کا نچلا حصہ بالکل بے حجاب اور خون میں نہایا ہوا تھا۔ سڈول، گداز اور مرمریں پنڈلیوں میں ہلکی ہلکی لرزش سی تھی۔

امرتا رانی کی اوپر سے نیچے تک جو ابتر حالت تھی اسے ان کہی کہانی سنا رہی تھی..... سنگ دل اور ہوس کی

www.pdfbooksfree.pk

کہانی..... بے رحم شکاری اور بے بس و مجبور چیتھی کی کہانی جو قید کی دہشت سے نجات پانے کے لئے قفس کی تیلیوں میں اپنے نازک نازک پر پھڑ پھڑا کے لہولہان ہو جاتا ہے۔ لیکن صیاد کے ستم سے پھر بھی نجات نہیں پا سکتا۔

''میری جان امرتا رانی.....! تمہاری یہ کیا حالت ہو رہی ہے.....؟ مجھ سے دیکھی نہیں جا رہی ہے.....'' وہ جھونپڑا ہو کر بولا تو اسے اپنی آواز اندھے کنویں سے آتی سنائی دی۔ وہ اس کی طرف بڑھا۔

''میرے پاس نہ آؤ اور میرے بدن اور مجھے اپنے سینے سے لگا کے دلاسا دینے کی ضرورت نہیں.....'' وہ جذبات سے عاری سرد لہجے میں بولی۔ ''پہلے یہ بتاؤ کہ میرا منکہ کہاں ہے.....؟ اس کے بغیر تم مجھ پر اپنی محبت اور حق کھو بیٹھے ہو۔''

''منکہ.....؟'' آکاش کا ہاتھ غیر ارادی اپنے گلے کی طرف گیا جہاں اب منکہ نہیں تھا۔ ''وہ تو شیوناگ نے مجھ پر قابو پا کے چھین لیا۔''

''تمہاری مرضی اور اجازت کے بغیر دنیا کی کوئی طاقت اس منکے کو ہاتھ نہیں لگا سکتی جو بھی اسے چھوئے گا وہ ان دیکھی آگ میں جل کے فنا ہو جائے گا..... شیوناگ ابھی تک زندہ ہے..... اس کا مطلب ہے کہ اس نے منکے کو ہاتھ نہیں لگایا ہے..... لیکن آج وہ میرے لئے گالی ضرور بن گیا ہے.....'' اس کی بے جان آواز میں بے رحمی بھی سمٹ آئی تھی۔ ''پھر نہ جانے منکہ کہاں ہے..... میں خود اس کے بغیر مصیبتوں میں مبتلا ہو گیا ہوں۔'' وہ امرتا رانی سے دو قدم ٹھہر کے بولا۔ ''تمہاری قابل رحم مجھ سے دیکھی نہیں جا رہی ہے..... میری جان..... ! میرے دل سے پوچھو کہ اس پر کیا گزر رہی ہے۔''

''مجھ پر رحم کھانے کی ضرورت نہیں آکاش جی.....!'' امرتا رانی کے لہجے میں تلخی سی بھر گئی۔ ''میں تمہارے عشق میں پاگل ہو کے مرمٹی اور تمہیں ہر طرح سے اپنے بدن سے کھیلنے اور سرفراز ہونے دیا..... کسی بات سے منع اور انکار نہیں کیا..... میرے عشق کی دیوانگی نے تمہارے علاوہ کسی اور کی طرف دیکھنے، مائل اور متوجہ ہونے سے باز رکھا..... جس کسی نے بھی مجھے زیر کرنے کی کوشش کی اسے غارت، تباہ اور برباد کر دیا۔ لیکن آج شیوناگ نے مجھے بے یار و مددگار پا کے گھیر لیا..... عورت کتنی ہی بہادر اور حوصلہ مند کیوں نہ ہو وہ مرد کے مقابلے میں جیت نہیں سکتی۔ اس نے اپنی آرزو پوری نہ ہونے پر میری یہ حالت کر دی۔''

امرتا رانی کے لہجے میں تلخی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کے سینے میں سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ وہ اپنے دھڑکتے سینے پر ہاتھ رکھ کے کہنے لگی۔ ''جب سے مجھے روپ بدلنے کی شکتی ملی تھی تب سے کسی ناگ کی مجال اور ہمت نہیں تھی کہ میرے قریب آئے۔ لیکن آج شیوناگ نے ناگوں کی دھرتی کی رانی کو گدھ کی طرح نوچا ہے..... مگر اب میرا رواں رواں انتقام کی آگ میں جل رہا ہے اور وہ ناکامی پر خار کھا رہا ہے اور اس کوشش میں ہے کہ مجھے زیر کر کے رہے۔ میں کسی مشکل سے تمہارے پاس پہنچی ہوں تاکہ نہیں سکتی..... کاش.....! میں اسے نیست و نابود کر سکتی۔''

امرتا رانی کی یہ روح فرسا کہانی سن کے وہ کانپ اٹھا تھا۔ آکاش کی حالت اس پر گزرے ہوئے کٹھن لمحوں کی روداد کہیں اذیت ناک تھی۔ شیوناگ نے امرتا رانی پر غلبہ پانے کی جو مذموم کوشش کی اس پر آکاش کا خون کھول اٹھا۔ کئی لمحوں تک وہ ساکت سا رہا۔ اس کے منہ سے ایک لفظ تک نہ نکل سکا۔ وہ بھول گیا تھا کہ وہ اس وقت قتل کے الزام میں اسیر ہے اور فرار کی راہ اس کی منتظر ہے۔

''میری جان.....! تم مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ یہ المناک واقعہ کیسے اور کیوں کر پیش آیا۔'' آکاش نے پوچھا۔

''بات یہ ہے کہ شیوناگ کی شکتیاں واپس لوٹ چکی ہیں۔ تمہاری پتنی حویلی میں تمہارے لڑکے کو جنم دے چکی ہے..... جل کماری کے چیلے اس لڑکے کو لینے حویلی پہنچ چکے ہیں۔ میں یہ سب معلوم کرنے کے لئے

www.pdfbooksfree.pk

سون باٹ کی طرف گئی تھی۔ وہاں سے واپسی میں ساری شکتی ختم ہوگئی اور میں نے سمجھ لیا کہ میرا منکہ تمہارے ہاتھوں سے نکل چکا ہے۔ میں نے واپس تم تک پہنچنا چاہا مگر میں سون مندر کے قرب و جوار سے نکل نہ سکی اور آج شیونا گ نے نرغہ میں لے لیا۔ وہ اندھا ترک کی آگ میں جل رہا تھا۔ میں نے کوئی دو گھنٹہ تک اس کا مقابلہ کیا اور اس نے مجھے زمین پر گرالیا۔ پھر وہ کر گزرا جس کے بارے میں کوئی ناگ سوچ بھی نہ سکا۔ وہ اس حد تک کامیاب رہا کہ میرے جسم کا حشر نشر کردیا۔''

اگر تمہاری یہ بات درست ہے کہ میری مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی اس منکے کو ہاتھ نہیں لگا سکتا تو مجھے یہ بتاؤ کہ سون مندر جانے سے قبل تم نے مجھے کہاں چھوڑا تھا.....؟ شاید شیونا گ سے مقابلے میں منکہ وہیں گرا ہوگا۔'' آہ کاش نے رقعے لیجیے میں کہا۔

''وہ میسور کی ایک ایسی ویران حویلی تھی جہاں برسوں سے کسی انسان نے قدم نہیں رکھا تھا۔'' امرتا رانی نے جواب دیا۔

''بلا میسور.....؟'' اس کے منہ سے تحیر زدہ آواز نکلی۔ اور اس وقت میں اپنے قصبے میں موجود ہوں۔ سینکڑوں میل کا فاصلہ کیسے ہوگیا؟''

''پراسرار اور طاقت ور شکتی والوں کے لئے سینکڑوں کیا بلکہ ہزاروں میل کے فاصلے بھی بائیں ہاتھ کا کھیل ہے.....؟ پلک جھپکتے ہی پہنچا دیئے ہیں اور پہنچا بھی سکتے ہیں.....'' اس نے سرد آواز میں بتایا۔

''گویا شیونا گ اس قدر خطرناک اور بدترین دشمن ہوتا جارہا ہے؟''

''شیونا گ کو شکتی کیا ملی اسے بڑا زعم اور گھمنڈ ہوگیا ہے اور تمہیں سبق سکھانے کے مارنے پر تلا ہوا ہے.....اسی لئے اس نے تمہیں انسپکٹر کے حوالات میں لاڈلا اور یہ جانتے ہوئے کہ میں تمہیں اس کے عقوبت خانے سے نجات نہیں دلاسکوں گی۔'' اچانک اسے یاد آیا کہ وہ قید میں ہے اور یہاں سے فرار کا راستہ سامنے موجود ہے۔ اس نے بے اختیار ہو کے امرتا رانی کا عریاں بازو تھام کے قریب کرلیا اور سرگوشی میں بولا۔

''میری جان.....؟ آؤ.....میرے ساتھ آؤ۔ میں فرار کی راہ نکال چکا ہوں۔''

گنڑ کا ڈھکنا اٹھتے ہی بدبو کے تیز اور ناگوار اس کے دماغ سے ٹکرائے۔ مگر یہ وقت صاف صفائی اور نفاست دیکھنے کا نہیں تھا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی میں اس تنگ نالے کے وسط میں بہتے ہوئے گندے پانی کی گندی سی لکیر دیکھی جو دن میں شاید پورے نالے کی چوڑائی میں پھیل جاتی ہوگی۔ وہ اپنی ہچکچاہٹیں اور بیڑیاں سنبھال کے اس نالے میں اترا تو امرتا رانی بھی اس کے پیچھے پیچھے اتر آئی۔

نالا چوں کہ تنگ تھا اس لئے اسے اور امرتا رانی کو جھک کے چلنا پڑ رہا تھا اس کا بایاں ہاتھ ناخنوں کے اکھڑ جانے کے باعث ناکارہ ہوچکا تھا۔ لہٰذا اس نے ٹارچ تھامی ہوئی تھی۔ ہچکڑیاں اور بیڑیاں امرتا رانی نے سنبھال لی تھیں۔

نالے میں وہ دونوں جوں جوں آگے بڑھتے جارہے تھے بدبو اور گھٹن ناقابل برداشت ہوئی جارہی تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اگر کچھ دیر اور کوئی ڈھکن یا نکاسی کا راستہ نظر نہ آیا تو تعفن کے باعث اس کے دماغ کی شریانیں پھٹ پڑیں گی۔ وہ کھلی فضا میں آزادی کا سانس لینے سے قبل ہی ختم ہوجائے گا۔

کچھ دیر بعد اس کی قوت برداشت جواب دینے لگی تو امرتا رانی نے محسوس کر کے رہنمائی کا فرض سنبھال لیا اور وہ اپنا سر تھام کے اس کے پیچھے خود کو جبر سے گھسیٹنے لگا۔

وہ نیم بے ہوشی اور خوف کے عالم میں خود کو یونہی گھسیٹتا رہا۔ اس کا پورا بدن غلاظت سے آلودہ ہوچکا تھا۔ دماغ اس شدید بدبو سے ماؤف ہوچکا تھا اور قدم ارادے کا ساتھ چھوڑتے نظر آرہے تھے کہ امرتا رانی نے اسے اچانک ایک ڈھکن نظر آنے کی نوید سنائی اور پھر اس نے فوراً ہی وہ ڈھکن الٹ دیا۔

کھلی فضا میں تازہ اور خوشگوار ہوا کے جھونکوں سے اس کے حواس قدرے بحال ہوئے اور امرتا رانی کا

www.pdfbooksfree.pk

کی مدد اور سہارے سے اس نالے سے باہر نکل آیا تھا۔ ورنہ اس میں باہر نکلنے کی سکت نہیں تھی۔ امرتا رانی نے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں نالے ہی میں پھینک دی تھیں۔ پھر وہ بھی باہر نکل آئی تھی۔

اس کے باہر آتے ہی فضا شیوناگ کے غیر فطری قہقہوں سے لرز اٹھی۔ وہ حواس باختہ ہو کر پلٹا تو اس ویران میدان میں اگی ہوئی کانٹے دار جھاڑیوں کے عقب میں شیوناگ اور انسپکٹر اور اس کے چند ماتحتوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کے سر پر اس وقت واقعی ایک غیر معمولی طور پر اونچی اور پھولی ہوئی ٹوپی بنی ہوئی تھی۔ جو شاید اس نے اپنے سر پر اگے ہوئے سانپوں کو چھپانے کے لئے استعمال کی تھی۔

''انسپکٹر صاحب.....! میں نہ کہتا تھا کہ یہ کمینہ بہت ہی گھاگ کے..... ذرا بھی چوک ہوئی تو یہ چکمہ دے کر نکل چکا ہوتا..... اب لگے ہاتھوں اس لڑکی کو بھی پکڑ لیں..... یہ بھی اس ملازم کے قتل میں برابر کی شریک تھی..... آکاش نے ملازم کو اس کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے دیکھ کر قتل کیا تھا اور بعد میں دونوں نے مل کر اس کی لاش چھپا دی تھی۔''

شیوناگ نے اس سرچ لائٹ کی روشنی میں جو انسکٹر نے روشن کی ہوئی تھی۔

''خبردار جو حرکت یا بھاگنے کی کوشش کی۔ اپنی جگہ کھڑے رہو۔''

انسکٹر نے اپنے ماتحتوں سمیت بندوقیں تانے ان دونوں کی جانب بڑھنے لگا۔

اس وقت آکاش پر غصے کے ساتھ ہی شدید بے بسی اور جھلاہٹ بھی طاری تھی۔ وہ فرار کا منصوبہ بناتے وقت یہ بھول بیٹھا تھا کہ اس کا مقابلہ کس قدر عیار اور خطرناک دشمن سے ہے۔ اس نے شدید دشواری اور کوشش کے بعد جس زندان سے نجات حاصل کی تھی وہ پھر سے افتاد ناگہانی بن کے نازل ہوگئی تھی۔

جب انسکٹر اور اس کے آدمی ان دونوں سے چند قدم دور رہ گئے تو امرتا رانی پھرتی کے ساتھ زمین پر گری۔ انسپکٹر نے جیسے خطرے کی بو سونگھ لی تھی۔ وہ دوسرے لمحے ایک دم ہذیانی لہجے میں چیخا۔

''حرام زادو..... دیکھ کیا رہے ہو.....؟ انہیں بھون دو..... یہ زندہ نہ بچ پائیں۔''

اس کے ماتحتوں نے ایک پل کی تاخیر بھی نہیں کی اور بندوقیں سنبھال کے ان پر بندوقوں کی باڑ مار دی۔

چوں کہ وہ ہراساں اور بوکھلاہٹ کا شکار ہو گئے تھے اس لئے ان کے نشانے خطا ہو گئے اور گولیاں ان کے سروں اور کانوں کے پاس سے زن زن کرتی ہوئی گزر گئیں۔ ادھر انسکٹر نشانہ خطا ہونے پر گالیاں بکنے لگا۔

جتنی دیر میں وہ اپنی بندوقیں لوڈ کرتے امرتا رانی نے برق سرعت سے زمین پر لوٹ لگائی۔ دوسرے لمحے وہ ناگ رانی کے ہیبت ناک روپ میں آ گئی تھی۔ یہ روپ لرزہ براندام کر دینے والا تھا۔

جب انہوں نے یہ ہیبت ناک روپ دیکھا تو لمحے بھر کے لئے سکتے میں آ گئے۔ پھر اگلے لمحے انسپکٹر اور اس کے ماتحتوں کے قدم اکھڑ گئے وہ دہشت زدہ اور حواس باختہ ہو کر چیخیں مارتے ہوئے جیپ کی طرف اندھا دھند دوڑے۔

امرتا رانی نے انہیں فرار ہونے کا موقع نہیں دیا اور وہ برق رفتاری سے ان کے پیچھے لپکی۔ شیوناگ بھی اس کے ساتھ انسپکٹر اور اس کے ماتحتوں کے پیچھے لپکا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہی امرتا رانی اور شیوناگ نے مل کر انسپکٹر اور اس کے ماتحتوں کو موت کی بھینٹ چڑھا دیا۔

''تم تو پولیس کی قید سے بچ گئے مگر اب تم سون مندر سے نہیں بچ سکو گے۔'' شیوناگ نے اس کے پاس استہزائیہ لہجے میں بولا۔

ادھر آکاش ایک نئی اور عجیب الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا کہ امرتا رانی اب کیا کردار ادا کرے گی ہے۔ شیوناگ نے انسپکٹر اور اس کے ماتحتوں کا صفایا کرنے میں جس طرح ناگ رانی کے ساتھ تعاون کیا تھا اس کے لئے سخت تشویش کا باعث تھا۔

(جاری ہے)

www.pdfbooksfree.pk

انتہائی قدم

ساحل دعا بخاری۔ بصیر پور

عامل نے بہت چاہا کہ وہ سختی نہ کرے مگر جنات اپنی ہٹ دھرمی پر اڑے رہے سو مجبوراً عامل کو انتہائی قدم اٹھانے پڑے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک زبردست شعلہ لپکا اور جنات کے وجود شعلوں میں گھر گئے پھر.....

جنات کی شرانگیزی کی حقیقت پر مبنی دل دہلاتی اور دل کو مسوستی تحیر انگیز کہانی

طاہر سے میری پہلی ملاقات ایک لائبریری میں ہوئی تھی۔ مجھے کافی دنوں سے ہسٹری کی ایک کتاب کی تلاش تھی۔ اور لائبریرین نے کہا تھا کہ وہ منگوادے گا۔ اس شام سورج ڈھل چکا تھا اور سرمئی شام اداسی سے زمین پر اتر آئی تھی اور ہر کسی کو گھر جانے کی جلدی تھی۔ ٹریفک کا شور اور بازار میں مختلف لوگوں کی مختلف آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ خیر تو میں بتا رہا تھا کہ اس وقت میں مارکیٹ کسی کام سے گیا تھا تو سوچا کہ کتاب کا بھی پتہ کرتا چلوں۔ وہ ایک پبلک لائبریری تھی۔

لائبریرین ساجد علی ایک ادھیڑ عمر شخص تھا۔ میں نے چھوٹتے ہی اس سے کتاب کا پوچھا۔ وہ رجسٹر پہ جھکا شاید کوئی لسٹ بنا رہا تھا۔ ''جی شاہ صاحب! وہ آ گئی ہے؟'' اس نے لبوں پر مخصوص مسکراہٹ سجالی۔ ''انصر شاہ جی کو ان کی کتاب لادو۔'' اس نے ملازم سے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk

سر! میں بکس سیٹ کر رہا ہوں۔ شاہ جی کو اندر بھیج دیں۔'' انصر مصروف سے انداز میں بولا۔

''یہیں لے آؤ۔'' اب کے ساجد نے اسے ڈپٹا۔

''کوئی بات نہیں۔ میں خود چلا جاتا ہوں۔ مزید کچھ بکس دیکھ لوں گا۔'' میں مسکرایا اور کاؤنٹر کے پاس سے گزرتا ہوا اندر چلا گیا۔ ایک ٹیبل پر ایک نوجوان بیٹھا تھا، اس کا نام طاہر تھا۔ طاہر کو میں نے پہلی بار دیکھا، وہ بھی نوجوان، یعنی میرا ہم عمر ہی تھا۔ گندمی رنگت، سیاہ بال، قبول صورت نقوش..... وہ کرسی پر بیٹھا تھا۔ ایک کھلی کتاب گلاس ٹیبل پر موجود تھی۔ اس نے بائیں کہنی ٹیبل پر ٹکا رکھی تھی اور مٹھی بند کر کے بائیں رخسار پر رکھی ہوئی تھی۔ دایاں ہاتھ کتاب کے کونے پر رکھے وہ انہماک سے پڑھ رہا تھا۔

انصر نے میری مطلوبہ کتاب لا کر ٹیبل پر رکھی تو وہ چونکا۔ مجھے دیکھ کر اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ ''طاہر شیراز۔''

''امجد حسین بخاری۔'' میں بھی جواباً مسکرایا۔ اس کی گرفت مضبوط تھی۔ اس کا ہاتھ انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟'' میں نے اخلاقاً پوچھا۔

''جی..... بس ذرا نمبر بیچ ہے۔'' اس نے براہ راست میری آنکھوں میں دیکھا۔ اس کی سیاہی مائل سرمئی گہری آنکھوں میں ایک عجیب سا تاثر تھا۔ مجھے یوں لگا کہ میں دور..... بہت دور کہیں ویرانوں میں بھٹکتا پھر رہا ہوں اور ریت کے بگولے میرے ارد گرد رقصاں ہیں۔ اس نے پلکیں جھپکیں تو میں یکلخت جیسے کسی خواب سے جاگ کر حواس میں لوٹ آیا۔ ''اتنے مگن انداز میں کیا پڑھا جا رہا ہے؟''

میں نے کتاب اٹھائی اور اس کا سرورق دیکھ کر چونک اٹھا۔ سیاہ سرورق تھا۔ جس پر سنہرے رنگ کی ایک انسانی کھوپڑی بنی تھی۔ کتاب زیادہ پرانی نہیں تھی۔ مگر..... اسے ہاتھ میں لیتے ہی میری کیفیت عجیب سی ہوگئی۔ وہ عملیات کی کتاب تھی۔ میں نے سرسری سا دیکھ کر کتاب اسے واپس کر دی اور اپنی مطلوبہ کتاب اٹھا کر باہر نکلا تو آسمان بادلوں کی زد میں تھا اور اندھیرا گہرا ہو چکا تھا۔ طاہر بھی میرے ساتھ ہی نکلا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے بارش شروع ہوگئی۔ سرسراتی ہوائیں، بادلوں کی گرج، بجلی کی چمک اور موسلا دھار بارش جو گولیوں کی سی تڑتڑاہٹ سے برس رہی تھی۔ ''یہ میرا گھر ہے۔ اندر آ جائیں۔ بارش رکنے کا انتظار کریں۔'' اس نے اندھیرے میں ڈوبے ایک گھر کی جانب اشارہ کیا۔ تیز ہوا قدم اکھیڑے دے رہی تھی۔

''آپ کو زحمت۔'' میرا جملہ بادلوں کی خوفناک گڑگڑاہٹ میں ادھورا رہ گیا۔

''نہیں۔ ونگی۔'' اس نے میرا ہاتھ تھام لیا اور گھر کی جانب مڑ گیا۔ گیٹ کھلتے ہی یوں لگا جیسے بہت سے پرندے اڑے ہوں۔ بادل اور بجلی کی آوازوں اور تاڑ تاڑ برستی بارش کے باوجود بہت سے پروں کی پھڑپھڑاہٹ واضح تھی۔ میں نے بے اختیار سر اٹھا کر دیکھا۔ مگر اندھیرے کی سیاہ چادر کے سوا کچھ دکھائی نہ پڑا۔ البتہ بارش کی موٹی موٹی بوندیں کنکروں کی طرح میرے چہرے پر لگیں تو میں نے غیر ارادی طور پر سر جھکا لیا۔ وہ مجھے لئے اندر بڑھ گیا۔ اندر خاموشی کا راج تھا۔ بادلوں کی گڑگڑاہٹ، بجلی کی گڑگڑاہٹ، بوندوں کی تڑتڑاہٹ..... اور ہواؤں کی تیز سرسراہٹ..... سب کچھ جیسے پس منظر میں چلا گیا تھا..... صرف خاموشی تھی..... گہری خاموشی..... گھمبیر سکوت..... ولدوز سناٹا.....! بارش اور بادلوں کی آوازیں جیسے دور کہیں بہت دور چلی گئی تھیں..... اس نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا، پھر ''ٹچ'' کی آواز سے کمرہ روشن ہوگیا۔

وہ ایک بیڈ روم تھا۔ ہر چیز قرینے سے سجی تھی۔ مگر..... ہر چیز پر گرد کی ہلکی سی تہہ جمی تھی۔ ''بیٹھیں میں چائے لاتا ہوں۔'' وہ میرے کچھ بولنے سے قبل ہی باہر نکل گیا۔

میں صوفے پر بیٹھ کر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

www.pdfbooksfree.pk

دیوار کے ساتھ بک شیلف سجا تھا۔ دفعتاً میری آنکھوں میں حیرت مجسم ہو کر رہ گئی۔ شیلف سے دھواں نکل رہا تھا۔ غالباً آگ لگی تھی۔ میں اٹھا اور قریب چلا گیا۔ دھواں صرف ایک ہی کتاب سے اٹھ رہا تھا جو خاصی ضخیم تھی۔ سفید، بے ترتیب سا دھواں..... جیسے گیلی لکڑی سے اٹھتا رہتا ہے۔

عقب میں دروازہ ایک چرچراہٹ سے کھلا تو میں نے پلٹ کر دیکھا۔ طاہر چائے کی ٹرے لئے کھڑا تھا۔ ''یہ کتاب..... دھواں؟'' میں بے ربطی سے بولا۔

''آپ چائے پی لیں۔ اور اگر چاہیں تو چینج کر سکتے ہیں۔ میرے خیال میں میرے کپڑے آپ کو پورے آئیں گے۔'' اس نے میری کتاب والی بات کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔

''میں کہہ رہا ہوں کہ یہ کتاب سے دھواں؟'' میں نے پلٹ کر کتاب کو دیکھا اور ساکت رہ گیا۔ دھواں کہیں نہیں تھا۔ سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ ''تو کیا وہ میرا وہم تھا؟'' میں ایک طویل سانس لیتا صوفے پر بیٹھ کر چائے پینے لگا۔ ذہن ابھی بھی دھویں میں الجھا تھا۔ اس نے بھی مزید کوئی بات نہ کی۔ مجھے ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔

یکا یک ایک ایسی کیفیت نے آن لیا تھا۔ جسے میں کوئی بھی نام دینے سے یکسر قاصر ہوں۔ ایک عجیب ویرانی سی دل کو چھو کے لگائے جاتی تھی۔ میں نے کپ ٹرے میں رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ میں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ عجیب وحشت سی ہو رہی تھی اس جگہ سے۔ ''تمہارا بہت بہت شکریہ۔''

''کوئی بات نہیں۔''

ہمارے درمیان رسمی کلمات کا تبادلہ ہوا اور وہ مجھے دروازے تک چھوڑنے آیا۔ باہر نکلتے ہی مجھے یوں لگا جیسے میں قبر سے آزاد ہو گیا ہوں۔ میں خود کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا۔ بارش رک چکی تھی۔ میں گھر کی جانب چل دیا۔

☆.....☆.....☆

سنسان دوپہر تھی۔ چلچلاتی دھوپ نے ناک میں دم کر رکھا تھا۔ سورج گویا انگارے برسا رہا تھا۔ زمین تپ کر کندن ہو رہی تھی اور میں اس گرمی میں تارکول کی سڑک پر پیدل چار رہا تھا۔ یہ سڑک تقریباً ویران ہی رہتی تھی۔ میں بہاولنگر کسی کام سے گیا تھا۔ واپس آتے ہوئے گاڑی راستے میں خراب ہو گئی۔ سڑک تا حد نگاہ ویران تھی۔ یہاں بیٹھ کر کسی ٹرانسپورٹ کا انتظار کرنا بیوقوفی کے سوا کچھ نہ تھا۔ کچھ دیر بونٹ سے سر کھپانے کے بعد میں نے گاڑی لاک کی اور چل پڑا۔ آگے ایک گاؤں میں ہمارے کچھ جاننے والے رہتے تھے۔ میرا ارادہ انہی کے گھر سے مدد لینے کا تھا۔ کسی کی بائیک پر کوئی مکینک وغیرہ لے جاؤں گا۔ گرمی اتنی تھی کہ سڑک پر چلنا دشوار ہو رہا تھا۔ سڑک کے اطراف اکا دکا درخت دم سادھے کھڑے تھے۔ اب پیاس نے میرے حلق سے سرابھارنا شروع کر دیا تھا۔ سناٹا گوتم بدھ کے سے انداز میں، آلتی پالتی مارے، چپ کی بکل میں مخفی غالباً نروان حاصل کر رہا تھا۔ یکبارگی کسی بائیک کی آواز سکوت کو بکھیرنے لگی۔ سناٹے نے سر اٹھا کر ناگواری سے دیکھا تھا۔ بائیک تیزی سے فاصلوں کو پاٹتی میرے پاس آ کر رک گئی۔

''ارے شاہ جی! آپ؟'' ایک مانوس سی آواز نے مجھے چونکایا۔ وہ طاہر شیراز تھا۔ ''آیئے! کہاں جانا ہے آپ کو'' اس کے لبوں پر مدھم مسکراہٹ پھیلی تھی، میں نے ایک طمانیت بھری سانس لی اور اس کے پیچھے بائیک پر بیٹھ گیا۔ ''تھینکس گاڈ!'' میں نے ہاتھوں کی مدد سے چہرے کا پسینہ صاف کرتے متشکرانہ انداز میں آسمان کو دیکھا۔ اتنی دیر میں طاہر بائیک آگے بڑھا چکا تھا۔ ہوا اگرچہ گرم ہی تھی۔ مگر چونکہ میں پسینے میں شرابور تھا، اس لئے مجھے ٹھنڈی لگ رہی تھی۔ بائیک درختوں اور ارد گرد کے مناظر کو پیچھے چھوڑتی آگے بڑھ رہی تھی۔ یکا یک مجھے یوں لگا کہ میرے کندھوں پر کسی نے گویا پہاڑ رکھ چھوڑا ہے۔ بوجھ تھا..... ناقابل برداشت بوجھ..... میں ابھی جی بھر کے حیران بھی نہ ہو پایا تھا کہ وہ

www.pdfbooksfree.pk

بوجھ تحلیل ہوگیا۔ میری حالت نارمل تھی۔

اسی لمحے طاہر کے ہونٹوں سے گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی اور وہ جھکتا چلا گیا۔ ''معاف کریئے گا شاہ جی! مجھے پتہ نہیں تھا کہ آپ سید ہیں۔'' ایک واضح سرگوشی میری سماعتوں میں اتری تھی۔

''کیا ہوا طاہر؟'' میری گھبراہٹ فطری تھی، چند لمحے بعد اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ اس کے چہرے پر کرب کے آثار تھے۔ ''آر یو اوکے؟''

''اب ٹھیک ہوں۔'' اس نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ میرے اصرار پر اس نے بائیک چند درختوں تلے روک دی۔ ''کیا ہوا تھا تمہیں؟ اور جب سے تم مجھے ملے ہو، مجھے عجیب پراسرار سے لگے ہو۔'' میں نے کیکر کے تنے سے ٹیک لگاتے ہوئے اس کے چہرے کا بغور جائزہ لیا۔

میری بات سن کر اس کے چہرے پہ سایہ سا لہرا گیا۔ وہ پھیکے سے انداز میں مسکرایا اور بولا۔ ''ایسی کوئی بات نہیں امجد صاحب۔''

''کوئی بات تو ہے یار! اب میں بچہ تو ہوں نہیں کہ تم مجھے بہلا لو گے۔ اگر نہ بتانا چاہو تو الگ بات ہے۔'' میں نے کیکر کی ایک چھوٹی سی شاخ توڑ لی۔

''آپ سچ کہہ رہے ہیں شاہ جی! لیکن..... میں ابھی کچھ نہیں بتا سکتا ورنہ..... ورنہ.....'' اس کی آواز کپکپا گئی اور چہرہ ہراس کی آماجگاہ بن گیا۔

''ورنہ کیا؟''

''بس آپ مجھے مجبور نہ کریں۔ آیئے میں آپ کو چھوڑ دوں۔ میں اس موضوع پر مزید بات نہیں کر سکتا۔'' اس نے فیصلہ کن انداز میں مجھے دیکھا۔ اس کی سیاہی مائل سرمئی آنکھوں میں ملکوری لیتی اداسی نے میرا دل مٹھی میں بھینچ لیا تھا۔

مجھے پھر وہی محسوس ہوا کہ میں دور..... بہت دور کہیں صحرا میں بھٹکتا پھر رہا ہوں اور ریت کے بگولے میرے اردگرد رقصاں ہیں۔

''آیئے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں کہہ کر بائیک پر جا بیٹھا۔ میں ایکدم گویا کسی خواب سے جاگا۔ میں خالی الذہن کی کیفیت میں اس کے پیچھے بیٹھ گیا۔ ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

چند ماہ یونہی گزر گئے کچھ عرصہ تو طاہر شیراز کی پراسرار آنکھیں میرے ذہن کے دریچوں پر دستک دیتی رہیں، مگر پھر ان پر وقت کی گرد پڑنے لگی۔ میں اسے بھول بھال گیا۔ بعض اوقات تو وقت کی گرد کچھ باتوں پر من مٹی ڈال دیتی ہے۔ گویا ان کی حیثیت قبر میں دفن ایک مردے کی سی ہو جاتی ہے۔ جو کبھی باہر نہیں آتا..... لیکن بعض باتوں پر گرد کی ہلکی سی تہہ ہوتی ہے۔ تازہ ہوا کا ایک جھونکا بھی گرد کی اس تہہ کو ہٹانے کے لئے کافی ہوتا ہے۔

اس دن میں اپنے دوستوں کے ساتھ ''باہری پوری'' والی بال کھیل رہا تھا۔ میچ کا انعقاد بڑے پیمانے پر تھا۔ میں پسینہ صاف کرتا پانی پینے آیا تو شہزاد نے بتایا کہ ''آپ کا فون کئی بار بج چکا ہے۔'' میں سیل اسے پکڑا کا گیا تھا۔ اسی اثناء میں سیل پھر گنگنانے لگا۔ کوئی اجنبی نمبر تھا۔

''کون؟'' میں نے لیس کا بٹن پش کر کے دریافت کیا۔

''امجد شاہ بات کر رہے ہیں؟'' ایک مانوس آواز ابھری۔ میں نے اثبات میں جواب دیا اور اپنا سوال دہرایا۔

''میں..... میں طاہر شیراز..... آپ نے میرا گھر تو دیکھ رکھا ہے۔ پلیز فوراً آ جائیں۔ مجھے آپ کی مدد کی سخت ضرورت ہے۔'' اس کی آواز انداز میں گھبراہٹ نمایاں تھی۔ ہوا کے ایک زوردار جھونکے نے میرے ذہن سے وقت کی گرد جھاڑ دی اور سیاہی مائل سرمئی آنکھوں کی وہ بھٹکاتی کیفیت تازہ ہوگئی.....

''خیریت؟'' میں اٹھ کھڑا ہوا۔

''خیریت نہیں ہے۔ آپ پلیز فوراً آ جائیں۔'' انداز حد درجہ ملتجیانہ تھا۔

''اوکے۔ میں ابھی آتا ہوں۔'' سیل جیب میں ڈالتے ہوئے میں نے اپنے دوستوں کو تازہ صورتحال سے آگاہ کیا اور جانے کے لئے پلٹا۔ ''ایک منٹ، یہ وہی

www.pdfbooksfree.pk

شخص ہے جس کے بارے میں تم نے بتایا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی آسیبی مسئلہ ہے؟'' نذیر نے دریافت کیا۔

''ہاں۔''

''لیکن تم کیا کرو گے؟'' شہزاد مستفسر ہوا۔

''یار! کچھ نہ کچھ تو کروں گا۔ ہم ولی نہ سہی، دلیوں کی اولاد تو ہیں۔'' میں نے شانے اچکائے۔

''ہاں بھئی! ان کا تو کام ہی یہی ہے۔ تمہیں پتہ ہے کہ ان کے والد سید جلال حسین شاہ کے کئی جنات جاننے والے تھے اور بابا اکبر علی شاہ کے پاس.....'' میں انہیں باتیں کرتا چھوڑ کر گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔ ویسے یہ سچ تھا۔ ابو جی کے کئی جنات جاننے والے تھے۔

خیر..... جب طاہر سے ملاقات ہوئی تبھی سے مجھے لگا کہ اس کے ساتھ کوئی پراسرار معاملہ ہے۔ میں نے گاڑی اس گلی کی نکڑ پر ہی روک دی کیونکہ گلی تنگ تھی، میں اس کے گھر میں داخل ہوا تو لگا کہ کئی بڑے بڑے پرندے پھڑ پھڑاتے میرے سر کے اوپر سے گزرے ہیں۔ ساتھ ہی عجیب و غریب چیخیں ابھرنے لگیں۔ جیسے لاتعداد لوگ چلا رہے ہوں۔ ان میں بچے، جوان، بوڑھے، حتیٰ کہ جانوروں اور پرندوں تک کی چیخیں شامل تھیں۔ وہ سب کے سب انتہائی دردناک انداز میں چلا رہے تھے۔ گویا قیامت آ گئی ہو۔ محشر برپا ہو گیا ہو..... وہ چیخیں اس قدر اعصاب شکن تھیں کہ بے اختیار میرا دل چاہا کہ یہاں سے بھاگ جاؤں اور میرے قدموں نے بے اختیار اس خواہش پر اضطراری انداز میں عمل بھی کیا۔

لیکن جب میں دروازے کے پاس پہنچا تو میرے قدم بے ساختہ ٹھٹک گئے۔ ''بس اتنی سی دیر میں ہی ہار مان گئے امجد شاہ؟'' ذہن پر اس خیال نے کوڑا رسید کیا تھا۔ میں پھر واپس پلٹ گیا۔ میرے لب ''کلام الٰہی'' کا ورد کر رہے تھے۔ چیخوں کا تسلسل اب بھی جاری و ساری تھا۔ لیکن اب میرے اندر وہ اضطراب نہیں رہا تھا۔ البتہ کوفت ضرور ہو رہی تھی۔ سارے کمروں کے دروازے کھلے تھے۔ ''طاہر..... طاہر!'' میں اسے پکارتا آگے بڑھا۔ سامنے کمرے میں صوفے کے پاس نیچے کارپٹ پر کوئی اوندھا پڑا تھا۔ کیا وہ طاہر تھا؟

میں نے آگے بڑھ کر اسے سیدھا کیا۔ وہ طاہر ہی تھا۔ اس کا جسم انگارہ بنا ہوا تھا اور وہ پسینے میں یوں بھیگا تھا کہ اس کے کپڑے نچڑ رہے تھے۔ وہ بے ہوش تھا۔

میں نے اسے بمشکل بیڈ پر لٹایا اور مخصوص آیات کا ورد کرنے لگا۔ وہ کسمسایا اور پھر اپنے سر کو بے بسی کے عالم میں تکیہ پر پٹخنے لگا۔ میں مسلسل آیات پڑھ پڑھ کر اس پر پھونکتے گیا۔ چیخیں دم توڑتی گئیں اور طاہر کی حالت اعتدال پر آتی گئی۔

بالآخر وہ اٹھ بیٹھا۔ کچھ دیر وہ خالی خالی نظروں سے مجھے دیکھتے گیا۔ سیاہی مائل سرمئی آنکھوں میں اس وقت کسی شاخ اور پتوں سے عاری اجڑے درخت کی سی ویرانی تھی۔ پھر اس کی نگاہوں میں شناسائی کی چمک ابھری اور اس نے تھکے تھکے انداز میں سر بیڈ کراؤن سے ٹکا لیا۔

''اب تم ٹھیک ہو؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے اس کا چہرہ ٹٹولا۔

''جی آپ کہیں باہر چلتے ہیں۔ عرصہ ہو گیا ہے کھلی فضا میں سانس لئے۔ بہت گھٹن ہے یہاں۔'' وہ بولتے ہوئے اٹھ کر چپل پہننے لگا اور بنا میرا جواب سنے باہر نکل گیا۔ میں اس کی تقلید میں چل پڑا۔

☆.....☆.....☆

شیراز صدیقی تینوں بھائیوں سے چھوٹا تھا۔ والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ والد نے بچوں کی وجہ سے دوسری شادی کر لی تھی۔ کیونکہ سب سے بڑے بچے کی عمر محض دس برس تھی۔ قریبی رشتے داروں میں صرف ایک بہن تھی۔ بھرے پرے سسرال اور چھوٹے بچوں کا ساتھ اسے بھی زیادہ دن بھائی کی دلجوئی نہیں کرنے دیتا تھا۔ ''بھیا آپ شادی کر لیں۔'' نگہت کا فیصلہ کن لہجہ انہیں چونکا گیا۔ وہ بھی متفکر تھے۔ ان کا کام متاثر ہو رہا تھا اور اگر کام چھوڑ کر بچوں کی دیکھ بھال میں لگ جاتے تو کھاتے کہاں سے؟ نگہت نے ان کے ہامی بھرتے ہی

www.pdfbooksfree.pk

مناسب رشتے کی تلاش شروع کردی۔ نفیسہ ایک ادھیڑ عمر عورت تھی۔ اس کے گھر والوں کو رشتہ مناسب لگا تو نکاح پڑھا دیا گیا۔ یوں نفیسہ اس گھر میں آ گئی۔ باپ مطمئن ہوگیا کہ بچوں کی دیکھ بھال ہوتی رہے گی اور وہ پھر سے کاروبار پر بھرپور توجہ دے سکے گا۔ اس وقت شیراز کی عمر چار سال تھی۔

نفیسہ کچھ عرصہ تک ایک عامل سے سفلی علم سیکھتی رہی تھی۔ کبھی کبھار اب بھی وہ منتر دہراتی رہتی تھی تاکہ یاد رہے۔ اصل میں اس کی خواہش تھی کہ اس کے پاس ڈھیر ساری دولت آ جائے۔ اصل میں حرص و ہوس ہی بیشتر گناہوں کی جڑ ہے۔ وقت دھیرے دھیرے پھڑپھڑاتا گزرتا رہا۔ ریاض، فیاض اور فراز اسکول جاتے تھے جبکہ شیراز گھر پر ہی ہوتا تھا۔ اکثر دوپہر کو کام کاج سے فارغ ہوکر نفیسہ ایک منتر پڑھتی تھی۔ وہ تین ماہ کا جاپ تھا۔ اگر وہ اسے مکمل کر لیتی تو اس جاپ کی شکتی اس کی قید میں آ جاتی..... وہ دوپہر کو شیراز کو سلا دیتی تھی اور خود جاپ میں مشغول ہو جاتی۔

جاپ زیادہ سخت نہ تھا کہ جس سے کسی اور کو نقصان پہنچتا مگر بہرحال تھا تو خلاف شرع۔ یوں گھر میں نحوست برسنے لگی۔ گھر والے آپس میں الجھنے لگے۔ برکت اٹھ گئی۔ اس عمل کو ڈیڑھ ماہ ہونے کو تھا۔ جب ایک روز شیراز کی آنکھ کھل گئی۔ اسے پیاس لگی تھی، بھوک بھی لگی تھی اور کچھ نیند سے اٹھنے پر وہ چڑچڑا ہو رہا تھا۔ وہ روتا ہوا نفیسہ کی آغوش میں جا لیٹا۔ ''امی... روٹی...'' اس نے ساکت بیٹھی نفیسہ کو جھنجھوڑ ڈالا۔

اس جاپ کی شرط یہی تھی کہ اسے کرتے وقت کسی پتھر کے بت کی طرح ساکت رہنا تھا۔ شیراز کے جھنجھوڑنے سے جاپ ٹوٹ گیا اور نفیسہ کا دماغی توازن الٹ گیا۔ کبھی کبھی اس پر دورے پڑنے لگتے۔ اس وقت وہ چیخنے چلانے لگتی۔ ہر کسی کو کاٹ کھانے کو دوڑتی۔ وقت گزرتا رہا... اس کا بہت علاج کروایا گیا مگر... لاحاصل... بہت سے عامل بھی بلوائے گئے، مگر بے سود۔

ایک روز دوپہر کا وقت تھا، گرمی غضبناک تھی، سورج گویا حقیقتاً آگ برسا رہا تھا۔ پنکھے کی ہوا پہ بھی گمان ہوتا تھا کہ تندور سے نکل آئی ہے اور اس آگ برساتی دوپہر میں نفیسہ چھت پہ ننگے پاؤں ٹہل رہی تھی۔ اس کے انداز میں اس قدر اطمینان تھا کہ گویا شعلے اگلتی چھت پر نہیں بلکہ کسی سبزہ زار میں نرم و ملائم گھاس پر چل رہی ہو اور سر پر آگ برساتا سورج نہیں بلکہ اس کے برعکس بادل سایہ فگن ہے۔

نیچے صحن میں نیم کے گھنے درخت تلے شیراز اپنے پڑوسی لڑکے حنان کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ نفیسہ کی نگاہ سرخ و سفید سات سالہ حنان پر جم کر رہ گئی۔ وہ ٹکٹکی جمائے اسے دیکھتی گئی۔ حنان کی نگاہ بھی منڈیر سے لٹکی نفیسہ خالہ پر پڑی اور... وہ بے خود ہوکر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔

''حنان... حنان... کہاں جا رہے ہو؟'' شیراز اسے پکارتا ہی رہ گیا۔ اور کچھ دیر کے بعد جب شیراز حنان کے پیچھے چھت پر پہنچا تو نفیسہ حنان کی کلائی منہ میں ڈالے ہوئے تھی۔ حنان کی کلائی سے خون نکل رہا تھا جسے وہ بڑی رغبت سے چوس رہی تھی۔

''امی! یہ حنان کو کیا ہوا؟ سعدیہ خالہ... سعدیہ خالہ حنان کا خون نکل رہا ہے۔'' وہ بدحواس ہوکر حنان کے گھر میں گندم صاف کرتی حنان کی امی کو پکارا، چھاج ان کے ہاتھ سے گر گیا۔ وہ محض چند ہی لمحوں میں چھت پر تھیں۔ حنان کو نیچے لے جاتے انہوں نے نفیسہ کی لہو رنگ آنکھوں کو دیکھا تو ان کے جسم میں پھریری سی دوڑ گئی۔ آئندہ وہ حنان کو ادھر نہیں آنے دیں گی۔ انہوں نے فیصلہ کرلیا۔ نفیسہ کی آنکھوں سے دھوئیں کی ایک پتلی سی لکیر نکل کر شیراز کی آنکھوں میں جذب ہوگئی۔ شیراز مسکرایا اور اگلے ہی لمحے اس نے چھت سے نیچے چھلانگ لگا دی۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ وہ صحیح سلامت کھڑا تھا چوٹ کا نام و نشان بھی نہ تھا اس کے جسم پر۔

پھر وہ کسی بندر کی سی پھرتی سے نیم کے طویل

www.pdfbooksfree.pk

قامت درخت پر چڑھ گیا۔ سب سے اونچی شاخ پر پہنچتے ہی اس نے کسی جمناسٹر کی طرح چھلانگ لگادی۔ نفیسہ مسکراتے ہوئے یہ سب دیکھ رہی تھی..... وقت چپ چاپ سر جھکائے اردگرد سے قطعاً بے نیاز دبے پاؤں گزرتا رہا۔ نفیسہ کی سانس پوری ہوئی تو اس کی روح فانی سے جسم کو چھوڑ گئی۔

شیراز جوان تھا۔ بڑے تینوں بھائی تعلیم سے فارغ ہوکر جاب کررہے تھے۔ شیراز بھی پڑھ رہا تھا۔ ابا نے بڑے دونوں بھائیوں کی شادی کردیں۔ دونوں کی بیویاں آپس میں کزنز تھیں۔ شادی کے کچھ ہی عرصے بعد دونوں اپنے سسرالی شہر لاہور شفٹ ہوگئے۔ فراز اور ریاض دونوں چلے گئے تو گھر میں تین ہی نفوس بچے، ابا، ارباز اور شیراز..... ارباز ایک پرائیویٹ فرم میں جاب کررہا تھا۔ کچھ وقت مزید گزر گیا۔ ابا بیمار رہنے لگے۔ ایک دن دونوں بھائیوں کو بلا کر کہا۔ ''میں تم دونوں کی شادیاں کرنا چاہتا ہوں۔ جیتے جی یہ خوشی دیکھ لوں۔'' ان کا یاسیت بھرا لہجہ قدرے التجائیہ تھا۔ ''آپ کو کچھ نہیں ہوگا ابا!''

''دنیا میں ہمیشہ کون رہا ہے بیٹا؟ بہرحال میں پھر آج شیخ صاحب سے بات کرلوں؟ ان کی دونوں بیٹیاں سلجھی ہوئی، سلیقہ شعار ہیں۔''

''جیسے آپ کی مرضی ابا.....'' دونوں نے فیصلہ ابا پر چھوڑ دیا تھا۔

ان کی شادی کے کچھ عرصہ بعد ابا اس دارفانی سے کوچ کرگئے۔ وقت نے بے نیازی سے گزرتے گزرتے دونوں بھائیوں کے گھر میں ننھے منے وجود، طاہر اور احمر کی صورت میں ڈال دیئے۔

شیراز پر کبھی کبھار پھر دورے پڑنے لگے۔ اسے لگتا تھا کہ اس کے جسم میں کثیف دھواں بھرنے لگا ہے۔ اس کے اندر گھٹن اس قدر بڑھ جاتی کہ لگتا گویا سانس تک گھٹ کر رہ گئی ہے۔ یہ کیفیت کبھی کبھی تو ایک آدھ گھنٹے پر محیط ہوتی اور کبھی کبھی دو دو دن اس کی یہی حالت رہتی۔ پھر ایک رات..... جب سب سو رہے تھے۔ تو ابا کی آنکھ کھل گئی۔ ننھے طاہر کی حلق پھاڑ کر رونے کی آواز فضا میں پھیلی تھی۔ انہیں حیرت ہوئی زونیہ اس قدر گہری نیند کیسے سو رہی ہے کہ اپنی اولاد کی خبر ہی نہیں۔ جب وہ اٹھ کر برآمدے میں جہاں بچھی چارپائیوں پر شیراز، زونیہ اور طاہر سو رہے تھے۔ تو وہ ساکت رہ گئے۔

صحن سے چھن کر آتی چاندنی میں خون میں نہائے بستر واضح تھے اور طاہر بری طرح رو رہا تھا۔ کبھی ان کی بصارتوں نے ایک حیرت ناک منظر دیکھا۔ دھویں پر مشتمل ایک سرمئی وجود دھیرے دھیرے طاہر کے حلق اور نتھنوں میں تحلیل ہوتا چلا گیا۔ طاہر نے اپنا انگوٹھا منہ میں ڈالا اور حیرت انگیز طور پر چپ ہوگیا۔ پھر وہ اٹھا اور اپنے ماں باپ کے بے جان وجود سے کھیلنے لگا..... اس کے ہاتھ خون میں لت پت تھے اور وہ کھلکھلا رہا تھا۔

ماں باپ کے مرنے کے بعد طاہر کی ذمہ داری دادا نے اٹھالی۔ ''طاہر کی پراسرار حرکتیں جاری رہیں۔ وہ اکثر ان دیکھے لوگوں کے ساتھ کھیلتا پایا جاتا..... اسے اکثر نادیدہ لوگ دکھائی دیتے تھے۔ جن کی خواہش ہوتی کہ طاہر ان کے علاوہ کسی سے کھیلنا تو دور، کسی سے بات بھی نہ کرے..... کئی بار وہ اسکول میں دوستوں کے ساتھ کھیلتا تو ان دوستوں کو سخت نقصان پہنچتا۔ کوئی نادیدہ ہستی انہیں بے دردی سے دھنک کر رکھ دیتی۔ اسے جب حقیقت کا علم ہوا تو وہ خود ہی لوگوں سے کٹ کر رہ گیا.....

جب وہ دس سال کا تھا تو دادا انتقال کرگئے۔ اس کے کسی بھی بچانے اسے ساتھ رکھنے سے انکار کردیا۔ وجہ اس کی پراسراریت تھی۔ ارباز بھی اس عرصے میں شہر شفٹ ہوگیا تھا۔ اس کو اس پر کچھ ترس آیا اور وہ اسے اس شرط پر ساتھ لے جانے پر راضی ہوا کہ طاہر صرف اپنے کمرے میں رہے گا۔ باقی گھر سے اسے کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہئے۔ طاہر کے پاس ان کی بات ماننے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔

ارباز چچا کا گھر کافی بڑا تھا۔ طاہر کو ملازموں کے

www.pdfbooksfree.pk

کوارٹر میں ایک کمرہ دیا گیا۔ وہ اسکول سے آتے ہی اپنے کمرے میں چلا گیا..... لیکن پراسرار واقعات کا سلسلہ جاری وساری رہا۔ جس میں باقی لوگ بھی لپیٹ میں آجاتے تھے۔ زندگی ایک امتحان بن کر رہ گئی تھی۔ پھر..... جب وہ میٹرک کا اسٹوڈنٹ تھا تو ایک دن ایک ملازم پراسرار طور پر مردہ پایا گیا..... اسے طاہر کی ذمے داری گردانا گیا۔

ارباز نے اسے وہیں پور ہی میں ایک الگ گھر لے دیا..... یوں وہ بالکل ہی اکیلا ہو کر رہ گیا اور تنہائی بذات خود بہت بڑا عذاب ہے۔ آپ اکیلے ہوں..... کوئی آپ کا ہمدرد، غمگسار نہ ہو..... کوئی آپ کو سمجھنے والا نہ ہو..... کوئی آپ کا درد تنہائی کا کرب بانٹنے والا نہ ہو..... بہت بڑا عذاب ہے یہ بھی.....

☆.....☆.....☆

''لیکن اب کیا ہوا؟'' میں نے اس کی سرمئی آنکھوں میں جھانکا۔ ''میرا سر اکثر اس قدر بھاری رہتا ہے کہ جیسے کسی نے سر پر پہاڑ دھر چھوڑا ہو۔ اندرونی اذیت بھی ایک پل کو چین نہیں لینے دیتی۔ اکثر ایسا لگتا ہے کہ جیسے کوئی اپنے نوکیلے ناخنوں سے میرا کلیجہ کھرچے جارہا ہو۔ آنکھیں اس قدر جلتی ہیں جیسے..... جیسے ڈیلوں کی جگہ انگارے دہک رہے ہوں۔ پورے جسم کی رگیں ٹوٹنے لگتی ہیں..... بس یوں سمجھیں کہ جان کنی کی کیفیت میں مبتلا رہتا ہوں کبھی..... کبھی کبھی تو یہ اذیت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ میرے ہوش وحواس چھن جاتے ہیں۔ میں بالکل ہو جاتا ہوں..... کل پہلی بار میں نے اس سائے کو پتھر کا ایک وزنی گلدان کھینچ کر مارا..... اور اس نے غصے میں مجھے مزید.....'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور وحشت بھری نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

''بہت گھمبیر مسئلہ ہے تمہارا..... مگر..... کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس کا حل قرآن پاک میں نہ ہو۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم تین دن بعد مجھ سے ملنا۔'' میں نے اس کا کندھا تھپتھپا کر تسلی دی اور اس سے رخصت چاہی۔ اس سے قبل میں نے اسے ایک تعویذ دے دیا تھا۔ جس کی بدولت وہ جنات کے شر سے محفوظ رہتا۔

☆.....☆.....☆

دُکھ رج رج راتا نوں سنائیے، میلے وچھڑ جانا..... کوئی ہونا، کوئی ہونا نئیں..... کے رونا کے رونا نئیں..... میلے نے وچھڑ جانا..... میلے نے.....''

لاؤڈ اسپیکر پر لگی قوالی کے جملے یقیناً سچ تھے۔ سال بھر بعد کون جانے کیا ہوگا۔ کیا خبر کون کہاں ہوگا..... حالات بدل چکے ہوں گے۔ جذبات بدل چکے ہوں گے۔

ہمارے گاؤں محبوب شاہ میں بابا اکبر علی شاہ اور میرے ابو جی سید جلال حسین شاہ کا سالانہ عرس تھا۔ جو کہ اکتوبر چوبیس سے لے کر چھبیس تک ہوتا ہے۔ مریدین اور دوست احباب کے رش میں سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔ لیکن اس مصروفیت کے باوجود میں نے کھینچ تان کر وقت نکال کر ایک عمل کیا تھا۔

عمل کیا تھا بس یوں سمجھیں کہ استخارہ تھا۔ میں آپ کو بتاتا چلوں کہ ہماری عملیات وتعویذات کی جو خاندانی کتاب ہے، وہ سینہ بسینہ چلی آرہی ہے، اس میں جو عملیات درج ہیں ان میں سے بیشتر حضرت علیؓ و حضرت حسنؓ و حسینؓ سے منسوب ہیں۔ ان سب سے بیشتر عملیات آپ کو مارکیٹ میں دستیاب کسی بھی عملیات ووظائف کی کتب بھی نہیں ملیں گے۔

بہرحال استخارہ میں رات کر چکا تھا۔ آج چھبیس اکتوبر کا مصروفیت بھرا دن تھا۔ میں اس وقت مریدین سے مل رہا تھا جو تیسرے دن بھی خاصی تعداد میں آرہے تھے۔ اسی اثناء میں میری نظروں نے طاہر کو چھوا..... اس کی رنگت پھیکی پڑی ہوئی تھی اور وہ سر جھکائے ایک جانب کھڑا تھا۔ میں نے اسے پکارا تو وہ یوں چونکا گویا کسی طویل ترین خواب سے جاگا ہو۔ اس کی سرمئی آنکھوں میں اس وقت بھی گویا صحراؤں کی ریت کے بگولے اڑ رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دیا۔ مجھے بابا جی کے مزار پر کچھ کام تھا۔ مزار ہمارے گاؤں سے چند منٹ کے فاصلے پر ہے۔

www.pdfbooksfree.pk

میں نے سڑک سے جانے کے بجائے کھیتوں کے بیچ سے جانا مناسب سمجھا۔ سڑک پر مٹھائی اور دیگر عارضی دکانوں کے شامیانے وغیرہ لگے تھے۔ کافی رش تھا۔ اس لئے میں نے طاہر کو ساتھ لیا اور کھیتوں کے بیچ والا راستہ منتخب کیا کہ راستے میں بات ہوجائے گی۔

''اب بتاؤ، کیا رہی؟'' میں نے پگڈنڈی پر قدم رکھ دیا۔

وہ میری تقلید میں تھا۔ ''ویسے تو مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا لیکن، انہوں نے ڈرایا بہت..... اور ایسا پہلی بار ہوا..... اس سے پہلے بچپن سے لے کر ان کی تربیت میرے لئے مانوسیت کا سبب تھی۔ لیکن ان دنوں میں، میں اتنا ڈرا کہ بس..... عجیب وغریب شکلیں عجیب و غریب واقعات۔'' اس نے بات کے آخر میں ایک جھرجھری سی لی۔

ہم اس وقت مکئی کے کھیت کے بیچ سے گزر رہے تھے۔ لیکن مکئی چونکہ کٹی ہوئی تھی اس لئے حبس نہیں تھا۔

''..... آج سب ٹھیک ہوجائے گا، ویسے تو میں بہت مصروف ہوں..... مگر..... کوئی حل آج ہی نکالنا پڑے گا۔ ورنہ..... زیادہ دیر مناسب نہیں ہے۔''

ہم نے مزار کے چبوترے پر چڑھنے کے لئے اپنے جوتے اتار دیئے۔ جہاں پہلے بھی بہت سے لوگوں کے جوتے بے ترتیبی سے دھرے تھے مزار پر بہت رش تھا۔ اس لئے وہاں زیادہ بات کرنے کا موقع نہ ملا۔ دس پندرہ منٹ بعد جب ہم وہاں سے واپس ہوئے تو ایک عورت تیزی سے ہمارے قریب آئی۔ وہ ''شیماں'' دکان والی تھی۔

مزار سے متصل قبرستان، قبرستان چونکہ لب سڑک ہے تو اس سڑک پر اس کی دکان ہے۔ قبرستان سے متصل ہی ایک مسجد ہے..... اور اس مسجد اور شیماں کی دکان کا بیچ حائل محض ایک سڑک ہے۔ ''بابا جی! ادھر مسجد میں ایک بندہ آپ کو ابھی بلا رہا ہے۔'' اس نے حسب عادت تیزی سے کہا۔ ''وہ ایک کالیاں عورت ہے..... چلتا پرزہ قسم کی..... اس کا شمار بلاشبہ ان عورتوں میں ہوتا ہے جو رائی کا پہاڑ اور بے پر کا کوا بنانے میں ماہر ہوتی ہیں۔ ''ویسے مجھے تو وہ شکل سے کوئی شریف آدمی نہیں لگ رہا.....'' اس نے اپنی رائے کا اظہار کرنا ضروری سمجھا۔ میں نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا اور آگے بڑھ گیا۔ طاہر شیراز مزار پر ہی رک گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

رات سسکیاں بھرتی دھیرے دھیرے اتر آئی تھی، کل رات یعنی 25 اکتوبر کو میلاد النبی کا اہتمام تھا اور آج میرے کزن فخر حسین نے سہ پہر کو کتوں کی لڑائی کا انتظام کیا تھا اور کتنی افسوسناک بات ہے کہ میلاد شریف میں اتنے لوگ نہ تھے جتنے کہ خونخوار کتوں کی لڑائی دیکھنے جمع ہوئے تھے۔ مذہب سے دوری ہمارا اجتماعی اور سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ اگر ہم اس ایک مسئلے پر قابو پالیں تو سب مسائل ہی حل ہوجائیں۔ مگر ہم ہیں کہ آنکھیں رکھتے ہوئے بھی اندھے بنے ہوئے ہیں۔ ہمارے پاس عقل تو ہے مگر ہم اس کو ''محفوظ'' رکھے ہوئے ہیں..... ہمارے پاس دماغ ہے مگر ہم نے اسے صرف فضول کاموں اور یورپ کی اندھی تقلید کرنے کو رکھ چھوڑا ہے۔

''اب کیا کرنا ہے؟'' طاہر کی آواز نے مجھے چونکایا تھا۔ ہم دونوں اس وقت کھیتوں سے دور بنجر زمین پر موجود ہے۔ یہ زمین کافی عرصے سے بنجر پڑی تھی اور اس پر جھاڑیاں اور سرکنڈے وغیرہ اگے ہوئے تھے۔

میں نے آیت الکرسی اور معوذتین پڑھتے ہوئے حصار کھینچا اور اطمینان سے بیٹھ گیا۔ اس سے قبل میں طاہر کو اچھی طرح سمجھا چکا تھا۔ چاند اداسی سے مسکرا رہا تھا..... فضا میں خنکی کا پہرہ تھا اور ویرانے سے ذرا پرے فصلیں سر جھکائے کھڑی تھیں۔ چاند کے پہلو میں براجمان ستارے بار بار پلکیں جھپک رہے تھے.....

میں نے عمل شروع کیا تو چاند نے اپنی اداسی بھلا کر نیچے جھانکا۔

عمل اگرچہ محض دو گھنٹے کا تھا مگر سریع الاثر تھا۔ ویسے تو جنات سے چھٹکارے کے لئے متاثرہ شخص کو ایک تعویذ پر نگاہ جمانے کا کہہ کر حاضری لگائی جاتی ہے۔

www.pdfbooksfree.pk

مگر طاہر کا معاملہ یوں مختلف تھا کہ وہ بیک وقت کئی جنات کی زد میں تھا اور یہ سلسلہ نسل در نسل چلا آ رہا تھا اور پھر حاضری لگانے میں یہ خدشہ بھی بہر حال موجود رہا کرتا ہے کہ جنات پھر واپس نہ آ جائیں۔

مجھے عمل شروع کئے چند منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ سامنے بنجر زمین دھیرے دھیرے گھلنے لگی..... جیسے موم بتی کو آگ لگا دو تو وہ پگھلتی ہے یا پھر مکھن کی ٹکیہ جلتے توے پر رکھ دو تو..... ایسی سنگلاخ زمین کا پگھلنا بلاشبہ حیرتناک امر تھا۔''

ایک عجیب سی سنسنی نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا جبکہ طاہر کی حیرت بھری نظریں سامنے زمین پر جمی تھیں۔ جو لحہ بہ لحہ گھلتی چلتی جا رہی تھی۔ چند لمحے ہی گزرے ہوں گے کہ سامنے زمین کسی دلدل کی مانند لگنے لگتی۔'' گاڑھی سیاہ دلدل..... جس کے سیاہ پانی میں بلبلے سے پھوٹ رہے تھے..... جیسے آتش فشاں کا بہتا لاوا.....'' اس سیاہ دلدل کی سطح پر ایک عجیب الخلقت چہرہ ابھرنے لگا..... اس کے چہرے کے خال وخد کی ساخت عام انسانوں کی نسبت کچھ غیب سی وضع کی تھی..... اور وہ باہر آتے ہی گرگڑانے لگا۔'' عمل بند کردو۔ میں..... میں سخت اذیت میں ہوں..... مجھ پر رحم کرو۔'' اس کی آواز سخت ہراس کی غمازی تھی..... اور لہجے میں ٹوٹتے کانچ کی سی کرچیوں کی چبھن۔

یکلخت ایسے ہی لاتعداد لوگ اس ابلتی..... کھولتی دلدل کی سطح پر نمودار ہو گئے۔ وہ سب کے سب دردناک انداز میں التجائیں کرنے لگے کہ میں عمل چھوڑ دوں۔ ایسی دردناک فلک بوس آوازیں تھیں کہ ساعتوں میں گویا تیزاب انڈیلا جا رہا ہو.....

میں نے بدستور عمل جاری رکھے ہوئے طاہر کو دیکھا..... اس کا چہرہ زرد پڑ رہا تھا اور ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آوازیں نکلنے لگیں۔ اس کی نظریں فی الحال سامنے ہی گڑی تھیں..... میں نے اس کے ہراساں چہرے سے نظریں ہٹا کر سامنے دیکھا..... ان سب کے چہرے بھی موم کی مانند پگھلنے لگے تھے..... گویا انہیں کھولتے لاوے میں ڈال دیا گیا ہو۔''

کریہہ النظر منظر حواس مختل کرنے کے درپے تھا۔ پہلے کھال پگھلی پھر گوشت اور پھر ہڈیاں پگھلنے لگیں..... اس منظر نے مجھے جہنم کی یاد دلا دی۔ میں نے جھرجھری لے کر آنکھیں بند کر لیں پھر جب کچھ دیر گزری تو آنکھیں کھولنے پر سب کچھ نارمل پایا.....

چند منٹ بخیریت گزرے تھے کہ پھر خوفناک واقعات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کبھی ڈھانچے تو کبھی بھوت ہمیں ہر طرح سے ڈراتے رہے.....

ایک بار تو طاہر اس قدر ڈرا کہ اٹھ کر بھاگنے لگا..... میں نے بمشکل اس کا ہاتھ پکڑ کر اس خطرناک اقدام سے باز رکھا..... ذہنی اذیت نے اسے پسینے میں بری طرح شرابور کر دیا تھا۔ پھر دس بارہ منٹ خاموشی سے گزر گئے..... مگر میرے خیال میں یہ خاموشی طوفان سے قبل والی خاموشی تھی۔ اس خاموشی کی ''سائیں سائیں'' ساعتوں میں خراشیں ڈالے جاتی تھی۔

اچانک کتے کی آواز ابھری..... میں نے بہتی چاندنی میں دیکھا اور ٹٹپنا گیا۔ وہ ''جوگی'' نامی خونخوار دیوہیکل کتا آج کی لڑائی کا بہترین فاتح ٹھہرا تھا جس نے اپنے مدمقابل کو محض تین چار سیکنڈز میں ناک آؤٹ کر دیا تھا۔ وہ بجلی کی طرح جھپٹا تھا اور لمحے کے بھی ہزارویں حصے میں اس نے مقابل کی گردن اپنے قاتل جبڑے میں دبوچ لی تھی۔

اور اس وقت وہی خونخوار جوگی کمان سے نکلے تیر اور بندوق سے نکلی گولی کی مانند ہماری طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا..... اس کا قاتل جبڑا کھلا تھا اور نوکیلے دانت چاند کی روشنی میں چمک رہے تھے۔ اس کے حلق سے مسلسل غراہٹیں نکل رہی تھیں..... اس کی سفاک آنکھیں جن میں سانپ کی سی چمک تھی، ہم پر جمی تھیں اور صاف ظاہر تھا کہ وہ ہم ہی پر جھپٹنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس کے خطرناک عزائم سے گھبرا کر طاہر نے اٹھنا چاہا..... مگر میں نے اس کا ہاتھ سختی سے جکڑ لیا.....

یہ بات اگرچہ میں بھی جانتا تھا کہ حصار صرف

www.pdfbooksfree.pk

مافوق الفطرت چیزوں کے لئے ہے۔ مگر اس کے باوجود میں کسی صورت حصار نہ توڑنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ کیونکہ کتے سے تو جان بچ سکتی تھی۔ مگر حصار توڑنے کی صورت میں صرف موت تھی۔ ایسے بہت سے واقعات خود ہمارے خاندان میں وقوع پذیر ہو چکے ہیں۔ مثلاً ہمارے پورے گھرانے اور میرے چچا سید اقبال حسین شاہ کے پورے گھر کے جو مرشد ہیں سید ریاض حسین شاہ بخاری جن کا مزار شریف ساہیوال میں ہے۔ ان کے بڑے بھائی سید رجب شاہ بہاولنگر کے مضافات میں ایک گاؤں محمودے میں ان دنوں رہائش پذیر تھے۔ گاؤں کے لوگ جنات کے ہاتھوں بہت تنگ تھے۔ ان کے مویشیوں کو روزانہ نقصان پہنچتا تھا۔

رجب شاہ تمام مویشیوں کے گرد حصار کھینچا کرتے تھے۔ (تمام گاؤں کے مویشی ایک ہی جگہ جمع ہوتے تھے) ایک رات موسم خوفناک تھا۔ آسمان بادلوں کی زد میں تھا۔ چاند نہیں نظر آ رہا تھا۔ ایسے موسم میں جنات کا خطرہ مزید بڑھ جایا کرتا ہے۔ خیر ہوا یوں کہ انہوں نے حسب معمول مویشیوں کے گرد حصار کھینچا اور اس عورت کو، جس کا گھر باڑے کے پاس تھا، آواز دی۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے بارش ہو، طوفان ہو، کچھ بھی ہو تم نے حصار کے اندر نہیں آنا۔

خود وہ سلگتے ہوئے تلاوت میں مصروف ہو گئے۔ بجلی کڑکی، بادل گرجے اور پتھری ہوں پہ بارش پتھروں کی مانند برسنے لگی۔

اب اس عورت نے دیکھا۔ شاہ جی تو پانی چار پائی پر موجود ہیں نہیں وہ ان کا بستر بارش میں بھیج رہا ہے۔ اس نے ان کی ہدایت یکسر نظر انداز کی اور تیزی سے بستر اٹھانے چلی۔

حصار ٹوٹ گیا اور سب نے دیکھا۔ شاہ جی تو بیٹھے شاہ صاحب کی گردن اور زمین کی اور جنی مٹ رہی تھی۔ ایسے ہی پتھر ان کے چھوٹے چچا جی سیف علی شاہ کے ساتھ بھی ہوا تھا، وہ بھی زندگی کی بازی ہار گئے تھے۔

بہر حال اس وقت جو نائی وہ خوفناک تیزی سے ہماری جانب لپکا آ رہا تھا اور ظاہر پوری قوت سے مجھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ نتیجتاً میری گرفت مزید سخت تر ہو گئی۔ کتے نے قریب آ کر ایک طویل چیخ لگائی اور حصار سے ٹکرا کے ہی غائب ہو گیا۔

میں نے ایک طویل سانس لی اور طاہر بے دم سا ہو کر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گیا۔ اس کی حالت یوں تھی گویا میلوں دوڑتا ہوا آیا ہو۔ وہ ہانپ رہا تھا۔ اس کے اعصاب ٹوٹ چکے تھے۔ کوئی بھی عمل، کوئی بھی عمل محض اعصاب کی جنگ ہوتا ہے۔

خیر عمل مکمل ہو گیا تو کچی زمین کے سامنے نمودار ہوئے۔ وہ سب کے سب مجھے گھور رہے تھے، میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ مرید ین اور میرے دوست وڈیرے پر انتظار کر رہے تھے۔ سو میں نے وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور ان سے طاہر کا ہمیشہ کے لئے پیچھا چھوڑنے کا کہا۔ جواباً انہوں نے ہٹ دھرمی اختیار کرتے ہوئے جانے سے صاف انکار کر دیا۔

سو مجبوراً مجھے اپنی قدم ٹھہرانا پڑا۔ وہی عمل تین مرتبہ دہرا کر پھونکنے پر انہیں آگ نے جکڑ لیا محض سیکنڈز کا کھیل تھا۔ چند ہی سیکنڈز میں سب کے سب جل مرے۔ میں نے خوفزدہ طاہر کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور گھر کی جانب چل دیا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ امجد شاہ صاحب! جب بے وقت حاضر ہونے مجھے ممنون کھڑوں سے دیکھا۔

"اس میں شکریہ کی کوئی بات نہیں ہے۔ اگر میں کسی کے ذرا سا کام آتا ہوں تو اس میں خود میری ہی بھلائی ہے۔" میں نے رسمانیت سے بھتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھیں میں بجھا تھا۔ وہ بڑی بڑی سی کیفیت اب وہاں نہیں تھی جب وہاں زمین کی تہوں سے آوازیں آ رہی تھیں اور اس کے ہوش پرخیں سر پر منڈلا رہے تھے۔ "میں آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں۔" میں نے اس بے پناہ رحمت یا فضل پر ممنونیت سے کہا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

قوسِ قزح

قارئین کے بھیجے گئے پسندیدہ اشعار

تیرا چہرہ کتنا سہانا لگتا ہے
تیرے آگے چاند پرانا لگتا ہے
ترچھے ترچھے تیر نظر کے لگتے ہیں
سیدھا سیدھا دل پر نشانہ لگتا ہے
(بلقیس خان ..... پشاور)

تو سمجھتا ہے کہ جینے کا شوق ہے مجھے
میں تو اس آس پر زندہ ہوں کہ مرنا کب ہے
(سنبل ماہین ..... سرگودھا)

کیا کشش تھی اس کی آنکھوں میں کہ مت پوچھو
مجھ سے میرا دل لڑ پڑا مجھے وہ شخص چاہئے
(تانیک محمد عظیم ..... کھاریاں)

کھڑکی میں کھڑی شوخ سی چنچل سی حسینہ
جاتے ہوئے انجانے کسے دیکھ رہی ہے
اس محوِ خیالات کو یہ بھی نہیں معلوم
بازار کی ہر آنکھ اسے دیکھ رہی ہے
(احسان سحر ..... میانوالی)

جیسے سہانی ہوتی ہے خوشبو گلاب میں
ویسے ہی آپ کا ہے ذکر میری کتاب میں
مانا کہ چاند حسن میں ضرب المثال ہے
اس سے بھی آپ حسین ہو میرے حساب میں
(شرف الدین جیلانی ..... ٹنڈوالہ یار)

جن کی آنکھوں میں دکھتے تھے محبت کے چراغ
ان کو اب ڈھونڈنے جاؤں تو کہاں پاؤں گا
وقت کی گرد میں دھندلائے ہوئے شہر کے لوگ
اجنبی بن کے ملے تب میں کدھر جاؤں گا
(فائزہ ..... حیدرآباد)

مجھ سے ملو تو ذرا فاصلے سے ملا کرو
ہم دل میں اتر جانے کا کمال رکھتے ہیں
ہر دکھ کو یوں ہی بانٹ دیتے ہیں لفظوں میں
کچھ ایسا ہی ہم دوستانہ مزاج رکھتے ہیں
(رضیہ عارف ..... کراچی)

اپنی ذات کی کہکشائیں سنبھال رکھو
ہمیں آ گیا ہے پتھروں پہ سفر کرنا
(شاہد رفیق سہو ..... کبیر والا)

اب اسے وہ پہلے سی محبت نہیں رہی
جیسے میری وفاؤں میں وہ شدت نہیں رہی
لہجہ بدل جانے سے یہ پھر محسوس ہوا
اس میں بھی اب بات کرنے کی ہمت نہیں رہی
(محمد اسلم جاوید ..... فیصل آباد)

یارب فشارِ ذات کی زد سے نکال دے
میں بٹ کے رہ گیا ہوں اکائی میں ڈال دے
عفریت بن کے مجھ کو ڈراتی ہیں خواہشیں
آسیب آرزو میرے دل سے نکال دے
(حسنین حیدر شاہین ..... لالیاں)

کتابوں کی طرح بہت سے الفاظ ہیں مجھ میں حلیم
اور کتابوں کی طرح ہی میں خاموش رہتا ہوں
(محسن عزیز حلیم ..... کوٹھا کلاں)

تیز بارش میں کبھی سرد ہواؤں میں رہا
ایک تیرا ذکر تھا جو میری صداؤں میں رہا
کتنے لوگوں سے میرے گہرے مراسم ہیں لیکن
تیرا چہرہ ہی فقط میری دعاؤں میں رہا
(قاسم رحمان ..... ہری پور)

میرے مقدر کو بھی یہ گلہ رہا مجھ سے
کہ کسی اور کا ہوتا تو سنور گیا ہوتا
(عمران حمید ..... دیپالپور)

تیرے بعد نہ آئے گا میری زندگی میں کوئی اور
ایک مدت ہے جس کی ہم قسم نہیں دیتے
(عثمان حمید ..... دیپالپور)

کبھی پھول سے ابھر کے کبھی چاندنی میں ڈھل کر
تیرا حسن چھیڑتا ہے مجھے رخ بدل بدل کر
(سحرش اسلم ..... ٹنڈو آدم)

آج پہلو میں ہمارے دل ناشاد نہیں
کسے دے آئے کہاں بھول اٹھے کچھ یاد نہیں
(عارفہ عمر دراز ..... نواب شاہ)

☆☆

www.pdfbooksfree.pk

مظلوم کو مجرم بھی بنادیتی ہے دنیا
حالات کی سولی پر چڑھا دیتی ہے دنیا
ظالم کی طرف ہاتھ بڑھاتا نہیں کوئی
مظلوم کو لیکن یہ سزا دیتی ہے دنیا
محتاط محبت میں تمہیں رہنا پڑے گا
اک بات سے افسانہ بنادیتی ہے دنیا
اخلاص کو دولت پہ یہ کرتی ہے نچھاور
انسان کی عظمت کو بھلا دیتی ہے دنیا
روتی ہوئی آنکھوں سے چرالیتی ہے آنسو
ہنستے ہوئے چہروں کو رلا دیتی ہے دنیا
مجبوری حالات میں جینے نہیں دیتی!
فرزانے کو دیوانہ بنادیتی ہے دنیا
جس شخص کے چہرے پہ ہوں افلاس کے تیور
نظروں سے حکیم اس کو گرادیتی ہے دنیا
(حکیم خان حکیم..... کامل پور موی انک)

گزرے ہوئے دن جب یاد آنے لگے
بجھتے ہوئے چراغ لوگ پھر جلانے لگے
کچھ نہ پاکے بھی ہم چپ رہے آخر
غم میں بھی وہ پھر سے مسکرانے لگے
فریب دینا عادت ہوگئی ان کی
اج وفا کے راستے پھر سے انجانے لگے
ہر قدم پر ہوتا ہے گماں ہم کو
زندگی میں پھر یہ کیسا قدم اٹھانے لگے
زمانے کے انداز تھے یوں بھی نرالے دوستو
ہمیں تو عشق کے قصے کچھ پرانے لگے
رخ بدل گئی ہیں اب تو ہوائیں بھی
اداس ہو کے تیرے شہر سے ہم جانے لگے
ایک لمحے میں سب کچھ بدل گیا ہے ہمسفر
خوشیوں کے دور پھر سے ہم کو ٹھکانے لگے
اپنی قسمت میں کوئی سکھ نہ تھا کبھی
ہم چپ چاپ اپنی آگ میں جلنے لگے
شب ڈھل گئی کسی کے انتظار میں جاوید
بند آنکھوں میں خواب پھر سے بیگانے لگے
(محمد اسلم جاوید..... فیصل آباد)

انجام محبت اس قدر خراب نکلا
نہ دل نکلا سینے سے کباب نکلا
مستقبل تھا تو کتنا حسین تھا وہ وقت
جب ماضی میں ڈھلا خراب نکلا
اپنے آنگن کا ہم جسے سمجھتے تھے خورشید
سارے شہر کا ہی وہ تو آفتاب نکلا
وہ مٹی کا دیا تھا اہل محفل کا قیاس
پردہ جب اٹھا تو وہی مہتاب نکلا
گلابوں سے ہاتھ نکالا جب اس نے
جیسے گلابوں سے ہی کوئی گلاب نکلا
اہل الفت کی طرح تمہارا بھی واجد
سچ پوچھو تو وہ خانہ خراب نکلا
(پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی..... کراچی)

نہ جانے کیوں روز، روز ملنے لگا ہے وہ
پہلے سے بھی کچھ زیادہ بدلنے لگا ہے وہ
پہلے جو میری بات میں سو نقص ڈھونڈتا
اب بات میری کیوں سمجھنے لگا ہے وہ
دل مطمئن نہیں میرا اس کی طرف سے کیوں
جو میرے ذہن کو پڑھنے میں لگا ہے وہ
اس کی ادائیں اور یہ پیار بھری باتیں
پہلے نہیں کرتا تھا، اب کرنے لگا ہے وہ
ہر شخص سے باتوں میں وہ میرا ذکر ہے کرتا
لگتا ہے کہ کچھ زیادہ الجھنے لگا ہے وہ
جب بھی مجھے ملتا ہے وہ کہتا ہے مجھے جان
کمال کا فنکار ہے نفرت کو محبت میں چھپانے لگا ہے وہ
(عثمان غنی..... پشاور)

www.pdfbooksfree.pk

وہ گزری ہوئی راتیں، نہ تم سوئیں نہ میں
پیار کی مزمیں طے ہوگئیں لمحوں میں
خاموش محبت کی وہ اشاروں کی زبان
ہجر و فراق کے شب و روز گزر گئے لمحوں میں
انتہائے محبت نے ہمیں کہیں کا نہ رکھا
تمام اندازے غلط ہوگئے انہیں لمحوں میں
کوئی تو بات تھی جو ہم تم پر مٹے
کھوگئی تمہارے بعد یادداشت میری لمحوں میں
تمہاری یاد نے جلائے رکھے تھے یادوں کے چراغ
گردش زمانہ نے بجھادیئے انہیں لمحوں میں
(سلیم بیگ ہمدانی کراچی)

ماضی کی گزری باتوں کو اب بھول جانا تم
بیتے لمحوں کا درد سارا اب بھول جانا تم
جو کچھ گزر گیا ہے اسے اک خواب سمجھ کر
میری خوشی کے واسطے اب بھول جانا تم
چاہت تمہارے دل میں ہے وہ دھڑکنوں کی شرط
آنکھوں سے یہ میرا عشق سارے جہاں پہ چاہا تم
تیرے خوشی کی خاطر کہ تابعی بھی ہو نصیب
تو ہوگا تحفہ قبول ہمیں نہ بھی پہ چاہا تم
ہوگا مدہوش رابعہ تیری وفا میں
ختم تمہارا ہے رہے گا تمہارا نہ بھول جانا تم
(شرف النساء چیمہ ٹھٹھہ سندھ)

دل ہے چھوٹی سی کٹیا، جیسے منی کا دیا اک دیا
جس میں باقی نہیں، پھر بھی جلتا ہے
رکھا پہلا سا سودا، سانس لیتا یہ جیون
آنکھ بھر آسمان کو تکتا ہے
رات دن کے پیالے میں گھولے ہوئے
اپنے پلکوں کی پرتوں میں ڈھلتے ہوئے پیتے ہیں
ریزہ ریزہ ہے دھرتی، اتنا سوکھا ہے یہ من
کوئی دستک نہیں، پھر بھی رہتا ہے
زرد پتے سا ہے دل، ملا خاک میں
رنگ جیون کی اڑتی ہوئی آس میں کیا
(عروبہ یاسین سرگودھا)

مانتا ہوں اک سچ کچ خوش نما پرندہ ہے
زندگی حقیقت میں بے وفا پرندہ ہے
درد چھپ کے بیٹھا ہے دل کو کھاتا جاتا ہے
سبز سبز شاخوں میں یہ ہرا پرندہ ہے
شام سے ذرا پہلے تیری یاد آتی ہے
گھر کو لوٹ آتا ہے یہ بھلا پرندہ ہے
شور بھی کرے گا یہ خوب پھڑپھڑائے گا
تھوڑی دیر تڑپے گا یہ نیا پرندہ ہے
جب میں نہیں ہوتی گھر کو لیا کرے کوئی
گھونسلہ سلامت ہے الاپتا پرندہ ہے
درد دل کے پنچھی کو روز ملنے آتا ہے
شہر میں یہی تو اک آشنا پرندہ ہے
(شاہد رفیق سہو بیروالا)

خاموش رات میں جنتیں پر رکھوں
اک اشک تمہارا اک اشک ہمارا
ٹکٹکیاں سے ٹپک کر ٹوٹ کر گرے
اک ستارہ تمہارا اک ستارہ ہمارا
آئندہ وفا کی کرنیوں میں بکھر
اک عکس تمہارا اک عکس ہمارا
ساحل سمندر کے ریت کے گھروندے
اک خواب تمہارا اک خواب ہمارا
تہذیبیت میں ملا کے لئے اٹھے
اک ہاتھ تمہارا اک ہاتھ ہمارا
(وجیہہ سحر حیدرآباد)

وفا کے سارے ہی قصے پرانے ہوگئے ہیں
حقیقت اب کہاں سب سے فسانے ہوگئے ہیں
بچھڑ کر جن سے جینا سوچتی تھی میں پل پل تک
مجھے ان سے ہے اب تو زمانے ہوگئے ہیں
ہمارے گرد اب دشت بلا ہے اور ہم ہیں
وفا ہونے کے چکے تھے نبھانے ہوگئے ہیں
کہ جن میں خوف کی بے سب سنسنی رہتی ہے
ہمارے جانے اب تک ٹھکانے ہوگئے ہیں

www.pdfbooksfree.pk

جنہیں بچے سمجھ کے ڈانٹ لیتے تھے کبھی ہم
حقیقت ہے کہ وہ بھی اب سیانے ہوگئے ہیں
کبھی ہم چونک کر بیدار ہوجاتے تھے لیکن
ڈراؤنے خواب اب جیسے سہانے ہوگئے ہیں
کبھی اک قوم تھے تسبیح کے دنوں کی صورت
مگر لگتا ہے جیسے دانے دانے ہوگئے ہیں
جنہیں اپنی ہنر مندی پر بے حد ناز تھا کیونکر
ان ہی کے اب خطا سارے نشانے ہوگئے ہیں
عظیم بے نوا انداز بھی، لہجہ بھی بدلا ہے
عجب سے آپ کیوں آخر نہ جانے ہوگئے ہیں
(انتخاب: کاشف حبیب کاوش.....بدموڑی بگرام)

کتنے سکون سے بیٹھے ہو تم مہنگائی کی آگ لگائے
روتے ہیں مزدور کے بچے بھوک اب ان کی کون مٹائے
کرتے ہیں یہ وعدے لیکن کام کسی کا کرتے نہیں
ایسے سیاست دانوں کے جال میں کوئی اب نہ آئے
بھول گئے تم وعدے سارے بیٹھے ہیں ہم درد کے مارے
دیکھ رہے ہیں تیرا رستہ چپ کی لبوں پر مہر لگائے
خوشحالی کا وعدہ کرکے نظر نہیں اب آتے تم
بیٹھے ہیں سب دوڑ تیرے بھی تجھ سے آس لگائے
روتے ہیں مزدور بچارے گھر کا چولہا جلتا نہیں ہے
اس لیڈر کو سولی چڑھادو جو مشکل میں کام نہ آئے
روشن پاکستان کا نعرہ گونج رہا ہے ہر سو لیکن
گھروں میں سب کے تاریکی ہے دیس کی حالت دیکھی نہ جائے
(محمد شفیق اعوان.....حضرو، اٹک)

یہ دل اب اور کیا تنہا کرے گا
تقاضائے غم دنیا کیا کرے گا
بڑھے گی بات اس سے اور آگے
جہاں پر ختم وہ قصہ کرے گا
حقیقت سے چرالے گا وہ نگاہیں
میرا چہرہ تیرا پردہ کرے گا
شکستہ دل ضرورت سے زیادہ
تعلق پر نظر رکھا کرے گا
کمی باقی رہے گی زندگی میں
مکمل کیا ہوا سوچا کرے گا
مٹادیں گی ترا نقش قدم بھی
الجھ کے آندھیوں سے کیا کرے گا
(حسنین حیدر شاہین.....لالیاں)

ہم پہ وہ لاکھ محبت میں جفا کرتے ہیں
ان پہ ہم دل سے مگر جان فدا کرتے ہیں
ہم سے تو دور ہے نسبت ہے مگر تجھ سے ہمیں
رات دن ہم تیرے جینے کی دعا کرتے ہیں
مجھ سے مانوس ہیں وہ ان سے محبت ہے مجھے
میرے دل میں میری آنکھوں میں رہا کرتے ہیں
ہم نہ بدلیں گے کبھی چاہے زمانے بدلے
ہم سے اکثر وہ محبت میں کہا کرتے ہیں
اپنی منزل پہ پہنچ جاتے ہیں وہ مٹ مٹ کر
راہ دشوار سے جو کام لیا کرتے ہیں
ہم سے سیکھے کوئی انداز وفا اے جوہر
ہم جو ملتے ہیں کسی سے تو وفا کرتے ہیں
(فلک زاہد.....لاہور)

دیکھو گے ہمیں روز مگر بات نہ ہوگی
اک شہر میں رہ کر ملاقات نہ ہوگی
کہنا ہے جو کہہ ڈالو ابھی وقت باقی ہے
کل ہم تو ہوں گے مگر صورت حالات نہ ہوگی
تم کو جو پوچھنا ہے ابھی پوچھ لو ورنہ
کل شہر میں پھر رسم سوالات نہ ہوگی
دن اتنے ہوئے ہجر کے طویل لوگو
تڑپو گے سرشام مگر رات نہ ہوگی
یہ سوچ کر بھی دل تڑپ اٹھتا ہے
بچھڑیں گے اس طرح کہ پھر کبھی ملاقات نہ ہوگی
(محسن عزیز حلیم.....کوٹھا کلاں)
☆☆

www.pdfbooksfree.pk

میری آنکھوں کا تارا
میرا منا پیارا
میرے دل کا سرور
مجھے کردے مسرور
اس کے ہونٹوں کی ہنسی
غم کی کردے نفی
اس کے چہرے پر نور
جیسے رب کا ظہور
میرے گھر کی خوشی
ہے اسی سے بڑی
تو نہ ملتا مجھے
کیسے پاتی تجھے
تیرے لبوں کی نموں نموں
جیسے ہو اللہ ہو
ہے سکوں کا نشاں
پیار کا اک جہاں
رہنا دل میں سدا
لب پہ ہے یہ دعا
گود میں تو رہے
چین کی نیند لے
میری تکمیل ہے تو ہاں
تو کہے تو میں ماں
(فریدہ خانم.....لاہور)

میں نے اس کا ہاتھ تھاما
اور وہ مسکرایا
تمہارے ہاتھ کتنے گرم ہیں
اور گرم ہاتھ
وفا کی نشانی ہوتے ہیں
اور مجھے سن کر اتنی خوشی ہوئی
کہ
ہر بات بھول گئی
اور آج!
مجھے وہ دن یاد آتا ہے
اس کے ہاتھ

کتنے سرد تھے
(بلقیس خان.....پشاور)

کیوں تیرا انتظار ہے اب تک
دل بہت بے قرار ہے اب تک
وہ اگر کرتے ہیں کریں نفرت
دیکھنے ان سے پیار ہے اب تک
سنگدل سے محبتوں والا
سلسلہ استوار ہے اب تک
بے ارادہ نظر پڑی ان پر
چھایا چھایا خمار ہے اب تک
کیسے رانا بھلاؤں میں اس کو
وہ ذہن میں سوار ہے اب تک
(قدیر رانا.....راولپنڈی)

دہشت گردی کا چرچا ہے
ہر اک بندہ خوف زدہ ہے
دہشت تو ہر جا ہے پھیلی
کمال کی ہے ہر جا ریلی
راج ہے گولی بم کا لوگو
بادل چھایا غم کا لوگو
جینا سب کا ہوگیا مشکل
شیطان سے انسان گیا مل
جدھر نگاہیں اٹھ جاتی ہیں
سامنے لاشیں ہی آتی ہیں
گلیاں کوچے ہیں ویران
سب بازار پڑے سنسان
کب پائے گی خلق ہدایت
جلتی رہے گی کب تک خلقت
(چوہدری فرحان علی پوری.....ملتان)

تم گواہی کی بات کرتے ہو
میری جاہت کو آزماؤ تو
حد ہے اس دل کی آسمانوں تک
تم یہاں تک حضور آؤ تو
دل کا کتبہ لکھا ہے تیرے نام
آگ نفرت کی جو دبا دیتے
میری تحریر کو مٹاؤ تو
تم بھلا بیٹھے ہو گھڑی بھر میں
یاد میں اپنی مجھ کو لاؤ تو
میں تیرے ورد کا داماں کردوں
تم ذرا اپنا دل جگاؤ تو
(عثمان غنی.....پشاور)

وہ بھولی بھالی اک لڑکی
میرے سپنوں کی جو رانی تھی
ندیاں کنارے ملتے تھے
سپنے پیار کے بنتے تھے
ملکر دونوں ڈھونڈتے تھے پتھر
پھر ان سے اک تاج محل بناتے تھے
اور جب باتوں باتوں میں اسکا ہاتھ پکڑ لیتا
مسکرا کر پھر وہ ہاتھ اپنا چھڑا لیتی
میرے ہاتھ کی پشت پر بوسہ دے کے
میرا ہاتھ میری جھولی میں گرا دیتی
دیکھتے رہتے اک دوسرے کی آنکھوں میں
پھر وہ سر جھکا کر مسکرا دیتی
باتیں کرتی ہنستے جھرنوں سی
وہ بھولی بھالی اک لڑکی
جانے کہاں گئے وہ دن
جانے کہاں گئی وہ راتیں
اب تو بن گئی ہیں وہ یادیں
بس یاد رہ گئیں اس کی وہ باتیں
(طارق محمود.....کامرہ کلاں اٹک)

مجھ سے اک بار جو کہا ہوتا
تو اکیلے نہ غم سہا ہوتا
نہ محبت تو دل لگی ہی سہی
میری جاہت کو آزماؤ تو
تم سے کچھ میرا رابطہ ہوتا
تم نے بدنام کردیا ورنہ
ذکر میرا بھی بارہا ہوتا
دل کا کتبہ لکھا ہے تیرے نام

www.pdfbooksfree.pk

تو یہ گھر یوں نہ جل رہا ہوتا
امتیاز چاہت کا کچھ حسین منظر
آنکھ کیا دل میں بھی رہا ہوتا
(ایس امتیاز احمد.....کراچی)

جب جب اس کو سوچا ہے
دل اندر سے مہکا ہے
صحرا پر موقوف نہیں
دریا بھی تو پیاسا ہے
سجنی تیرے روپ کا سایہ
سیدھا دل پر چڑھا ہے
سب سے باتیں اس کی کرنا
کتنا اچھا لگتا ہے
چوٹ لگے اک عمر ہوئی
زخم ابھی تک رستا ہے
(صبار مضان.....پنڈ دادن خان)

بچھڑتے لمحوں میں
اس نے مجھ سے کہا تھا دیکھو
ہماری راہیں جدا جدا ہیں
مگر ایک دوسرے کا خیال
رکھنا ہے زندگی بھر
کسی بھی لمحہ اداسیوں کی
فصیل حائل نہ ہونے دینا
ہوا کے ہاتھوں پر لکھتے رہنا
جدائیوں کے کماقصے
قدم قدم پر جو پیش آئیں ۔
وہ سانحے بھی نظر میں رکھنا
میں جب بھی لوٹا
تو اپنے ہونٹوں کی تازگی کو
تمہاری پلکوں پر لا رکھوں گا
جو میری ہیں صرف میری
(محمد قاسم رحمان.....ہری پور)

میری آنکھ آئینہ بن گئی
تیرا عکس خود میں اتار کر
مراجعت جیسے سنور گیا
تیرے گیسوؤں کو سنوار کر
میرے خال وخد بھی دمک اٹھیں

میری سوچ میں بھی ہو چاندنی
میں بھی اپنے آپ کو دیکھ لوں
تیری چاہتوں سے نکھار کر
کوئی زخم مجھ کو نہ چھو سکے
کوئی درد مجھ کو نہ پا سکے
میرے جسم وجان کے تو چار سو
یوں محبتوں کا حصار کر
مجھے بازوؤں میں تو تھام لے
مجھے دیکھ لے، میرا نام لے
تیرے پاس پہنچا ہوں ہم نشیں
بڑے مرحلوں کو گزار کر
یہ جو تجھ سے ہو کے میں اجنبی
یوں گزر گیا ہوں کبھی کبھی
تو ادا ہے یہ میرے پیار کی
اے بے رخی نہ شمار کر
تیرے سنگ جو میرا میل ہے
یہ میرے نصیب کا کھیل ہے
مجھے ہر طرح سے خوشی ہوئی
''کبھی جیت کر کبھی ہار کر''
(محمد قاسم رحمان.....ہری پور)

آشیانہ بنا کے چھوڑ دیا
مجھ کو دیوانہ بنا کے چھوڑ دیا
میرے دل کے حسیں گلشن کو ساغر
اس نے ویرانہ بنا کے چھوڑ دیا
پہلے خود ہی بنی شمع کی طرح
ہم کو پروانہ بنا کے چھوڑ دیا
وہ کہتے تھے تمہیں کبھی نہ چھوڑیں گے
وہ ہی کیا تیرا دل کا نشانہ بنا کے چھوڑ دیا
(منیر احمد ساغر.....میاں چنوں)

میرے دل کا سکوں
میرے عشق کا جنوں
اے جان وفا.....
صرف ہے تُو
حسین لمحوں میں
دل نشین وادیوں میں
میرے خیالوں میں
میرے افسانوں میں
جیسے آفتاب شرق طلوع
نظر آئے ہر تُو
اے جان وفا.....
صرف ہے تُو
کسی اندھیری رات میں
تیری یادوں کی برسات میں
میرا انگ انگ، رواں رواں
تڑپتا ہے، سسکتا ہے
مرجاؤں گا میں اے طلسم
اک جھلک دکھلا تُو
اے جان وفا.....
صرف ہے تُو
ہے مجھے تیری جستجو
ہے مجھے تیری آرزو
میری رگ رگ میں
میری سانسوں میں
ہے تیری خوشبو
میرے لمحوں کا افسوں
اے جان وفا.....
صرف ہے تُو
(محمد عثمان علی.....میاں چنوں)

☆☆

www.pdfbooksfree.pk

خناس

وجیہہ سحر

پانچویں قسط

خوف و ہراس کی وادی میں خراماں خراماں سرگرداں دل گرفتہ دل شکستہ حالات سے پر اپنی نوعیت کی ناقابل یقین و ناقابل فراموش حالات سے دو چار عجیب و غریب دل و دماغ کو مسوستی حیرت سے روشناس کراتی سوچ کے افق پر جھلمل کرتی تحیر انگیزی میں سب سے آگے ویران و اجاڑ وادی کے نشیب وفراز میں چنگھاڑتی و دندناتی ذہن سے محو نہ ہونے والی ایڈونچر شاہکار کہانی

اچھی کہانیوں کے متلاشی قارئین کیلئے حیرت انگیز خوفناک حیرتناک حقیقی کہانی

السلام علیکم آنٹی!'' عمارہ کی آواز راحت کی سماعت سے ٹکرائی۔

''کیسی ہو بیٹی!'' راحت نے گلوگیر لہجے میں پوچھا۔

عمارہ اس کی آواز سن کر پریشان ہوگئی۔ ''آنٹی! آپ رو رہی ہیں۔''

راحت نے کوئی جواب نہیں دیا اور آنسو پونچھنے لگی۔

عمارہ بے چین ہوگئی، اس نے ایک بار پھر پوچھا۔

''آپ کس بات پر پریشان ہیں ساحل تو ٹھیک ہے نا۔''

راحت نے عمارہ کو آدھی بات ہی بتائی تو عمارہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''میں آپ کے گھر آرہی ہوں۔''

بس پچیس منٹ کے بعد عمارہ راحت کے گھر پہنچ گئی۔ وہ ساحل کے پاس آئی۔ ساحل بے سدھ سویا ہوا تھا۔ وہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔ اس نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

''ٹمپریچر تو نہیں ہے۔''

عمارہ نے سرگوشی کے انداز میں کہا اور پھر وہ اور راحت دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ عمارہ نے راحت کو سمجھایا۔

''آنٹی! آپ ہمت رکھیں ساحل کو کچھ نہیں ہوگا۔ خطرے کا سامنا اس وقت ہم سب کو ہے، ہم میں سے کون کب ان ہمزاد کا شکار ہو جائے یہ کوئی نہیں جانتا۔ بس ایک بات ہم سب کو ذہن نشین کرنی چاہیے کہ وہ ہمزاد روپ بدل کر ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کریں گے۔ ہمارے لیے جال بچھائیں گے، مگر ہمیں محتاط ہو کر رہنا ہے۔ آپ مجھے پوری بات بتائیں۔''

راحت عمارہ کو ساحل کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ تفصیل سے بتانے لگی۔ یہ واقعہ سن کر عمارہ کے ذہن کی رگیں جیسے سکڑ کے رہ گئیں، مگر اس نوجوان کے ذکر نے جس نے ساحل کی جان بچائی، عمارہ کو چونکا دیا۔ وہ جلدی سے بولی۔

''کچھ بتایا اس جوان نے کہ وہ کہاں رہتا ہے۔''

''نہیں..... بس اتنا ہی بتایا کہ اس کا نام اسامہ ہے۔''

راحت نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔

''اوہ شٹ! آپ کو اس سے پوچھنا چاہیے تھا کہ وہ کہاں رہتا ہے، کیا کرتا ہے۔''

''ساحل کی ایسی پریشانی لگی کہ میرے ذہن میں ہی نہ آیا کہ اس سے یہ سب پوچھوں۔'' راحت نے جبیں پیائی کی۔

''اچھا آپ مجھے اس کا حلیہ بتائیں کہ وہ کس طرح کا دکھائی دیتا ہے۔'' عمارہ نے اپنے ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے پوچھا۔

راحت جیسے کھو سی گئی۔ ''بھلا خوبصورت جوان تھا..... لمبا قد چوڑا سینہ، پھریرے بدن والا تھا بس ایک کمی ایسی تھی کہ میرا دل اکٹھا ہو گیا تھا۔''

www.pdfbooksfree.pk

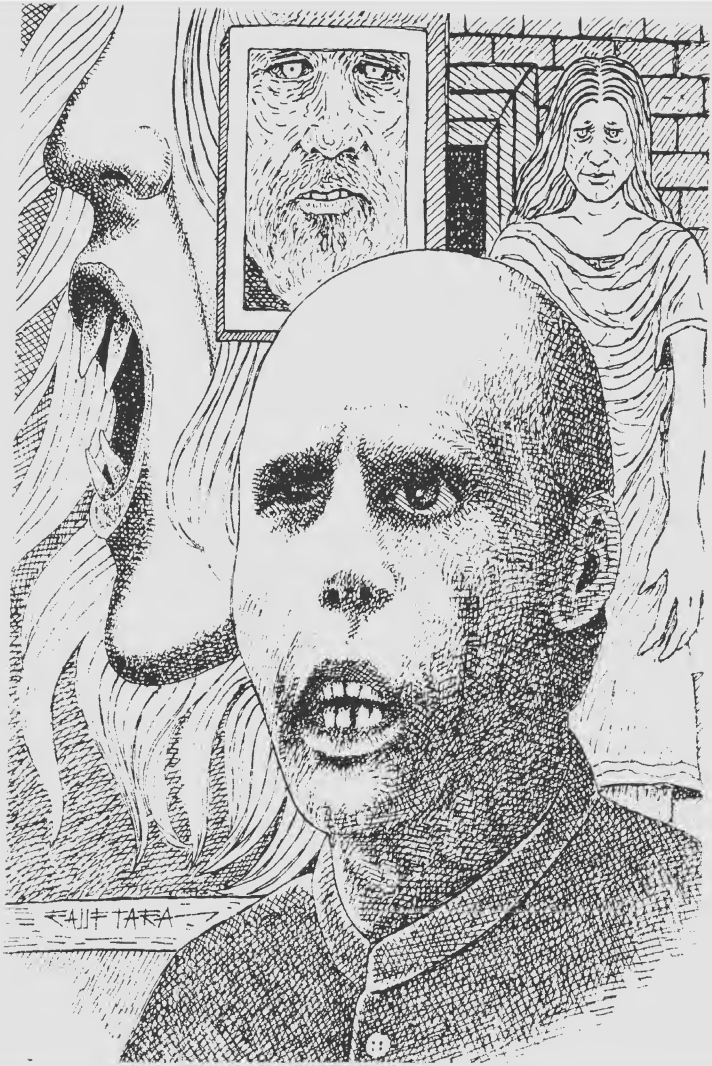

www.pdfbooksfree.pk

''کیا.....؟'' عمارہ نے پوچھا۔

''اس کا ایک ہاتھ کٹا ہوا تھا۔'' راحت نے تاسف بھرے انداز میں کہا۔

اسی دوران ساحل کی آواز آئی۔''اماں.....'' راحت تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی بیٹے کے پاس پہنچ گئی۔

عمارہ بھی ساحل کے پاس آ گئی۔''اب کیسی طبیعت ہے؟''

ساحل نے بستر سے اُٹھتے ہوئے تکیے سے پشت لگا لی۔''کچھ پتہ نہیں کہ مجھے کیا ہوا ہے۔ جیسے جسم سے جان سی نکل گئی ہے۔ عجیب نڈھالگی ہے۔''

''کمزوری ہے، آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گی۔'' یہ کہہ کر عمارہ، راحت سے مخاطب ہوئی۔''آنٹی آپ اسے گرم دودھ لادیں۔''

ساحل نے ہاتھ سے نفی کا اشارہ کیا۔''میرا کسی بھی چیز میں دل نہیں ہے۔''

''دل ہو یا نہ ہو، تمہیں دودھ پینا پڑے گا۔'' یہ کہہ کے راحت دودھ لینے چلی گئی۔

عمارہ ساحل کے قریب بیٹھ گئی۔''تم جانتے ہو کہ تمہاری وشاء میں بچی ہے تو پھر کیوں ہر دفعہ فریب کھاتے ہو۔''

ساحل کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔''وشاء کو پانے کا جنون، میری ہجر کی راتوں میں یادوں کے جلتے دیے میں ہی ختم ہو گیا تھا۔ نہ جانے پھر کیوں میں اس فریب میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ وہ بدروح میری وشاء بن کر بار بار میرے سامنے آتی ہے اور میرے سوئے ہوئے جذبات جگا دیتی ہے۔''

عمارہ پختہ لہجے میں بولی۔''اس بار جو ہوا سو ہوا مگر اب تمہیں خود کو ذہنی طور پر تیار کرنا ہوگا کہ وہ بدروح تمہیں اب اپنے جال میں نہ پھانس سکے اور وہ نوجوان جو تمہیں گھر تک چھوڑ گیا ہے اس نے تمہیں کچھ بتایا اپنے بارے میں۔''

ساحل نے حیرت سے عمارہ کی طرف دیکھا۔''کیسا احمقانہ سوال کر رہی ہو۔ اس نے مجھے کن حالات میں بچایا، وہ مجھے کس طرح گھر چھوڑ گیا۔ وہ بھلا اپنے بارے میں کیسے بتاتا۔''

راحت دودھ کا گلاس لے کر آئی اس نے ساحل کو دودھ کا گلاس پکڑایا۔ ساحل نے بُرا سا منہ بنایا۔''پی لو بیٹا!'' راحت نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''میں چلتی ہوں آنٹی! پھر دوبارہ چکر لگاؤں گی۔'' وہ اپنا ہینڈ بیگ اُٹھا کر دروازے کی طرف بڑھی، ساحل کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔''ایک بہت عجیب بات مجھے اب یاد آئی۔''

عمارہ ساحل کی طرف واپس پلٹ آئی۔''کیا.....؟''

''میں جس وقت زندگی اور موت کی کشمکش میں گہرے پانی میں غوطے کھا رہا تھا تو میں نے وشاء کی آواز سنی، وہ کہہ رہی تھی خیام تم.....؟ تم یہاں کیوں آئے ہو۔ اس کے بعد میں پانی کی تہہ میں گرتا چلا گیا، میں نے کچھ اور نہیں سنا۔''

عمارہ حیرت میں ڈوبی ہوئی ساحل کے قریب بیٹھ گئی۔''اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں خیام نے بچایا ہے۔''

ساحل نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔''نہیں ... مجھے نہیں لگتا، اس جوان کے علاوہ وہاں اور کوئی نہیں تھا، یقیناً اسی نے مجھے بچایا ہے۔''

عمارہ گہری سوچ میں گاڑی کے Key ring کو گھمانے لگی۔''اس کا مطلب ہے ساری صورت حال وہ نہیں ہے جو ہمیں نظر آ رہی ہے۔ کوئی گہری بات ہے جو چھپی ہوئی ہے بہرحال میں اس جوان کا پتہ لگا لوں گی۔ اس سے مل کر ساری بات سمجھ میں آ جائے گی۔'' عمارہ یہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔

عشاء کی اذان ہو رہی تھی۔ اسامہ گاڑی میں اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا، وہ مسلسل صبح کے واقعہ کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ وہ کس طرح ساحل کی مدد کے لیے پہنچ گیا۔ وہ اس لڑکے سے پہلی بار ملا تھا مگر وہ اس لڑکے کے بارے میں سب کچھ جانتا تھا اس کا ذہن اسے ان تین ویمپائرز سے جنگ پر اُکسا رہا تھا۔ وہ ان بدروحوں کے بارے میں سب کچھ جانتا تھا۔ اور ان لوگوں کو بھی جانتا تھا جو ان ہمزاد کے خلاف جنگ میں سرگرم ہیں..... یہ سب کیسے ہو گیا؟''

اس سوچ میں اس نے گاڑی مسجد کی طرف موڑ لی اس نے باجماعت عشاء کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد کچھ دیر تک مولوی صاحب نے خطبہ دیا پھر لوگ یکے بعد دیگرے مسجد

www.pdfbooksfree.pk

سے جانے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے مسجد میں صرف امام صاحب اور اسامہ ہی رہ گئے، سب نمازی چلے گئے۔

اسامہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ امام صاحب نے اس کی طرف دیکھا اور دھیمے سے لہجے میں گویا ہوئے۔ ”کیا بات ہے بیٹا! کوئی پریشانی ہے۔“

اسامہ نے امام صاحب کی طرف دیکھا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کر ان کے پاس جا بیٹھا۔

”آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میں پریشان ہوں۔“ اسامہ نے پوچھا۔

بزرگ مولوی صاحب مسکراتے ہوئے تسبیح پھیرنے لگے۔ ”انسان جب زیادہ پریشان ہو جاتا ہے تو خدا کو ہی یاد کرتا ہے۔ اس کے حضور اس وقت تک سر جھکائے بیٹھا رہتا ہے جب تک پروردگار اس پریشانی سے نبٹنے کا حوصلہ اس کے دل میں پیدا نہیں کرتا۔“

اسامہ خاموشی سے مولوی صاحب کی باتیں سنتا رہا پھر اس نے مولوی صاحب کے پُرنور چہرے کی طرف دیکھا۔ ”شاید پروردگار نے ہی میرے دل میں یہ خیال پیدا کیا ہے کہ میں آپ سے کچھ سوال کروں، جو میری پریشانی کا سبب ہیں۔“

”ضرور بیٹا! پوچھو میرے علم کی جتنی وسعت ہوگی میں تمہارے سوالوں کا جواب دے دوں گا۔“ مولوی صاحب نے اثبات میں سر ہلایا۔

اسامہ کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے پوچھا۔ ”آپ کالے جادو پر یقین ہے؟“

مولوی صاحب نے ہلکا سا تامل اثبات میں سر ہلایا۔ ”ہاں جادو ایک حقیقت ہے۔ ہمارے پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی جادو کیا گیا تھا۔ جادو ٹونے یہ سب شیطان کے ہی پھیلائے ہوئے جال ہیں۔ کالا جادو کرنے والا اور کروانے والا دونوں ہی کافر ہیں۔ ایسے لوگوں کے دل و دماغ شیطان کے قابو میں ہوتے ہیں۔ پھر وہ وہی کچھ کرتے ہیں جو ان سے شیطان کروانا چاہتا ہے۔ بُری راہ میں پڑنے کی وجہ سے وہ لوگ نماز اور قرآن پاک سے دور ہو جاتے ہیں، جبکہ نماز اور قرآن پاک ہی انسان کے دل و دماغ کو وہ تقویت دیتا ہے جس سے انسان شیطانی حملوں سے بچا رہے مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو، کیا تم پر بھی کسی نے جادو کیا ہے۔“ مولوی صاحب نے پوچھا۔

اسامہ اصل موضوع کی طرف آ گیا۔ ”آپ آرٹ گیلری میں ہونے والے حادثہ کے متعلق تو جانتے ہوں گے اور اس حادثے کے بعد شہر میں پھیلی ہوئی سنسنی خیز خبریں بھی سنی ہوں گی۔“

مولوی صاحب نے آنکھیں بند کر کے اثبات میں سر ہلایا۔ ”ہاں جانتا ہوں۔“

”CBI اور پولیس کے کہنے کے مطابق وہ سب کچھ دہشت گردوں نے کیا ہے۔ مگر کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ سب اموات کالے جادو کے تحت ہوئی ہیں جس کا ذمہ دار ایک ہمزاد ہے۔“ اسامہ نے بے چینی سے کہا۔

”دونوں میں سے کوئی بات بھی ہو سکتی ہے۔ مگر دوسری بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اس خیال کو محض وہم یا توہمات پرستی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ شیطان ہمزاد کچھ بھی کر سکتا ہے۔“ مولوی صاحب نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

اسامہ کے ذہن میں سوچوں کی گرہیں دھیرے دھیرے کھل رہی تھیں اور الفاظ پھسل پھسل کر اس کے منہ سے باہر نکل رہے تھے۔

”مولوی صاحب! میں اپنے اندر ایک عجیب سی تبدیلی محسوس کر رہا ہوں جیسے میرے اندر کوئی دوسرا انسان آ بسا ہو۔ شہر میں ہونے والے پُراسرار واقعات میرے لیے محض ایک خبر کی طرح ہی تھے مگر اب میری سوچوں کا مرکز بن گئے ہیں۔ کبھی کبھی میں ایک ہی وقت میں دو لوگوں کی طرح سوچتا ہوں۔“

مولوی صاحب ہنسنے لگے۔ ”میاں! یہ تو معمولی سی بات ہے جسے تم خوامخواہ اپنے اوپر حاوی کر رہے ہو۔ انسان تو ازل ہی سے دوہری سوچ کا مالک ہے۔ کیونکہ اس کے دو روپ ہوتے ہیں اگر ایک نفس اسے اچھائی کی طرف مائل کرتا ہے تو دوسرا نفس اسے بُرائی کی طرف مائل کرتا ہے۔“

اسامہ نے بے قراری سے سر کو جھٹکا۔ ”مولوی صاحب! آپ میری پوری بات تو سنیں۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے میری Memory میں وہ تمام یادداشتیں ڈال دی ہیں جو میری نہیں ہیں ان تمام جگہوں کے بارے میں جانتا

www.pdfbooksfree.pk

ہوں جو میں نے نہیں دیکھیں ان تمام لوگوں کے بارے میں جانتا ہوں جنہیں میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ جیسے میرے جسم میں کسی اور کی روح سرایت کر گئی ہے۔"

مولوی صاحب نے مبہوت نظروں سے اسامہ کی طرف دیکھا۔ "ان لوگوں کا اور ان جگہوں کا تعلق کس سے ہے؟"

اسامہ نے جواب دینے میں ذرا دیر نہ لگائی۔ "انہی شیطان ہمزاد سے جن کے خلاف جنگ کے لیے میرے اندر ہی کوئی مجھے کسا رہا ہے۔ میں ان چاروں کے بارے میں اس طرح جانتا ہوں جیسے یا تو میں ان میں سے ایک ہوں یا ان کا انتہائی قریبی رشتہ دار....."

مولوی صاحب سر جھکا کے سوچ میں پڑ گئے۔ کافی دیر تک انہوں نے اسامہ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا پھر ایک لمبا سانس کھینچتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو آپس میں جڑ لیا۔ "میری معلومات محدود ہے تمہارے سوال بہت مشکل ہیں لیکن پروردگار کے کرم سے میں تمہیں اتنا سمجھا سکتا ہوں کہ تم صحیح راستے کا تعین کر سکو۔ جس طرح کئی خطرناک کام ہمارے مادی وجود کی وجہ سے ہمارے لیے ناممکن ہو جاتے ہیں اسی طرح ہمزاد بھی اپنے مقاصد پورے کرنے کے لیے کسی وجود میں داخل ہو کے اس شخص کے ذریعے اپنے مقاصد پورے کرتا ہے۔

سفلی علوم کرنے والے عامل کسی کے کہنے پر شیطان ہمزاد کو کسی انسان کے جسم میں داخل کر دیتے ہیں۔ اس انسان کی شخصیت اور کردار کا بدلاؤ لوگوں کو حیران کر دیتا ہے۔ وہ شیطان ہمزاد اسے بُرائی پر اُکساتا ہے اور اچھائی سے روکتا ہے۔ اس شخص کے زندگی کے معمولات اس قدر بگڑ جاتے ہیں کہ اس شخص کی بے چینی ہی اسے مار ڈالتی ہے۔ مگر تمہارا معاملہ الگ ہے۔ میرے خیال سے تمہیں اس چیز کی تصدیق کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ واقعی تمہارے جسم میں کوئی روح سرایت کر گئی ہے یا نہیں تمہیں صرف یہ سوچنا چاہیے کہ تمہارے ذہن میں اُٹھنے والی سوچیں تمہیں بہت نیک کام کی طرف مائل کر رہی ہیں۔ تم میں کوئی خاص بات ضرور ہو گی جو رب نے تمہارے ذہن میں نہ صرف یہ خیال پیدا کیا بلکہ تمہارے لیے چھپے ہوئے رازوں سے بھی آشکار کیا۔ تم زیادہ نہ سوچو اور اسی گروپ میں شامل ہو جاؤ جنہوں نے ان شیطانی بدروحوں کے خلاف جنگ کا اعلان کیا ہے۔ لوگوں کو شیطان ہمزاد کے حملوں سے بچانے کے لیے اپنی جان پر بھی کھیل جاؤ۔ تم کسی عامل کے چکر میں مت پڑنا۔ تم دیکھ لینا اس نیک کام کی تکمیل کے بعد تم پہلے جیسے ہو جاؤ گے۔"

اسامہ کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ "آپ نے کتنی آسانی سے اس اُلجھے ہوئے مسئلے کو سلجھا دیا۔ میں وہی کروں گا جس کے لیے میرا ذہن مجھے آمادہ کر رہا ہے اگر پھر سے پریشانی ہو تو آپ کے پاس آ سکتا ہوں؟"

مولوی صاحب نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور کہا۔ "پانچ وقت کی نماز مسجد میں پڑھا کرو۔ خداوند کریم تمہارے سارے مسئلے حل کر دے گا۔"

○.....❖.....○

رات کے گیارہ بج رہے تھے مگر عمارہ اپنا لیپ ٹاپ گود میں رکھے google سرچ میں مصروف تھی۔ وہ اس شہر کے اسامہ نام کے اشخاص کے ایڈریسز اور فون نمبرز پر سرچ کر رہی تھی۔ اس نے ان ناموں کی spread sheet پر ایڈریسز اور فون نمبرز کے ساتھ ایک لسٹ تیار کی۔

"عمارہ بس کرو، بہت رات ہو گئی ہے اب سو جاؤ۔" دوسرے کمرے سے اس کی والدہ بار بار کہہ رہی تھیں۔ عمارہ نے دوسری بار بلند آواز میں کہا۔ "امی جان! بس تھوڑا سا کام رہ گیا ہے۔" عمارہ کی تیار کردہ لسٹ میں ریٹائرڈ میجر اسامہ کا نام اور ساتھ ایڈریس کی جگہ رینجرز مارشل آرٹ کلب کا نام تھا۔

لسٹ بنانے کے بعد عمارہ نے اسے سیو کیا اور پھر لیپ ٹاپ بند کر کے کمرے کی لائٹ بھی آف کر دی اور ٹیبل لیمپ جلا لیا۔

وہ بستر پر لیٹ تو گئی مگر اس کے ذہن میں سوچوں کا تانتا سا بندھ گیا۔ وہ اپنے ذہن کو جھٹک کے سیدھا لیٹ گئی اور چھت کی طرف آنکھیں نکاویں۔

"یا اللہ کب صبح ہو گی..... آج کی رات تو بہت مشکل سے گزرے گی۔ ساحل کو اپنے ساتھ پک اپ کر لوں گی وہ میری خاصی مدد کر سکتا ہے۔" نصف رات کے بعد ہی

www.pdfbooksfree.pk

اسے نیند آئی۔

صبح عمارہ کلینک کے لیے وقت سے پہلے ہی تیار ہو گئی۔ رابعہ، عمارہ کے کمرے میں داخل ہوئی تو اس نے حیرت سے عمارہ کی طرف دیکھا۔ ”آج تو بہت جلدی تیار ہو گئی ہو اور یہ کیا ڈھونڈ رہی ہو۔“

رابعہ نے عمارہ سے پوچھا جو بیڈ کے کشن اِدھر اُدھر پھینک رہی تھی۔ ”مجھے میرا Cell نہیں مل رہا.....“ عمارہ نے تذبذب کی کیفیت میں کہا۔

”اوہ..... اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہو میں اپنے موبائل سے بیل دیتی ہوں۔“ یہ کہہ کر رابعہ وہاں سے چلی گئی۔ اس نے عمارہ کے موبائل پر بیل دی تو ring tone کی آواز بیڈ کے نیچے سے آئی۔ عمارہ نے بیڈ کے نیچے سے بمشکل اپنا Cell نکالا، رابعہ کمرے میں داخل ہوئی۔

”تمہارا بھی کوئی حال نہیں ہے۔ اپنی چیزیں تو ٹھکانے سے رکھا کرو۔“

عمارہ نے ماں کی بات پر کان دھرے بغیر اپنا موبائل ہینڈ بیگ میں رکھا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی۔

”کہاں جا رہی ہو عمارہ.....؟ ابھی تو میں نے ناشتہ بھی تیار نہیں کیا۔“ رابعہ نے جاتی ہوئی عمارہ کو روک کر کہا۔

عمارہ نے ماں کا ہاتھ تھاما۔ ”مما! آج میں آفس میں ہی ناشتہ کر لوں گی مجھے جلدی جانا ہے۔ بہت ضروری کام ہے۔“ یہ کہہ کر عمارہ تیزی سے وہاں سے نکل گئی۔ اس نے گاڑی سٹارٹ کی تو اسے ساحل کا خیال آیا۔ ”ایک بار اسامہ کا پتہ چل جائے۔ ابھی ساحل کو لے کر نہیں جاتی۔ جب ضرورت ہوگی تو اس سے رابطہ کر لوں۔“ اس نے پہلا گیئر لگایا اور گاڑی پورچ سے باہر نکال لی۔

کلینک پہنچ کر اس نے عنبر کو فون کر کے بلا لیا اور باقی سٹاف کو بھی جلدی آنے کی ہدایت کر دی۔ اس نے اپنا لیپ ٹاپ کھولا اور آفس ورلڈ ایکسل کی مطلوبہ سپریڈ شیٹ اوپن کی۔ اسامہ نام کے افراد کے موبائل نمبرز اور ایڈریسز کی لسٹ ڈیسک ٹاپ پر آ گئی۔ وہ اپنے موبائل سے یکے بعد دیگرے تمام نمبرز پر Contact کرنے لگی۔ بہت سے نمبرز سے رابطہ نہیں ہو سکا۔ کسی کا موبائل آف تھا، کسی کا بیزی اور کہیں نیٹ ورک پرابلم۔

تین اشخاص سے رابطہ ہوا جن کی عمر 50 سے اوپر تھی۔ عنبر بھی آ چکی تھی اور سٹاف کے ممبرز بھی پہنچ چکے تھے۔ عمارہ دو گھنٹے تک موبائل سے رابطہ کرنے میں مصروف رہی مگر اسے اپنا مطلوبہ نمبر نہیں ملا وہ اُکتا گئی۔ اس نے اپنا موبائل عنبر کو دیا تم یہ نمبر ملاؤ میرا تو سر درد کرنے لگا ہے۔

عنبر نے نمبر ملایا تو ایک شخص نے کال اٹینڈ کی..... ”جی میں اسامہ ہوں، آپ کون ہیں؟“

عنبر نے موبائل عمارہ کو دے دیا۔

”السلام علیکم!“ عمارہ نے کہا۔

”وعلیکم السلام!“ شخص نے جواب دیا۔

”آپ کو ہم نے زحمت دی..... ہمیں دراصل ایک شخص کی تلاش ہے، جس کا نام اسامہ ہے..... اس کی عمر 35 یا 36 سال کے لگ بھگ ہے..... اس کا ایک ہاتھ نہیں ہے۔“

ابھی عمارہ اپنی بات پوری بھی نہ کر پائی تھی کہ وہ تمسخرانہ انداز میں بولا۔ ”آپ نے غلط نمبر پر فون کیا ہے کیونکہ میرے تو دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہیں اور دونوں کان بھی نہیں ہیں۔“

”سٹوپڈ (بدتمیز)!“ عمارہ نے موبائل میز پر دے مارا۔

”موبائل پر غصہ کیوں نکال رہی ہو۔“ عنبر نے اپنی ہنسی روکتے ہوئے کہا۔

ٹیلی فون کی بیل بجی تو عنبر نے فون رسیو کیا۔ ”تم ایسا کرو کہ ان کی ہسٹری فائل تیار کرو میں ڈاکٹر صاحبہ کو بتاتی ہوں۔“

فون رکھنے کے بعد عنبر، عمارہ سے مخاطب ہوئی۔ ”باہر دو مریض آئے ہیں۔“

”ٹھیک ہے تم باہر جا کے دونوں Patients کی ہسٹری فائل لے آؤ پھر انہیں باری باری اندر بلا لینا۔“ یہ کہہ کر عمارہ اپنا لیپ ٹاپ shut down کرنے لگی۔ Patients چیک کرنے کے بعد عمارہ ایک بار پھر اپنا لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھ گئی اور اسامہ نام کے اشخاص کے موبائل نمبرز اور Addresses چیک کرنے لگی۔ اس نے تین نمبرز اور

www.pdfbooksfree.pk

ڈاکل کیے مگر مایوسی ہوئی اسی دوران دو مریض اور آ گئے۔ عمارہ اپنے کام کے ساتھ ساتھ مریضوں کو بھی چیک کرتی رہی۔ دوپہر کے تین بج گئے۔ عمارہ کافی تھک چکی تھی اس نے نقاہت سے کرسی سے پشت لگاتے ہوئے عنبر سے پوچھا۔

"اور تو کوئی مریض نہیں ہے باہر....." عنبر بھی سکون سے کرسی پر بیٹھ گئی۔

"مریض تو کوئی نہیں ہے مگر کچھ دیر تک مجھے کھانا نہیں ملا تو میں مریضہ بن جاؤں گی۔ تمہیں تو کچھ ہوش نہیں ہے۔"

"کیوں..... آج کیا بات ہے..... کیا اپنا لنچ بھول آئی ہو.....؟" عمارہ نے پوچھا۔

عنبر نے بالوں کی لٹ کو اپنی انگلی سے لپیٹتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھا۔ "آج بھول آئی ہوں۔"

عمارہ الرٹ ہو کے بیٹھ گئی۔ "پہلے کیوں نہیں بتایا کہ آج میں اپنا لنچ نہیں لائی۔"

عمارہ نے فون کر کے باہر سے ملازم کو بلایا۔ ملازم اس کے آفس میں داخل ہوا۔ "جی میڈم!"

عمارہ نے اس سے کچھ کھانے کے لیے منگوایا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ملازم دو بریانی کی پلیٹیں اور رائتہ لے آیا۔

"ایک شہر میں ایک شخص کو ڈھونڈنا اتنا سہل نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہی ہو۔" عنبر نے چاولوں کا لقمہ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"ان Contact میں سے کوئی تو نمبر اس کا ہوگا ابھی میں نے سارے نمبر چیک نہیں کیے۔ ان شاء اللہ رابطہ ہو جائے گا۔"

عنبر نے تمسخرانہ انداز میں عمارہ کی طرف دیکھا۔ "جو شخص ساحل کو ملا وہ انسان ہی تھا یار....."

عمارہ نے گھور کر عنبر کی طرف دیکھا۔ "فضول میں میرا دماغ مت خراب کرو۔ میں نے سارا غصہ تم پر نکال دینا ہے۔"

"بہر حال جو کچھ بھی کرنا ہے، کھانا ٹھیک طرح سے کھا لو پھر کرنا۔" عنبر نے کہا۔

عمارہ کا لیپ ٹاپ آن ہی تھا۔ اسامہ نام کے اشخاص کی لسٹ سامنے ڈیسک ٹاپ پر تھی۔ عمارہ نے لنچ سے فارغ ہوتے ہی ایک PTCL کا نمبر ملایا جو رینجرز کلب کے چیف منیجر اسامہ کا تھا۔

کلب کے اسٹوڈنٹ نے کال ریسیو کی۔ "جی! ہمارے چیف منیجر اسامہ ہیں۔ جی آپ کی معلومات درست ہیں۔ ان کا ایک ہاتھ کٹا ہوا ہے۔"

"آپ مجھے ذرا سمجھا دیں کہ یہ کلب کدھر ہے۔" عمارہ نے کہا۔

اسٹوڈنٹ نے عمارہ کو کلب کا ایڈریس سمجھایا۔ "آپ کے چیف اس وقت کلب میں موجود ہیں۔" عمارہ نے پوچھا۔

"جی نہیں..... اس وقت تو وہ باہر گئے ہیں شام کو پانچ بجے وہ کلب میں ہی ہوں گے کیونکہ شام کو ہمارا Campition ہے۔" اسٹوڈنٹ نے بتایا۔

"آپ مجھے ان کا موبائل نمبر دے سکتے ہیں؟" عمارہ نے پوچھا۔

"سوری میڈم! ہم ان کی اجازت کے بغیر کسی کو بھی ان کا موبائل نمبر نہیں دے سکتے۔"

اسٹوڈنٹ نے کہا۔

"اچھا..... ٹھیک ہے، آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

یہ کہہ کر عمارہ نے فون بند کر دیا۔ عنبر نے جلدی سے پوچھا۔ "کیا بات بن گئی؟"

ایک اُمید نے عمارہ کے لہجے میں تازگی بھر دی۔ "لگتا ہے کہ بات بن جائے گی۔ خدا کے فضل سے ہمیں مایوسی نہیں ہوگی۔"

"میں چلوں گی تمہارے ساتھ....." عنبر نے کہا۔

عمارہ نے نفی کے انداز میں ہاتھ ہلایا۔

"نہیں..... میں وہاں اکیلی جاؤں گی۔ جب تمہاری ضرورت ہوگی تو بتا دوں گی۔"

عنبر نے کھانے کے برتن سمیٹے اور اُٹھا کے آفس سے باہر لے گئی۔ عنبر واپس آئی تو میز پر بکھری ہوئی فائلز سمیٹنے لگی عمارہ بھی اس کی مدد کرنے لگی اور فائلز اُٹھا کے بک شیلف میں رکھنے لگی۔

○.....❖.....○

ساڑھے پانچ بجے کے قریب عمارہ نے رینجرز کلب کے قریب گاڑی پارک کی۔ وہ گیٹ کی طرف بڑھی۔ اس نے

www.pdfbooksfree.pk

لیسن کلر کی لانگ شرٹ کے ساتھ بلیو جینز پہن رکھی تھی۔

اس نے اپنے براؤن گلاسز اپنے سر کی طرف نکالے۔ وہ گیٹ کیپر سے مخاطب ہوئی۔ ''اسامہ صاحب ہیں اندر.....؟''

''جی! سر اندر موجود ہیں مگر اس وقت آپ اندر نہیں جا سکتی کیونکہ وہ ٹیوں کے درمیان campitition چل رہا ہے۔ اس وقت وہ بہت مصروف ہیں۔'' چوکیدار نے معذرت سے کہا۔

عمارہ نے اپنے ہینڈ بیگ سے اپنا کارڈ نکالا اور چوکیدار کی طرف بڑھایا۔ ''تم یہ کارڈ سر کو دکھاؤ اور بتاؤ کہ میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''کوشش کر کے دیکھ لیتا ہوں۔'' یہ کہہ کر چوکیدار نے عمارہ کے ہاتھ سے کارڈ لے لیا اور اسامہ کے پاس چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آیا۔ ''آپ اندر آ جائیں۔'' اس نے عمارہ سے کہا۔

عمارہ گیٹ سے اندر داخل ہو گئی۔ ''آپ میرے ساتھ آئیں۔'' چوکیدار نے کہا۔

عمارہ چوکیدار کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ گیٹ کے قریب سے ہی سامنے گراؤنڈ میں فٹبال کشن کا نظارہ دکھائی دے رہا تھا۔

گراؤنڈ میں دو ٹیوں کے درمیان مقابلہ جاری تھا۔ ٹیوں کے چیف اپنی کرسیوں پر براجمان تھے۔ چوکیدار عمارہ کو جم ہال میں لے گیا۔ آپ یہاں بیٹھیں، اسامہ صاحب تھوڑی دیر میں آ جائیں گے۔ چوکیدار نے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

عمارہ بلیک کلر کے صوفے پر بیٹھ گئی۔ یہ صوفہ سیون سیٹر تھا۔ جم کا یہ حصہ آفس کی طرح ہی ڈیزائن کیا گیا تھا، جس کا دوسرا حصہ ایک وسیع ہال پر مشتمل تھا جس میں ایکسر سائز کی مشینیں نصب تھیں عمارہ کو اس قدر بڑے ہال میں اس طرح تنہا بیٹھنا بہت عجیب لگ رہا تھا۔

''شاید مجھے آج یہاں نہیں آنا چاہیے تھا.....'' اس نے خود کلامی کی۔

وہ کافی دیر بیٹھی رہی۔ اسامہ کا تقریب سے نکلنا مشکل تھا۔ عمارہ نے ٹیبل سے کچھ میگزین اُٹھائے اور پڑھنے لگی اس کا خاصا دھیان بٹ گیا۔

وہ مطالعہ میں اس قدر مگن ہو گئی کہ اسے علم ہی نہ ہوا کہ کوئی اس کے قریب کھڑا ہے۔ کسی کے کھنکھورنے کی آواز سے اس نے چونک کر اوپر دیکھا تو ایک دراز قد اور چوڑی قامت والا خوبرو جوان اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ جلدی سے اُٹھی تو رسالے اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئے۔

وہ جھک کے رسالے اُٹھانے لگی۔ وہ جوان بھی جھک کے اس کی مدد کرنے لگا۔ عمارہ نے دیکھا کہ وہ ایک ہاتھ سے اس کی مدد کر رہا ہے، اس کا دوسرا ہاتھ نہیں ہے۔ عمارہ نے رسالے سمیٹ کر میز پر رکھ دیئے۔

''میں اسامہ ہوں.....آپ کو مجھ سے کیا کام ہے۔''

اسامہ نے صوفے پر براجمان ہوتے ہوئے کہا۔

عمارہ نے مسکراتے ہوئے اسامہ کی طرف دیکھا۔ ''مجھے اپنا تعارف کرانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں آپ کو اپنا کارڈ بھیج چکی ہوں۔''

اسامہ نے انہائیت سے بھرپور نظروں سے عمارہ کی طرف دیکھا۔ ''اگر آپ مجھے اپنا کارڈ نہ بھی بھیجتیں تو بھی آپ کو دیکھ کر میں بتا دیتا کہ آپ عمارہ ہیں سائیکا ٹرسٹ اور exorcist، لیکن اتنی بہادر نہیں ہیں جتنی باتیں کرتی ہیں۔''

''آپ کیا آنکھوں سے ذہن پڑھنے کا علم جانتے ہیں۔'' عمارہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''یہی سمجھ لیں کیونکہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے کس سلسلے میں ملنا چاہتی تھیں۔''

اسامہ ابھی اپنی بات پوری نہیں کر پایا تھا کہ ملازم ٹی ٹرالی میں چائے اور فاسٹ فوڈز لے آیا اسامہ نے چائے بنائی اور عمارہ کو پیش کی۔

''کیا جانتے ہیں آپ کہ میں آپ سے کس سلسلے میں ملنا چاہتی تھی۔'' عمارہ نے چائے کا کپ لیتے ہوئے کہا۔

''وشاء، حوریہ اور فواد کے بارے میں بات کرنا چاہتی تھیں آپ۔'' اسامہ نے اپنے کپ میں چینی ڈالتے ہوئے کہا۔

عمارہ کے پورے جسم میں جھرجھری دوڑ گئی، کپ اس

www.pdfbooksfree.pk

کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گیا۔ ”سوری.....“ وہ اپنے کپڑے سمیٹتے ہوئے کھڑی ہوگئی۔

”کوئی بات نہیں میں ملازم سے صاف کروا دیتا ہوں آپ کے کپڑے تو خراب نہیں ہوئے۔“ اسامہ بھی کھڑا ہوگیا۔

”نہیں..... میرے کپڑوں پر کوئی داغ نہیں لگا۔“ عمارہ نے کہا۔

اسامہ نے ملازم کو آواز دی۔ تھوڑی دیر کے بعد ملازم آ گیا۔ ملازم نے فرش صاف کیا اور کپ کے ٹکڑے بھی اُٹھا لیے۔

ملازم کے جانے کے بعد اسامہ نے عمارہ کے پریشان چہرے کی طرف دیکھا۔ ”آپ بیٹھ جائیں.....“

عمارہ گھبرائی سی دوبارہ بیٹھ گئی۔ ”آپ کہیں کہ کیا کہنا چاہتی ہیں۔“

عمارہ اپنی جبیں پیائی کرنے لگی۔ ”آپ مجھے حیرت کے جھٹکے پہ جھٹکے لگائے جا رہے ہیں۔ میرا تو جیسے دماغ ہی سن ہوگیا ہے کہ میں آپ سے کیا بات کروں۔“

”ٹھیک ہے پھر آپ مجھ سے کوئی بات نہ کریں۔ آپ مجھے کوئی مناسب وقت دے دیں، جب آپ فارغ ہوں، میں آپ کے کلینک آ جاؤں گا۔ دراصل میں خود بھی آپ سے ملنا چاہتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ جو بات ہم نے کرنی ہے، اس کے لیے یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔“

”اچھا تو پھر آپ کل شام چار بجے میرے کلینک پر آ جایئے گا۔ وہیں تفصیل سے بات ہوگی کارڈ میں میرے کلینک کا ایڈریس.....“ عمارہ اپنی بات پوری نہ کر پائی تھی کہ اسامہ نے کہا۔ ”میں جانتا ہوں کہ آپ کا کلینک کہاں ہے۔“

عمارہ نے اپنی آنکھوں کو چاروں طرف گھماتے ہوئے اپنی بھنویں اُچکائیں۔

”کیا ہوا اب میں نے ایسا کیا کہہ دیا۔“ اسامہ نے پوچھا۔

عمارہ نفی کے انداز میں سر ہلاتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔ ”نہیں کوئی ایسی بات نہیں، آپ مجھے اجازت دیں ان شاءاللہ کل ملاقات ہوگی۔“

”آپ چائے تو پی لیں۔“ اسامہ نے کہا۔

”شکریہ..... میرا ابھی دل نہیں ہے۔“

اسامہ، عمارہ کو گیٹ تک چھوڑنے گیا۔

عمارہ نے جاتے ہوئے ایک بار پھر کہا۔ ”مجھے آپ کا انتظار رہے گا۔“

”ان شاء اللہ..... کل آپ سے ملاقات ہوگی۔“ اسامہ نے اسے یقین دلایا۔

○.....❖.....○

اگلی صبح عمارہ حسب معمول ناشتہ کر کے کلینک کے لیے روانہ ہوگئی۔ اس کی والدہ رابعہ گھر کی چیزیں سمیٹنے لگی۔ آدھے گھنٹے کے بعد ملازمہ بھی آ گئی۔ رابعہ ملازمہ کو کام سمجھانے میں مشغول ہوگئی۔

ملازمہ کو کام سمجھانے کے بعد رابعہ نے چولہے پر دودھ کی دیگچی رکھ دی اور دودھ پکانے لگی۔ ملازمہ برتن دھو رہی تھی۔

”تمہیں میں نے کتنی بار سمجھایا ہے کہ برتن دھونے کے بعد کیبنٹ پہ کپڑا ضرور مارا کرو مگر تم پر تو کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔ دیکھو ذرا کتنی چکناہٹ جم گئی ہے۔ آج ضرور صاف کر دینا۔“ رابعہ نے ملازمہ سے کہا۔

”جی بی بی جی! آج صاف کر دوں گی۔“ ملازمہ نے جواب دیا۔

رابعہ کچن کی باقی چیزیں سمیٹنے لگی۔ کچھ چیزیں اس نے فریج میں رکھیں، باقی مصالحہ جات ڈبوں میں سنبھال دیئے۔ اتنی دیر میں دودھ کو بھی اُبال آ گیا۔

رابعہ کچن سے لیونگ روم میں آ گئی اس نے میگزینز کے اسٹینڈ سے میگزین اُٹھایا اور صوفے پر براجمان ہوگئی۔ تقریباً گیارہ بجے کے قریب عمارہ کا فون آیا۔

رابعہ نے فون ریسیو کیا۔ ”ہیلو.....“

”مما! آپ نے دوپہر کا کھانا نہیں بنانا۔ میں اپنے لیے اور آپ کے لیے ہوٹل سے کھانا منگوا لوں گی۔ آپ بس آرام کرنا۔“ عمارہ نے ماں کو سمجھایا۔

”عمارہ بیٹی! جب میں بیمار ہوں ہی نہیں تو پھر کیوں تم مجھے بیمار بنا رہی ہو۔ کوکنگ تو میں شوق سے کرتی ہوں۔ میرا وقت اچھا گزر جاتا ہے۔ فارغ ہوتی ہوں تو طرح طرح

www.pdfbooksfree.pk

کی سوچیں ستاتی ہیں بس میں نے کہہ دیا ہے کہ تم نے بازار سے کھانا نہیں منگوانا، میں کھانا بنالوں گی۔'' رابعہ نے دوٹوک بات کی۔

عمارہ نے ٹھنڈی آہ بھری۔ ''آپ سے کون جیت سکتا ہے ٹھیک ہے جیسا آپ کو اچھا لگے لیکن آج میں اپنا لنچ یہیں منگوالوں گی۔ کام زیادہ ہے گھر نہیں آسکوں گی۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔ ٹائم پر کھانا منگوالینا۔ اللہ حافظ۔'' یہ کہہ کر رابعہ نے فون بند کردیا اور دوبارہ میگزین پڑھنے میں مصروف ہوگئی۔

ملازمہ گھر کی صفائی کرنے کے بعد ڈسٹنگ کررہی تھی۔ ڈسٹنگ کرنے کے بعد وہ رابعہ کے پاس آئی۔ ''بی بی جی! سارا کام ختم ہوگیا ہے اور کوئی کام ہے تو بتادیں۔''

رابعہ نے صحن کی طرف اشارہ کیا۔ ''میں نے وہاں صحن میں دو جوڑے رکھے ہیں وہ دھو دینا۔''

''ٹھیک ہے.....'' یہ کہہ کر ملازمہ کپڑے دھونے صحن میں چلی گئی۔

نوکرانی نے کپڑے دھونے میں زیادہ دیر نہ لگائی۔ فٹ فٹ کپڑے دھو کے وہ دوبارہ رابعہ کے پاس آئی۔ ''بی بی جی! کپڑے بھی دھل گئے ہیں اب میں جاؤں۔''

''ہاں جاؤ..... دروازہ ٹھیک طرح سے بند کرنا۔'' رابعہ نے رسالے پر سے نظریں اُٹھائے بغیر کہا۔

''جی اچھا جی.....'' ملازمہ چلی گئی۔

رابعہ نے وال کلاک میں وقت دیکھا۔ ''گیارہ بج گئے ہیں، گوشت تو میں نے فریزر سے باہر نکالا ہی نہیں۔''

رابعہ ڈھیلی ڈھیلی چال سے چلتی ہوئی فریج تک گئی اس نے گوشت کا شاپر نکالا اور کچن میں چلی گئی۔ کچن کی کھڑکی لان کی طرف کھلتی تھی جہاں سے باہر کا گیٹ بھی دکھائی دے رہا تھا۔

رابعہ گھر میں بالکل اکیلی تھی۔ اس نے نوکری سے لہسن اور پیاز اُٹھائے اور کاٹنے لگی۔ وہیں نیمبل شیٹ پر چھری کی کٹ کٹ کی آواز کے ساتھ رابعہ کو گیٹ کھلنے کی آواز آئی اس سے پہلے کہ وہ پلٹ کر دیکھتی جیسے کسی نے گیٹ بند بھی کر دیا رابعہ کے ہاتھ وہیں رُک گئے، وہ پیاز چھوڑ کر کچن کی کھڑکی کی طرف بڑھی۔ اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا، دور دور تک سناٹا تھا اس کے ذہن میں وسوسے آنے لگے۔ اس نے لان کے چاروں طرف قطاروں میں لگے اتاپوش اور گل جیس کے پودوں کی طرف دیکھا۔ ''کوئی ان پودوں میں بھی تو چھپ سکتا ہے۔''

وہ اس خیال سے کچن سے باہر جانے لگی تو کچھ سوچ کر اس نے ذہن جھٹک دیا۔ ''میرا وہم ہوگا.....'' وہ دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہوگئی۔

اچانک چھوٹے چھوٹے بچوں کی ہنسنے کھیلنے کی پُرمسرت آوازیں اس کی سماعت سے ٹکرائیں۔ وہ ایک بار پھر کھڑکی کی طرف لپکی مگر اسے کچھ دکھائی نہ دیا، یہ اندازہ ہوگیا کہ بچوں کی آوازیں لان سے ہی آرہی ہیں۔

''یہ بچے کہاں سے آئے ہیں۔ ہمارے تو قریبی پڑوسیوں کے سب بچے بڑے ہیں شاید ان کے گھر مہمان آئے ہوں۔'' رابعہ سوچتی ہوئی کچن سے باہر نکل گئی۔ لیونگ روم سے ہوتی ہوئی وہ عقبی دروازے سے باہر لان میں آگئی جو منظر اس نے دیکھا، اس کی آنکھیں دنگ رہ گئیں لان میں رنگ برنگی سینکڑوں تتلیاں پودوں کے اوپر منڈلا رہی تھیں۔

اتنی زیادہ تتلیاں تھیں کہ ان کا نظروں میں سمانا مشکل تھا، انہوں نے فضا کو رنگوں سے بھر دیا تھا تین بچے جن میں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا تھا، بے تحاشہ شور مچا رہے تھے۔ وہ ان تتلیوں کو پکڑنے کی کوشش کررہے تھے۔

رابعہ اس دلفریب منظر میں جیسے کھو گئی، وہ بچوں کی طرف بڑھی۔ یہ منظر جتنا خوبصورت تھا۔ اتنا ہی حیران کن بھی تھا کہ اتنی زیادہ تتلیاں کہاں سے آگئیں۔

''ارے بچو! آپ کہاں سے آئے ہو۔''

رابعہ کے بولتے ہی سب کچھ غائب ہوگیا۔ تتلیاں بھی اور بچے بھی۔ رابعہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ خوف کا احساس اس کے ذہن میں وسوسے ڈالنے لگا۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی لیونگ روم میں چلی گئی اور چیخنے لگی۔

سامنے ٹیبل پر اس کا موبائل پڑا ہوا تھا اس نے موبائل اُٹھایا اور عمارہ کا نمبر ملایا۔ عمارہ کے کمرے کی طرف

www.pdfbooksfree.pk

سے موبائل کی رنگ کی آواز آنے لگی۔ ''یہ لڑکی تو اپنا موبائل گھر ہی بھول گئی ہے۔''

اس نے موبائل اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا تھا۔ وہ سہمی سہمی صوفے پر بیٹھ گئی۔ تقریباً پندرہ منٹ گزر گئے، اسے کوئی پُراسرار حرکت محسوس نہ ہوئی اور نہ ہی کسی غیبی چیز کے اثرات محسوس ہوئے۔ اس نے یہی بہتر سمجھا کہ اپنا دھیان کام پر لگائے۔ وہ کچن میں گئی گوشت ڈی فراسٹ ہو چکا تھا۔ اس نے جلدی جلدی پیاز اور لہسن کاٹا اور ہنڈیا چولہے پر چڑھا دی۔

اس نے مٹر اُٹھائے اور لیونگ روم میں آ گئی، خوف ختم کرنے کے لیے اس نے ٹی وی آن کر لیا اور صوفے پر بیٹھ کر مٹر نکالنے لگی۔ خود کو کام میں مصروف کر لینے کے باوجود اس کا دھیان نہیں بدلا جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے پوری کوٹھی میں خوف کے سائے منڈلا رہے ہوں۔

پورے کمرے میں سکوت چھایا ہوا تھا کہ اچانک سیٹی کی سی نسوانی آواز میں کسی نے رابعہ کی سماعت میں سرگوشی کی۔ ''تتلیوں کے رنگ دیکھے ہیں.....''

مٹروں کی ٹرے رابعہ کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور وہ حواس باختہ ہو کے کھڑی ہو گئی۔

''کو..... کون ہو تم.....'' وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھنے لگی مگر کمرے میں کوئی نہیں تھا، ایک بار پھر اس کی قوت سماعت میں سیٹی کی سی آواز میں سرگوشی ہوئی۔ ''وہ سب رنگ موت کے ہیں۔''

رابعہ کی قوت گویائی سلب ہو گئی اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ وہ بوکھلائی ہوئی اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی پھر اسے خیال آیا کہ وہ گھر سے باہر چلی جائے۔ وہ ہمت کر کے دروازے کی طرف بڑھی تو ایک دم سیاہ غبار جالی والے دروازے سے چھن چھن کر کمرے میں آنے لگا۔ اس نے جلدی سے بڑا دروازہ بند کیا تو سیاہ دھواں دروازے کے شگافوں اور دروازے کے نیچے سے نکلتا ہوا پورے کمرے میں پھیل گیا۔ جس جس جگہ سے وہ سیاہ دھواں گزرتا جاتا، چیزوں کو نگلتا جاتا۔

رابعہ پر خفقانی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ اسے دم گھٹنے کی شکایت بھی ہو رہی تھی اور سیاہ دھوئیں کی حرارت بھی محسوس ہو رہی تھی۔ رابعہ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تھا۔ اسی دوران ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

رابعہ پھولے ہوئے سانس کے ساتھ ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے ٹیلی فون کی طرف بڑھنے لگی، اسے موت کی تسخیر تاریکی میں جیسے زندگی کی کرن دکھائی دی۔ جونہی اس نے ریسیور اُٹھایا بھیانک سیاہ دھوئیں نے اس کا ہاتھ نگلا دیا اس کے حلق سے چیخ نکلی اور ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ عمارہ لائن پر تھی، ماں کی چیخ سنی تو اس کے ہوش اُڑ گئے۔

اس نے تیزی سے گاڑی کی چابی اُٹھائی اور دروازے کی طرف دوڑی۔ عنبر پریشانی میں اس کی طرف بڑھی۔ ''خیریت ہے اس طرح کہاں جا رہی ہو۔''

''It is urgent تم بس کلینک کا خیال رکھنا۔'' عمارہ بس اتنا ہی کہہ پائی اور تیزی سے وہاں سے نکل گئی۔

عمارہ کی پیشانی پسینے سے تر تھی۔ وہ شدید گھبراہٹ میں ماں تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جبکہ رابعہ کے ہاتھوں زندگی ریت کی طرح سرک رہی تھی کوئی ایسا کمرہ نہیں تھا جہاں رابعہ خود کو چھپا لے، پورا گھر اس بھیانک سیاہ دھوئیں کی لپیٹ میں تھا۔ رابعہ کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی تھیں وہ ہار گئی تھی۔

وہ اپنے بوڑھے ناتواں وجود کو گھسیٹتی ہوئی کبھی کسی کمرے کی طرف دوڑتی اور کبھی کسی کمرے کی طرف۔

اس کی نظر الماری میں رکھے ہوئے قرآن پاک پر پڑی، اس نے آگے بڑھ کر قرآن پاک اُٹھایا اور اسے اپنے سینے سے لگا کر بیٹھ گئی۔ اس نے آنکھیں بند کی ہوئی تھیں، چند ہی ساعتوں میں پوری کوٹھی کو اپنی لپیٹ میں لینے والا سیاہ دھواں ختم ہو گیا۔ رابعہ کو سیاہ دھوئیں کی حرارت محسوس نہیں ہوئی تو اس نے آنکھیں کھولیں۔

اسے اپنی خوش قسمتی پر یقین نہیں آیا کہ اسے شیطان ہمزاد سے چھٹکارا مل گیا ہے۔ اسی دوران عمارہ کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ ''مما..... مما! کہاں ہیں آپ.....''

''عمارہ.....'' رابعہ نے اسے پکارا تو عمارہ دوڑتی ہوئی اس کمرے میں پہنچ گئی۔ اس نے ماں کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

''شکر ہے خدا کا آپ ٹھیک ہیں۔'' عمارہ نے کہا۔

رابعہ نے قرآن پاک کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے

www.pdfbooksfree.pk

کہا۔ ''خدا کی اس کتاب کے آگے اس شیطان کی چل نہ سکی ورنہ تمہاری ماں تو کب سے لقمۂ اجل ہو جاتی۔''

''ایسے نہ کہیں۔'' عمارہ نے ایک بار پھر ماں کو اپنے سینے سے لگالیا۔

اس نے قرآن پاک الماری میں رکھا اور ماں کو سہارا دیتے ہوئے اس کے کمرے تک لے جانے لگی، وہ ساتھ ساتھ کمروں کی دیواروں کی طرف دیکھتی جارہی تھی جو سیاہی مائل ہوگئی تھیں۔ بھیانک سیاہ دھواں تو ختم ہوگیا تھا مگر اس کے اثرات ایسے ہی تھے جیسے کسی گھر میں شدید آتشزدگی کے بعد ہوتے ہیں۔ اس نے ماں کو بستر پر لٹایا اور کچن سے گرم دودھ لے آئی۔

''بیٹی میرا کسی بھی چیز میں دل نہیں ہے۔'' رابعہ نے دودھ پینے سے منع کردیا۔

عمارہ نے سہارا دے کر ماں کو بٹھایا۔ ''مما! آپ دودھ پی لیں۔ میری بات مان لیں ورنہ میں ناراض ہوجاؤں گی۔''

رابعہ نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے دودھ پی لیا، اور پھر بستر پر براجمان ہوگئی۔ اس نے عمارہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ ''مجھے چھوڑ کر مت جانا۔''

عمارہ نے ماں کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ لیا اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ماں سے نظریں چراتے ہوئے اس نے آنکھیں جھکالیں۔ ''یا اللہ میں کیا کروں۔'' وہ سر جھکا کے گہری سوچ میں گم ہوگئی۔ پھر اسے اسامہ کا خیال آیا اس نے اپنے موبائل سے اسامہ کا نمبر ملایا۔

''ہیلو..... کیا حال ہے آپ کا؟''

''خدا کا شکر ہے۔ ٹھیک ہوں.....'' اسامہ نے جواب دیا۔

''اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو آپ میرے گھر آسکتے ہیں۔''

عمارہ نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''جی آپ ایڈریس بتادیں۔'' اسامہ نے کہا۔ عمارہ نے اسے اپنے گھر کا ایڈریس سمجھایا اور پھر فون بند کردیا۔

''تم نے کسے بلایا ہے۔'' رابعہ نے تھکے تھکے لہجے میں پوچھا۔

''اسامہ کو۔'' عمارہ نے کہا۔

''کون اسامہ۔'' رابعہ نے سوالیہ نظروں سے عمارہ کی طرف دیکھا۔

''یہ تو میں بھی نہیں جانتی کہ وہ کون ہے۔'' عمارہ نے تذبذب سی کیفیت میں جواب دیا۔

رابعہ پریشان سی ہوگئی۔ ''تم اسے اس طرح گھر کیوں بلا رہی ہو؟''

''کوئی ایسی خاص بات ہے، وقت آنے پر آپ کو بتا دوں گی۔'' اس نے ماں کے ہاتھ کو خفیف سا دبایا۔

رابعہ کے حواس پر ابھی تک دہشت طاری تھی۔ ''تم نے گھر کا حال دیکھا ہے۔'' رابعہ نے کہا۔

''آپ زیادہ نہ سوچیں، بس آرام کریں۔ میں آپ کے پاس ہی ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔'' یہ کہہ کر عمارہ وہاں سے اُٹھ گئی۔

اس نے ماں کو ظاہر نہیں کیا وہ مبہوت نظروں سے کمرے کی دیواروں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی لیونگ روم میں داخل ہوگئی۔ گھر کی دیواروں فرنیچر اور گھر کی دوسری اشیا کو سیاہ دھوئیں نے اس طرح لپیٹ میں لیا ہوا تھا جیسے پورا گھر ہی خوفناک آگ کی لپیٹ میں آگیا ہو۔ دیواروں پر لگے ہوئے AC اور پلاسٹک کی اشیا تو بالکل پگھل چکی تھیں۔

یہ سب دیکھ کر عمارہ کا سر چکرا رہا تھا، دل میں جیسے ہول اُٹھ رہے تھے۔ سارے ہی کمروں کی حالت ایسی ہی تھی۔ وہ باہر لان میں گئی تو لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ اس نے گھر کا فرنٹ دیکھا تو اپنا سر پکڑلیا۔ بھیانک سیاہ دھوئیں نے کھڑکیوں اور دروازوں سے اندر داخل ہوتے ہوئے ہر جگہ سیاہی بھر دی تھی۔ عمارہ اسی طرح پریشان کھڑی تھی کہ اسامہ گیٹ سے اندر داخل ہوا۔

وہ عمارہ کے قریب آیا تو عمارہ کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ عمارہ اس سے کچھ کہتی اس نے گھر کے فرنٹ کو ایک نظر دیکھا۔ ''فنآو.....'' اس بار عمارہ کی بھیگی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''تم اتنا سب کیسے جانتے ہو۔''

www.pdfbooksfree.pk

''اندر آئے کے لیے نہیں کہو گی۔'' اس نے عمارہ کو شرمندہ سا کر دیا۔

''اوہ سوری..... آیئے اندر آئیں۔''

اسامہ نے گھر کی حالت دیکھی تو وہ خاصا پریشان ہو گیا۔ وہ کچھ دیر رابعہ کے پاس بیٹھا پھر وہ دونوں دوبارہ باہر لان میں بیٹھ گئے کیونکہ اندر کے حالات ایسے نہیں تھے کہ وہ تسلی سے کوئی بات کر سکتے۔

''میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' عمارہ نے کرسی سے اُٹھتے ہوئے کہا۔

''آپ پلیز بیٹھیں، گھر کے کوئی حالات ہیں کہ آپ میرے لیے چائے بنائیں، جو بات ہم نے شام کو چار بجے کرنی تھی، اچھی بات ہے کہ وہ بات ہم ابھی کر لیں۔''

''میں نے بھی آپ کو اسی لیے بلایا ہے کہ آپ دیکھیں کہ ہم کس طرح ان بدروحوں کے حملے کی زد میں ہیں، نہ جانے کیوں مجھے آپ سے مل کر ایک اُمید سی ہو گئی ہے کہ آپ ہمارے کام آسکتے ہیں۔ ہماری آنکھوں کے سامنے وہ شیطان ہمزاد لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتار رہے ہیں اور ہم بے بس تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ اور اگر آج میں اپنی ماں کو بھی کھو دیتی تو شاید سوسائیڈ کر لیتی۔'' عمارہ دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ کے رونے لگی۔

''آپ اس طرح رونے کے بجائے خدا کا شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کی والدہ کی جان بچائی اور یہ سوچ اب اپنے ذہن سے نکال پھینکیں کہ اب بھی ہم لوگوں کی اموات کا تماشہ دیکھیں گے۔ زرغام کا یہ شیطانی کھیل اب زیادہ عرصہ نہیں چل سکتا، ہم لوگوں کو اس شیطان ہمزاد سے چھٹکارا دلا سکتے ہیں لیکن اس کے لیے آپ کو مجھ پہ بھروسا کرنا ہو گا میں جیسا کہوں ویسا کرنا ہو گا۔''

''تمہارے ذہن میں کیا پلان ہے تم مجھے تفصیل سے بتاؤ۔ میں خود بھی سب کو منا لوں گی۔'' عمارہ نے کہا۔

اسامہ اس کے قریب ہو کے بیٹھ گیا۔ ''سب سے پہلے تو مجھے تمہاری اس ''سب'' والی بات پر اعتراض ہے۔ تم نے جہاد کا اعلان تو کر دیا مگر معقول افراد کی نیم نہیں بنا سکی۔ ہماری جنگ ان ویمپائرز سے ہے جو شیطانی قوتوں کے حامل ہیں۔

جس وقت فوجی محاذ کے لیے روانہ ہوتے ہیں تو وہ اپنے گھر والوں کو خدا کے سہارے چھوڑ جاتے ہیں۔ ہمیں بھی یہی کرنا ہے، ہماری ٹیم میں صرف چار لوگ ہوں گے۔ میں تم ساحل اور عارفین، ہم چاروں سر پہ کفن باندھ کے محاذ کے لیے نکلیں گے، باقی سب کو خدا کے سہارے چھوڑ جائیں گے، ان خونچکاں شیطان ہمزاد کے خاتمے کے لیے ہمیں یہ کرنا ہو گا۔ اگر میری بات منظور ہے تو تم سب سے بات کر لو۔''

عمارہ کچھ دیر سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی پھر مہین سے لہجے میں بولی۔ ''مما! اکیلی کیسے رہیں گی اور گھر کی حالت.....''

اسامہ جذباتی سے انداز میں بولا۔ ''عمارہ! ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ زرغام کئی خطرناک منصوبے تیار کر چکا ہے۔ تم آنٹی کو انکل ظفر کے گھر چھوڑ دینا اور اپنے گھر کو فی الحال ایسے ہی رہنے دو..... تم آج شام کو ہی سب کو اکٹھا کرو، مجھے جہاں آنا ہو گا بتا دینا..... یاد رہے آج شام کو ہی فیصلہ کر لو کل ہمیں مشن کے لیے نکلنا ہو گا۔''

''ٹھیک ہے۔ میں تمہیں فون کر کے بتا دوں گی۔'' عمارہ نے کہا۔

اسامہ اپنی کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ ''مجھے کلب جانا ہے، کچھ دنوں کے لیے ایک اسٹوڈنٹ کو اپنی جگہ چیف بنانا ہے۔''

''تمہارا ارادہ اس قدر پختہ ہے۔'' عمارہ نے بھنویں اُچکائیں۔

''ہاں..... تم لوگ نہ مانے تو اس مشن کے لیے اکیلا نکل جاؤں گا۔'' اسامہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

عمارہ اسے باہر تک چھوڑنے گئی۔ ''شکریہ..... میرے لیے وقت نکالنے کا۔''

''اللہ حافظ۔'' یہ کہہ کر اسامہ اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

○.....❖.....○

زرغام کا ملازم ساجد اپنے کوارٹر میں قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول تھا۔ تلاوت کے بعد جب اس نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو اس کے ہاتھ کانپنے لگے، ندامت کا ایک احساس اس کے اور اس کے رب کے درمیان میں آجاتا۔ یہی

www.pdfbooksfree.pk

تکلیف دہ احساس کہ وہ ایک کافر کی غلامی کر رہا ہے اس کی ذات کا ناسور بن چکا تھا مگر ہمیشہ کی طرح وہ اپنے پروردگار سے اپنا حال دل بیان کیے بغیر رہ نہ سکا۔

''میرے رب! وراثت کی طرح آباؤ اجداد سے منتقل ہوتی ہوئی یہ غلامی میرے حصے میں آ گئی۔ میرا ابا کہتا تھا کہ مالک جو مرضی کریں، ہمیں اس سے کیا لینا، ہمیں تو اپنی نوکری پوری ایمانداری سے نبھانی ہے۔ تیری جان بھی تیرے مالک کی ہے۔ میں حرام کھاتا ہوں، حرام دیکھتا ہوں..... میں نفرت کرتا ہوں زرغام سے..... بس اپنے ابا سے کیا وعدہ نبھا رہا ہوں..... مجھ گناہ گار کو معاف کر دے۔ معاف کر دے یا رب.....''

زرغام کی گاڑی کے ہارن کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ اس نے دعا پوری کی اور قرآن پاک کو الماری میں رکھ دیا۔ سب ملازم کام کر کے چلے گئے اس لیے اس نے کوٹھی کے دروازے لاک کر کے باہر گیٹ کو بھی قفل چڑھا دیا تھا اس کا کوارٹر کوٹھی کے ساتھ ہی تھا۔

اس نے جلدی سے اپنی جیب سے چابی نکالی اور تیز قدموں سے چلتا ہوا اپنے کوارٹر سے باہر نکلا۔ زرغام نان سٹاپ بارن بجا رہا تھا۔

ساجد نے آگے بڑھ کر گیٹ کا قفل کھولا گاڑی گیراج میں داخل ہو گئی۔ ساجد نے گھر کے دروازے بھی کھول دیئے۔

زرغام گھر میں داخل ہوتے ہی ساجد پر برس پڑا۔

''کہاں مر گئے تھے اتنی دیر لگا دی گیٹ کھولنے میں۔''

''صاحب جی! میں نے تو بڑی کوشش کی تھی گیٹ جلدی کھولنے کی۔''

زرغام نے اپنا کوٹ اُتار کر صوفے پر پھینکا، بوٹ اور جرابیں اُتار کے بے ترتیبی سے پھینکیں۔ ''تمہیں ضرورت کیا ہے دن کے وقت گھر بند کر کے اپنے کوارٹر میں جانے کی اس گھر میں دل نہیں لگتا۔''

''صاحب جی! سارے ملازم کام کر کے چلے گئے تھے آپ بھی گھر پر نہیں تھے.....''

زرغام کا موڈ پہلے سے ہی خراب تھا، ساجد کی بات سن کر وہ مزید تپ گیا۔ ''میں تو کئی کئی دن گھر پر نہیں ہوتا تم کیا گھر بند رکھو گے۔ آئندہ رات سے پہلے تم کوارٹر میں نہیں جاؤ گے۔''

ساجد کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔ ''بہت خوف آتا ہے مجھے اس گھر سے۔''

زرغام کا چہرہ غصے سے پھولا ہوا تھا مگر ساجد کی بات سن کے اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔ ''تمہیں ڈر لگتا ہے، زرغام کے ملازم کو زرغام جو ماورائی دنیا کا بادشاہ ہے، جنات جس کے اشاروں پر کام کرتے ہیں۔''

ساجد کانپنے لگ گیا۔ ''صاحب جی! بس دن میں کسی بھی وقت تھوڑی دیر کے لیے اپنے کوارٹر میں جانے کی اجازت دے دیں۔''

''اچھا..... اچھا اب زیادہ میرا دماغ مت کھاؤ۔''

ساجد دھیرے دھیرے قدموں سے کچن کی طرف بڑھنے لگا۔ زرغام نے اسے پیچھے سے پکارا۔ ''جلدی سے میرے لیے کھانا بنا دو، مجھے ضروری کام کرنا ہے۔''

''کھانا تو میں نے صبح ہی بنا دیا تھا، بس چپاتی توے پر ڈالنی ہے۔'' ساجد نے بتایا۔

''اچھا پھر جلدی کرو، بس اتنی دیر میں فریش ہو جاتا ہوں۔''

زرغام یہ کہہ کر واش روم چلا گیا۔ اس نے کپڑے تبدیل کیے اور ڈائننگ ٹیبل پر آ کے بیٹھ گیا۔ ساجد نے سالن اور روٹی زرغام کے آگے رکھ دی اور ساتھ میں پانی اور پھل بھی رکھ دیئے سارے لوازمات پورے کر کے وہ کچن میں ہی بیٹھ گیا۔

''تم بھی کھانا کھا لو۔'' زرغام نے اونچی آواز میں کہا۔

''ابھی بھوک نہیں ہے صاحب جی..... جب بھوک ہو گی تو کھا لوں گا۔'' ساجد نے کہا۔

زرغام نے جلدی میں کھانا کھایا اور ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے ساجد کی طرف بڑھا۔ ''میں اوپر والے کمرے میں جا رہا ہوں، میں نے تین گھنٹے کا چلہ کاٹنا ہے۔ مجھے ڈسٹرب نہیں کرنا، کوئی بھی ملنے آئے یا فون آئے یہی کہنا کہ میں گھر پر نہیں ہوں۔''

''ٹھیک ہے صاحب.....'' ساجد نے کہا۔

زرغام زینہ چڑھتا ہوا گیلری میں چلا گیا، اس نے

www.pdfbooksfree.pk

اپنی جیب سے کمرے کی چابی نکالی اور قفل کھولا۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد اس نے چٹخنی لگالی اور کمرے کی ساری کھڑکیاں کھول کر پردے پیچھے کردیئے۔

○.....❖.....○

عمارہ، اسامہ کی بات سن کر بہت اُلجھ گئی۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اتنی جلدی سب کو کس طرح تیار کرے اس نے ظفر کو فون کیا اس نے ظفر کو ساری بات بتائی۔

ظفر نے اسے سمجھایا۔ ''اس میں اس قدر سوچنے والی کیا بات ہے؟ گرتم نے زرغام کے خلاف جنگ کا اعلان کیا ہے تو تمہیں فیصلہ لینے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ اسامہ اگر چار لوگوں کی ٹیم بنانا چاہتا ہے تو ایسے ہی سہی، ہم اک ھرایک دوسرے کا خیال رکھیں گے تم لوگ بس اپنا خیال رکھنا۔ سب لوگوں کو اکٹھا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں سب سے فون پر بات کر لیتا ہوں۔ تم اپنی والدہ کو میرے گھر چھوڑ دو۔ تمہارا گھر بھی میں سیٹ کرادوں گا۔''

''ہمیں آج رات کو ہی سب پلان کرنا ہے۔'' عمارہ نے گھبراہٹ میں کہا۔

''ایسا کرو کہ تم رات کے آٹھ بجے اپنی والدہ کے ساتھ میرے گھر آجاؤ، اسامہ کو بھی بلالینا۔ ساحل اور عارفین کو میں بلا لوں گا۔'' ظفر نے کہا۔

عمارہ، ظفر کے سمجھانے کے باوجود اُلجھی ہوئی تھی۔ ''ہم اسامہ کو ٹھیک طرح سے جانتے نہیں، اس کی شخصیت انتہائی پیچیدہ ہے اور اوپر سے اس کی یہ جلد بازی.....''

''تم تو سائیکاٹرسٹ ہو، تم نے کیا اندازہ لگایا ہے کہ وہ کس طرح کا انسان ہے؟'' ظفر نے پوچھا۔

''مخفی خصوصیات کا مالک ہے ریٹائرڈ میجر ہے، ظاہری بات ہے کہ بہادر اور ذہین ہے۔ جو بات مجھے پریشان کررہی ہے وہ یہ ہے کہ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ زرغام اور اس کے مسخر کیے ہوئے ہمزاد کے بارے میں اتنا کچھ جانتا ہے کہ جتنا ہم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا، وہ کہتا ہے کہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ انہیں کس طرح ختم کیا جاسکتا ہے۔'' عمارہ نے کہا۔

''ہمارے لیے تو بہت بڑی بات ہے کہ کوئی شخص اس طرح کے دعوے کررہا ہے۔ وہ کیا کہتا ہے رات کو اس کی بات سنتے ہیں باقی تم پوری طور پر تیار رہو تم عارفین اور ساحل کے ساتھ مل کر اس کے ساتھ مشن پر چلی جانا۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ساحل اور عارفین تو تمہارے ساتھ ہیں۔''

ظفر کی بات سن کے عمارہ کو کچھ تسلی ہوئی۔ ''باقی باتیں رات کو ہوں گی۔ اچھا اللہ حافظ۔'' یہ کہہ کر عمارہ نے فون بند کر دیا۔

ظفر نے تاخیر کیے بغیر ساحل اور عارفین سے بات کر لی ساری بات کا جب راحت کو علم ہوا تو وہ انتہائی پریشان ہوگئی مگر ساحل نے کسی نہ کسی طرح ماں کو منا ہی لیا۔ اسی طرح کی صورت حال عارفین کے گھر والوں کی بھی تھی مگر اس کے گھر والوں کو بھی اس کی ضد کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ اس نے اپنی اور دینا کی شادی کا ارادہ بھی فی الحال ترک کردیا۔

عمارہ نے اسامہ کو بھی رات آٹھ بجے کا وقت دیا کہ وہ ظفر کے گھر پہنچ جائے۔ ساحل اور عارفین نے اپنی اپنی پیکنگ کرلی۔

○.....❖.....○

زرغام اپنے حجلے میں مصروف تھا ساجد برتن دھو رہا تھا ساتھ ساتھ اس کا ذہن عجیب طرح کی سوچوں میں اُلجھا ہوا تھا۔

''نہ جانے یہ شیطان کس کی موت کے منصوبے تیار کر رہا ہے، ویسے اتنا پریشان تو یہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کی کوئی چال کارآمد نہ ہو۔ اس خناس کے چہرے پہ پھیلی ہوئی مسکراہٹ کے پیچھے نہ جانے کتنے لوگوں کی آہیں ہوتی ہیں۔ کبھی کوئی حجلہ اس پر ہی اُلٹا پڑ جائے۔''

ساجد انہی سوچوں میں اُلجھا گھر کے کام کرتا رہا اس دوران باہر بیل ہوئی ساجد نے دروازہ کھولا تو باہر کوئی شخص زرغام کا پوچھ رہا تھا۔

''صاحب تو گھر پر نہیں ہیں۔'' ساجد نے کہا۔ وہ شخص گاڑی میں آیا تھا۔

''زرغام نے کچھ منگوایا تھا۔ میں ان کا سامان اندر رکھ دیتا ہوں۔''

''مگر مجھے تو صاحب نے کسی سامان کے بارے میں

www.pdfbooksfree.pk

نہیں بتایا۔'' ساجد نے کہا۔

''بھول گئے ہوں گے بتانا، سامان رکھنا ہے تو رکھوالو، میں اتنی دور سے بار بار نہیں آسکتا۔'' باہر کھڑے ہوئے شخص نے کی رنگ گھماتے ہوئے کہا۔

وہ شخص اپنی گاڑی کی طرف بڑھا اور گاڑی سے ایک پنجرہ اُٹھا کے لایا، جس کی لمبائی اور چوڑائی تقریباً دو دو فٹ تھی۔ وہ شخص پنجرا اُٹھا کے گیراج میں داخل ہوا تو ساجد لرز کے رہ گیا۔

''یہ تم کیا لے کر آئے ہو۔''

''نظر نہیں آتا بابا جی! یہ سانپ ہیں۔ کوبرا نسل کی جوڑی ہے، جس کو ڈس لے اس کی موت چند سیکنڈز میں ہو جاتی ہے۔'' اس شخص نے پنجرا ساجد کے قریب کرتے ہوئے کہا۔

''یار پرے کرو..... میری کیوں جان نکالتے ہو ادھر رکھ دو کہیں۔'' ساجد نے کہا۔

اس شخص نے نفی کے انداز میں سر ہلایا۔ ''زرغام صاحب نے کہا تھا کہ یہ پنجرے لیونگ روم میں رکھنے ہیں۔''

''پنجرے.....'' ساجد نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں ایک اور پنجرا بھی ہے۔'' اس شخص نے کہا۔

''لے آؤ اندر.....'' ساجد نے اندر جا کر لیونگ روم کا دروازہ کھول دیا۔ وہ شخص سانپوں کا پنجرا اُٹھا کے لیونگ روم میں آ گیا اور اس نے پنجرا دیوار کے ساتھ رکھ دیا پھر دوسرا پنجرا لینے کمرے سے باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص ایک اور پنجرا لے کر کمرے میں داخل ہوا۔

ایک بار پھر ساجد کے جسم سے جھرجھری دوڑ گئی۔ اس پنجرے میں Lizards کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ پنجرا رکھنے کے بعد وہ شخص دوبارہ کمرے سے باہر گیا اور کچھ دیر کے بعد دو چھوٹے چھوٹے ڈبے لے آیا اس نے وہ ڈبے ساجد کی طرف بڑھائے۔

''یہ ان کی خوراک ہے، جس ڈبے کے اوپر سانپ کی تصویر ہے یہ سانپوں کی خوراک ہے اور جس کے اوپر Lizards کی تصویر ہے یہ ان کی خوراک ہے۔ سانپوں کو دودھ بھی دینا ہے۔ باقی یہ تو زرغام صاحب جانتے ہیں کہ انہوں نے یہ کس مقصد کے لیے منگوائے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ شخص چلا گیا ساجد نے گیٹ بند کر دیا۔

ساجد بڑبڑاتا کانوں کو ہاتھ لگاتا ہوا لیونگ روم میں داخل ہوا۔ ''نہ جانے یہ خطرناک جانور زرغام صاحب نے کس لیے منگوائے ہیں اب مجھے ان جانوروں کو بھی برداشت کرنا پڑے گا۔ چلّہ ختم ہونے تک تو اس سے کوئی بات نہیں کر سکتا، فارغ ہو کے باہر آئے گا تو پوچھوں گا۔''

چلّہ مکمل ہونے میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا۔ ساجد نے خود بھی کھانا کھا لیا تھا۔ اس کا مخملی منزل کا تقریباً سارا کام ختم ہو گیا تھا اسے خیال آیا کہ اوپری منزل کے دو کمروں کی ڈسٹنگ چیک کر لوں نہ جانے ملازمہ نے ٹھیک طرح سے وہ کمرے صاف بھی کیے ہوں گے کہ نہیں زرغام کا خاص کمرہ تو ہمیشہ بند ہی رہتا تھا اسے تو زرغام ہی کھولتا تھا۔

اس نے ڈسٹنگ کا کپڑا لیا اور زینہ چڑھتا ہوا اوپری منزل پہنچ گیا۔ ساجد، زرغام کے خاص کمرے کے قریب سے گزرا تو اس کے پورے وجود میں کپکپی دوڑ گئی۔ اس کمرے سے خوفناک غرغراہٹوں کے ساتھ مردانہ اور نسوانی بہت سی آوازیں آ رہی تھیں جبکہ اس کے سامنے زرغام تنہا اس کمرے میں گیا تھا یقیناً وہ اسرار تو توں سے ہم کلام تھا۔

ساجد کے دل کو گھبراہٹ سی ہونے لگی تھی۔ وہ خوفزدہ تھا مگر اس کے دل میں چھپی ہوئی اچھائی کی طاقت اسے مجبور کرنے لگی کہ وہ زرغام کی باتیں سنے کہ وہ کون سا شیطانی کھیل کھیلنے والا ہے۔ وہ ہمت کر کے دروازے کے آگے رُک گیا۔ زرغام ترش روئی سے چلا رہا تھا۔ ''تمہاری تو شیطانی طاقتیں بڑھ گئی تھیں تو پھر تو عام انسان تمہارے چنگل سے کیسے نکل گئے۔''

جواب میں کسی لڑکی کی آواز اُبھری۔ ''ساحل کی موت تو یقینی تھی، وہ تو کسی بھی طرح سے میرے بچھائے ہوئے جال سے نہیں بچ سکتا تھا مگر خیام.....''

''تم تین ہو اور خیام ایک پھر کس طرح اس کی طاقت تمہاری شیطانی طاقتوں پر حاوی ہو گئی۔'' زرغام کا غصہ مزید بڑھ گیا۔

اسی دوران ایک اور مردانہ آواز گونجی وہ آواز زرغام کی نہیں تھی۔ ''میں خود اس بات پر حیران ہوں کہ عمارہ کی ماں موت کی دسترس سے کیسے نکل گئی۔''

www.pdfbooksfree.pk

زرغام ایک بار پھر تپے ہوئے انداز میں چلایا۔ ”تم نے جو کیا میں اس کی تمہیں سزا دینا نہیں چاہتا مگر تم تینوں سے کچھ کہنا چاہتا ہوں کہ ہر طرف خوف و ہراس پھیل جائے۔“

”ہمیں کیا کرنا ہوگا؟“ مردانہ آواز میں کسی نے پوچھا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر زرغام نے کہا۔ ”کل صبح نو بجے برٹش سکول کے نرسری کلاس کے بچوں کی بس سیکسر کے ٹرپ کے لیے روانہ ہوگی۔ سب بچوں کو موت کی نیند سلا دو اور ان کی موت ایسی ہو کہ والدین اپنے بچوں کو نہ پہچان سکیں سیکسر کی وادی میں قبقہوں کے بجائے آہ و بکا گونجے۔“

اس کے ساتھ ہی ساجد کو کمرے سے زوردار دھماکے کی آواز آئی۔ وہ تیز تیز قدموں سے زینہ پھلانگتا ہوا نیچے آگیا۔

اس کا چہرہ پسینے سے تر تھا۔ سانس پھولی ہوئی تھی، ہاتھ پاؤں تو جیسے بے جان ہو گئے تھے اس نے کچن سے پانی کی بوتل لی اور گلاس بھر کے غٹا غٹ پی گیا۔ مگر اس کا حلق ابھی بھی خشک تھا۔ اس نے ایک گلاس اور پانی پیا۔ وہ بے چینی سے اِدھر اُدھر پھرنے لگا وہ سخت پریشان تھا۔ اس نے رب کے آگے ہاتھ پھیلائے۔ ”ان معصوم بچوں نے اس شیطان کا کیا بگاڑا ہے میرے۔ رب مجھے کوئی راستہ دکھا کہ میں ان معصوم بچوں کی جان بچا سکوں۔“ یہ کہہ کر ساجد نے اپنی جیب سے تسبیح نکالی اور اللہ الصمد کا ورد کرنے لگا۔

چلہ مکمل ہونے کے بعد زرغام اپنے خاص کمرے سے باہر آیا۔

نیچے آتے ہی اس نے ساجد کو پکارا۔ ساجد ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے چلتا ہوا اس کے پاس آیا۔ ”جی صاحب۔“

”ایک کپ چائے بنا کے لاؤ میں بہت تھک گیا ہوں۔“ زرغام نے اپنے پلنگ پر براجمان ہوتے ہوئے کہا۔

ساجد کچن میں گیا اور اس کے لیے چائے بنا کے لے آیا۔

”صاحب اگر اجازت ہو تو اپنے کوارٹر میں چلا جاؤں۔“

”ہاں چلے جاؤ۔“ زرغام نے چائے کا کپ لیتے ہوئے کہا۔

ساجد اپنے کوارٹر میں جا کے بھی سر پکڑے بیٹھا رہا اسے زرغام کی طرف سے موبائل رکھنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ زرغام بہت خطرناک ہے اگر وہ حویلی سے باہر جا کے کسی کی مدد لینا چاہے تو زرغام اسے زندہ نہیں چھوڑے گا اور اگر کسی طریقے سے بچوں کے ٹرپ کی بس رکوا دی جائے تو زرغام اپنے حملے کا طریقہ بدل لے گا۔ ایسا کیا کیا جائے کہ زرغام اپنے ناپاک ارادے سے باز آجائے۔“

اسی سوچ میں گم وہ پریشان بیٹھا تھا۔ اس کا ذہن ماؤف ہو گیا تھا اسے کچھ سجھائی نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

○.....❖.....○

تقریباً رات آٹھ بجے کے قریب اسامہ عمارہ کے گھر پہنچ گیا۔ عمارہ نے اپنا بیگ پیک کر لیا تھا۔ رابعہ بھی تیار تھی۔ اسامہ باہر گاڑی میں ہی بیٹھا رہا۔ عمارہ اور رابعہ نے گھر لاک کیا اور اپنا سامان اُٹھا کے اپنی گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ عمارہ اور اسامہ کی گاڑیاں ایک ساتھ وہاں سے روانہ ہوئیں۔ وہ ظفر کے گھر پہنچے تو ساحل اور عارفین وہاں پہلے سے موجود تھے۔ وہ دونوں بھی اپنا اپنا بیگ ساتھ لائے تھے ظفر نے ان سب کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔

ظفر نے ان سب کو مخاطب کیا۔ ”میں نے آپ سب کو اپنا اپنا بیگ لانے کی تاکید اس لیے کی کہ میرا خیال ہے کہ اپنے مشن پر آپ سب ایک ساتھ میرے گھر سے ہی روانہ ہوں۔“

”میرا خیال ہے کہ پہلے میں امی کو ان کے کمرے تک چھوڑ آؤں پھر ہم تسلی سے بات کرتے ہیں۔“ عمارہ نے رابعہ کو سہارا دیتے ہوئے اُٹھایا۔

”میں تمہیں کمرہ دکھاتا ہوں۔“ یہ کہہ کر ظفر عمارہ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

عمارہ نے رابعہ کو بستر پر لٹایا۔ ظفر نے ملازمہ کو رابعہ کے پاس رُکنے کو کہا۔

عمارہ مطمئن ہو کے سب کے ساتھ آبیٹھی۔ ظفر نے اپنی بات دوبارہ شروع کی۔ ”آپ سب اس مشن کے لیے ذہنی طور پر تیار ہیں۔“

”ہم سب ذہنی طور پر تیار ہیں اس لیے یہاں موجود ہیں مگر اسامہ ہمیں تفصیل سے بتائے کہ اس کے پاس کیا پلان

www.pdfbooksfree.pk

اسماء الحسنیٰ ۔۔۔۔ کامیابی کا راستہ

آرزوئیں اس طرح بھی پوری ہو جایا کرتی ہیں

پریشانیوں سے چھٹکارہ

ہمارا ہر عمل دنیا کے ہر کونے میں اثر کرتا ہے

شادی کرنی ہو یا کروانی ہو	جادو چلانا ہو یا ختم کرنا ہو
شوہر یا بیوی کی اصلاح	اولاد نافرمان ہو یا ہو کر مر جانا
گھریلو ناچاقی	کاروباری بندش
جنات کا سایہ	دیگر مسائل

سید فرمان شاہ کا پیغام جو لوگ سوچتے رہتے ہیں۔
وہ ہمیشہ دکھی رہتے ہیں پلک جھپکنے سے پہلے کام علم جو بڑے کام بنائے

ہر مشکل کا حل بذریعہ موکلات جس پریشانی کی وجہ سے آپ کی زندگی موت سے بھی بدتر ہو گئی ہو اور ہر عامل ناکام ہو گیا ہو ہم سے مشورہ ایک بار ضرور لیں عامل وہ جس علم سات سمندر پار چلے کالے وسفلی جادو ختم پتھر سے پتھر دل محبوب تابع ہو گا اولاد فرمان بردار خاوند سے بے رخی بچوں کے اچھے رشتے اور کاروبار میں کامیابی وہ لوگ مایوس نہ ہوں بلکہ اپنی آخری امید سمجھ کر سید فرمان شاہ سے رابطہ کریں انشاء آپ محسوس کریں گے ایک فون کال نے ہماری زندگی بدل دی

سسرال میں بہو سب کی آنکھ کا تارا بن سکتی ہے ہر کام 100% رازداری کے ساتھ

خواہش

زندگی کی کوئی بھی خواہش ہے کسی کو پانے کی تمنا اپنوں کی بے رخی سے دکھی ہیں یا میاں بیوی کی رنجش کو ختم کرنا ہے

کلام الٰہی سے ہر پریشانی کا حل پہلے تعویز سے آپکی اجڑی ہوئی زندگی میں بہار ایک فون کال پر آپ کے مسائل کا حل ایک فون کال پر

غرض کوئی بھی جائز خواہش ہے تو پوری ہو گی انشاءاللہ

میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں فون ملایئے اور آزمایئے

ایک بار ہمیں خدمت کا موقع دیں کامرانیاں آپ کے قدم چومیں گی اور آپ یقیناً بہترین اور خوشگوار زندگی کا لطف اٹھائیں گے۔

نوٹ: جو خواتین وحضرات خود نہیں آسکتے وہ گھر بیٹھے فون کریں اور ہم سے کام لیں انشاءاللہ کامیابی ہو گی۔

وہ علم ہی کیا جس میں اثر نہ ہو۔ وہ آنکھیں ہی کیا جن میں شرم نہ ہو۔ وہ علم ہی کیا جس عمل نہ ہو۔ وہ زبان ہی کیا جس میں اثر نہ ہو۔

اچھرہ سٹاپ مین بازار اچھرہ لاہور پاکستان

سید فرمان شاہ

0300-6484398

www.pdfbooksfree.pk

ہے۔" ساحل نے کہا۔ عارفین نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

اسامہ نے اپنے بیگ سے ایک چارٹ نکالا اور اسے میز پر پھیلا دیا۔

اس نے اپنا پلان بتانے سے پہلے سب کی طرف ایک نظر دیکھا۔ "اتنے خطرناک مشن کے لیے آپ مجھ پر بھروسا کر کے میرے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئے ہیں میں آپ کا مشکور ہوں مگر ایک بات اپنے بارے میں بتانا چاہتا ہوں کہ میں بھی یہ سب اسی نیک نیتی سے کر رہا ہوں جس نیک نیتی سے آپ کر رہے ہیں۔ میں بھی آپ کی طرح انسانیت کی خدمت کرنا چاہتا ہوں اس مشن میں آپ مجھ سے میرے بارے میں بار بار سوال نہیں کریں گے۔ آپ سب کے ذہن میں اُلجھے ہوئے سوالوں کا جواب پہلے ہی دے دیتا ہوں کہ جس طرح آپ کو میں نے اس مشن کے لیے آمادہ کیا ہے اسی طرح مجھے بھی کسی نے اس مشن کے لیے آمادہ کیا ہے میں آپ کو اس کا نام نہیں بتا سکتا اور پلیز آپ لوگ پوچھیے گا بھی نہیں۔"

ظفر نے اسامہ کے کندھے پہ تھپکی دی۔ "ہم تمہاری بات سمجھ ہے ہیں تم مطمئن رہو۔"

ظفر کی بات سن کے اسامہ اپنے پوائنٹ کی طرف آیا اس نے چارٹ کو پھیلایا۔

"ہمیں درخت کی جڑیں کاٹنی ہوں گی شاخیں خود بخود مرجھا جائیں گی۔"

"کیا مطلب....." ساحل نے کہا۔

"یہ زرغام کی رہائش گاہ ہے۔ ہمارا پہلا ٹارگٹ یہی ہے ہمیں اس شیطان کو سب سے پہلے ختم کرنا ہے۔" اسامہ نے چارٹ پر کھینچے ہوئے نقشے میں ایک پوائنٹ پر انگشت رکھتے ہوئے کہا۔

"اس نے یقیناً اپنی کوٹھی کے آس پاس باڈی گارڈز رکھے ہوں گے۔" عارفین نے پوچھا۔

اسامہ نے مسکراتے ہوئے عارفین کی طرف دیکھا۔ "اس کی کوٹھی کے آس پاس باڈی گارڈز ضرور ہوں گے مگر انسان نہیں آسیب اور شیاطین ہوں گے۔ انہیں ہم ہتھیاروں سے نہیں ماریں گے ان کو بھگانے کے طریقے ہیں میرے پاس۔ زرغام روحانی طاقتیں بھلے رکھتا ہو، ہے تو گوشت پوست کا انسان، اسلحہ تو اس کے لیے استعمال ہوگا۔ زرغام کو ہمیں ہر حال میں طلوع آفتاب کے بعد اور غروب آفتاب سے پہلے کسی بھی وقت مارنا ہے۔"

"طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب کے بعد ہم زرغام کو کیوں نہیں مار سکتے۔" ساحل نے پوچھا۔

"اس کی وجہ میں آپ کو تفصیل سے بتا دوں گا فی الحال ہمیں یہ ذہن نشین کرنا ہے کہ ان دو وقات میں ہمیں زرغام کو نہیں مارنا۔" اسامہ نے کہا۔

"فرض کر لیں کہ ہم زرغام کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہمارا اگلا قدم کیا ہوگا۔"

عمارہ نے اسامہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اسامہ نے بلا تامل جواب دیا۔ "ہمیں تاخیر کیے بغیر مری کے لیے روانہ ہونا ہوگا۔"

"مری..... مری کہاں جائیں گے؟" ظفر نے پوچھا۔

"اسی جگہ پر جہاں چار اسٹوڈنٹس نے کھائی میں چھلانگ لگائی تھی اسی مقام پر جانا ہے جہاں سے یہ بھیانک کھیل شروع ہوا تھا۔ باقی کا پلان زرغام کی موت کے بعد سمجھا دوں گا۔"

زرغام کی بات سن کر ظفر نے عمارہ کی طرف دیکھا۔ "مری کے حساب سے تم لوگوں نے جو جو چیز اپنے ساتھ رکھنی ہے وہ دیکھ لو۔ میں بازار سے لا دیتا ہوں جو کچھ بھی چاہیے۔"

ظفر کی بات سن کر اسامہ نے فوراً کہا۔ "ہم صبح دس بجے سے پہلے نہیں نکلیں گے آپ سب نے اپنے گھر کا چکر لگانا ہو تو آپ چلے جانا کوئی چیز لینی ہو تو لے آنا۔"

"ٹھیک ہے ہم سب صبح صبح اپنے گھروں سے کچھ گرم کپڑے اور ضرورت کی اور چیزیں لے لیں گے۔" عمارہ نے کہا۔

اسامہ نے نقشہ سمیٹ کر اپنے بیگ میں ڈالا اور ایک رائفل اور تین پسٹل بیگ سے نکال کر میز پر رکھی۔ اس نے دو پسٹلز ساحل اور عارفین کو دی اور ایک پسٹل اس نے عمارہ کی طرف بڑھائی۔

www.pdfbooksfree.pk

عمارہ نے کندھے اچکاتے ہوئے اپنے ہاتھ پیچھے سکیڑ لیے۔ ”میں اسے استعمال کرنا نہیں جانتی۔“

اسامہ نے عمارہ کا ہاتھ پکڑا اور اس کے ہاتھ میں پسٹل تھمادی۔ ”میں سکھادوں گا.....“

عمارہ نے پسٹل اپنے بیگ میں ڈال لی۔

”تمہارے کہنے پر رکھ رہی ہوں، تم ہمارے چیف ہو اس لیے تمہاری ہر بات ماننی پڑے گی ورنہ ہم سائیکاٹرسٹ کسی کے گھر گھس کے اس پر حملہ نہیں کرتے، آنکھوں کے دریچوں سے اس کے ذہن میں گھس جاتے ہیں اور اسے اسی کی سوچوں سے کبھی کبھی گھائل اور کبھی تندرست کردیتے ہیں۔“ عمارہ نے کہا۔

ظفر ایک چمڑے کے بارڈون کلر کا بیگ لے کر اسامہ کے قریب بیٹھ گیا۔ ”یہ رکھ لو میں نے بھی اسلحہ کا بندوبست کیا تھا اس میں کچھ مسٹلز ہیں ضرورت پڑنے پر استعمال کرلینا۔“

اسامہ نے ظفر کے ہاتھ سے وہ بیگ لیا اور دھیمے سے لہجے میں بولا۔ ”ہم جانتے ہیں جو جنگ ہم لڑنے جارہے ہیں، وہ اسلحے کی جنگ نہیں ہے۔ اس جنگ میں ہماری سب سے بڑی طاقت ہمارا ایمان ہے، خدا پر یقین کہ وہ سب، ہر چیز پر قادر ہے۔“

”مشن کسی بھی قسم کا ہو اسلحہ پاس ہونا چاہیے۔“ ظفر نے اسامہ کے شانے پر تھپکی دی تو اسامہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

”یہی سوچ کے تو اسلحہ رکھا ہے میں نے کچھ قرآنی آیات کی فوٹو کاپی بھی کروائی ہیں۔ یہ آیات پڑھنے سے آپ ہمزاد کے حملے سے بچ سکتے ہیں۔ میرے پاس ان آیات کی آٹھ کاپیاں ہیں، چار ہم رکھ لیتے ہیں باقی چار آپ رکھ لیں ہو سکتا ان کی مزید کاپیاں کروانے کی نوبت خیام اور حوریہ کے والدین کو دے دیں اور جتنے لوگوں میں بانٹ سکتے ہیں بانٹ دیں۔“ یہ کہہ کر اسامہ نے چار کاپیاں ظفر کو دیں اور باقی چار آپس میں بانٹ لیں۔

○.....❖.....○

رات کے نو بج رہے تھے ساجد بے بس زرغام کی خدمت میں مصروف تھا وہ کچھ نہیں کرپایا تھا اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی بے بسی کی یہ اذیت اسے اکثر سہنی پڑتی تھی۔ زرغام نے ساجد سے دو شیشے کی پیالیاں لانے کو کہا۔

ساجد کچن سے شیشے کی دو پیالیاں لے آیا زرغام کے ہاتھ میں دو شیشے کی چھوٹی چھوٹی بوتلیں تھیں جن کے ڈھکن بھی شیشے کے تھے۔ زرغام نے ساجد سے پیالیاں لیں اور لیونگ روم کی میز پر رکھ دیں اس نے چھوٹی شیشے کی بوتلیں بھی میز پر رکھ دیں۔ اس نے صوفے سے ایک سیاہ کپڑا اُٹھایا اور سانپوں کے پنجرے کے اوپر ڈال دیا پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ پنجرے کے اوپر رکھ دیئے اور ہونٹوں کی تیز جنبش کے ساتھ کوئی خاص عمل پڑھنے لگا اس نے آنکھیں بند کرلیں اور اردگرد کے ماحول سے بے خبر ہوگیا۔

ساجد خاموشی سے کھڑا یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا ویسے اسے زرغام کے کالے جادو کے عملیات میں کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر اسے وہاں کھڑا رہنے کی تاکید تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد زرغام نے سیاہ کپڑا پنجرے سے ہٹادیا۔ سانپوں کا جوڑا جوں کا توں ہی تھا۔ ساجد کو ان میں کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہوئی مگر جب زرغام نے پنجرہ کھولا تو ساجد خوف سے پیچھے جا کھڑا ہوا۔

زرغام نے پنجرے میں ہاتھ ڈال کر اس کو برا سانپ کو اُٹھالیا۔

”ص.....ص.....صاحب..... یہ سانپ آپ کو ڈس نہیں رہا؟“ ساجد کے حلق سے کانپتی آواز نکلی۔

زرغام نے ہنستے ہوئے اس سانپ کو اپنے چہرے کے قریب کرلیا۔ ”میرا عمل ان پر چل چکا ہے اب یہ مجھے نہیں ڈس سکتے۔“

سانپ بے چین تھا، پھنکار رہا تھا مگر زرغام کو ڈس نہیں رہا تھا۔ اس نے زرغام کے بازوؤں کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، زرغام نے سانپ کو سر کے حصے سے پکڑتے ہوئے زور سے دبایا۔ اس کا منہ کھل گیا زرغام نے اس کے لمبے نوکیلے دانتوں کو شیشے کی پیالی پر رگڑا جس سے اس کے دانتوں کے قریب زہر کی تھیلیاں دب گئیں اور زہر قطرہ قطرہ پیالی میں ٹپکنے لگا۔ اس طرح زرغام نے ناگن کا بھی زہر دوسری پیالی میں نکال لیا۔

www.pdfbooksfree.pk

ساجد یہ سب کچھ مبہوت نظروں سے دیکھ رہا تھا زرغام نے سانپوں کو پنجرے میں بند کردیا اور پیالیوں میں نکالا ہوا زہر بہت احتیاط سے چھوٹی چھوٹی بوتلوں میں ڈال دیا۔

زرغام نے وہ بوتلیں اُٹھائیں اور اپنے کمرے کی طرف بڑھا، اس نے سائیڈ ٹیبل سے وارڈ روب کی چابی نکالی اور وہ بوتلیں وارڈ روب میں رکھ کے اسے لاک کردیا۔ کمرے سے باہر نکل کے اس نے ساجد سے کہا۔ ”کچن سے ٹوکا لے آؤ۔“

یہ کہنے کے بعد اس نے پنجرا اُٹھایا اور باہر لان میں لے گیا۔ اس نے پنجر لان میں رکھا اور لان کی ساری لائٹس آن کردیں۔

ساجد ٹوکا لے کر زرغام کی طرف بڑھا۔ زرغام نے پنجرے سے ایک سانپ باہر نکالا اور پھرتی سے پنجرے کا دروازہ بند کردیا۔ اس نے سانپ کو گھاس پر رکھنا چاہا مگر سانپ اس کے بازوؤں میں بل ہی کھاتا رہا۔ زرغام نے سانپ کو گھاس کی طرف کرتے ہوئے اس کے سر پر اپنا پاؤں رکھ لیا اور پھر بڑی تیزی سے ٹوکے سے اس کا سر اس کے جسم سے علیحدہ کردیا۔

اس کے بازوؤں پر لپٹا ہوا سانپ کا جسم گھاس پر گر کے تڑپنے لگا۔ اسی طرح سے اس نے ناگن کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا۔

”میرے کمرے میں دو جار پڑے ہیں وہ لے آؤ۔“ زرغام نے ساجد سے کہا۔

ساجد اندر سے دو جار لے آیا۔ زرغام نے شیشے کے ایک جار میں سانپوں کے سر رکھے اور ایک جار میں دھڑ۔ وہ دونوں جار اُٹھا کے کھڑا ہوگیا۔ ”اس جگہ کی صفائی کردو۔“ اس نے ساجد سے کہا جو ایک ہی جگہ پہ سہما ہوا کھڑا تھا۔

اس نے ڈرتے ڈرتے زرغام سے پوچھا۔ ”آپ ان کا کیا کریں گے۔“

زرغام نے تضحیک آمیز انداز میں ساجد کی طرف دیکھا۔ ”بوڑھے ہوگئے ہو ابھی تک تمہیں یہ نہیں پتہ چلا کہ کبرا کا سرا چھی خاصی رقم میں فروخت ہوتا ہے اور اس کی کھال کالے جادو کے تعویذوں میں استعمال ہوتی ہے۔“

یہ سب سن کر ساجد کے دل سے زرغام کے لیے ایک بار پھر بددعا نکلی۔ وہ جہاں کھڑا تھا وہیں جیسے جامد ہوگیا۔

”اب یہ کھڑے کھڑے میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو ادھر کی صفائی کرو۔“ زرغام نے ساجد سے کہا اور پھر جار لے کر اندر چلا گیا۔

O.....❖.....O

عمارہ اپنی والدہ رابعہ کے پاس بیٹھ گئی۔ ”سوئی نہیں آپ.....“

”مجھے نیند کیسے آسکتی ہے۔“ رابعہ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

”ایسے کیوں کہہ رہی ہیں۔“ عمارہ ماں کے بال سہلانے لگی۔

رابعہ پلنگ سے پشت لگا کے بیٹھ گئی۔ ”جس کی بیٹی موت کا کھیل کھیلنے جارہی ہو اس ماں کو نیند کیسے آسکتی ہے۔“

عمارہ نے ماں کے شانے پہ اپنا سر ٹکا لیا۔ ”مما! آپ کی بیٹی محاذ پر جارہی ہے۔ ہم خدا کے بندوں کی حفاظت کے لیے جنگ لڑ رہے ہیں۔ انسان اور شیطان کی اس جنگ میں اگر آپ کی بیٹی قربان بھی ہوگئی تو شہید کہلائے گی۔“

رابعہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ”تمہاری بوڑھی ماں کا تمہارے سوا اور ہے ہی کون.....“

عمارہ ماں کے آنسو پونچھنے لگی۔ ”اگر ایسی بات ہے تو بس آپ ہمارے لیے دعا کریں کہ ہم یہ جنگ جیت کے آپ کے پاس زندہ سلامت واپس لوٹیں۔ خدا پھر وسا کرے ہمیں دعاؤں کر بھیجیں۔“

عمارہ ماں کے ساتھ ہی لیٹ گئی۔ صبح فجر کی اذان کے وقت ظفر نے سب کو جگا دیا۔ عمارہ اور رابعہ نے بھی فجر کی نماز پڑھی اور ظفر اسامہ اور عارفین مسجد چلے گئے۔ صبح کی دھیمی دھیمی ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

رات کا اندھیرا دھیرے دھیرے دن کے اُجالے میں بدل رہا تھا مگر پرندوں کی چہچہاٹ نے صبح ہونے کا اعلان کردیا تھا۔ نماز کے بعد رابعہ اور عمارہ باہر لان میں آکے بیٹھ گئیں۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد عارفین اسامہ اور ظفر بھی آگئے۔

عارفین اور ظفر رابعہ کے ساتھ بیٹھ گئے عمارہ گل چیں

www.pdfbooksfree.pk

کے پودے کے قریب کھڑی کسی سوچ میں گم تھی کہ اسامہ نے اسے چونکا دیا۔

"آپ کیا سوچ رہی ہیں ڈاکٹر صاحبہ....." عمارہ نے مسکراتے ہوئے اسامہ کی طرف دیکھا۔ "ایسے ہی یہ دماغ سوچوں کی بھول بھلیوں میں گم ہو جاتا ہے۔"

اسامہ نے فوراً اپنی بھنویں اچکائیں۔ "ایک بات تو بتائیں کہ آپ لوگوں کو ٹھیک کرتی ہیں یا پاگل۔"

"کیا مطلب.....؟" عمارہ نے غصے سے اسامہ کی طرف دیکھا۔

"میرا مطلب ہے کہ جب آپ کا اپنا یہ حال ہے تو آپ مریضوں کو اپنی سوچوں پر قابو رکھنا کیسے سکھاتی ہوں گی۔" اسامہ نے کہا۔

"جی نہیں میں لوگوں کا بہت اچھے طریقے سے علاج کرتی ہوں جہاں تک میری سوچ کا تعلق ہے تو جینیئس ایسے ہی ہوتے ہیں۔" عمارہ نے کہا۔

اسامہ نے عمارہ کی طرف تمسخرانہ انداز میں دیکھا۔

"آپ کے کہنے کا مطلب ہے کہ آپ جینیئس ہیں۔"

"کوئی شک....." عمارہ نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

اسامہ نے اپنی پینٹ کی جیب سے پسٹل نکالی اور عمارہ کے ہاتھ میں تھما دی۔ "اچھا یہ بات ہے تو پھر یہ پسٹل چلا کے دکھاؤ۔"

عمارہ گھبرا سی گئی۔ "ذہین ہونے کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ اسلحہ بھی استعمال کرنا آتا ہو۔"

"مگر کچھ بھی سیکھنے کے لیے ذہین ہونا تو ضروری ہے نا۔" یہ کہہ کر اسامہ نے عمارہ کے ہاتھ سے پسٹل لے لی اور بارہ فٹ کے فاصلے پر ایک انار کے درخت پر اس نے اپنا ٹارگٹ سیٹ کیا اور عمارہ کی آنکھوں کے سامنے پسٹل کو سیو کرتے ہوئے اس نے عمارہ کو سمجھایا۔

"یہ ہم نے اپنا ٹارگٹ سیٹ کیا اور یہ ٹریگر دبا دیا۔" اسامہ نے بڑی مہارت سے ایک انار اُڑا دیا۔

"یہ لو ٹارگٹ سیٹ کر دیا نہ کر دتم فائر تو کرو۔" اسامہ نے پسٹل ایک بار پھر عمارہ کے ہاتھ میں تھما دی۔ عمارہ نے ڈرتے ڈرتے اپنے دائیں ہاتھ میں تھامی ہوئی پسٹل کا رُخ انار کے درخت کی طرف کیا۔ اس نے ٹریگر پر اُنگلی رکھی، پوری کوشش کے باوجود اس سے ٹریگر نہیں دبا۔

اس نے اپنا دوسرا ہاتھ بھی پسٹل پر رکھا اور دوسرے ہاتھ کی انگلی بھی ٹریگر پر رکھ لی مگر اس سے ٹریگر نہیں دبایا گیا۔

اسامہ، عمارہ کی پشت کی جانب کھڑا ہو گیا اس نے اپنا دایاں ہاتھ عمارہ کے ہاتھوں پر رکھتے ہوئے اپنی انگلی سے اس کی انگلی پر خفیف سا باؤ دیا ٹریگر دب گیا اور گولی جا کے انار کے درخت پر لگی۔ اپنے ہی کیے ہوئے فائر سے عمارہ کانپ کے رہ گئی۔

عمارہ کی یہ حالت دیکھ کر سامنے بیٹھے ہوئے سب لوگ ہنسنے لگ گئے۔ عمارہ نے منہ بسور کر اسامہ کی طرف دیکھا اور پسٹل اس کے ہاتھ میں تھما دی۔

"خیر ہے شروع شروع میں ایسا ہوتا ہے۔" اسامہ نے اپنی ہنسی روکتے ہوئے کہا۔

عمارہ، رابعہ کے ساتھ جا کے بیٹھ گئی۔ ظفر اور عارفین بھی وہیں بیٹھے تھے۔ باہر گیٹ پر بیل ہوئی۔ ظفر نے تعجب سے گیٹ کی طرف دیکھا۔ "اس وقت کون آ سکتا ہے۔" ظفر اُٹھ کر گیٹ کی طرف بڑھا۔

ظفر نے دروازہ کھولا تو وہ بکا بکا رہ گیا خیام، حوریہ اور فواد کے والدین ماہین اور زبیر، رخسانہ اور تو قیر، امین اور وقار احمد سب اکٹھے ان کے در پر کھڑے تھے۔

"آ جائیں۔" ظفر نے ان سب سے کہا۔ سب اندر آئے تو عمارہ اور ساحل بھی ان کا خلوص دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ اتنی صبح وہ سب ان سے ملنے آئے ہیں۔

ظفر نے ساحل سے کہہ کر ان کے لیے باہر ہی کرسیاں رکھ دیں۔

ظفر نے عمارہ سے سب کے لیے ناشتے کا بندوبست کرنے کو کہا تو رخسانہ اور ماہین نے کھڑے ہو کر عمارہ کو روک دیا۔ رخسانہ نے عمارہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "تم بس ادھر بیٹھو ہمارے پاس، ہم تھوڑی دیر کے لیے آئے ہیں تم سب سے ملنا چاہتے تھے۔ ہم زیادہ دیر ٹھہرنا نہیں چاہتے اس لیے ناشتے وغیرہ کے جھنجٹ میں نہ پڑو۔"

عمارہ، رخسانہ اور ماہین کے پاس بیٹھ گئی۔ ماہین نے

www.pdfbooksfree.pk

عمارہ کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ”جس مقصد کے لیے جارہے ہو خدا تم سب کو کامیاب کرے۔“

رخسانہ سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس نے اپنی بھیگی ہوئی آنکھوں سے عمارہ کی طرف دیکھا۔ ”ہم نے تو جو کھونا تھا کھو دیا، تمہاری اس کوشش سے نہ جانے کتنے گھر برباد ہونے سے بچ جائیں گے۔“

عمارہ نے رخسانہ کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ”ان شاءاللہ ہم کامیاب ہی لوٹیں گے۔“

ظفر نے ان سب کو اسامہ سے ملوایا۔ سب نے اس مشن کے لیے اسامہ کی حوصلہ افزائی کی۔ زبیر اور وقار نے ظفر اور اسامہ کو مشن سے متعلق ضروری باتیں سمجھائیں۔

وہ لوگ تھوڑی دیر ہی بیٹھے تھے جب جانے لگے تو زبیر نے ظفر سے ایک بار پھر پوچھا۔ ”اگر ہم کوئی مدد کر سکیں تو ہمیں ضرور بتانا ورنہ چار لوگوں کی ٹیم تم نے خود بنائی ہے، ہم تو ہر طرح سے حاضر ہیں۔“

اسامہ، زبیر کی طرف بڑھا، ماہین بھی زبیر کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس نے گہری نظر سے ماہین کی طرف دیکھا۔ ”آپ دونوں دعا کیجیے گا اپنے بیٹے خیام کے لیے بھی..... شیطان ہمزاد سے اس جنگ میں خیام بھی لڑ رہا ہے۔ وہ بھی زرغام کا دشمن ہے۔“

ماہین کی نگاہوں میں ممتا کے جذبات اُبھر آئے۔ ”میرے دل کو یقین ہے کہ لوگوں کا خون چوسنے والے شیطانوں میں میرا بیٹا نہیں ہے۔ اس کی نیک روح لوگوں کو شیطان ہمزاد سے بچانے کی کوشش میں گامزن ہے مگر میں تو اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو چکی ہوں۔“ ماہین اپنے آنسو روک نہ سکی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اسامہ نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ ”میں بھی آپ کے بیٹے جیسا ہوں، آپ مجھے خیام سمجھ لیں۔“

ماہین نے شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ ”جیتے رہو..... خدا تمہاری حفاظت کرے۔“ زبیر نے بھی اسامہ کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

”اب ہم چلتے ہیں تم لوگوں کے پاس بھی وقت تھوڑا ہے۔“ وقار احمد نے ظفر سے کہا پھر وہ سب چلے گئے۔

O.....❖.....O

ساجد کی رات انگاروں پر کٹی تھی۔ فجر کی نماز کے بعد ہی وہ بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اس کا دماغ اسے بار بار زرغام کے خلاف بغاوت پر اُکسا رہا تھا۔ بچوں کی سکول وین کی روانگی میں ابھی کافی وقت تھا۔ وہ اس وقت کچھی میں تھا کیونکہ اس وقت زرغام واک کے لیے نکلتا تھا۔

اچانک اسے زہر کی بوتلوں کا خیال آیا پھر اس کا ذہن منصوبہ گھڑنے لگا۔ اس وقت زرغام گھر پر نہیں تھا۔ اسے یہ علم تھا کہ زرغام زہر کی بوتلیں لے کر اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔

وہ برق رفتاری سے زرغام کے کمرے میں داخل ہوا اس نے الماری دیکھی تو وہ لاک تھی۔ اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی پھر اسے خیال آیا کہ شاید چابی سائیڈ ٹیبلز میں ہو۔ اس نے پھرتی سے سائیڈ ٹیبلز دیکھنا شروع کیے، بیڈ کے بائیں طرف پڑے ہوئے سائیڈ ٹیبلز میں سے اسے چابی نہیں ملی۔ اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا ساڑھے چھ بج رہے تھے، یہ وقت زرغام کی واپسی کا تھا۔

ساجد کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ پیشانی سے پسینہ آ رہا تھا۔ اس نے ہمت کر کے دوسرے سائیڈ ٹیبلز میں چابی تلاش کی۔ اس نے اطمینان کا لمبا سانس کھینچا اسے چابی مل گئی۔

اس نے الماری کھولی تو زہر کی چھوٹی چھوٹی بوتلیں سامنے ہی پڑی تھیں۔ اس نے ایک بوتل اُٹھائی اور اپنے کُرتے کی جیب میں ڈال لی پھر اس نے جلدی سے الماری بند کر دی اور چابی اسی جگہ رکھ دی جہاں سے لی تھی۔ اس نے کچن کے کیبنٹ سے چائے کی کیتلی نکالی اور وہ چھوٹی سی شیشی اس میں رکھ کے کیبنٹ میں سنبھال لی۔

وہ کچن سے باہر نکلا ہی تھا کہ زرغام داخلی دروازے سے اندر داخل ہوا۔ ”ساجد! میری بیڈ ٹی تیار کرو۔“

زرغام نے اپنے جوگرز کے تسمے کھولتے ہوئے کہا پھر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ساجد نے زرغام کے لیے چائے بنائی اور پھر چائے لے کر اس کے کمرے میں گیا۔

ساجد کمرے میں داخل ہوا تو زرغام آئینے کے

www.pdfbooksfree.pk

سامنے کھڑا تھا۔ آئینہ خاصا بڑا تھا، وہ اپنے آپ کو سرتاپا دیکھ سکتا تھا۔

"صاحب چائے....." ساجد نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

زرغام شیشے کے سامنے سیدھا کھڑا تھا وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا۔ جیسے اسے ساجد کی آواز ہی نہ آ رہی ہو۔

اچانک ساجد کی آنکھوں نے ایک بھیانک منظر دیکھا جس سے اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ کپ کے پرچ سے ٹکرانے کی ٹک ٹک کی آواز اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ ظاہر کر رہی تھی۔

زرغام آئینے کے سامنے خاموش کھڑا تھا اور آئینے میں اس کا عکس بول رہا تھا۔

"بچوں کی سکول وین والا معاملہ رہنے دو اور اپنی جان کی فکر کرو، وہ لوگ تمہیں مارنے آ رہے ہیں۔"

"کون لوگ تم کس کی بات کر رہے ہو....." زرغام نے پوچھا۔

زرغام کے عکس سے ایک بار پھر آواز اُبھری۔ "عمارہ، اسامہ، ساحل اور عارفین....."

زرغام کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ "ان چاروں کی اتنی ہمت کہ زرغام کو ختم کرنے کا سوچیں....."

وہ میری کالی طاقتوں کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں، چلو اب تو کھیل اور بھی دلچسپ ہو گیا ہے۔ تم ایسا کرو کہ حوریہ، فواد اور رشماء سے کہو کہ بچوں کی سکول وین والا معاملہ رہنے دیں وہ ہم پھر کبھی کر لیں گے، آج میرے حریفوں کو میری شیطانی طاقتوں کی تھوڑی جھلک دکھاؤ....."

"ٹھیک ہے۔" عکس میں سے آواز اُبھری اور پھر سب کچھ نارمل ہو گیا۔

زرغام نے غصیلی نظروں سے ساجد کی طرف دیکھا۔ "تم کیوں اس طرح کانپ رہے ہو اور اس طرح کھڑے ہو کر میری باتیں کیوں سنتے ہو۔ جاؤ دفع ہو جاؤ یہاں سے....." زرغام نے اس کے ہاتھ سے چائے کی پیالی لیتے ہوئے کہا۔

ساجد بُری طرح ڈر چکا تھا، وہ تیز قدموں سے کمرے سے نکلا اور کچن میں جا کر لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ "عکس کس طرح باتیں کر سکتا ہے میں کہیں پاگل تو نہیں ہو گیا ہوں....." ساجد اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔

وہ جانتا تھا کہ اب زرغام اپنا خاص عمل کرے گا وہ جلدی اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلے گا اس لیے وہ تھوڑی دیر کے لیے اپنے کوارٹر میں چلا گیا۔ اس نے جاء نماز بچھائی اور دو نفل ادا کیے پھر اپنے پروردگار کے آگے ہاتھ پھیلا دیے۔ "میں جو کرنے جا رہا ہوں میرے رب مجھے اس کے لیے حوصلہ عطا فرما اس ڈر کو میرے اندر سے نکال دے جو مجھے ایک شیطان کی خدمت کرنے کے لیے مجبور کر رہا ہے مجھے مومن کی وہ طاقت دے جو خدا کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا۔"

○.....❖.....○

ساحل، عارفین اور عمارہ اپنے گھر سے کچھ اور ضرورت کا سامان بھی لے آئے تھے۔ مشن پر روانگی کے لیے ان کی تیاری مکمل تھی۔ مشن کے لیے انہوں نے ظفر کی گاڑی پراڈو کا انتخاب کیا تھا۔ جو سنگلاخ پہاڑی علاقوں کے لیے موزوں تھی۔

سب نے اپنے اپنے بیگ جیپ میں رکھے۔ ظفر نے جوس اور بسکٹوں کے ڈبے بھی گاڑی میں رکھوا دیے۔ ظفر اور رابعہ گیٹ کے پاس ہی کھڑے تھے۔ وہ سب ان سے ملے، عمارہ نے ماں کو گلے لگا کے بہت دیر چھوڑا ہی نہیں۔

ظفر اور رابعہ نے انہیں خدا کے سہارے روانہ کر دیا۔ عارفین ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر ساحل بیٹھا تھا، اسامہ اور عمارہ پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے۔

"آپ کا ایک ہاتھ نہیں پھر بھی آپ اتنی مہارت سے گاڑی کیسے چلا لیتے ہیں۔" عمارہ نے پوچھا۔

اسامہ نے مسکراتے ہوئے عمارہ کی طرف دیکھا۔ "ہر چیز کے لیے پریکٹس ضروری ہوتی ہے۔ ویسے بھی کسی بھی چیز کی کمی کو اپنی کمزوری نہیں بنانا چاہیے، مجھے صرف لوگ احساس دلاتے ہیں کہ میرا ایک ہاتھ نہیں ہے ورنہ مجھے نہیں پتہ چلتا کہ میرا ایک ہاتھ نہیں ہے۔"

عمارہ شرمندہ سی ہو گئی کہ شاید اس نے بھی اسامہ کو اس کی کمزوری کا احساس دلایا ہے۔ عارفین پیچھے دیکھتے ہوئے اسامہ سے مخاطب ہوا۔

www.pdfbooksfree.pk

"آپ کے سمجھانے کے مطابق جہاں زرغام کا گھر ہے وہ شہر سے باہر جنگل کا علاقہ ہے۔"

"اس طرح کے لوگ ایسی ہی جگہ اپنا ٹھکانہ بناتے ہیں تقریباً دو گھنٹے کا سفر ہے۔" اسامہ نے کہا۔

عارفین نے ایک بار پھر پلٹ کر اسامہ کی طرف دیکھا۔ "اسامہ بھائی آپ کو زرغام کے گھر کا کیسے پتہ چلا۔"

اسامہ نے عارفین کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا وہ خاموش رہا مگر ساحل اس کی جگہ بولا۔ "اسامہ بھائی نے کہا ہے کہ ہم سب ان سے کوئی سوال نہ کریں وہ وقت آنے پر ہمیں سب کچھ سمجھا دیں گے اس لیے تم بھی کوئی سوال مت کرو۔"

اسامہ تھوڑا آگے ہو گیا اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر ہاتھ رکھا۔ "مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم مجھ سے تکلف میں رہو میں تم سب کا دوست ہوں اور آپ لوگوں کی بے تکلفی سے مجھے اپنے اور آپ کے بیچ اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں، آپ مطمئن رہیں۔" عارفین نے کہا۔

"مس اریبہ اور پروفیسر حسنان ہمیں اس جگہ کے بارے میں کافی انفارمیشن دے سکتے تھے یہاں ہمارے ساتھ بھی آسکتے تھے سب کچھ ان دونوں کی آنکھوں کے سامنے ہوا کس طرح ان چار اسٹوڈنٹس نے کھائی میں چھلانگ لگائی۔" ساحل نے عارفین کو بتایا۔

"تو ان دونوں سے رابطہ کیوں نہیں کیا؟" عارفین نے پوچھا۔

"کوئی فائدہ نہیں ہے۔ مس اریبہ کی شادی ہوگئی ہے وہ خود بھی اس معاملے میں پڑنا نہیں چاہتی اور پروفیسر حسنان بیرون ملک ہیں۔" ساحل نے بتایا۔

اسامہ جو ان دونوں کی گفتگو سن رہا تھا وہ ساحل سے مخاطب ہوا۔ "تم اطمینان رکھو میں اس جگہ کے بارے میں اور اس حادثے کے بارے میں تفصیل سے جانتا ہوں۔"

عمارہ نے تعجب بھرے انداز میں اپنے سر کو جھٹکا۔ "حیرت ہوتی ہے یہ سوچ کے کہ کس طرح ان چاروں نے کھائی میں چھلانگ لگا دی۔ اتنی ہمت ان میں کہاں سے آئی۔"

اسامہ نے عمارہ کی طرف دیکھا۔ "آپ تو سائیکاٹرسٹ ہیں اس بات کو بخوبی سمجھتی ہیں کہ جب انسان سائیکو ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس میں خوف اور خوشی کا امتیاز ختم ہوتا ہے اور جب انسان کالے جادو کی طرف مائل ہوتا ہے تو اس میں حرام اور حلال کا فرق ختم ہو جاتا ہے۔ نفسیاتی مسئلے میں یہ بات تو بہت Common ہے کہ ایسے مریض خود کو تکلیف دے کر تسکین محسوس کرتے ہیں۔"

عمارہ نے اپنی آنکھیں جھکاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہاں..... آپ شاید ٹھیک کہہ رہے ہیں اس سارے مسئلے کی تحقیقات کے دوران ہمیں جو جو اشیاء ان چاروں کے کمروں سے ملیں ان سے یہی پتہ چلتا تھا کہ وہ چاروں نفسیاتی الجھنوں کا شکار بھی تھے اور ڈرگز جیسی زہر کا بھی استعمال کرتے تھے۔ بے راہ روی کا اس قدر شکار ہو گئے تھے کہ کالے جادو جیسے کفر کی طرف مائل کر دینے والے سفلی علم کی طرف راغب ہو گئے تھے۔

ان کے نفسیاتی مسائل اتنے پیچیدہ نہیں تھے کہ حل نہ کیے جا سکیں مگر یا تو انہیں کوئی نہیں سمجھ سکا یا وہ کسی کو نہیں سمجھ سکے۔"

ساحل نے تاسف بھرے انداز میں سر کو جھٹکا۔ "بہت بڑا سانحہ تھا ان والدین کے لیے، جن کے لیے وہ چاروں واحد سہارا تھے۔ ان کے تو آنسو نہیں تھمتے، اپنے ہاتھوں سے دفن کیا ہوتا تو صبر بھی آجاتا مگر ان کی بے چینی نے تو ان سب کو بُری طرح گھائل کر دیا ہے۔"

تقریباً ایک گھنٹے کا سفر گزر گیا۔ ان کی گاڑی ابھی شہر سے باہر نہیں نکلی تھی تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد ان کی جیپ ایک گھنے ویران جنگل سے گزر رہی تھی۔

"تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد یونیک ٹاؤن کا علاقہ شروع ہو جائے گا، جہاں زرغام کی رہائش گاہ ہے۔ سال کے چھ ماہ وہ مری میں اپنے فلیٹ میں گزارتا ہے۔ یونیک ٹاؤن تک جانے والا یہ راستہ ایسے ہی خوفناک جنگل پر مشتمل ہے، جنگلی جانور تو ہو سکتے ہیں مگر انسانی آبادی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔" اسامہ نے کہا۔

ساحل نے تعجب بھرے انداز میں پوچھا۔ "اسامہ

www.pdfbooksfree.pk

بھائی! لوگ یونیک ٹاؤن میں کیسے رہتے ہوں گے وہاں کیا شہری سہولتیں ہوں گی۔"

اسامہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "یونیک ٹاؤن تو ٹھیک طرح سے آباد ہی نہیں ہوا، چند گھر ہیں جن کے مقیم زیادہ تر دوسرے شہروں یا ملکوں میں آباد ہیں ادھر تھوڑے وقت کے لیے آتے ہیں۔"

وہ سب کپ شپوں میں مصروف تھے کہ جیپ اچانک سے رُک گئی۔

عارفین نے بار بار سٹارٹ کی مگر جیپ جیسے جام ہو گئی۔ سڑک کے دونوں طرف گھنا جنگل تھا آبادی کے دور دور تک کوئی آثار نہیں تھے کہ کسی کو مدد کے لیے بلا سکیں۔

اسامہ اور عارفین گاڑی سے اُترے اور بونٹ کھول کر چیک کرنے لگ گئے، بظاہر سب کچھ ٹھیک تھا مگر گاڑی سٹارٹ نہیں ہو رہی تھی۔

ساحل اور عمارہ بھی جیپ سے اُتر کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ ساحل نے بھی چیک کیا مگر جیپ کا نقص سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

ساحل نے بونٹ پر زور سے ہاتھ مارا۔ "اسے بھی ادھر جنگل میں خراب ہونا تھا۔"

عارفین نے اپنا موبائل نکالا۔ "اوہ شٹ! موبائل میں تو سگنل نہیں ہے آپ سب بھی اپنا موبائل چیک کریں۔"

سب نے اپنے موبائلز نکالے مگر کسی کے موبائلز میں سگنل نہیں تھے۔

"ہم کسی پہاڑی علاقے میں تو نہیں ہیں، یہ علاقہ تو شہر سے اتنا دور بھی نہیں ہے تو سب کے سگنلز کس طرح ختم ہو گئے۔" عمارہ نے پریشانی میں کہا۔

"بہرحال ظہر ظہر کے چیک کرتے رہنا شاید سگنل آ جائیں۔" یہ کہہ کر اسامہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور گاڑی سٹارٹ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ کافی دیر کوشش کے باوجود گاڑی سٹارٹ نہیں ہوئی۔

اسامہ گاڑی سے اُترا اور عارفین سے مخاطب ہوا۔ "آؤ میرے ساتھ ذرا آگے جا کے دیکھتے ہیں شاید اس مشکل سے نکلنے کی کوئی صورت نظر آ جائے۔" یہ کہہ کر اس نے ساحل کی طرف دیکھا۔ "تم اور عمارہ یہیں رُکو۔"

اسامہ یہ کہہ کر عارفین کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔ وہ دونوں کافی دور تک پیدل گئے مگر انہیں وہاں آبادی کے کوئی آثار نظر نہیں آئے تاحدِ نظر جنگل ہی جنگل تھا۔

اُدھر ساحل اور عمارہ بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہل رہے تھے۔

"اسامہ خود بتا رہا تھا کہ آگے سارا جنگل ہے پھر بھی پیدل نکل گئے ہیں اور اتنی دیر بھی لگا دی ہے۔" عمارہ نے کہا۔

ساحل اس کے قریب آ گیا۔ "واقعی کافی دیر لگا دی ہے دونوں نے۔ میرا تو حلق سوکھ رہا ہے ذرا پانی کی بوتل تو نکال دو گاڑی سے۔"

عمارہ نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور پانی کی بوتل اُٹھائی پانی کی بوتل خالی تھی۔ اس نے دوسری بوتل اُٹھائی، وہ بھی خالی تھی، اس نے ساری بوتلیں چیک کیں ساری بوتلیں خالی تھیں۔

اس نے دو خالی بوتلیں اُٹھائیں اور گاڑی سے باہر نکلی۔

اس نے خالی بوتلیں ساحل کو دکھائیں اور تعجب بھرے لہجے میں بولی۔ "یہ دیکھو پانی کی ساری بوتلیں خالی ہیں۔"

ساحل نے بھی بہت نظروں سے بوتلوں کی طرف دیکھا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے ہم نے پانی کی چھ بوتلیں رکھی تھیں۔ پانی کی صرف ایک بوتل استعمال ہوئی تھی۔ پھر وہ کچھ سوچ کے عمارہ سے مخاطب ہوا۔ "باقی چیزیں بھی چیک کرتے ہیں۔"

ان دونوں نے کھانے کا سامان چیک کیا تو عمارہ چیخ کر گاڑی سے باہر بھاگ گئی اسے اُبکائیاں آنے لگیں، کھانا سڑ چکا تھا اور اس میں کیڑے پھر رہے تھے۔

ساحل نے سارا کھانا اُٹھا کر گاڑی سے باہر پھینکا اور ٹشو پیپرز کا ڈبہ لے کر عمارہ کی طرف بڑھا۔ عمارہ نے اپنا منہ صاف کیا۔

ساحل ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ گیا اور سراسیمہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا پھر اس نے عمارہ کی طرف دیکھا۔ "اس کا مطلب ہے کہ جو کچھ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے یہ کوئی حادثہ نہیں بلکہ ہمارے آس پاس کوئی ہے جو یہ کر رہا ہے۔"

www.pdfbooksfree.pk

یہ کہہ کر اس نے اپنی پینٹ کی جیب سے Ameter نکالا۔ وہ Ameter کو ہاتھ میں لے کر دھیرے دھیرے چلنے لگا جونہی وہ گاڑی کے قریب پہنچا تو Ameter کی Red light روشن ہوگئی اور ٹی ٹی کی آواز آنے لگی جس کے ساتھ ہی Ameter کی سوئیاں بھی تیزی سے حرکت کرنے لگیں۔

عمارہ بھی قدم بہ قدم اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ ”یہاں ہمارے آس پاس کوئی ہے.....“ ساحل نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

”کون.....؟“ عمارہ نے آہستگی سے پوچھا۔

ساحل ایک جگہ پر رُک گیا۔ ”کوئی غیر فطری مخلوق.....ہوسکتا ہے کہ ہماری گاڑی خراب ہونے کے پیچھے بھی کوئی شیطانی طاقت ہو۔“

عمارہ ساحل کے قریب کھڑی ہوگئی۔ ”تم مجھے ڈرا رہے ہو۔“

اسی دوران ان کی گاڑی پر زوردار آواز کے ساتھ ایک پتھر بجا، وہ دونوں ایک بار کانپ گئے۔ انہوں نے چاروں طرف نظر دوڑائی مگر کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ پتھر کس سمت سے آیا۔ ایک دم جیسے چاروں طرف سے ان کی گاڑی پر پتھروں کی بارش ہوگئی، ان دونوں نے خود کو بڑی سی چٹان نما پتھر کے پیچھے چھپالیا۔

پتھروں کی آواز ختم ہوئی تو وہ سہمے سہمے باہر نکلے۔ گاڑی کی باڈی پر بڑے بڑے سوراخ بن گئے تھے اور کئی جگہ ڈینٹ پڑ گئے تھے مگر گاڑی کے آس پاس کوئی پتھر نہیں تھا ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ پتھر گرائے جا رہے اور غائب ہوتے رہے۔

”تعجب کی بات ہے، یہاں کوئی پتھر نہیں ہے اور گاڑی کی حالت دیکھو۔“ عمارہ نے گاڑی کے قریب کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

ساحل نے گاڑی کی طرف دیکھتے ہوئے ایک لمبا سانس کھینچا۔ ”جو کچھ ہمارے ساتھ ہوا ہے وہ تعجب خیز ہی ہوگا اس لیے خود کو ذہنی طور پر تیار رکھو۔ بہرحال ہمیں اسامہ اور عارفین کو اس طرح بھیجنا نہیں چاہیے تھا، اس طرح کے حالات میں ہمیں اکٹھے ہی ہونا چاہیے۔ ہمیں ایک دوسرے سے علیحدہ کر کے کوئی بآسانی ہمیں ختم کرسکتا ہے.....“

عمارہ سہمی سہمی ساحل کے قریب کھڑی ہوگئی۔ ”آؤ.....ان دونوں کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔“

”نہیں.....ہم اس طرح ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں گے، ہمیں ان کا یہیں انتظار کرنا ہوگا.....“ ساحل نے عمارہ کو سمجھایا۔

اسامہ اور عارفین مایوس ہو کے واپس لوٹ رہے تھے، ان کا اتنی دور جانا بے سود ثابت ہوا، انہیں بھی فکر تھا کہ ساحل اور عمارہ اکیلے پریشان ہو رہے ہوں گے اس لیے وہ تیز تیز قدم چل رہے تھے۔

”ہمیں اندازہ ہی نہیں ہوا ہمیں خاصا وقت لگ گیا اور فائدہ بھی کوئی نہیں ہوا۔“ عارفین نے کہا۔

”مجھے اندازہ تھا کہ دور دور تک جنگل ہی جنگل ہے ہمیں مدد کے لیے کوئی نہیں ملے گا پھر بھی دل کی تسلی کے لیے نکل پڑے۔“ اسامہ نے دوڑنا شروع کر دیا، عارفین بھی اس کے ساتھ ساتھ بھاگنے لگا۔

ساحل اور عمارہ چپ سادھے ایک جگہ پر کھڑے تھے خفیف سے خفیف آواز بھی ان کی سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔

اچانک سے درختوں کے جھنڈ تیزی سے ہلنے لگے تھے جبکہ موسم میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

دونوں کی نظر ایک ساتھ جھومتے ہوئے درختوں پر پڑی ایک سفید سا ہیولا ان درختوں کے درمیان جیسے تیر رہا تھا۔ ان کی نظر اس ہیولے پر ہی مرکوز ہوگئی۔ وہ ہیولا تیزی سے حرکت کرنے لگا ایک درخت سے دوسرے، دوسرے سے تیسرے تک جاکے پھر نظروں سے اوجھل ہو جاتا اور پھر کسی درخت میں دکھائی دیتا۔ دونوں کی آنکھیں ہیولے کے ساتھ ساتھ بھٹکنے لگیں اور ساتھ ساتھ دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہونے لگیں۔

رفتہ رفتہ وہ ہیولا زمین کی طرف بڑھنے لگا پھر ان دونوں کے بالکل سامنے آکر زمین میں جیسے جذب ہوگیا۔

عمارہ اور ساحل کی سانسیں گلے میں اٹکی ہوئی تھیں۔

ساحل نے عمارہ کا ہاتھ پکڑا۔ ”یہاں سے نکلتے ہیں۔“

ان دونوں نے ابھی قدم ہی اُٹھائے تھے جو کہ ایک دم اس جگہ سے جہاں سے ہیولا جذب ہوا تھا سانپوں کے گچھے

www.pdfbooksfree.pk

نکلنے لگے۔ عمارہ کے حلق سے چیخ نکلی اور ان دونوں نے قدم پیچھے کی طرف سکیڑ لیے۔

سانپ زمین سے مسلسل نکل رہے تھے اور ان دونوں کے گرد دائرے کی صورت میں پھیلتے جارہے تھے۔

دونوں بوکھلائے اپنے اردگرد دیکھنے لگے۔ سانپوں نے ان کے گرد ایک دائرہ سا کھینچ دیا تھا ان کے اردگرد سانپ ہی سانپ تھے۔

دونوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا اور لمبے لمبے سانس لینے لگے، خوف نے جیسے ان کے ذہنوں کو جکڑ لیا انہیں کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

ساحل نے اپنی پینٹ کی جیب سے پسٹل نکالی اس نے اس کا میگزین سیٹ کیا تو عمارہ نے اس کے بازوؤں پر ہاتھ رکھا۔ ”یہ کیا کر رہے ہو تم جانتے ہو کہ نا کہ یہ سب جادوئی عمل سے ہو رہا ہے ان پر پسٹل چلانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔“

”تو کیا چپ چاپ موت کو گلے لگالیں تم بھی اپنی پسٹل نکالو اکٹھے فائر کرتے ہیں۔ جلدی کرو.....“ ساحل کے کہنے پر عمارہ نے بھی اپنی پسٹل نکال لی دونوں نے ایک ساتھ سانپوں کے اوپر فائر کیا انہوں نے ہاتھ دو کے بغیر پانچ چھ فائر کیے۔ گولیاں سانپوں کے جسموں پر لگیں مگر ان کو خراش تک نہ آئی وہ جوں کی توں ان دونوں کی طرف رینگتے رہے۔

فائر کرنے سے سارے سانپوں کا رُخ ان دونوں کی طرف ہوگیا۔ وہ تیزی سے ان دونوں کی طرف بڑھنے لگے۔

ان دونوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اب انہیں اپنی موت صاف نظر آرہی تھی۔ دھیرے دھیرے سانپ ان کے پیروں کے قریب آگئے۔

خوف کی ان سرسراہٹوں میں قرآن پاک کی آیات پڑھنے کی آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی۔ آواز ان کی بائیں جانب سے آرہی تھی۔ انہوں نے اپنے بائیں جانب دیکھا تو اسامہ اور عارفین کھڑے تھے۔ اسامہ قرآن کی آیات بلند آواز میں پڑھ رہا تھا۔

جس طرح وہ سانپ زمین سے نکلے تھے اسی طرح آہستہ آہستہ غائب ہونے لگے۔

ساحل اور عمارہ نے اطمینان کا لمبا سانس کھینچا۔ چند ہی ساعتوں میں وہ سارے سانپ غائب ہوگئے۔

ساحل اور عمارہ ان دونوں کی طرف بڑھنے لگے تو اسامہ نے انہیں ہاتھ سے رُکنے کا اشارہ کیا وہ ابھی تک آیت پڑھ رہا تھا، آیت مکمل ہوئی تو وہ دونوں خود ساحل کے قریب آگئے۔

”میں نے تم سب سے کہا تھا نہ کہ یہ آیات جو میں نے دی تھیں اپنے پاس رکھیں۔“

عمارہ نے اپنے سر کو جھٹکا دیا۔ ”بالکل ذہن سے نکل گیا، خوف نے تو جیسے ہماری عقل کو ہی ماؤف کردیا۔“

اسامہ، عمارہ کے قریب آیا اور اس کے چہرے کی طرف گہری نظر ڈالی۔ ”وہ خوف تو میں تم دونوں کے چہروں پر پڑھ رہا ہوں۔ خوف کو خود پر اس طرح حاوی کرو گے تو ان بدروحوں کا مقابلہ کیسے کروگے ویسے یہ سب کیسے ہوا.....؟“

ساحل نے اسامہ کو ساری بات تفصیل سے بتائی۔

اسامہ نے ساحل کی بات سن کر اپنے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ ”اس کا مطلب ہے کہ زرغام کو ہمارے ارادے کی خبر ہوگئی ہے، اس نے ہمارے لیے جال بچھانا شروع کردیا ہے، لیکن ہم بھی سر پر کفن باندھ کے نکلے ہیں۔“

”سانپ تو غائب ہوگئے ہیں مگر وہ ماورائی مخلوق تو ہمارے آس پاس موجود ہے جو یہ سب کر رہی ہے۔“ ساحل نے کہا۔

اسامہ نے ساحل کے شانے پہ تھپکی دی۔ ”سمجھ لو کہ ہمارے دشمن نے ہمیں للکارا ہے اب ہمیں اپنی دفاعی قوت کو اور بھی بڑھانا ہوگا اور حملے کی طاقت کو بھی۔ ہمیں اکٹھے ہی رہنا ہے۔“ پھر اسامہ نے عمارہ کی طرف دیکھا جس کے چہرے کا رنگ ابھی تک اُڑا ہوا تھا۔

”تم ادھر آؤ میرے ساتھ اور عارفین تم ساحل کے ساتھ رہو مگر ایک دوسرے کی نظروں میں ہی رہنا ہے۔“

ساحل اور عارفین ایک پتھر پر بیٹھ گئے اور اسامہ اور عمارہ ایک درخت کے ساتھ پشت لگا کے کھڑے ہوگئے۔ انہوں نے چاروں طرف نظر دوڑائی گھنے درختوں کے جھنڈ میں بھی دیکھا مگر انہیں کوئی معمولی تبدیلی نظر نہیں آئی۔

www.pdfbooksfree.pk

سناٹے میں پرندوں کی آوازیں گونج رہی تھیں اسامہ گاڑی کے قریب آیا۔ گاڑی کی حالت واقعی بہت خراب ہوچکی تھی۔ اس نے گاڑی کی باڈی پر ہاتھ پھیرا۔ ”یہی پتھر اگر تمہیں یا ساحل کو لگتے تو.....“

”تو کیا.....“ عمارہ نے کہا۔

”کچھ بھی ہوسکتا تھا پتھر بڑے سائز کے تھے اور بہت تیز رفتاری سے گاڑی سے بچے ہیں گاڑی تو پہلے ہی سٹارٹ نہیں ہورہی تھی اور اب تو اور بھی مشکل ہوجائے گا۔“ اسامہ نے کہا۔

”تو ہم کیا اس جنگل میں بھٹکتے رہیں گے۔“ عمارہ نے پوچھا۔

”نہیں.....ہمیں اپنی منزل تک پہنچنا ہے کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی اور اگر نہ نکلی تو ہمیں پیدل چلنا ہوگا۔ فی الحال تو یہ پتہ لگانا ہے کہ یہ ماورائی مخلوق ہے کون سی جو ہمارا راستہ روک رہی ہے۔“ اسامہ نے کہا۔

کچھ دیر تک وہ چاروں اردگرد کے ماحول کا جائزہ لیتے رہے پھر عارفین نے چپ کر کہا۔ ”یہ کوئی عقلمندی نہیں ہے کہ ہم اس طرح بیٹھ کر کسی نا گہانی آفت کا انتظار کریں، ہمیں اپنا کام جاری رکھنا چاہیے۔ آؤ مل کر گاڑی ٹھیک کرنے کی کوشش کرتے ہیں.....“

ساحل بھی چڑ کر بولا۔ ”تمہیں معلوم ہے نا۔“

ہم اس وقت کسی شیطانی طاقت کی زد میں ہیں کسی بھی وقت کچھ بھی ہوسکتا ہے۔“ وہ جیسے اپنی فیسلریشن ایک دوسرے پر نکالنے لگے تھے۔

عارفین جھٹکے کے ساتھ کھڑا ہوگیا۔ ”ہاں.....کسی بھی وقت کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ جیسے یہ زمین پھٹے اور ہم اندر دھنس جائیں۔ غیبی مخلوق سے مقابلہ کے لیے ہم کھڑے کھڑے کچھ پلان نہیں کرسکتے ہمیں بس کوشش جاری رکھنی چاہیے۔“

اسامہ ان دونوں کے درمیان میں کھڑا ہوگیا۔ ”تم آپس میں بحث کیوں کررہے ہو۔ تم دونوں گاڑی چیک کرو۔ میں اور عمارہ اطراف پر نظر رکھتے ہیں۔“

ساحل اور عارفین دونوں مل کر گاڑی ٹھیک کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

”کوئی نقص سمجھ میں آئے تو ٹھیک کریں، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔“ عارفین بونٹ بند کر کے ساحل کے پاس آیا۔ ”تم گاڑی سٹارٹ کرنے کی کوشش کرو، ہم مل کر دھکا لگاتے ہیں۔“

اس نے عمارہ اور اسامہ کو اشارے سے بلایا۔ پھر ان تینوں نے مل کر دھکا لگایا۔ تھوڑا سا دھکیلنے کے بعد گاڑی سٹارٹ ہوگئی۔ تینوں نے خوشی سے نعرہ لگایا ”ہرے“ مگر تھوڑی دور جا کے گاڑی پھر رُک گئی۔ ان تینوں نے ایک بار پھر دھکا لگایا مگر اس بار کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ گاڑی سٹارٹ نہیں ہوئی۔ ”شٹ“ عارفین نے اسٹیرنگ پر زور سے ہاتھ مارا۔

ساحل گاڑی سے باہر نکلا اور سر پکڑ کے کھڑا ہوگیا۔ ”گاڑی کے بغیر کیسے ہم زرغام کے گھر تک پہنچ سکتے ہیں۔“

اسامہ ساحل کے قریب آیا۔ ”میرا خیال ہے کہ گاڑی کو ادھر ہی چھوڑ دیتے ہیں اور اپنا سامان نکال کر پیدل ہی چلتے ہیں۔ مین سڑک تک پہنچ کر شاید کوئی سواری مل جائے۔“

”ضرورت کی چیزیں لے لیتے ہیں، باقی سامان گاڑی میں ہی پڑا رہے۔“ عمارہ نے ساحل کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی رائے لی۔

ساحل نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر اس نے اور عارفین نے گاڑی سے اپنا بیگ لیا اور اس میں اپنی ضرورت کا سامان چیک کرنے لگے۔ اسامہ نے بھی پھرتی سے اپنا بیگ بیگ نکالا وہ بھی اپنا سامان چیک کرنے لگا۔

عمارہ نے بھی اپنا ہینڈ بیگ کندھے سے لٹکا لیا۔ اسامہ، عارفین اور ساحل نے اپنی اپنی کمروں سے اپنے بیگ باندھ لیے۔

گاڑی میں ایک بیگ بیگ ایکسٹرا پڑا ہوا تھا۔ اسامہ نے وہ بیگ اُٹھایا اور عمارہ کی طرف بڑھا۔ ”اپنے ہینڈ بیگ کا سامان اس میں ڈالو اور جلدی کرو، تم یہ ہینڈ بیگ کہاں سنبھالتی پھرو گی۔“

عمارہ نے تاخیر کیے بغیر اپنے ہینڈ بیگ کا سارا سامان بیگ بیگ میں ڈالا اور جلدی سے اسے اپنی کمر پر باندھ لیا۔

اسامہ نے گاڑی لاک کی اور وہ سب وہاں سے پیدل نکل گئے۔ سورج نکل چکا تھا اس کی شعاعوں میں ابھی زیادہ حرارت نہیں تھی۔ اس کی کرنیں سرخی مائل ملگجی سی روشنی کے

www.pdfbooksfree.pk

ساتھ درختوں میں بکھر رہی تھیں۔ وہ سب ابھی اپنی گاڑی سے دس فٹ کے فاصلے پر ہی گئے تھے کہ ایک خوبصورت سے نظارے سے ان کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ ان کے چاروں طرف درختوں پر، زمین پر، ان کے پورے وجود پر سورج کی کرنیں سات رنگوں کے ڈاٹس کی صورت میں بکھری ہوئی تھیں۔ جو تیزی سے رنگ برنگے موتیوں کی طرح اِدھر اُدھر حرکت کررہے تھے۔

عمارہ نے ان رنگ برنگے ڈاٹس سے بھری فضا کی طرف دیکھا جو کسی بارش کی طرح زمین پر جیسے برس رہے تھے۔ وہ روشنی کے ہوائی موتی جن سے ہاتھ آر پار ہوسکتا تھا ہر سُو پھیلے ہوئے تھے۔

عمارہ نے اپنا چہرہ اوپر کیا اور پھر مسکراتے ہوئے اپنے بازوؤں کی طرف دیکھا جہاں وہ ڈاٹس ادھر اُدھر حرکت کررہے تھے۔ ''Beautifull.....'' عمارہ جیسے اس کی خوبصورتی میں کھوگئی۔

عارفین نے اپنے دونوں بازو سیدھے پھیلائے ہوئے جو شیلے انداز میں کہا۔ ''یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کسی نے ہمارے اوپر موتیوں کی بارش کردی ہو۔ کیا یہ ہے کیا۔''

اسامہ اور ساحل خاموش کھڑے مبہوت نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے ان کی زبان سے کوئی حرف ادا نہیں ہوا تھا۔

ابھی وہ روشنی کے ان ڈاٹس کے بارے میں کوئی رائے بھی قائم نہ کر پائے تھے کہ وہ رنگ برنگے ڈاٹس رنگ برنگی خوبصورت تتلیوں میں بدل گئے۔

''اوہ میرے خدایا مجھے پہلے ہی شک ہو رہا تھا۔'' ساحل اُلٹے قدموں سے پیچھے ہٹنے لگا۔

مگر وہ پیچھے کہاں ہٹا ان کے اردگرد ہر طرف تتلیاں ہی تتلیاں تھیں۔ پوری فضا جیسے تتلیوں سے بھر گئی تھی۔

تتلیاں ان کے بیچ میں اس طرح پھیلیں کہ وہ چاروں ایک دوسرے کی نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ وہ سب سمجھ گئے تھے کہ یہ خوبصورت تتلیاں کسی بڑی آفت کی نشاندہی ہیں۔

ان سب نے ایک دوسرے کو پکارتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی جس کی وجہ سے وہ اِدھر اُدھر بھٹک گئے۔

عمارہ بہت گھبرائی ہوئی تھی، تتلیاں اس کے بازوؤں ہاتھوں اور چہرے پر چمٹ جاتیں اور وہ چیختے ہوئے انہیں ہاتھوں سے اُتارنے لگتی۔

وہ کانپتی ہوئی آواز سے اپنے ساتھیوں کو پکارنے لگی۔ ''عارفین.....ساحل.....'' اچانک کسی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنی طرف کھینچا، وہ کسی کے شانے سے جالگی۔ خوبصورت تتلیوں میں ذرا ذرا سا اسامہ کا چہرہ دکھائی دیا۔ عمارہ کے چہرے پہ خوف کے تاثرات تھے۔

''اسامہ مجھے لگتا ہے کہ ہم لوگ پھنس گئے ہیں۔''

''خدا پر بھروسا رکھو کچھ نہیں ہوگا'' اسامہ نے عمارہ کا ہاتھ تھامے رکھا اور دھیرے دھیرے ان تتلیوں میں سے نکلنے کی کوشش کرنے لگے تھوڑی ہی دیر میں تتلیاں اپنی جگہ چھوڑ کر مخالف سمت میں اُڑنے لگیں۔

وہ شہد کی مکھیوں کی طرح ہوا میں ایک ہی جگہ اکٹھی ہونا شروع ہوگئیں اور پھر ایک خوبصورت لڑکی کے سراپا وجود میں تبدیل ہوگئیں۔ جس نے ایک خوبصورت فراک پہنا ہوا تھا جس میں تقریباً وہ سارے رنگ۔۔۔ تتلیوں میں تھے۔

ساحل نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ''وشاء.....''

وہ اپسرا تھی، آسمان سے اُتری پری جیسی.....اس کا حُسن طلسماتی تھا، آنکھوں میں جیسے ستارے جگمگا رہے تھے چہرے پر جتنا نور تھا اتنی ہی معصومیت بھی تھی۔ پتلی سی کمر، لمبے سیاہ بالوں میں چھپ گئی تھی۔ وہ زمین پر قدم رکھے بغیر ہوا میں اُڑتی ہوئی ساحل کی طرف بڑھی۔

اسامہ اور عمارہ تیزی سے ساحل کی طرف بڑھے اور اسے بازو سے کھینچنے لگے۔ ''ساحل ہم اس سے دور رہو.....اس کی کوئی بات مت سننا'' مگر ساحل جیسے پتھر کا بنا ہوا تھا وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوا وہ بھی وشاء کی بات سننا چاہتا تھا۔ وشاء اس کے قریب آئی اور انتہائی معصومیت سے بولی۔

''جب ہم زندگی میں ایک ہونے لگے تو بھی یہ لوگ ہمارے بیچ میں آگئے اور مرنے کے بعد جب ہماری روحیں ملنے لگیں تو بھی انہوں نے تمہیں میرا نہ ہونے دیا۔

میں چاہوں تو ایک پل میں تمہاری جان لے لوں مگر تم

www.pdfbooksfree.pk

اس وقت تک میرے نہیں ہو سکتے جب تک تم دل سے میری طرف نہ بڑھو۔" یہ کہہ کر دشاء نے اپنے دونوں ہاتھ ساحل کی طرف بڑھائے۔

"تم ان سب کو چھوڑ کر میرے ساتھ چلو، تمہاری خوشی کے لیے میں ان سب کی جان بخش دوں گی....."

ساحل نے شرربار نگاہوں سے دشاء کی طرف دیکھا۔ "شکر ہے کہ تم نے جادو سے مجھے اپنے بس میں نہیں کیا مجھے موقع دیا کہ میں تمہیں اپنے دل کی بات بتا سکوں۔ میں اس جیتی جاگتی دشاء سے پیار کرتا تھا جو معصوم تھی۔ جس کے دل کی کیفیت اس کی آنکھوں میں اُمڈ آتی تھی۔ اس کے اور میرے بیچ میں احساسات کا بندھن تھا۔ مگر تم..... You are witch، میں تم سے نفرت کرتا ہوں تم ہماری جان کیا بخشو گی زندگی بچانے والا تو خدا ہے۔"

ساحل کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہی ہوئے تھے کہ دشاء کی روح روشنی کی سی رفتار میں اس سے پیچھے ہٹی، وہ غصے کی آگ میں دہکنے لگی اس کے خوبصورت چہرے کے زاویے بگڑ گئے، ستاروں سی چمکتی آنکھیں جیسے آگ برسانے لگیں۔

وہ کسی چڑیل کی طرح چنگھاڑی اور اس کے سامنے کے دو دانت کسی وحشی درندے کی طرح لمبے اور نوکیلے ہو گئے۔

ایک بھونچال سا آ گیا۔ پوری فضا گرد آلود ہو گئی۔ درختوں کے جھنڈ اِدھر اُدھر لہرانے لگے اسی گرد آلود فضا میں سفید غبار سا دکھائی دیا جو دشاء کے قریب آنے پر حوریہ کے سراپا وجود میں بدل گیا۔

ساحل، عارفین، اسامہ اور عمارہ نے ایک دوسرے کی طرف بڑھتے ہوئے ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال دیئے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے دفاع کے لیے کچھ کرتے اچانک ہی فضا میں سیاہ غبار نمودار ہوا اور وہ اس قدر تیزی سے پھیلا کہ چند ہی ساعتوں میں اس نے ان چاروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

ان کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ اس سیاہ غبار میں ان کا سانس لینا بھی محال ہو رہا تھا۔ وہ ہاتھوں کو اِدھر اُدھر مارتے ہوئے ایک دوسرے کو ڈھونڈنے لگے۔ بمشکل آواز نکال کر وہ ایک دوسرے کو پکار رہے تھے۔ یہ بہت بڑی بات تھی کہ سیاہ غبار میں وہ حرارت نہیں تھی جو اپنے راستے میں آنے والی چیزوں کو پگھلا دیتی تھی، شاید وہ شیطانی مخلوق ان چاروں کو ابھی مارنا نہیں چاہتی تھی۔

ان کے دل اُچھل کر حلق میں آ گئے جب کسی غیبی وجود نے ان چاروں کو اُٹھا کر ہوا میں اُڑانا شروع کر دیا۔ ان کی چیخیں فضا میں گونجتی رہیں اور پھر تھوڑے ہی فاصلے کے بعد انہیں زمین پر پٹخ دیا مگر وہ چاروں سیاہ غبار کی لپیٹ میں ہی تھے۔ بالکل ایسا تھا جیسے رات ہو گئی ہے سیاہ رات جیسی پورے چاند کے بعد ہوتی ہے۔

وہ سب اپنے اپنے اندھیروں میں کھوئے ایک دوسرے سے بچھڑ گئے تھے۔ وہ اب سانس لے سکتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو پکار رہے تھے مگر جواب میں کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

اسامہ بھی اسی کیفیت میں مبتلا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے خود میں موجود بُرا سرار قوت کا تصور کیا، تھوڑی ہی دیر کے بعد اس کے جسم سے ایک روشنی کی شعاع نکلی اور اس کے آس پاس کا اندھیرا چھٹ گیا۔

عارفین، ساحل اور عمارہ کو بھی اسی طرح کی روشنی کی شعاع دکھائی دی اس کے بعد ان کے آس پاس کا اندھیرا بھی چھٹ گیا۔

ان چاروں نے اپنے اردگرد نظر دوڑائی..... وہ اس جگہ سے زیادہ دور نہیں تھے مگر ایک دوسرے سے بچھڑ گئے تھے۔

عمارہ سب سے زیادہ گھبرائی ہوئی تھی اس کی کمر پر اس کا بیگ بھی نہیں تھا۔ وہ چاروں ہی ایک دوسرے کو پکارتے ہوئے اِدھر اُدھر بھٹکنے لگے۔

عمارہ کا سانس پھول رہا تھا اور زبان بھی خشک ہو رہی تھی۔ ٹانگیں بھی بے جان ہو رہی تھیں اور ایک درخت سے پشت لگائے بیٹھ گئی۔

اسے سامنے سے اسامہ آتا دکھائی دیا تو اس کی جان میں جان آ گئی۔ وہ کھڑی ہو گئی۔ اسامہ نے بھی اسے دیکھا تو دوڑتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

اسامہ اس کے قریب آیا تو اس نے تھکی تھکی آنکھوں سے اسامہ کی طرف دیکھا۔ "مجھے تو لگ رہا تھا کہ ہم زندہ نہیں

www.pdfbooksfree.pk

بچیں گے۔"

"بچانے والا تو خدا ہے ورنہ تو ہم ہمزاد کے حملوں کی زد میں ہیں۔ آؤ میرے ساتھ عارفین اور ساحل کو ڈھونڈتے ہیں۔"

عمارہ ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے آگے بڑھی۔ "میری ٹانگیں بے جان سی ہو رہی ہیں، زبان بھی خشک ہو رہی ہے۔ میرا بیگ بھی کہیں کھو گیا ہے۔"

اسامہ نے عمارہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "آہستہ آہستہ میرے ساتھ آؤ، ساحل اور عارفین کو ڈھونڈتے ہیں۔ وہ بھی زیادہ دور نہیں ہوں گے، مل جائیں گے۔ پھر گاڑی تک جائیں گے، ہو سکتا ہے کہ تمہارا بیگ وہیں گرا ہو اور پانی بھی دیکھ لیں گے۔"

عمارہ مرمری سی آواز میں بولی۔ "پانی تو سارا..."

اسامہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں جانتا ہوں کہ بوتلیں خود بخود خالی ہو گئی تھیں مگر ٹھیک طرح سے دوبارہ دیکھیں گے شاید پانی مل جائے۔"

عمارہ ساحل کا ہاتھ تھامے اس کے ساتھ آہستہ آہستہ چلنے لگی۔

اسامہ عارفین اور ساحل کو پکارتا رہا دونوں انہیں جلد ہی مل گئے۔ ساحل اور عارفین کا بھی سانس پھولا ہوا تھا ان کے بھی جسم نڈھال تھے۔

"میں تو اس اندھیرے کو قبر کا اندھیرا سمجھ بیٹھا تھا بس حساب کتاب والے فرشتوں کا انتظار تھا کہ کہیں سے روشنی کی شعاع اندھیرے میں داخل ہوئی اور ہم اس موت کے اندھیرے سے باہر آ گئے ویسے وہ سب تھا کیا کس نے ہماری مدد کی....." عارفین نے کہا۔

"وہ سب چھوڑو۔ گاڑی تک چلتے ہیں عمارہ کا بیگ کھو گیا ہے۔" اسامہ نے کہا۔

ساحل نے تذبذب کی کیفیت میں کہا۔ "ہمیں یہاں سے جلد از جلد نکلنا چاہیے اور آپ پیچھے جانے کی بات کر رہے ہیں۔"

اسامہ ساحل کے قریب آیا۔ "ہم چاہے آگے جائیں یا پیچھے وہ ہمزاد ہمارا تعاقب کر رہے ہیں وہ ہم پر حملہ کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ زرغام ہماری موت کا حکم سنا چکا ہے۔ عمارہ کے پاس اس کا بیگ ہونا بہت ضروری ہے ہماری گاڑی یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے پھر چلتے ہیں۔" ساحل نے ٹھنڈی آہ بھری۔

عارفین دھڑام سے زمین پر بیٹھ گیا۔ "آپ اور عمارہ بیگ لے آئیں، میں اور ساحل ادھر ہی آپ دونوں کا انتظار کرتے ہیں۔"

ساحل نے اس کا بازو کھینچ کر اسے کھڑا کر دیا۔ "پاگل مت بنو۔ ہم سب کا اکٹھے رہنا ضروری ہے۔"

عارفین بھی ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے ان کے ساتھ چل پڑا۔

انہیں خود سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ ہمزاد ان کے ساتھ کیا کھیل کھیل رہے ہیں۔

اونچے نیچے پتھریلے راستوں پہ چلنا انہیں مزید دشوار لگ رہا تھا اس بھیانک سیاہ غبار نے ان کے جسموں سے توانائی ختم کر دی تھی۔ گھنے درختوں کے چوڑے تنوں نے راستے مزید پیچ دار بنا دیئے تھے۔

عمارہ کا ایک پتھر سے پاؤں پھسلا تو اسامہ نے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا۔ اس کی بانہوں کے حصار میں عمارہ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو اسے ایک سخت مزاج منیجر کے چہرے کے پیچھے پُرخلوص اور ہمدرد انسان کا چہرہ نظر آیا۔ وہ اس کا سہارا لیتے ہوئے دھیرے دھیرے کھڑی ہو گئی۔

انہیں دور سے اپنی گاڑی دکھائی نہیں دے رہی تھی لیکن انہیں اندازہ تھا کہ وہ اب اپنی گاڑی سے زیادہ دور نہیں ہیں۔

ساحل بھی ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے چل رہا تھا کہ ایک دم اس کے جسم میں جھرجھری دوڑ گئی ایک سفید سایہ اس کے قریب سے تیزی سے گزرا ساحل اسے نظر انداز کر کے چلتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد عارفین کے قریب سے بھی ایک سفید غبار تیزی سے گزرا، عارفین کے جسم میں کپکپی دوڑ گئی۔ اس نے سہمی سہمی نظروں سے ساحل کی طرف دیکھا۔ ساحل نے اسے آنکھوں آنکھوں میں اشارہ کیا کہ وہ چلتا رہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہو کے چلنے لگے پھر ایک سفید سایہ ان

www.pdfbooksfree.pk

دونوں کے درمیان سے گزرتا ہوا عمارہ اور اسامہ کے درمیان سے گزر گیا۔

عمارہ چیخ کر اسامہ سے پیچھے ہٹی تو وہ سایہ فضا میں غائب ہو گیا۔ اسامہ نے عمارہ کی طرف دیکھا اور معنی خیز انداز میں کہا۔ ”چلتے رہو ڈر کے رُکو مت ہمیں ان ہمزاد کا سامنا کرنا ہے۔“

عمارہ ڈری ڈری اسامہ کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ وہ جانتے تھے کہ کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے مگر وہ موت کے لیے ذہنی طور پر تیار تھے اس لیے انہیں ہر ڈر کو ختم کر کے آگے بڑھنا تھا۔

”وہ رہی سامنے گاڑی.....“ ساحل نے گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔

وہ چاروں جلد ہی گاڑی تک پہنچ گئے۔ ساحل اور عارفین گاڑی کا دروازہ کھول کر پانی ڈھونڈنے لگے پانی نہیں ملا مگر عمارہ کا بیگ گاڑی کے پاس ہی پڑا تھا۔ عمارہ نے اپنا بیگ کمر پر باندھ لیا۔ گاڑی میں ایک ڈبے میں سیب تھے وہ بالکل ٹھیک تھے۔ عارفین نے چار سیب نکال لیے اس نے تینوں کو ایک ایک سیب دیا اور گاڑی لاک کر دی۔

○.....❖.....○

زرغام اپنے خاص عمل سے فارغ ہونے کے بعد ساجد کو پکارتا ہوا لیونگ روم میں آیا۔ ساجد باہر لان میں بیٹھا ہوا تھا، اس نے زرغام کی آواز سنی تو وہ دوڑتا ہوا اندر گیا۔ زرغام صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ زرغام کے قریب عاجزی سے کھڑا ہو گیا۔ ”صاحب! ناشتہ بنا دوں آپ کے لیے؟“

زرغام نے ہاتھ سے نفی کا اشارہ کیا۔ ”نہیں آج ناشتے کے لیے من نہیں ہے تم ایسا کرو کہ اورنج جوس لے آؤ میں اپنے بیڈروم میں جا رہا ہوں۔“

”جی بہتر.....“ ساجد سر جھکائے کچن کی طرف چل پڑا۔

زرغام اپنے بیڈ سے پشت لگا کے بیٹھ گیا اس کا شیطانی ذہن کچھ پلان کر رہا تھا۔ غصے سے اس کے دماغ کی رگیں پھیل رہی تھیں۔ ”انسانوں کو میں جب چاہوں اپنی شیطانی طاقتوں سے مسل سکتا ہوں مگر یہ ہمزاد (خیام) میری شیطانی طاقتوں کو ناکارہ کر سکتا ہے ایک ہمزاد کا اعلانِ جنگ بہت خطرناک ہو سکتا ہے۔“

زرغام کا دماغ انہی سوچوں میں غروب تھا۔ ادھر ساجد کا ذہن اسے ایک شیطان سے بغاوت پر اُکسا رہا تھا وہ کچن میں بے چینی سے اِدھر اُدھر پھر رہا تھا۔

وہ بہت گھبرایا ہوا تھا اس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے مگر آج اس کے ایمان کی طاقت اسے ایک خناس کی غلامی سے روک رہی تھی۔

اس کا ذہن اسے ایک خطرناک عمل کے لیے مجبور کر رہا تھا مگر اس میں ہمت پیدا نہیں ہو رہی تھی۔

اسامہ، عمارہ، ساحل اور عارفین گاڑی سے تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ انہیں ایک بار پھر وہی سفید سائے دکھائی دیئے جو ان کے قریب آ کر غائب ہو گئے، ایک بار پھر ان کے دل تیزی سے دھڑکنے لگے مگر وہ رُکے نہیں آگے بڑھتے رہے جونہی وہ چند قدم آگے بڑھے وہ سفید سائے پھر نمودار ہو گئے اور ان چاروں کے گرد دائرے کی شکل میں گھومنے لگے۔ ہوا میں معلق اس غیبی مخلوق نے ان چاروں کے گرد جیسے شیطانی طاقتوں کا دائرہ کھینچ دیا۔ ان کے قدم اپنی جگہ گڑ گئے۔

وہ چاروں گھبرائے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے ان کے دماغ بھی جیسے کسی پُراسرار قوت نے جکڑ لیے وہ کچھ پڑھنا چاہتے تھے مگر انہیں کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔

وہ تین سفید سائے آہستہ آہستہ زمین کی طرف بڑھنے لگے اور پھر وہ شاہ، حوریہ اور فواد کے روپ میں تبدیل ہو گئے۔

اس بار ان کا روپ مختلف تھا۔ ان کے جسموں پر کفن تھا، چہرے زندگی کے نور سے عاری تھے وہ بالکل اس طرح تھے جیسے اپنی اپنی قبروں سے اُٹھ آئے ہوں ان کے چہرے کی جلد سفیدی مائل تھی ہونٹ سلیٹی اور آنکھیں سیاہ حلقوں میں دھنسی ہوئی تھیں۔

ان چاروں نے ایک نظر ان کی طرف دیکھا اور اس کے بعد وہ نظریں اوپر نہ اُٹھا سکے۔ فواد کی آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی۔ ”ہمیں غور سے دیکھ لو اس روپ میں اس لیے تمہارے سامنے آئے ہیں کہ کچھ دیر بعد تمہارا بھی یہی حال ہو گا تمہاری موت یقینی ہے مگر تم لوگوں کو تنگ کرنے میں مزا آ رہا تھا

www.pdfbooksfree.pk

مگر اب بس..... تم اپنی زندگیوں کو خیر باد کہہ دو۔"

وشاء اور حوریہ کے بدہیت چہروں پہ شیطانی مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ وہ تینوں اوپر کی طرف اُڑے اور نواد نے انگلی سے ان کی طرف اشارہ کیا، ان کے گرد دائرے کی شکل میں آگ بھڑک اُٹھی۔

ان چاروں نے اس دائرے سے نکلنے کی کوشش کی مگر ان کے قدم جیسے زمین میں گڑ گئے تھے۔ وہ تینوں شیطان ہمزاد فضا میں معلق ان چاروں کی بے بسی پر مسکرا رہے تھے۔

ساجد زرغام کے لیے گلاس میں اورنج جوس ڈال کے کھڑا تھا۔ وہ کیبنٹ کے قریب کھڑا گہری سوچ میں گم تھا۔ اس کا ذہن اسے جس کام کے لیے مجبور کر رہا تھا اس کے لیے وہ خود میں حوصلہ پیدا نہیں کر پا رہا تھا۔ دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے۔

زرغام اپنی گرج دار آواز میں چلایا۔ "ساجد....."

ساجد نے مزید کچھ اور نہ سوچا اس نے کیبنٹ سے زہر کی شیشی نکالی اور چار قطرے اس زہر کے اورنج جوس میں ملا دیئے۔ اس نے جیسے ہی ایک دفعہ اسے مکس کیا اور پھر اورنج جوس لے کر زرغام کے کمرے میں چلا گیا۔

زرغام کپڑے تبدیل کر چکا تھا وہ آئینے کے سامنے کھڑا اپنی شرٹ کے بٹن بند کر رہا تھا۔ اس نے ساجد سے گلاس لیا اور سٹول پر بیٹھ کے جوس پینے لگا۔

جوس پیتے ہوئے اسے کسی قسم کا ناگوار احساس نہیں ہوا مگر تھوڑی ہی دیر میں زہر نے اثر کرنا شروع کر دیا۔ زرغام کا گلا چرنے لگا وہ اپنا گلا تھام کر اکٹھا سا ہو گیا۔ زہر آہستہ آہستہ اس کی رگوں تک پھیل گیا جس سے اس کے پیٹ میں ایسا درد اُٹھا کہ وہ مچھلی کی طرح تڑپتا ہوا سٹول سے نیچے گر گیا..... اس نے اپنی پھٹتی ہوئی سرخ آنکھوں سے ساجد کی طرف دیکھا۔

ساجد سر جھکائے کھڑا تھا اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ مارے تکلیف کے زرغام کی زبان گنگ ہو گئی تھی مگر اس کی آنکھیں ساجد سے سوال کر رہی تھیں کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔

زہر بہت تیز تھا۔ تھوڑی دیر میں ہی وہ زرغام کے سارے خون میں پھیل گیا۔ زرغام کا چہرہ سیاہ ہو گیا، منہ سے جھاگ نکلنے لگی اور پھر وہ ساجد کی آنکھوں کے سامنے ہی تڑپ تڑپ کے مر گیا۔

ساجد اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اچانک ہی کمرے کی چیزیں اِدھر اُدھر گرنے کی آوازیں ساجد کی سماعت سے ٹکرائیں تو اس نے حیرت سے اپنی آنکھوں سے ہاتھ ہٹائے۔

اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں اس کی آنکھوں کے سامنے زرغام کھڑا تھا۔ ساجد نے فوراً زمین کی طرف دیکھا زرغام کی لاش جوں کی توں پڑی تھی۔ سامنے کھڑا ہوا بھی زرغام ہی تھا مگر اس کا جسم ہالنمی اور غیر مرئی تھا اور زندگی سے بھرپور زرغام کی طرح ہشاش بشاش تھا۔

ساجد کے پورے جسم سے کپکپی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ قاتل بن کر اپنے ہی مقتول کے سامنے کھڑا تھا۔ موت سے پہلے ہی زندگی اس کے ہاتھوں سے چھوٹنے لگی تھی۔

زرغام کے اس ہالنمی وجود کی آنکھوں میں وہی غصہ تھا جو موت سے کچھ دیر پہلے زرغام کی آنکھوں میں تھا۔ اس نے ساجد کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا تو ساجد کا جسم روئی کے گولے کی طرح ہوا میں اُڑنے لگا وہ اس کے جسم کو چھت تک لے گیا اور پھر اس نے اپنے ہاتھ کو زور سے جھٹکا دیا، اس نے ساجد کو چھت سے زمین پر پٹخ دیا۔

کمرے کی زمین ساجد کے لہو میں رنگ گئی۔ وہ بوڑھا کمزور شخص ایک ہی جھٹکے میں لقمۂ اجل ہو گیا وہ روحانی جسم جو انتہائی تعیش میں تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے کی طرف بڑھا اور اسے چکنا چور کر کے غائب ہو گیا۔

○.....❖.....○

اسامہ، عمارہ، ساحل اور عارفین بُری طرح آگ کی لپیٹ میں آ چکے تھے۔ اب ان کے جسموں کا آگ سے فاصلہ معمولی رہ گیا تھا۔ فرحا، حمدیہ اور وشاء ان کی اذیتوں پر ہنس رہے تھے۔

ایک ہی ساعت میں نہ جانے ایسا کیا ہوا وہ تینوں غائب ہو گئے اور آگ بھی خود بخود بجھ گئی ان چاروں نے تشکر آمیز نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھا۔

"اس اچانک تبدیلی کا کچھ بھی مطلب ہو سکتا

www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ ہمیں اپنی گاڑی بھی چیک کرنی چاہیے۔'' اسامہ نے کہا۔

''مشکل ہے کہ گاڑی سٹارٹ ہو مگر تم اپنی تسلی کرلو۔'' ساحل نے بے دلی سے کہا۔

اسامہ بڑے یقین کے ساتھ گاڑی کی طرف بھاگا گاڑی کے قریب پہنچ کر اس نے گاڑی میں چابی لگائی۔ گاڑی پہلے سلف سے ہی سٹارٹ ہوگئی۔

''ہرے.....'' اس نے خوشی سے نعرہ لگایا۔

ان تینوں نے گاڑی کی آواز سنی تو وہ بھی دوڑتے ہوئے گاڑی کے قریب آگئے۔

''جلدی سے بیٹھو یہاں سے نکلتے ہیں.....''

اسامہ نے ٹھیک طرح سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ وہ تینوں اپنے اپنے بیگ لے کر پھرتی سے گاڑی میں بیٹھ گئے۔

اسامہ گاڑی کو ہوا میں اڑاتا ہوا وہاں سے نکل پڑا۔ عمارہ کا سر گاڑی کے دروازے سے ٹکرایا تو غصے سے بولی۔

''آہستہ چلاؤ.....کیا کر رہے ہو۔''

''تم سنبھل کر بیٹھو جتنا جلدی ہو سکے ہمیں اس علاقے سے نکلنا چاہیے۔''

پندرہ بیس منٹ کے بعد ہی وہ مین روڈ پر آ گئے، اسامہ تیز سپیڈ سے گاڑی دوڑاتا رہا۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد وہ زرغام کے گھر تک پہنچ گئے۔ یہ ویران اور سنسان علاقہ تھا۔ انہیں اِکا دُکا گھر ہی نظر آئے جو ایک دوسرے سے کافی فاصلہ پر تھے۔ تاحدِ نظر خالی زمینیں ہی زمینیں تھیں جن میں سرکنڈے اور گندم کی فصل کھڑی تھی۔

شیشے اور میٹل سے بنے سلور کلر کے گیٹ کی طرف اسامہ نے اشارہ کیا۔ ''وہ سامنے زرغام کی کوٹھی ہے۔''

''مگر ہم اندر داخل کیسے ہوں گے؟'' عمارہ، اسامہ کے قریب کھڑی ہوگئی۔

''اندر جانے کے بارے میں سوچتے ہیں پہلے تم تینوں اپنی تیاری مکمل کرو اپنے بیگ پہن لو اور اپنی پسٹل لوڈ کرلو..... پھر بتاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اسامہ نے اپنی پسٹل بھی لوڈ کی اور ان تینوں نے بھی اپنی پسٹل لوڈ کرلی۔

ساحل اپنا بیگ سیٹ کرتے ہوئے اسامہ کی طرف بڑھا۔ ''یہ جو کوٹھی کے ساتھ چھوٹا سا فلیٹ ہے.....''

''یہ زرغام کے ملازم ساجد کا فلیٹ ہے۔'' اسامہ نے بتایا۔

''کوئی یہاں سے ایک دم باہر آ گیا اور اس نے ہمیں دیکھ لیا تو.....'' ساحل نے ایک نے ایک بار پھر اس فلیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

''جو ہوگا دیکھا جائے گا فی الحال ہمیں کوٹھی میں داخل ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔''

عارفین نے اسامہ کی جگہ جواب دیا۔ اسامہ نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور پھر ان تینوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ چاروں ایک گھر کی دیوار کی اوٹ میں کھڑے ہوگئے۔

اسامہ نے سرگوشی کے انداز میں بولتے ہوئے زرغام کے گھر کی طرف اشارہ کیا۔ ''سامنے پوری منزل میں دو کمرے ہیں جن میں سے ایک اس کا بیڈ روم ہے اور دوسرا وہ خاص کمرہ جہاں وہ عمل وغیرہ کرتا ہے۔ ہمیں کسی بھی طرح دونوں میں سے کسی بھی کمرے میں داخل ہونا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' یہ کہہ کر ساحل نے عمارہ اور عارفین کو سمجھایا۔ ''بہت احتیاط سے ہمیں اوپر کی منزل میں داخل ہونا ہے۔''

اسامہ نے اپنے بیگ سے رسی نکالی جس کے ساتھ کانٹا لگا ہوا تھا۔

وہ چاروں ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہوئے زرغام کی کوٹھی کے بیک سائیڈ کی طرف بڑھے اسامہ نے بالکونی کی گرل کی طرف کانٹا اُچھالا، پہلی ہی بار میں کانٹا گرل کے ساتھ اٹک گیا۔

اسامہ کو تو اس طرح کے کاموں کی خاص ٹریننگ تھی مگر ساحل اور عارفین نے مٹھیوں اچکاتے ہوئے اوپر کی طرف دیکھا اور پھر عارفین نے لب تر کرتے ہوئے پوچھا۔ ''گرل تو پکی ہے نا.....''

(جاری ہے)

www.pdfbooksfree.pk